(۴۶) نبی پاک ﷺ نے انبیا کی قبروں کی زیارت کی ترغیب بخشی

امام بخاری نے فرمایا: اس باب میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے ارض مقدس یا اس جیسے مقامات میں دفن ہونا پسند فرمایا، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: ملک الموت موسی علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں زور سے طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ پھوٹ گئی ملک الموت نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا: تو نے مجھے ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو موت نہیں چاہتے، تو اللہ نے ان کی آنکھ انہیں دوبارہ واپس فرمائی، اور فرمایا جا کر ان سے کہنا کہ اپنا ہاتھ ایک بیل کے پشت پر رکھیں ان کے ہاتھ میں جتنے بال آئیں گے ہر بال کے عوض ایک سال زندگی ملے گی آپ نے عرض کیا: اے رب پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر موت، عرض کی: تو اس وقت، آپ نے اللہ سے عرض کیا کہ: ایک پتھر پھینکنے بھر ارض مقدسہ کے قریب فرمادے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فلو كنت عنده لأريتكم قبره إلى جانب الطريق عندالكثيب الأحمر".

ترجمہ: "اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور سرخ ریت کے ٹیلہ کے پاس راستہ کے کنارے تمہیں ان کی قبر کی زیارت کراتا"۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر حضرت موسی کی قبر کی معرفت کا کوئی فائدہ نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ ارشاد فرماتے: "اگر میں وہاں ہوتا تو سرخ ریت کے ٹیلہ کے پاس راستہ کے کنارے تمہیں ان کی قبر کی زیارت کراتا۔(۱)

نبی پاک ﷺ اپنی امت کو وہی چیز تعلیم فرماتے ہیں جس میں امت کی بھلائی اور ہدایت وصلاح ہو، آپ کا ارشاد: "میں ضرور تمہیں ان کی قبر کی زیارت کراتا" اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ اس کا سبب زیارت ہی ہے .... گویا اس کا یہ معنی ہے میں تمہیں ان کی قبر ضرور دکھاتا تو ضرور تم اس قبر کی زیارت کرتے ورنہ اس ارشاد کا کیا سبب

(۱) بخاری (۴۴۹/۱)، مسلم (۱۸۴۲/۴) اور ابن حبان (۱۱۳/۱۴، ۱۱۶) نے اس حدیث کی تخریج کی۔

ہےاس پرغور کرنا چاہئے۔

اس مقام پرایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہے:

کہ ارض مقدسہ اور پاکیزہ مقامات میں دفن ہونا مستحب ہے تمام نہ سہی عظیم شارحین حدیث نے یہی قول فرمایا۔

اوراس میں یہ بھی ہے کہ: گزشتہ امتیں اپنے انبیا کی قبریں چھپاتی تھیں اور واللہ اعلم اس کا سبب یا تو یہ ہے کہ وہ توحید میں کمزور تھے، یا اپنے انبیا کی توقیر وتعظیم نہ کرتے تھے۔

اور جب یہودیوں کا یہ حال تھا کہ انھوں نے بہت سارے انبیا کو شہید کیا، اور اس قتل پر وہ فخر کیا کرتے تھے تو پھر ان کے انبیا کی قبریں کیا ان سے محفوظ و مامون رہیں گی، ان کی سرکشی کا عالم یہ تھا کہ کبھی اپنے انبیا کو ان کی قبروں سے نکال کر جلا ڈالتے، اور ان کا مثلہ کرتے، یا ان کے ساتھ اس سے بھی زیادہ شنیع افعال وحرکات کرتے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَيَقْتُلُوْنَ الأَنْبِيَآءَ ﴾ [آل عمران-۳:۱۱۲]

ترجمہ:۔''اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے''

ایک نبی نہیں بلکہ بہت سارے انبیا کے ساتھ انھوں نے یہ شنیع حرکتیں کیں، یہاں تک کہ بعض یہود یہ کہتے ہیں کہ ان حضرات کی قبروں پر نازل ہونے والی رحمت ہم دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے وہ انہیں کھود ڈالتے۔

اس کے برخلاف آپ بنظر دقیق ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانان عالم یا اہل عرب قبروں کی حرمت کا احترام کرتے۔عرب کی طرف جو انبیا مبعوث ہوئے وہ چار رسلان عظام ہیں:

اللہ کے نبی اسماعیل علیہ السلام آپ کی قبر کعبہ میں حجر اسماعیل کے پاس ہے خود ابن تیمیہ کو بھی اس کا اقرار ہے۔

رہا ھود علیہ السلام کی قبر تو وہ معروف ہے اور علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے اس قبر کی جگہ واضح فرمادی ہے جیسا کہ بخاری نے تاریخ میں، اور طبری، اور ابن عساکر نے اس کو آپ سے روایت کیا اور عمر اور بعض

صحابہ سے بھی مروی ہے۔

اور بعض صحابہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر حجر اسود کے قریب ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

اور حضرت صالح کی قبر بھی وہاں فنائے کعبہ میں واقع ہے۔

تفسیر قرطبی (۱۳۰/۲)، تفسیر طبری (۱۹۹/۱) اور در منثور (۴۸۷/۳) مطالعہ فرمائیں۔

رہ گئی امت محمدیہ تو اللہ تعالیٰ نے اسے شرک سے محفوظ رکھا ہے۔ انھوں نے اپنے نبی کی قبر کو جانا اور پہچانا اس میں کسی دو شخص کا بھی اختلاف نہیں، اور نبی پاک ﷺ نے یہ تنبیہ اس لیے فرمائی کہ آپ کی امت پر گزشتہ امتوں کی طرح خطرات نہ تھے، اسی لیے ارض مقدسہ کے پاس اگر نبی ﷺ موجود ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیائے کرام صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبریں انہیں دکھاتے۔

فائدہ:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۰۷/۳) میں کہا: امام بخاری نے فرمایا: ''باب من أحب الدفن في الأرض المقدسة أو نحوها'' یعنی اس باب میں ان حضرات کا بیان ہے جنھوں نے ارض مقدسہ یا اس جیسے مقامات مقدسہ میں دفن ہونا پسند کیا'' زین بن منیر نے کہا: امام بخاری کے ارشاد ''یا اس جیسے مقامات مقدسہ'' سے مراد حرمین کے باقی مقامات ہیں جہاں کا سفر کیا جاتا ہے، اور اسی طرح حتی الامکان انبیا کے مدفن اور شہدا اور اولیا کی قبریں مراد ہیں، تا کہ موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا میں مقامات مقدسہ کے قرب وجوار کی برکت اور وہاں پر نازل ہونے والی رحمت کا حظ وافر حاصل ہو۔

(۴۷) نبی پاک ﷺ نے صالحین کی قبروں کی معرفت کی ترغیب بخشی

ابوداوداورابن ماجہ،اور بیہقی نے مطلب سے روایت کیا کہ: عثمان بن مظعون کے وصال کے وقت آپ کا جنازہ لاکرآپ کودفن کیا گیاتو نبی پاک ﷺ نے ایک شخص کوایک پتھرلانے کاحکم فرمایاتووہ پتھرنہ اٹھاسکے،تو رسول اللہ ﷺ اس ٹھوس پتھر کے پاس تشریف لے گئے اوراپنی دونوں مبارک کلائیوں کوکھولا،کثیر بن زیدفرماتے ہیں مطلب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جس راوی نے مجھے بتایااس نے کہا: جس وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنی دونوں مبارک کلائیوں کوکھولا گویامیں آپ کے دونوں کلائیوں کی سفیدی (تابش وچمک) دیکھ رہاتھا، پھرآپ نے اس پتھرکواٹھاکران کے سرکے پاس رکھااورفرمایا:"**أتعلم بهاقبر أخي و أدفن إليه من مات من أهلي**" میں اس پتھر کے ذریعہ اپنے بھائی عثمان بن مظعون بن جسیب بن وہب قرشی کی قبرکی علامت مقررکرتا ہوں،اوردنیاسے سفرکرنے والےاپنے اہل کو میں یہیں دفن کرتا ہوں۔"(۱)

میں کہتا ہوں:

اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب نبی پاک ﷺ نے ایک ٹھوس بڑاپتھراس لیے رکھا تاکہ اس سے ایک صحابی رسول کی قبرکاعلم ہو،اورآپ اس قبرکی زیارت فرمائیں،بلاشبہ یہ صحابی صالحین میں سے ہیں،توکیا انبیائے کرام کی قبروں کی زیارت ومعرفت بالکل بےفائدہ اوربےسود ہے۔

ابن تیمیہ کی رائے کے متعلق اب آپ خودہی فیصلہ کریں۔

---

(۱) ابوداود(۲۱۲/۳)،ابن ماجہ(۴۹۸/۱)اوربیہقی نے سنن کبری میں(۴۱۲/۳) یہ حدیث تخریج کی۔اوریہ حدیث حسن ہے تین حفاظ حدیث نے اس حدیث کوحسن کہا۔حافظ ابن حجرنے تلخیص الجبیر (۱۳۳/۲)،کنانی نے مصباح الزجاجۃ (۴۰/۲)اوروادیاشی اندلسی نےتحفۃ المحتاج(۲۹/۲)میں اس حدیث کوحسن کہا۔

اورحافظ ابن حجرنےفرمایا:اس حدیث کی اسنادحسن ہےاس اسنادمیں صرف کثیر بن زید ہیں جومطلب سے روایت کرتے ہیں اوریہ صدوق(زیادہ راست گو) ہیں،اورمطلب نے بیان کیا کہ: ایک مخبرنے انہیں یہ خبردی اوران کانام ذکرنہ کیا،اورصحابی کے نام کامبہم ہونامضرنہیں۔

(۴۸) مسلمانوں کا عمل اور ان کا برکت حاصل کرنا

خطیب نے تاریخ بغداد (۱/۱۲۱) میں نقل کیا:

کہ ابویعلی فرا حنبلی نے ایک ایسے شخص کے متعلق بیان کیا جو ابوبکر بن مالک کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اس شخص سے پوچھا گیا آپ وصال کے بعد کہاں دفن ہونا پسند کرتے ہیں تو انھوں نے کہا: قطیعہ میں، اور عبداللہ بن احمد بن حنبل قطیعہ میں مدفون ہیں ــــ اس سلسلے میں عبداللہ کے متعلق پوچھا گیا: تو انھوں نے کہا آپ کے متعلق میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے وہاں دفن کیے جانے کی وصیت فرمائی تھی، اور آپ نے کہا: مجھے صحت کے ساتھ معلوم ہے کہ قطیعہ میں ایک نبی مدفون ہیں، اور اپنے والد کے جوار فیض میں رہنے کی بہ نسبت کسی نبی کے جوار رحمت میں رہنا مجھے زیادہ پسند ہے۔

معجم البلدان للحموی (۱/۱۲۱) بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اور احمد بن عباس سے بھی منقول ہے آپ نے فرمایا: میں بغداد سے نکلا تو میرے سامنے ایک شخص آئے جن پر عبادت کے آثار نمودار تھے انھوں نے مجھ سے کہا: آپ کہاں سے آئے؟ میں نے کہا: بغداد سے، میں وہاں کے فتنہ وفساد کو دیکھ کر اس خوف سے بھاگ آیا کہ کہیں وہاں کے لوگ زمین میں دھنسا نہ دیے جائیں۔ تو انھوں نے فرمایا: آپ بغداد واپس جایئے اور کچھ بھی خوف نہ کیجئے کیوں کہ وہاں چار ایسے اولیاء اللہ کی قبریں ہیں جو وہاں والوں کے لیے تمام بلاؤں سے مضبوط قلعہ ہیں۔

اور احمد بن عباس سے بھی منقول ہے آپ نے فرمایا: میں بغداد سے نکلا تو میرے سامنے ایک شخص آئے جن پر عبادت کے آثار نمودار تھے انھوں نے مجھ سے کہا: آپ کہاں سے آئے؟ میں نے کہا: بغداد سے، میں وہاں کے فتنہ وفساد کو دیکھ کر اس خوف سے بھاگ آیا کہ کہیں وہاں کے لوگ زمین میں دھنسا نہ دیے جائیں۔ تو انھوں نے فرمایا: آپ بغداد واپس جایئے اور کچھ بھی خوف نہ کیجئے کیوں کہ وہاں چار ایسے اولیاء اللہ کی قبریں ہیں جو وہاں

والوں کے لیے تمام بلاؤں سے مضبوط قلعہ ہیں۔ میں نے کہا: وہ کون حضرات ہیں؟ فرمایا: امام احمد بن حنبل، اور معروف کرخی، اور بشر حافی، اور منصور بن عمار۔ تو میں واپس آیا اور ان حضرات کے مزارات کی زیارت کی اور میں اس سال کہیں نہ گیا۔

شیخ ابوبکر نے کہا: ''معروف کی قبر باب الدیر کے مقبرہ میں مشہور و معروف ہے۔ اور آپ کے علاوہ دیگر حضرات کی قبریں باب حرب میں ہیں''۔

اور حافظ خطیب بغدادی نے خود تین چیزوں کے لیے آب زمزم نوش جاں فرمایا ان میں سے ایک چیز یہ تھی کہ بشر حافی کے پہلو میں آپ کو دفن کیا جائے۔

حافظ ابن عساکر نے اسے ذکر کر کے کہا کہ: خطیب بغدادی نے ذکر کیا کہ: جب انھوں نے حج کیا تو آب زمزم تین بار نوش فرمایا اور اللہ عزوجل سے تین حاجتوں کا سوال کیا: بغداد میں تاریخ بغداد بیان کریں، اور جامع منصور میں حدیث املا کرائیں، اور بشر حافی کے قریب مدفون ہوں، آپ کی یہ تینوں حاجتیں پوری ہوئیں۔

مزید تفصیل کے لیے حافظ ذہبی کی **سیر أعلام النبلاء** (۲۷۹/۱۸) اور حافظ سیوطی کی **تذکرة الحفاظ** (۱۱۳۹/۳) مطالعہ کریں۔ اور حفاظ حدیث اور فقہا و اصولیین میں سے ائمہ مسلمین کی کتابیں ان مقامات مقدسہ کے اکتساب برکت سے مالا مال ہیں جہاں صالحین کی قبریں ہیں ہم عنقریب اس سلسلے میں ایک مستقل بحث کریں گے، اور ایسے ائمہ کرام کے اقوال پیش کریں گے جن کا ابن تیمیہ بے حد احترام و اکرام کرتا ہے اور اس قدر کافی ہے۔

وصل اللهم علی سیدنا محمد و آله و صحبه و سلم

(۴۹) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا

شیطان کو یقین سے معلوم ہے کہ انبیاے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں___ جیسا کہ شب اسرا و معراج میں رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات انبیاے کرام سے ملاقات فرمائی___ اور اسے یہ بھی خوب معلوم ہے کہ انبیاے کرام کی دعائیں مقبول و مستجاب ہیں، اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

''و کل دعاء نبي مستجاب'' (ترجمہ:۔''اور ہر نبی کی دعا مستجاب ہوتی ہے'')

شیطان کو اس بات کا خوف ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ کا کوئی امتی دعا کرے، تو نبی پاک ﷺ اس کی دعا پر کہیں آمین نہ فرما دیں اور اس کی دعا مقبول نہ ہو جائے۔

افسوسناک اور غم انگیز بات یہ ہے کہ بعض علما جیسا کہ امام مالک نے یہ فرمایا کہ مقبرہ اور پاک حمام میں نماز پڑھنا اور ذکر و دعا کرنا جائز ہے، پھر ابن تیمیہ آیا اور اس نے یہ دعوی کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس دعا کرنا بدعت محرمہ ہے، اس میں کیا مصلحت ہے؟ یہ ثابت شدہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں امت محمدیہ نے صدق دل اور خشوع کے ساتھ اپنے انبیا کی قبروں کے پاس دعائیں کیں۔ ابن تیمیہ نے اس ثابت شدہ امر کے انکار میں پوری کوشش صرف کی اور افضل الخلق ﷺ کی شان میں کھل کر دریدہ دہنی کی۔ دراصل اسے اس بات کی فکر ہے کہ نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد بھی مسلمانوں کا رابطہ اپنے رسول گرامی وقار ﷺ سے کیوں باقی ہے کہ انہیں خواب میں بھی اپنے نبی کا دیدار پر انوار نصیب ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ نے امت مسلمہ کے اس خواب کی اہمیت گھٹائی، اور ان خواب دیکھنے والوں کو مولفۃ القلوب سے قرار دیا۔ نبی پاک ﷺ کے دیدار کے مسئلے میں اس امر کو ہم نے ذکر کیا، اور بہت سارے علماے امت کی روشن تصریحات گزریں کہ انھوں نے ابن تیمیہ کو سفیہ و بے وقوف اور مبتدع کہا جیسا کہ اس کے احوال کے تحت اس کا ذکر گزرا، یہاں تک کہ علامہ قسطلانی نے اس کے بارے میں فرمایا اور زرقانی نے اس کو برقرار رکھا کہ: جب آپ کو یہ خبر ملی کہ ابن تیمیہ یہ دعوی کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا حرام ہے تو آپ نے فرمایا: ''کیا اس شخص کو ایسی جھوٹی بات کہنے سے حیا

نہیں آتی جو اسے معلوم نہیں'، علامہ زرقانی نے علامہ قسطلانی کے اس قول کو برقرار رکھا۔ اور تقی الدین حصنی جو ملک شام میں نقیب الاشراف ہیں، آپ کا زمانہ ابن تیمیہ کے زمانہ کے کچھ بعد ہے، مصر کے مشہور اسلاف نے آپ کی ''کتاب الاخبار'' داخل درس فرمایا آپ نے بہت ہی واضح لفظوں میں فرمایا: ''میری آنکھوں نے ابن تیمیہ سے بڑا فاجر نہ دیکھا''۔

ابن تیمیہ نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس دعا کا شدت سے انکار کیا جب کہ قبروں کے پاس دعا کرنا جائز ومستحب ہے اس کی روشن دلیل خود رسول اللہ ﷺ کا روشن عمل ہے، آپ کے اصحاب اور آپ کی امت نے آپ کے واضح عمل سے یہی سمجھا کہ قبروں کے پاس دعا کرنا جائز ومستحب ہے اسی لیے انھوں نے حضور کے روضۂ اقدس کے پاس دعائیں کیں جیسا کہ آئندہ سطور میں چھ صحابہ کرام کے بارے میں ہم ذکر کریں گے، اسی طرح سلف صالح اور ائمہ عظام نے اہل بیت اور بعض صالحین کی قبروں کے پاس دعائیں کیں جیسا کہ آ رہا ہے، حضور کا عمل، اور آپ کے اصحاب اور آپ کی امت کا آپ کے روشن عمل سے جواز واستحباب کا سمجھنا اور سلف صالح کا اس پر عمل فرمانا یہ ساری چیزیں اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا جائز ومستحب ہے۔

رہ گیا رسول اللہ ﷺ کا عمل تو امام مسلم وغیرہ نے بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ جب قبروں پر تشریف لے جاتے تو انہیں یہ تعلیم فرماتے کہ یوں کہیں **''السلام علی أهل الدار من المومنين والمسلمين إنا إن شاء الله بكم لاحقون، أنتم لنا فرط، ونحن لكم تبع نسأل الله لنا ولكم العافية''**[1] تمام مومن اور مسلمان قبر والوں پر سلام نازل ہو اور ان شاء اللہ ہم بھی آپ لوگوں کے پاس آنے والے ہیں۔ آپ ہم سے پہلے آئے اور ہم آپ کے بعد آنے والے ہیں، ہم اللہ سے اپنے لیے اور آپ لوگوں کے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

اور امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی پاک ﷺ سے اہل بقیع کی

(۱) بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث صحیح ہے امام احمد (۳۵۳/۵، ۳۵۹)، مسلم (۶۷۱/۲) نسائی (۶۵۷/۱، ۲۶۸/۶) ابن ماجہ (۴۹۴/۱) اور ابن حبان (۴۴۵/۷) وغیرہم نے اسے روایت کیا۔

زیارت کے بارے میں سوال کیا اور عرض کیا: یارسول اللہ میں ان لوگوں سے کیسے عرض کروں؟ آپ نے فرمایا: تم یہ کہو "**السلام علی أهل الدیار من المومنین والمسلمین ویرحم اللّٰه المستقدمین منا والمستأخرین وإنا إن شاء اللّٰه بکم لاحقون**"(۱) تمام مومن اور مسلمان دیار والوں پر سلام نازل ہو اور ہم سے سبقت کرنے والوں اور بعد میں آنے والوں پر اللہ رحم فرمائے۔ اور ان شاء اللہ ہم بھی آپ لوگوں کے پاس آنے والے ہیں۔

ترمذی وغیرہ نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کی قبروں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف رخ اقدس فرما کر ارشاد فرمایا: "**السلام علیکم یاأهل القبور یغفر اللّٰه لنا ولکم أنتم سلفنا ونحن بالأثر**"(۲) اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے پہلے آئے اور ہم بعد میں آنے والے ہیں۔

میں کہتا ہوں:

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو چیزوں کی طرف راہ نمائی فرمائی:

۱۔ حضور نے اپنے لیے دعا فرمائی اور فرمایا: "ہم اللہ سے اپنے لیے سوال کرتے ہیں" اور "اللہ ہماری مغفرت فرمائے" اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ تعلیم فرمایا کہ اپنے لیے اور تمام امت کے لیے دعا فرمائیں جیسا کہ کلمہ "**والمستأخرین**" (بعد میں آنے والوں کے لیے) اس پر روشن دلیل ہے، قبروں کے پاس دعا کے مسئلہ میں یہ حدیث محکم اصل کا درجہ رکھتی ہے۔

۲۔ نبی پاک ﷺ نے صرف انہیں کے لیے دعا نہ فرمائی بلکہ ان سے پہلے اپنے لیے دعا فرمائی اس پر غور وفکر کرنا چاہئے اور متنبہ ہونا چاہئے۔

---

(۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث صحیح ہے جسے امام احمد (۶/۲۲۱)، مسلم (۲/۶۷۰)، نسائی (۱/۶۵۵)، ابن حبان (۱۶/۴۶) اور بیہقی نے کبریٰ میں (۴/۷۹) روایت کیا۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث حسن ہے ترمذی نے یہ حدیث تخریج کی (۳/۳۶۹) اور کہا: حسن غریب ہے۔ اور ضیاء مقدسی نے المختارۃ (۹/۵۴۱) اور طبرانی نے کبیر میں (۱۲/۱۰۷) یہ حدیث تخریج کی۔

(۲) حضور نے صرف رحمت ومغفرت ہی کی دعا نہ فرمائی بلکہ اللہ عزوجل سے سب کی عافیت کا سوال فرمایا جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ دعا کا جواز دعائے رحمت ومغفرت وعافیت وغیرہ سب کو عام ہے چاہے مقابر میں موجود لوگوں کی حالت یا مردوں کے لحاظ سے ہو۔

بلکہ ابومویہبہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث اس امر پر دال ہے کہ صرف دعا ہی نہیں بلکہ تکلم وخطاب بھی جائز ہے چاہے یہ خطاب زندہ لوگوں سے ہو یا مردوں سے۔ امام احمد نے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ ابومویھبہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے آدھی رات میں بیدار کیا اور فرمایا: ''اے ابومویھبہ! مجھے اہل بقیع کے استغفار کا حکم ہوا ہے اس لیے میرے ساتھ چلیے میں حضور کے ساتھ چلا جب آپ اہل بقیع کے درمیان کھڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا: ''اے قبر والو! تم سب پر سلامتی ہو تمہیں تمہاری صبح دوسروں کی صبح سے مبارک ہو۔ کاش تمہیں معلوم ہوتا اللہ نے کس فتنہ سے تمہیں نجات بخشی، تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے نمودار ہوئے پہلے فتنہ کے پیچھے آخری فتنہ تھا، آخری فتنہ پہلے فتنہ سے بدتر تھا'' ابومویھبہ نے فرمایا: پھر حضور نے میری طرف رخ انور فرما کر ارشاد فرمایا: ''**یاأبامویھبة إني قد أوتیت مفاتیح خزائن الدنیا والخلد فیھا ثم الجنة وخیرت بین ذلک وبین لقاء ربي عزوجل والجنة**'' اے ابومویھبہ! مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور دنیا میں عرصہ دراز تک رہنا پھر جنت عطا کی گئی اور مجھے ان چیزوں اور اپنے رب عزوجل کی ملاقات اور جنت کے درمیان اختیار بخشا گیا'' ابومویھبہ نے عرض کیا: حضور پر میرے باپ اور میری ماں قربان آپ دنیا کی کنجیاں اور اس میں عرصہ دراز تک رہنا پھر جنت قبول فرمالیں اس پر حضور نے فرمایا: ''**لا واللہ یاأبامویھبة لقد اخترت لقاء ربي والجنة**''۔ ''نہیں اے ابومویھبہ! خدا کی قسم میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو ترجیح دی'' پھر اہل بقیع کے لیے استغفار فرما کر واپس تشریف لائے اس کے بعد حضور اقدس ﷺ اس درد میں مبتلا ہوئے جس میں صبح کے وقت اللہ عزوجل نے آپ کو اپنی بارگاہ میں بلا لیا۔[1]

---

(۱) ابومویھبہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث امام احمد (۴۸۹/۳) اور ابن ابی عاصم نے الاحاد والمثانی (۳۴۳/۱، ۳۴۴) میں تخریج کی اور دیگر محدثین نے بھی تخریج کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۴/۹) میں کہا: اس کو احمد اور طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا اور ان دو سندوں میں سے ایک سند کے رجال ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں:

اس حدیث سے یہ بھی انکشاف تام ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اہل بقیع کی زیارت اوران کی دعا کا قصد فرمایاان روشن حقائق سے ابن تیمیہ کے اس جھوٹے دعوی کی حقیقت اظہر من الشمّس ہوگئی کہ:''مردوں کی دعایااپنی دعاکے لیےقبروں کے پاس جاناممنوع ہے''۔

نماز جناز ہ میں چوتھی تکبیر کے بعد دعا کے سلسلے میں جوآ ثاروارد ہیں ان میں اگرکوئی غور وفکر کرے گا تواس پر یہ واضح ہوگا کہ انسان کا اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرنا جائز ہے تمام مشہور ائمہ ابوحنیفہ، و مالک، وشافعی، واحمد وغیرہم اسی پر ہیں، اوراس دعا کے ضمن میں یہ ہے کہ اے اللہ! تو ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ فرما، اوران کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال۔اس کے علاوہ دوسرے کلمات بھی وارد ہیں۔ہر شخص جانتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے مقابر میں نماز جنازہ پڑھائی جیسا کہ امام بخاری ومسلم نے اسے روایت کیا۔اور یہ جمہور ائمہ مالک اورشافعی اوراحمد وغیرہم کا مذہب ہے، فقہ واحکام کی ساری کتابیں اس کے ذکر سے مالا مال ہیں۔

(۵۰) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کم از کم ۶ / چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دعا فرمائی

رسول اللہ ﷺ کے محبوب حضرت اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما، اور انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ، اور بلال بن عامر مزنی، اور عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہما، اور بخاری و مسلم میں وارد ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے حجرہ میں نبی پاک ﷺ کی قبر اطہر کے پاس تسبیح پڑھی اور آپ پر درود بھیجا اور دعا کی۔

رسول اللہ ﷺ کے محبوب اسامہ بن زید

عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے کہا: میں نے اسامہ بن زید کو حجرہ عائشہ کے پاس دعا کرتے دیکھا اتنے میں آپ کے پاس مروان آیا اور آپ سے ایک بات کہی تو حضرت اسامہ نے فرمایا: ''سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالی فحش گو اور بدکلام کو ناپسند و مبغوض رکھتا ہے'' اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (۱)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما

عبداللہ بن دینار نے فرمایا: میں نے عبداللہ ابن عمر کو دیکھا آپ نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر آپ پر سلام پیش کیا اور دعا کی پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے لیے دعا کی۔ (۲)

انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ

عبداللہ بن منیب بن عبداللہ بن ابوامامہ اپنے باپ سے راوی انھوں نے فرمایا: میں نے انس بن مالک

(۱) طبرانی نے کبیر میں اس حدیث کو روایت کیا (۱/۱۲۶) اور ضیا مقدسی نے المختارۃ (۴/۱۰۵) میں اسے صحیح کہا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۶۴، ۶۵) میں کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) بیہقی نے سنن کبری (۵/۲۴۵) میں اس حدیث کو روایت کیا۔

کو دیکھا آپ نبی پاک ﷺ کی قبر کے پاس آ کر کھڑے ہوئے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ نے نبی پاک ﷺ سے مدد طلب کی پھر واپس تشریف لائے۔[1]

اس حدیث کے رجال پر گفتگو:

بیہقی کے شیخ ابو سعید بن عمرو (محمد بن موسی بن فضل نیشاپوری) ہیں علامہ ذہبی نے "سیر أعلام النبلاء" (۱۷/۳۵۰) میں آپ کے بارے میں ذکر کیا: آپ شیخ ثقہ مامون ہیں، اور ابو عبداللہ صفار (محمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی): ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۵/۴۳۷) میں کہا: شیخ امام محدث مقتدا (پیشوا) ہیں۔ اور حاکم نے کہا: محدث مقبول الدعوہ ہیں۔ اور ابو بکر بن ابی الدنیا (عبداللہ بن محمد بن عبید) صاحب المصفات الحسان ہیں، ابن ابو حاتم نے کہا: میں نے اپنے والد کے ساتھ ان کی روایت کردہ حدیث لکھی، اور میرے والد نے کہا: وہ بغدادی صدوق ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۵/۱۶۳) اور ابن جوزی، اور ذہبی، اور ابن کثیر، اور ابن حجر، اور سخاوی نے انہیں ثقہ کہا۔ (مقدمۃ کتاب الصمت ص ۶۱ مطالعہ کیجئے)۔ اور حسن بن صباح بن محمد بزار، احمد بن حنبل نے کہا: ثقہ صاحب سنت ہیں۔ اور ابو حاتم نے کہا: صدوق (زیادہ راست گو) ہیں (تہذیب الکمال ۶/۱۹۳، ۱۹۴) اور معن بن عیسی قزاز، ابن حجر نے کہا: ثقہ ثبت ہیں (التقریب ۶۸۲۰) اور عبداللہ بن منیب بن عبداللہ بن ابوامامہ، نسائی نے کہا: ان میں کوئی حرج نہیں، اور ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا: (تہذیب الکمال ۱۶/۱۷۷) اور ابن ابو حاتم نے الجرح والتعدیل (۵/۱۵۲) میں عبداللہ بن حسن سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا: "عبداللہ بن منیب ثقہ ہیں" اور منیب بن عبداللہ بن ابوامامہ، ابن حجر نے تقریب (۶۹۱۹) میں کہا: مقبول ہیں۔ اور ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا۔ (الثقات ۷/۵۰۹) اور ذہبی نے الکاشف (۲/۲۹۸) میں کہا: وہ قابل وثوق اور لائق اعتماد ہیں۔

بلال بن حارث مزنی

ابن ابو شیبہ، بیہقی اور ابن عساکر کی روایت کردہ اثر صحیح میں ہے: مالک دار نے فرمایا کہ آپ حضرت

(۱) بیہقی نے شعب الایمان (۳/۴۹۱) میں اس حدیث کو روایت کیا اور اس کی اسناد حسن ہے۔

عمر کے خازن طعام (غلہ) تھے عمر کے زمانہ میں لوگ قحط میں پڑ گئے ایک شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے استسقا (بارش اور پانی طلب) فرمائیں کیوں کہ لوگ ہلاک ہورہے ہیں اس شخص کو خواب میں بتایا گیا ''عمر سے جا کر سلام کہنا اور انہیں یہ خبر دینا کہ تمہیں بارش سے سیراب کیا جائے گا اور ان سے یہ بھی کہنا تم پر عقل ودانائی اور فہم وزیرکی اور کاموں میں سنجیدگی لازم ہے اس شخص نے آکر عمر کو خبر دی تو حضرت عمر نے اشک آلود آنکھوں سے عرض کیا اے پروردگار! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر جو میرے بس سے باہر ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا کہ یہ شخص بلال بن حارث مزنی ہی ہیں بالفرض اگر کوئی دوسرے شخص ہیں تو کم از کم وہ تابعین کبار سے ہیں جنھوں نے حضرت عمر کو خیر وسنت کے زمانہ میں پایا۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ

امام نووی نے عقبہ بن عامر صحابی کے احوال کے تحت (تہذیب الاسماء واللغات ۱/۳۰۸-۳۰۹) میں کہا:

عقبہ بن عامر صحابی رضی اللہ تعالی عنہ فتح دمشق میں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے قاصد اور پیغام رساں تھے آپ سات دن میں مدینہ منورہ طیبہ پہنچے، اور وہاں سے ڈھائی دن میں شام واپس آئے۔ اور آپ نے مدینہ میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ کے وسیلہ سے دعا کی کہ مجھے میرے منزل مقصود کے قریب فرمادیں۔

(۱) ابن ابی شیبہ (۶/۳۵۶ نمبر ۳۲۰۰۲) نے دلائل النبوۃ، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۴/۳۴۵)، (۵۶/۴۸۹) میں اسے روایت کیا اور یہ حدیث صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲/۴۹۵-۴۹۶)، ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۷/۹۱-۹۲) میں اور محدث غماری (الرد المحکم ص ۵۲، ۵۳) نے اسے ذکر کیا۔ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر سے استسقا کے مسئلہ میں اس حدیث کی تعلیقات دیکھنی چاہئے۔

سلف اور ائمہ محدثین کے افعال

(۱) ابن ابو فدیک :

میں نے بعض ملاقات کرنے والوں سے سنا انھوں نے فرمایا: ہمیں یہ خبر ملی کہ جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت کریمہ تلاوت کرے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [الاحزاب-۵۶۳۳]

ترجمہ:۔''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔

اور یہ کہے صلی اللہ علیک یا محمد (اے محمد ﷺ آپ پر اللہ رحمت فرمائے) ستر مرتبہ یہ آیت کریمہ تلاوت کرنے پر ایک فرشتہ جواب دیتا ہے اے فلاں! اللہ نے تم پر فضل وانعام فرمایا تمہاری کوئی حاجت ناکام نہ ہوئی۔[۱]

(۲) حافظ ابن ابو عاصم (۲۰۶-۲۸۷ھ):

ابن ابو عاصم جو ائمہ محدثین سے ہیں انھوں نے اپنی کتاب الاحاد والمثانی (۱۶۳/۱) میں کہا کہ: طلحہ بن عبید اللہ کے لیے ستر ہزار درہم کے عوض ایک مکان خریدا گیا۔ یہ وہ مکان ہے جہاں دونوں ہجرت کے وقت آپ کی قبر تھی میں نے ارباب علم وفضل کی ایک جماعت کو دیکھا جب انہیں کوئی غم ومصیبت لاحق ہوتی آپ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر آپ کی بارگاہ میں ہدیۂ سلام پیش کرتے، پھر آپ کی بارگاہ میں دعا کرتے اور اجابت سے شادکام ہوتے۔ ہمارے قدیم مشائخ نے ہمیں یہ خبر دی کہ ان حضرات نے پیش رو علما وفضلا کو بھی ایسا ہی کرتے دیکھا۔

(۱) بیہقی نے شعب الایمان (۴۹۲/۳)، اور حافظ حمزہ سہمی نے تاریخ جرجان (۲۲۰/۱) میں اس کو روایت کیا۔ اور حافظ سیوطی نے درمنثور (۵۷۰/۱-۵۷۱) میں اس کو ابن ابی الدنیا کی طرف منسوب کیا۔

حافظ ابونعیم نے معجم الصحابہ (۳۳۴/۱) میں ابن ابو عاصم سے اسے روایت کیا۔

(۳) امام الائمہ ابن خزیمہ (۲۲۳-۳۱۱ھ):

حاکم نے تاریخ نیشاپور میں کہا: میں نے ابوبکر محمد بن مؤمل بن حسن بن عیسی سے سنا آپ نے فرمایا: ہم لوگ امام المحدثین ابوبکر ابن خزیمہ اور آپ کے عدیل (ہمسر وہم مرتبہ) ابوعلی ثقفی کے ساتھ اپنے مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ طوس میں علی بن موسی رضا کے مزار اقدس کی زیارت کے لیے وافر تعداد میں نکلے میں نے ابوبکر بن خزیمہ کو دیکھا اس خاک مقدس کی بے پناہ تعظیم فرماتے اور وہاں حیرت انگیز تواضع وتضرع فرماتے۔''

یہ ابن خزیمہ وہی ہیں جنہیں ابن تیمیہ نے ۱۶/ بار امام الائمہ کے لقب سے ذکر کیا اور یہ کہا: ابن خزیمہ رضی اللہ تعالی عنہ۔[1]

(۴) ابن حبان (۳۵۴ھ):

ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات (۴۵۷/۸) میں علی بن موسی رضا کاظم، بن جعفر صادق، بن محمد باقر، بن علی زین العابدین، بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر اطہر کا ذکر کرتے ہوئے کہا: آپ کی قبر نوقان کے باہر سناباذ میں مشہور ہے رشید کی قبر کے بغل آپ کا مزار اقدس ہے میں نے بارہا اس کی زیارت کی ہے۔ طوس میں قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل درپیش ہوئی میں نے علی بن موسی رضا صلوات اللہ علی جدہ وعلیہ کی قبر کی زیارت کی اور اللہ سے اس مشکل کے ازالہ کے لیے دعا کی میری دعا مقبول ومستجاب ہوئی اور میری وہ مشکل ٹل گئی ،بارہا میں نے اس کا تجربہ کیا تو ایسا ہی (مقبول ومستجاب) پایا اللہ عزوجل حضور اقدس ﷺ کے اہل بیت کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔

---

(۱) ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب (۳۳۹/۷) مطالعہ کریں، ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''بیان تلبیس الجهمية'' (۵۲۸/۲) میں ابن خزیمہ رضی اللہ تعالی عنہ کہا: اور اپنی کتاب ''العقيدة الأصفهانية (۹۷/۱) اور درء التعارض (۲۶۴/۶) اور بیان تلبیس الجہمیۃ (۴۲/۲) اور اجتماع الجیوش الإسلامیۃ (۱۱۶/۱-۱۱۷) اور الصفدیۃ (۲۶۷/۱) اور مجموع الفتاوی (۱۹۲/۳، ۵۲/۵، ۱۳۸/۵، ۵۲۲/۶، ۵۶/۱۷، ۱۷۹/۳۳) اور اپنی کتاب منہاج (۴۲۳/۱) اور الفتاوی الکبری (۱۵۴/۵، ۲۴۶/۵) میں سولہ (۱۶) مرتبہ آپ کو امام الائمہ کے لقب سے ذکر کیا۔

یہ بات بھی معروف ومشہور ہے کہ بادشاہ سبکتگین والی بلخ وغزنہ وغیرہ (۳۸۷ھ) دشمنان اہل بیت کرام سے تھا جب طوس پر اس کی حکومت ہوئی تو اس نے علی بن موسی رضا کے مزار اقدس کو ویران وبرباد کیا، اور آپ کے مزار کی زیارت کرنے والوں کو شہید راہ محبت کیا جب اس کا بیٹا محمود تخت نشین ہوا تو اس نے خواب میں علی رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا آپ نے فرمایا: کتنے لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا تو اس نے مزار کو تعمیر کرایا اور اس کی طرف اس کے اوقاف واپس کردیے جیسا کہ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا۔

(۵۰۰/۱۶)''بادشاہ محمود بن سبکتگین نے اپنے والد کی بدعت کے بعد مذہب اہل سنت وجماعت کو فروغ دیا یہاں تک کہ خود ابن تیمیہ نے بار بار آپ کی تعریف کی اور مجموع الفتاوی میں آپ کے متعلق کہا:

''بادشاہ محمود سبکتگین اپنے ہم جنس بادشاہوں میں سب سے اچھے بادشاہ گزرے ہیں، ان کی سلطنت میں اسلام وسنت کو غلبہ وفروغ حاصل ہوا، مشرکین اہل ہند سے معرکہ آرائی کی اور عدل وانصاف کا ایسا پرچم لہرایا جو اس سے پہلے نہ لہرایا، ان کے زمانہ میں سنت کا ظہور ہوا اور بدعات کے قلعے مسمار ہوئے۔''

اور درء التعارض (۲۵۳/۶) میں کہا:

''سلطان محمود بن سبکتگین نے برسر منبر اہل بدعات پر کھلم کھلا لعنت کی، اور سنت کو روشن کیا''۔

اور بیان **تلبیس الجهمیة**'' (۳۳۱/۲) میں کہا:

''سلطان محمود بن سبکتگین چودہویں صدی کے آخر میں اسلام، عقل، دین، جہاد اور بادشاہت کے لحاظ سے شاہان مشرق میں سب سے اچھے بادشاہ گزرے ہیں''۔

اور اپنی منہاج (۴۲۹/۳) میں آپ کے متعلق لکھا:

''آپ اچھے بادشاہوں میں سے تھے''۔

میں کہتا ہوں:

تو کیا محمود بن سبکتگین ان مذکورہ اعمال کے سبب کافر یا مشرک تھے؟ ابن تیمیہ تو آپ کی تعریف وتوصیف کرتا ہوا یہ کہتا ہے: کہ ''اسلام، عقل، دین، جہاد اور بادشاہت کے لحاظ سے شاہان مشرق میں سب سے اچھے بادشاہ

گزرے ہیں'' آپ نے تو مزار اقدس کی عمارت تعمیر کرائی اور اس کی طرف اس کے اوقاف واپس کیے اور ان پر وقف فرمائے، سلطان محمود کے ان اعمال میں غور وفکر کریں، اور متنبہ وہوشیار رہیں۔

(۵) امام ابراہیم حربی (۱۹۸-۲۸۵ھ): (۱)

ابراہیم حربی اکابر ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں لوگ آپ کو شیخ الاسلام کے عظیم لقب سے یاد کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل سے آپ کا قیاس وموازنہ کیا جاتا ہے امام احمد بن حنبل نے اپنے فرزند عبداللہ کی تعلیم وتربیت آپ ہی کی روشن شخصیت کے حوالہ فرمائی ابراہیم حربی نے فرمایا: معروف کی قبر تریاق مجرب ہے۔

(۱) ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱۳/۳۵۶، ۳۷۰) میں کہا: ابراہیم حربی شیخ امام، حافظ، علامہ، شیخ الاسلام ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم بن بشیر بغدادی حربی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں ۱۹۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کہا: میں نے دارقطنی سے ابراہیم حربی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ: آپ زہد وعلم وورع کے لحاظ سے امام احمد بن حنبل کے ہم پایہ ہیں، آپ کی مجلس میں تیس ہزار دواتیں ہوتیں، اور مروی ہے کہ ابراہیم نے جب ''غریب الحدیث'' تصنیف فرمائی جو اپنے موضوع پر کامل نفیس کتاب ہے۔ تو ثعلب نے کہا: ابراہیم صاحب غریب الحدیث کے پایہ کا کوئی محدث نہیں پھر آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے ثعلب نے مجلس میں حاضر ہوکر سر تسلیم خم کردیا اور کہا: میرے گمان میں اس پایہ کا کوئی شخص نہیں۔ ابن بشکوال نے اخبار ابراہیم حربی میں کہا: میں نے ابن عتاب کی کتاب سے نقل کیا ابراہیم حربی نیک انسان عالم تھے، آپ کو خبر ملی کہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے کچھ لوگ آپ کو احمد بن حنبل پر فضیلت وترجیح دیتے تھے، آپ نے ان لوگوں کو اس سے خبردار وآگاہ کیا تو سب نے اس کا اقرار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا اس لیے کہ مجھے ایسی شخصیت پر فضیلت دی جس کے متعلق مجھے ذرا بھی شبہ نہیں اور نہ میرا حال ان کے احوال کی طرح ہے خدا کی قسم میں کبھی بھی آپ لوگوں کو کوئی علم نہ سناؤں گا اس لیے اب میرے پاس نہ آنا۔ اور حافظ سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ (۲/۵۸۴، ۵۸۵) میں کہا: کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا مجھ سے میرے والد نے کہا: ابراہیم حربی کے پاس جاؤ وہ تمہیں علم فرائض سکھائیں گے۔ اور خطیب کی تاریخ بغداد، اور طبقات الحنابلہ (۱/۳۸۲) اور صفوۃ الصفوۃ (۲/۳۲۴) اور سیر (۹/۳۴۳-۳۴۴) اور المقصد الأرشد في ذكر أصحاب الإمام أحمد (۳/۳۷) میں آپ کا یہ قول مطالعہ کیجئے۔ اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱۳/۳۵۷) میں کہا: مخلص نے اپنے والد سے روایت کیا انھوں نے کہا اسماعیل قاضی ابراہیم حربی سے ملاقات کے خواہش مند تھے ایک دن دونوں حضرات کی ملاقات ہوگئی اور دونوں میں علمی مذاکرہ ہوا

ابن تیمیہ نے اپنے مشہور طریقہ کے مطابق اپنی کتابوں میں امام ابراہیم حربی کے اس ارشاد پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: یہ بالاتفاق بدعت ہے، عبادت وقربت نہیں۔ اور مجھے معلوم نہیں یہ شخص کہاں سے یہ اتفاق ذکر کررہا ہے، اس سے پہلے اسی ابن تیمیہ نے صحابی جلیل عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہما کو اس لیے مبتدع کہا کہ آپ نبی پاک ﷺ کے آثار اور آپ کی نماز وعبادت گاہوں کی سخت اتباع فرماتے جیسا کہ اس خاص مسئلہ پر ہم روشنی ڈال چکے۔

ابن تیمیہ کا جب یہ حال ہے تو اس کے خوفناک اسلوب اور باطل دعوی سے شدید احتراز اور سخت اجتناب لازم ہے۔ کیوں کہ ابراہیم حربی عظیم علمائے محدثین سے ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں... یہاں تک کہ قاضی اسماعیل جن کی کتاب ''المبسوط'' سے ابن تیمیہ استدلال کرتا ہے___ ابراہیم حربی سے ملاقات کی خواہش رکھتے انھوں نے یہ کہا: ''ابراہیم حربی کا ہم پایہ ہم نے نہ دیکھا''۔

ابن تیمیہ کا حال گزشتہ اوراق سے ظاہر ہے کہ اس نے اور اس کے اصحاب نے ائمہ کرام کے بارے میں کیا کیا کہا کسی نے کافر، کسی نے مبتدع کسی نے دین سے قطبانیت کی طرف خروج کرنے والا کہا۔

حافظ محاملی (صاحب امالی المحاملی ۲۳۵-۳۳۰ھ):

ابوعبداللہ محاملی فرماتے تھے: میں معروف کرخی کی قبر ستر سال سے جانتا ہوں جو بھی غم رسیدہ آپ کے مزار اقدس پر آیا اللہ عزوجل نے اس کا غم دور فرمایا۔(۱)

جب دونوں ایک دوسرے سے رخصت وجدا ہوئے تو ابراہیم سے اسماعیل کے متعلق پوچھا گیا تو کہا: اسماعیل ایک پہاڑ ہیں جس میں روح پھونک دی گئی ہے اور اسماعیل نے کہا: ابراہیم حربی کی طرح میں نے کسی کو نہ دیکھا۔ یہ قاضی اسماعیل وہ ہیں جن کی کتاب المبسوط سے ابن تیمیہ استدلال کرتا ہے جیسا کہ ہم جلد ہی اسے بیان کریں گے۔

(۱) خطیب نے تاریخ بغداد (۱/۱۲۳) میں آپ کے بارے میں اس کو نقل کیا حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۵۸/۱۵،۲۶۰) میں امام محاملی کے احوال میں ذکر کیا جس کا مضمون یہ ہے: محاملی قاضی امام علامہ محدث، ثقہ مسند وقت ابوعبداللہ حسین بن اسماعیل بن محمد بن اسماعیل بن سعید بن ابان ضبی بغدادی محاملی مصنف سنن کی ولادت ۲۳۵ھ کے آغاز میں ہوئی آپ ساٹھ سال تک عراق میں مسند آرائے افتاوافادہ رہے۔ دعلج بن احمد، اور طبرانی، اور دارقطنی،

اورابوعبداللہ بن جمیع اورابن شاہین نے آپ سے حدیث روایت کی،ابن جمیع صیداوی نے کہا: سفیان بن عیینہ کے اصحاب میں سے ستر حضرات قاضی محاملی کے یہاں تھے۔اورابوبکر داودی نے کہا: محاملی کی مجلس میں دس ہزار افراد ہوتے۔ ۳۲۰ھ سے قبل آپ نے عہدۂ قضا سے سبکدوشی حاصل کرلی آپ کے قضا کا دور نہایت عمدہ تھا محمد بن اسکاف نے کہا: میں نے خواب دیکھا گویا کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ عزوجل محاملی کی برکت سے اہل بغداد کی بلاضرور دفع فرمائے گا مزید تفصیل وتحقیق کے لیے تذکرۃ الحفاظ (۳/۸۲۴-۸۲۵) بھی مطالعہ کریں۔

(۵۱) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا، اور دعا کے وقت روضۂ نبوی کی طرف رخ کرنے کے متعلق امام مالک کے مذہب کی تحقیق

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں جن میں کوئی تعارض نہیں۔

(ا) ابن وہب (جو امام مالک کے اجل اصحاب سے ہیں) نے کہا: امام مالک نے فرمایا: جب نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرے اور دعا کرے تو روضہ اقدس کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو، قبلہ کی طرف رخ نہ کرے، اور قریب سے سلام پیش کرے اور روضہ اطہر ہاتھ سے نہ چھوئے۔

اس روایت میں دو نقطے خوب واضح ہیں:

۱) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا۔

۲) روضہ انور کی طرف رخ کر کے دعا کرنا اور نبی پاک ﷺ کی طرف پیٹھ نہ کرنا۔

امام مالک کے نزدیک نبی اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا معروف و مشہور ہے، امام مالک کا مذہب یہی ہے کہ یہ دعا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اس کی دلیل درج ذیل امور ہیں:

الف۔ ابن وہب کی مذکورہ بالا روایت۔ اس مقام پر یہ کہنا کہ امام مالک کے ارشاد میں کلمہ ''دعا'' کا معنی دعا کرنا نہیں بلکہ نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا ہے یہ امام مالک کے کلام کی تحریف معنوی ہے، ابن وہب امام مالک کے اجل اصحاب سے ہیں۔

ب۔ ابن مواز (جو ابن تیمیہ کی ولادت سے کئی صدی پیشتر ۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے) نے یہ تصریح کی: اشہب نے کہا: امام مالک سے کہا گیا جو شخص التزام کرنا چاہے، اس کے متعلق کیا آپ کی یہ رائے ہے کہ الوداع کے وقت غلاف کعبہ سے چمٹ جائے فرمایا: نہیں لیکن کھڑے ہو کر دعا کرے، آپ سے عرض کیا گیا اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کیا یہی حکم

ہے؟ فرمایا: ہاں۔

ج۔ امام نووی نے کتاب رؤوس المسائل میں حافظ ابوموسی اصفہانی سے نقل کیا کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: جب کوئی شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس آنا چاہے تو قبلہ کی طرف پیٹھ کرے اور نبی پاک ﷺ کی طرف رخ کرکے آپ پر درود پیش کرے پھر دعا کرے۔

د۔ مالکیہ کی تمام مشہور ومعروف کتابوں میں یہی تصریح ہے۔ابن مواز کی ''الموازیة'' مالکی مذہب کی قدیم مشہور کتابوں میں ہے اور قاضی عیاض کی کتاب الشفاء،اورابن الحاج کی المدخل،اورابن جزی کی القوانین الفقھیة (۹۵/۱)اورابوعبداللہ مغربی کی مواہب الجلیل (۴۰۰/۳)اورشرح زرقانی،اورعبدالحق اشبیلی، اور ابوالحسن قابسی اورابوبکر بن عبدالرحمٰن، اورعلامہ خلیل کی منسک وغیرہ میں امام مالک کے مذہب کی یہی تحقیق وتصریح موجود ہے۔

ہمارے مواخذے :

کیا فقہ مالکی کی کوئی ایسی کتاب ہے جس میں یہ مذکور ہو کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا مستحب نہیں، یا ممنوع ہے، یا ابن تیمیہ کی ولادت سے پہلے ابوجعفر منصور کے ساتھ امام مالک کا پیش آنے والا واقعہ ضعیف ہے،فقہ مالکی کی کسی کتاب میں کہیں بھی ایسا مذکور نہیں۔

امام مالک کے ساتھ منصور کا جو واقعہ پیش آیا اس سلسلے میں مالکیہ کی کتابیں ان کے مراجع، اوران کی تصریحات دیکھنی چاہئے،قاضی عیاض کی شفا(۴۴۶-۵۳۲ھ) میں ہے:

''محمد بن حمید نے ہم سے بیان فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ابوجعفر منصوراورامام مالک کے درمیان مناظرہ ہوتوامام مالک نے ان سے کہا: اے امیرالمومنین !اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں کیوں کہ اللہ تعالی نے ایک قوم کوادب کا حکم فرمایا اور یہ اشادفرمایا:

﴿ لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ [الحجرات-۴۹:۲]

ترجمہ:۔ ’’اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو‘‘۔

اور اپنے اس ارشاد میں ایک قوم کی مدح فرمائی:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ [الحجرات-۴۹:۳]

ترجمہ:۔ ’’بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس‘‘۔

اور ایک قوم کی مذمت فرمائی جیسا کہ فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ﴾ [الحجرات-۴۹:۴]

ترجمہ:۔ ’’بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں‘‘۔

حضور اقدس کے وصال کے بعد آپ کے احترام کا حکم آپ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کی طرح ہے یہ سن کر ابو جعفر نے فروتنی اور عاجزی کے ساتھ عرض کیا: اے ابو عبداللہ! قبلہ رو ہو کر دعا کروں، یا رسول اللہ ﷺ کے مواجہہ اقدس میں اس پر امام مالک نے فرمایا: حضور اقدس سے اپنا رخ کیوں کر پھیریں گے جب کہ آپ قیامت کے دن اللہ کے حضور تمہارے اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے بھی وسیلہ ہیں، بلکہ آپ کی طرف رخ کر کے دعا کیجئے اور آپ کو اپنا وسیلہ اور شفیع بنایئے اللہ عزوجل آپ کی شفاعت کو قبولیت سے سرفراز فرمائے گا۔

مالکیہ اور جمہور امت نے اس قصہ کو قبول کیا۔ ابن تیمیہ سے پہلے کسی نے نہ اس قصہ کا انکار کیا، اور نہ ہی اسے ضعیف کہا، نہ یہ کہا کہ یہ خلاف شرع، یا امام مالک کے مذہب کے خلاف ہے۔ میرا چیلنج ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے جس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، یا اس کو ضعیف کہا ہو اسے بتایا جائے۔ اس واقعہ کی سند کتنی ہی کمزور سہی اس میں وضع اور کذب کا بالکل شائبہ نہیں۔ ابن تیمیہ نے کہا کہ: محمد بن حمید رازی نے اس قصہ کو وضع کیا جب کہ محمد بن حمید کا حال یہ ہے کہ بہت سارے ائمہ اور علما کی جماعت نے انھیں قبول کیا، بعض حضرات نے انھیں مجروح اور ضعیف کہا۔ امام احمد اور ترمذی اور ابو داود وغیرہما نے ان کی روایت قبول کی ہے۔ اور محمد بن حمید کا سن وصال ابن تیمیہ کی وفات سے بہت پہلے ہے تو کیا یہ متصور ہو سکتا ہے کہ مالکیہ اور امام مالک کے عظیم اصحاب اپنی حیات میں محمد بن حمید کی حکایت پر خاموش رہیں پھر ابن تیمیہ آپ کے وصال کے کئی صدی بعد آئے اور ایسے کذب و وضع

کا انکشاف کرے جسے مالکیہ نے نہ کیا۔(۱)

(۲) (امام مالک کی دوسری روایت) قاضی اسماعیل کی مبسوط میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا: (قاضی اسماعیل کا امام مالک سے لقا قطعا ثابت نہیں) ''اہل مدینہ منورہ میں سے جو لوگ مسجد میں آتے جاتے ہیں ان کے لیے روضۂ اقدس کے پاس ٹھہرنا لازم نہیں یہ حکم صرف غربا (اجنبیوں اور مسافروں) کے لیے ہے اور یہ بھی فرمایا کہ: سفر سے آنے والے یا سفر پر جانے والے کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہوکر آپ پر درود بھیجے، اور اپنے لیے اور ابوبکر وعمر کے حق میں دعا کرے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اہل مدینہ منورہ میں سے کچھ لوگ نہ سفر سے آتے ہیں اور نہ ہی ارادۂ سفر رکھتے ہیں یہ لوگ دن میں ایک بار یا اس سے زیادہ ایسا کرتے ہیں اور بسا اوقات جمعہ یا دیگر ایام میں ایک یا دو بار یا اس سے زیادہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہوکر سلام پیش کرتے اور تھوڑی دیر دعا کرتے ہیں، تو فرمایا: ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں کسی فقیہ کے متعلق مجھے ایسی خبر نہ ملی اور فقہائے مدینہ منورہ کا ایسا نہ کرنا ممکن ہے، اور اس امت کا آخر اسی وقت صالح رہے گا جب کہ اس کا آغاز صالح ہو۔ اس امت کی ابتدا اور اس کے آغاز کے متعلق مجھے

---

(۱) جن حضرات نے محمد بن حمید کو قبول و پسند کیا اور آپ کی تعریف وتوصیف کی ان میں امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین وغیرہما ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ری میں ہمیشہ علم رہے گا جب تک وہاں محمد بن حمید رازی زندہ رہیں گے۔ اور ابن عدی نے کامل میں ذکر کیا کہ: امام احمد بن حنبل نے آپ کی اس لیے ثنائے خیر فرمائی کہ آپ سنت میں تصلب رکھتے۔ اور ابن حجر نے تقریب میں کہا: حافظ ضعیف ہیں۔ اور ابن معین آپ کے بارے میں بہتر رائے رکھتے ہیں۔ اور ذہبی نے کہا: حافظ ہیں، ایک جماعت نے آپ کو ثقہ کہا اور ان کا ترک اولی و بہتر ہے۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا: وہ ثقہ ہیں اور ان کے بارے میں اختلاف ہے اور یہ بھی کہا: وہ ضعیف ہیں، اور ان کی توثیق کی گئی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ واقعہ بعض علما جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین اور ھیثمی وغیرہما کے نزدیک صحیح ہے اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے، اور اگر یہ واقعہ موضوع یا باطل ہوتا تو جنھوں نے محمد بن حمید کی تعریف وثنا نہ کی وہ ضرور آپ پر تشنیع کرتے، اور اس قصہ کو آپ کے مبتدع ٹھہرانے کا ذریعہ بناتے ذرا اس پر غور فرمائیں کہ ابن عدی نے کہا: احمد بن حنبل نے محمد بن حمید رازی کی اس لیے ثنائے خیر کی کہ آپ سنت میں تصلب رکھتے اور اس پر سختی سے عمل پیرا رہتے۔

ایسی خبر نہ ملی کہ ان حضرات کا عمل ایسا رہا ہو اس لیے ایسا کرنا مکروہ ہے ہاں جو شخص سفر سے آئے ، یا سفر کا ارادہ کرے اس کے لیے کوئی حرج نہیں۔

امام مالک کا مذکورہ بالا کلام حد درجہ واضح اور روشن ہے۔ آپ ایک واضح مسئلہ کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں وہ مسئلہ یہ ہے کہ کچھ لوگ نہ سفر سے آتے ہیں اور نہ ہی ارادۂ سفر رکھتے ہیں ایسے لوگ دن میں ایک یا دو بار روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر کچھ دیر دعا کرتے ہیں تو اس سوال کے متعلق آپ نے درج ذیل جوابات ارشاد فرمائے:

۱۔ کسی فقیہ کے متعلق آپ کو یہ خبر نہ ملی کہ انھوں نے ہر روز ایک یا دو مرتبہ یا اس سے زیادہ لمبے عرصہ تک دعا کی۔

۲۔ فقہائے مدینہ منورہ کا ایسا نہ کرنا ممکن ہے، یعنی روضۂ اطہر کے پاس اس کیفیت کے ساتھ اتنے لمبے وقت تک دعا کرنا لازم نہیں، اور جو ایسا نہ کرے شرع میں اس پر کوئی تنگی نہیں اور ایسا شخص نبی پاک ﷺ سے اجتناب واحتراز کرنے والا نہیں۔

۳۔ اگلی امتوں کے بارے میں آپ کو یہ خبر نہ ملی کہ انھوں نے ہفتہ میں ایک یا دو بار اس طویل وقت تک روزانہ دعا کی ہو۔

۴۔ جو لوگ نہ سفر سے آئیں اور نہ سفر پر جائیں ان کے لیے ایسا کرنا صرف مکروہ ہے ، مکروہ اسے کہتے ہیں جس کے کرنے والے کی تعریف نہ کی جائے۔ ہاں جو شخص سفر سے آئے یا سفر کا ارادہ رکھے اس کے لیے حضور اقدس ﷺ کے روضۂ شریف کے پاس محض دعا کرنا جائز ومباح ہے؛

> جب کہ لمبے عرصہ تک اور سابقہ کیفیت پر نہ ہو۔

> سفر پر جانے والوں اور سفر سے آنے والوں کے لیے ایسا کرنا مباح ہے۔

اور اسی سے یہ ظاہر ہے کہ امام مالک نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس دعا کرنے والوں کو مرتکب حرام یا مبتدع نہ کہا، اور آپ نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ مبارک کے پاس کثرت سے آنا اور وہاں لمبے عرصہ تک دعا کرنا مکروہ قرار دیا مگر سفر سے آنے والوں یا سفر پر جانے والوں کے لیے مباح فرمایا اس سے یہ

حقیقت واشگاف ہوگئی کہ امام مالک سے منقول دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

پھر اس مقام پر ایک اہم قابل غور نکتہ یہ ہے کہ: یہ دعا کرنے والے کون حضرات ہیں؟ جواب میں ہے بعض لوگ، یعنی ایک اور دو حضرات نہیں بلکہ کئی حضرات یعنی ایک جماعت وہ بھی اس زمانہ میں جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ شہادت دی کہ تمام زمانوں سے افضل ہے، یہ حضرات کہاں کے رہنے والے تھے؟ اہل مدینہ منورہ تھے، کس کے زمانہ میں؟ مالک بن انس کے زمانہ میں (۹۳-۱۷۹ھ)

نبی پاک کے روضۂ اقدس کے پاس آپ کے مواجہہ اقدس میں دعا کے مسئلہ میں ابن تیمیہ نے کم از کم پندرہ گستاخیاں کی ہیں:

۱) اس نے مجموع الفتاوی (۲۶/۱۴۵) میں کہا:

''قبر کے پاس محض دعا کے لیے نہ کھڑا ہو کیوں کہ یہ بدعت ہے''۔

۲) اس نے مجموع الفتاوی (۲۶/۱۴۶) میں کہا:

''کسی صحابی نے حضور کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اپنے لیے دعا نہ کی''۔

۳) اور مجموع الفتاوی (۲۷/۱۱۰) میں یہ بھی کہا:

''نبی پاک کے اصحاب میں سے کسی صحابی نے کسی نبی کی قبر کے پاس دعا کا قصد نہ کیا، نہ ہمارے نبی، اور نہ خلیل، اور نہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی قبر کے پاس، اسی لیے ائمہ مثلاً امام مالک وغیرہ نے یہ ذکر کیا کہ یہ بدعت ہے''۔

اس کلام کا رد:

الف: ہم ماسبق میں ذکر کر چکے کہ چھ ٦ صحابہ کرام نے دعا کی، ابن ابوفدیک کے اثر مذکور سے ابن تیمیہ کا کلام اور اس کا دعوی ساقط ہو گیا اب اگر ابن تیمیہ کو معلوم نہیں تو یہ ایک مصیبت ہے، اور اگر معلوم ہے تو یہ اس سے بڑی مصیبت ہوئی۔ نبی پاک ﷺ نے تقریباً ایک لاکھ صحابہ کرام کو چھوڑ کر رفیق اعلی کی طرف سفر فرمایا تو کیا ابن تیمیہ کو آپ کے ان تمام اصحاب کے افعال کی خبر ہے۔

ب: ابن تیمیہ نے یہ کہا: ''نبی پاک کے اصحاب میں سے کسی صحابی نے کسی نبی کی قبر کے پاس دعا کا قصد نہ کیا نہ ہمارے نبی، اور نہ خلیل، اور نہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی قبر کے پاس'' یہ اس کا مبغوض اور ناپسندیدہ دعوی ہے جس کے چند وجوہ ہیں؛

اولاً: اس کے اسباب گزر چکے۔

ثانیاً: اس لیے کہ اکثر لوگوں کے نزدیک انبیا کی قبریں یقیناً معروف ومشہور نہ تھیں، یہاں تک کہ امام مالک نے یہ ارشاد فرمایا: مکہ پر مدینہ منورہ کی فضیلت کی ایک وجہ یہ ہے کہ میرے علم میں مدینہ منورہ کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کسی نبی کی قبر معروف ہو۔

امام حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب التمہید ؛۲/۲۸۹) میں امام مالک سے اسے نقل کیا۔

ج: ابن تیمیہ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ وہ کوئی نص پیش کرے جس میں یہ تصریح ہو کہ امام مالک نے یہ فرمایا: نبی پاک کے اصحاب میں سے کسی صحابی نے کسی نبی کی قبر کے پاس دعا کا قصد نہ کیا نہ ہمارے نبی، اور نہ خلیل اور نہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی قبر کے پاس؟، آخر یہ نص کہاں ہے؟ مبسوط کی روایت پر جو تعلیق اور تبصرہ ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

د: ابن تیمیہ نے کہا: ''اسی لیے ائمہ مثلاً امام مالک وغیرہ نے یہ ذکر کیا کہ یہ بدعت ہے''۔

اولاً: یہ بتایا جائے کہ یہ ائمہ کون لوگ ہیں ان کا نام کیوں نہ ذکر کیا؟

ثانیاً: ہم امام مالک کا قول پیش کر چکے امام مالک کے اس کلام میں ''بدعت'' کا لفظ کہاں ہے؟ پھر امام مالک کے علاوہ دوسرے حضرات نے کہاں اسے ذکر کیا؟ ابن تیمیہ کے اس طریقہ پر نظر رکھیں، اور اگر کسی امام نے کوئی ایسا کلمہ کہا ہوتا جو ابن تیمیہ کے فہم میں کسی خطا یا کسی درست امر کا افادہ کرتا تو وہ قیامت قائم کر دیتا۔ ابن تیمیہ سے ہمارا یہ بھی مطالبہ ہے کہ وہ ان حضرات کو بتائے جنھوں نے وہ بات کہی جسے اپنے اس جملہ سے مراد لے رہا ہے ''ائمہ مثلاً مالک وغیرہ نے ذکر کیا'' ابن تیمیہ سے ہمارا یہ مطالبہ اس کی برأت و پاکدامنی کے لیے ہے اس لیے کہ اس

پر یہ الزام ہے کہ وہ قاری کو فریب ودھوکہ دینے اور ملمع سازی کے لیے ایسا کرتا رہتا ہے۔

۴) ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۷/۱۱۷) میں کہا:

''بلکہ ائمہ سلف نے اس پر نص کر دیا ہے کہ دعا کے لیے قبر کے پاس مطلقا کھڑا نہ ہو، جیسا کہ اسماعیل بن اسحاق نے کتاب المبسوط میں، اور قاضی عیاض نے ذکر کیا''۔

رد:

۱۔ گزشتہ اوراق میں گزر چکا کہ چھ صحابہ کرام نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کی۔ کیا یہ صحابہ کرام تمام سلف سے افضل نہیں۔

۲۔ یہ بڑا ہی خطرناک دعوی ہے، اس لیے کہ کلمۂ ''ائمہ سلف'' کا معنی کم از کم ایک جماعت ہے یہ کون لوگ ہیں؟ امام شافعی اور احمد بن حنبل، اور ابوحنیفہ، اور ثوری، اور اوزاعی اور زہری وغیرہم کی تصریحات، اوران کے روشن نصوص کہاں ہیں؟ یہ مبتدعین انھیں پیش کریں اور کبھی نہ پیش کر سکیں گے اگر چہ ایک دوسرے کی مدد کرے۔ ہاں ان سے یہ تو بن پڑے گا کہ فقہیات سے ہٹ کر گالی گلوچ کریں، چیخیں اور چلائیں، خوف ودہشت کا بازار گرم کریں۔ الخ

۳۔ ابن تیمیہ کے کلام کی بنیاد اس پر ہے کہ مبسوط کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ: دعا کے لیے قبر کے پاس مطلقا کھڑا نہ ہو، جب کہ امام مالک سے دو روایتیں منقول ہیں جیسا کہ گزرا پہلی روایت ابن وہب کی ہے جس پر تمام مالکیہ قائم ہیں، اور دوسری مبسوط میں قاضی اسماعیل کی روایت ہے اور جب یہ بات واضح ہے کہ امام مالک سے قاضی اسماعیل کا لقا ثابت نہیں، تو ابن تیمیہ اس دوسری روایت ہی کو کیوں ترجیح دے رہا ہے، علاوہ ازیں خود مبسوط کی روایت بالکلیہ ابن تیمیہ کے فہم کے خلاف دلیل ہے جیسا کہ ہم اس کی توضیح کر چکے۔

۴۔ ابن تیمیہ کیوں کر قاضی عیاض سے استدلال کر رہا ہے؟ آپ اپنے زمانہ میں مالکیہ کے امام تھے، اور رسول اللہ ﷺ سے توسل کرتے آپ ہی نے یہ نقل فرمایا کہ امام مالک نے ابوجعفر منصور کو یہ حکم دیا کہ نبی

پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کے وقت اپنا چہرہ قبرانور کی طرف رکھیں اور آپ کو اپنا وسیلہ بنائیں جیسا کہ اللہ کے نبی آدم علیہ السلام نے توسل فرمایا، قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی ان حضرات میں سے ہیں جنھوں نے یہ نقل فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت مسنون ہے اور اس پر اجماع امت قائم ہے اور یہ نقل فرمایا کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی شی نہ تھی۔ قاضی عیاض وغیرہ کا نقل فرمودہ اجماع جب ابن تیمیہ نہیں مانتا تو پھر کیوں کر قاضی عیاض کے قول سے استدلال کرتا ہے؟

۵۔ امام الائمہ ابن خزیمہ، اور ابن حبان، اور امام ابراہیم حربی، اور ابن ابوفدیک (جو بخاری ومسلم کے رجال سے ہیں)، اور حافظ محاملی سے یہ ثابت ہے کہ یہ حضرات اہل بیت اطہار اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرتے تو کیا رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں دعا کرنا حرام وبدعت ہے؟

﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ [القلم-۶۸:۳۶]

ترجمہ:۔تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو۔

۵) اس نے مجموع الفتاوی (۲۷/۳۲۴-۳۲۵) میں کہا:

''عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حیات میں لوگ آپ کے پاس آتے کوئی حدیث سماعت کرنے، تو کوئی حکم شرع دریافت کرنے، تو کوئی زیارت وملاقات کے لیے آتا مگر کوئی شخص درود اور دعا وغیرہ کے لیے قبر مکرم کے پاس نہ جاتا''۔

رد:

الف: کیا ابن تیمیہ رب العالمین ہے کہ سیدہ عائشہ کے حجرہ میں تمام آنے والوں (جن کی تعداد کبھی سیکڑوں یا ہزاروں ہوتی) کا حال جانتا ہے کہ کسی نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ مکرم کے پاس دعا نہ کی جب کہ گزشتہ سطور میں ہم ذکر کر چکے کہ چھ صحابہ کرام نے دعا فرمائی۔

ب: ابن تیمیہ کے اس کلام کا کذب اس سے ظاہر ہے کہ صحیح سندوں سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ بعض صحابہ

کرام نے نبی پاک کے روضۂ اقدس کے پاس درودوسلام بھیجا،اوراسی طرح چھ صحابہ کرام نے دعا کی،اوربعض صحابہ نبی پاک کے روضۂ اقدس کے پاس اشک آلود ہوئے کیاان روشن حقائق سے ابن تیمیہ کے اس قول کا کذب واضح نہیں ہوجاتا جواس نے کہا:''کہ کوئی شخص درودااوردعاوغیرہ کے لیے قبرمکرم کے پاس نہ جاتا''

ج: مجھے بتایاجائے کہ کیا کوئی ایسامعروف الصدق امام ہے جس نے وہ روایت کیاہوجس کا ابن تیمیہ نے دعوی کیا کہ:''سیدہ عائشہ کے حجرہ میں آنے والے نبی پاک ﷺ کی قبر کے پاس دعا نہ کرتے''۔

کیاابن تیمیہ سے پہلے کوئی ایک بھی ایسامسلمان گزراہے جس نے ابن تیمیہ کا یہ دعوی ذکرکیاہو،قارئین کرام جب آپ اس حجرہ شریفہ میں داخل ہوں گے جس میں نبی پاک ﷺ کا روضہ اطہر ہےتو آپ خوداپنے افعال واحوال مشاہدہ کریں گے آپ کے سامنے جلال کا منظر یا حیرت ودہشت کا سماں ہوگا۔

جب آپ اس مبارک وپاکیزہ سرزمین پراس ذات پاک کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جورفیق اعلی کی طرف خلدآشیاں ہوگئے (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کیا آپ میں قوت گویائی باقی رہے گی،یاآپ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ درودسلام پیش کریں گے۔نبی پاک ﷺ کے کمال قرب کے شدت احساس کے سبب آپ اس سے غافل وبےخبر ہوں گے کہ کیا کریں،جب اللہ عزوجل آپ کے لیے دعا کے دروازے کھول دے گا تو آپ کو خودبخودمعلوم ہوجائے گا کہ اس بارگاہ جلال میں دعا کرنی چاہئے یاابن تیمیہ کی طرح گستاخی ودریدہ ذہنی،اس مکرم بارگاہ سے باہر نکلنے کے بعد جب آپ کے احساس اورشعور وادراک کا یہ حال ہے کہ آپ کی نگاہیں تابش وانوار کے حسین سلسلے سے سرشار ہورہی ہیں تو پھراس شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جوامت مسلمہ کورسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں قیام وسلام اوردعا کی برکت سے محروم رکھنا چاہتاہے....اگرکسی کاشعوروادراک رخصت نہیں ہوگیاہےتووہ بلاشبہہ یہی کہے گا کہ جونبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس دعا کرنے سے روکتاہے وہ واقعی بے فیض اورمحروم انسان ہےاس کا رشتہ اتصال اورقلبی رابطہ اس بارگاہ اعظم سے منقطع ہے،اس کی آنکھوں کے سامنے حجابات حائل ہیں۔اے اللہ! چشم زدن کے لیے آپ کے فیوض وبرکات سے ہمیں محروم ومحجوب نہ فرما۔

اس بارگاہ مکرم میں جب تمہاری یہ حالت وکیفیت ہے تو صحابہ وتابعین اور سلف صالح جو انبیا کے بعد تمام مخلوق میں سب سے زیادہ رقیق القلب اور نرم خو ہیں کیا ان کے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ جب یہ حجرہ عائشہ میں داخل ہوں گے انہیں کوئی چیز نظر نہ آئے گی اور ان کا یہ اعتقاد ہوگا کہ نبی پاک ﷺ روضۂ اقدس میں موجود نہیں ہیں، کیا کسی مومن صادق کا یہ اعتقاد ہوسکتا ہے؟

ہر انسان کو متنبہ و بیدار رہنا چاہئے کہ کہیں غفلت، ظلم و جفا اور سخت دلی اسے بے روح نہ کردے اور اسے ایسا سنگ دل اور سخت جاں نہ بنادے کہ خیر و برکت اور فیض وسعادت سے محروم ہوجائے اور اللہ ہی سیدھی راہ پر قائم رکھنے والا ہے۔

۶) ابن تیمیہ نے کہا:

''ابن عمر حضور کو سلام پیش کرکے واپس ہوجاتے، وہاں کھڑے ہوکر نہ حضور کے لیے دعا کرتے، اور نہ اپنے لیے'' مجموع الفتاوی (۳۲۴/۲۷)

۷) اس نے یہ بھی کہا:

''اور اسی لیے امام مالک نے ابن عمر سے زائد افعال یعنی کھڑے ہوکر حضور کے لیے یا اپنے لیے دعا کرنا مکروہ قرار دیا''۔

رد:

الف: بیہقی نے بسند حسن روایت کیا کہ ابن عمر نے دعا فرمائی جیسا کہ ہم ذکر کر چکے کیا اس سے ابن تیمیہ کا کذب روشن نہیں ہوجاتا۔

ب: کیا کسی نے وہ بات کہی جو ابن تیمیہ نے کہی کہ ابن عمر نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہوکر دعا نہ کی، کیا ابن تیمیہ کو غیب معلوم ہے.....اسے تو یہ کہنا تھا کہ جو روایتیں مجھ تک پہنچیں ان میں مجھے معلوم نہیں لیکن ابن تیمیہ کا اسلوب مغز شستہ ہوا کرتا ہے۔

ج: ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے کہ خود مالکیہ کے نزدیک امام مالک کا مذہب یہی ہے کہ روضۂ اقدس کے

پاس دعا کرنا مستحب نہ سہی مگر جائز ضرور ہے، کیا امام مالک نے یہ فرمایا ہے کہ: ''ابن عمر آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کر کے واپس ہو گئے اور وہاں کھڑے ہو کر نہ حضور کے لیے دعا کی نہ اپنے لیے، یا یہ فرمایا کہ: ابن عمر نے جتنا کیا اس سے زیادہ کرنا میرے نزدیک مکروہ ہے۔

د: یہ ابن تیمیہ کی ترتیب وار مسلسل گستاخیاں اور پیہم اوہام اور خیال بندیاں ہیں یہ اس کا اپنا ذاتی اور من مانی اجتہاد ہے، امام مالک کی رائے ہرگز نہیں ورنہ ابن تیمیہ کے ریزہ خوار اپنی دلیل لائیں یہ امام مالک پر ابن تیمیہ کا کھلا ہوا افترا اور سراسر بہتان ہے۔

۸) اس نے اقتضاء الصراط (۳۴۲/۱) میں کہا:

''متاخرین مصنفین نے مناسک حج میں ذکر کیا ہے کہ جب نبی پاک ﷺ کی قبر کی زیارت کرے تو وہاں دعا کرے''۔

رد:

ابن وہب امام مالک کے اجل اصحاب علمائے متقدمین میں سے ہیں....اور ابن المواز کی ولادت (۱۸۰-۲۶۹ھ) ابن تیمیہ سے پہلے ہوئی، اور ابن وہب ابن المواز سے بہت پہلے ہیں آپ امام مالک کے اکابر اصحاب سے ہیں۔ جب ابن تیمیہ اپنی تحریروں میں ابن عقیل (متوفی ۵۱۵ھ) کو متقدمین میں شمار کرتا ہے (حالاں کہ یہ قطعاً خطا ہے) تو کیوں کر اس سے یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ امام مالک اور آپ کے اصحاب متقدمین سے ہیں؟ ابن تیمیہ نے اپنے سابقہ کلام میں متاخرین کا لفظ ذکر کیا کہ کہیں کوئی اس سے یہ نہ کہے: سلف نے ایسا کیا اور اس بارے میں ایسا فرمایا، کیا یہ ابن تیمیہ کی ملمع سازی نہیں۔

۹) اس نے اقتضاء الصراط (۳۴۲/۱) میں کہا:

''بعض لوگوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ: جس نے ستر مرتبہ آپ پر درود بھیجا اور دعا کی اس کی دعا مقبول ہوتی ہے''

رد:

یہ بھی ابن تیمیہ کا اپنی مخالف رائے پر حملہ کا اسلوب ہے اگر چہ اس کے خلاف رائے صحیح و درست ہی کیوں نہ ہو، اس عبارت کے قائل ابن فدیک (متوفی ۱۹۹ھ) ہیں۔ جیسا کہ ابن سعد نے کہا، اور امام بخاری نے فرمایا: آپ کا وصال ۲۰۰ھ میں ہوا جس سے معلوم ہوا کہ آپ تابعین میں سے ہیں امام بخاری و مسلم نے آپ سے حدیثیں روایت کیں، امام شافعی اور احمد و بخاری سے پہلے آپ کا وصال ہوا۔ ذرا ابن تیمیہ کا اسلوب دیکھیے کیسے کہہ رہا ہے: ''بعض لوگوں نے ذکر کیا'' نہ قائل کا نام ذکر کیا، نہ ان کا مسکن و مقام اور نہ ان کا زمانہ۔

۱۰) ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۱۱۶/۲۷) میں کہا:

''صحابہ و تابعین اور ائمہ و مشائخ متقدمین میں سے کسی نے اطلاق یا تعیین کے ساتھ یہ نہ کہا کہ انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا مقبول ہوتی ہے، اور ان میں سے کسی نے یہ بھی نہ فرمایا کہ: انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرنا اس زمین کے علاوہ کہیں اور دعا کرنے سے بہتر ہے''۔

۱۱) اور اقتضاء الصراط (۳۴۳/۱) میں کہا:

''ہم نے جس امر کی کراہت ذکر کی ہمارے علم میں اس کے استحباب کے متعلق کوئی ایسی چیز منقول نہیں جو قرون ثلاثہ سے ثابت ہو جن کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف فرمائی ہے''۔

۱۲) اور اس نے یہ بھی کہا:

''اگر یہ فعل حسن ہوتا تو متقدمین اس کو ضرور کرتے حالاں کہ انھوں نے اسے نہ کیا''۔

۱۳) اور اس نے یہ بھی کہا:

''اور یہ چیز کسی مشہور امام اور کسی پیشوا عالم سے منقول نہیں''۔

رد:

۱۔ الحمدللہ ہم پہلی اور دوسری اور تیسری صدی کے ائمہ کرام کے اقوال وافعال ذکر کر چکے جن سے ابن تیمیہ کا کذب آفتاب نصف النہار سے بھی روشن ہوجاتا ہے، اور ابن تیمیہ کی ساتویں خطا اور گستاخی کے ضمن میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس سے بھی اس کا کلام ساقط الاعتبار کالعدم ہوجاتا ہے۔ اللہ عزوجل سے ہماری دعا ہے کہ ہمارے اس زمانہ میں ابن تیمیہ کے جو متبعین موجود ہیں انہیں ان یہودیوں کی طرح نہ فرمائے جنھوں نے عبداللہ ابن سلام صحابی کے معاملہ میں اس وقت تعصب وعناد ظاہر کیا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے آپ (عبداللہ بن سلام) کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: وہ ہم میں افضل اور ہم میں سے افضل کے بیٹے ہیں۔ پھر جب ان یہودیوں کو آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا علم ہوا تو انھوں نے کہا: وہ ہم میں بدتر اور ہم میں سے بدتر کے بیٹے ہیں۔ مجھے دراصل یہ کہنا ہے کہ ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن قرون ثلاثہ کی تعریف فرمائی ان سے کہیں اس امر مکروہ کا استحباب ثابت نہیں۔ اگلی تین صدیوں کے ائمہ وعلما کے عمل کی روشنی میں ہم یہ واضح کر چکے کہ ان حضرات قرون ثلاثہ اولی سے اس امر کا جواز واستحباب ہی ثابت ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ جن کے دلوں میں بیماری اور خواہش پرستی ہے اسے لایعنی اور بے کار بات کہیں گے، اور صحابہ اور تابعین کا عمل یک لخت ساقط وکالعدم قرار دیں گے ایسا لگتا ہے ان کے سر صحابہ وتابعین کے سر کے برابر ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ لوگ نبی پاک ﷺ یا صالحین کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنے والوں کو مبتدع اور متہم بالشرک ٹھہراتے ہیں، پھر جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ چند صحابہ اور ائمہ سلف میں سے ائمہ کبار سے یہ ثابت ہے کہ ان حضرات نے روضۂ اقدس کے پاس دعا فرمائی، اور یہ وہ حضرات ہیں جنھیں خود مبتدعین اعتراف واقرار کرتے، اور اکثر ان سے استشہاد بھی کرتے ہیں۔ جب ان حضرات نے نبی پاک اور اہل بیت کے روضہ کے پاس دعائیں کی تو یہ مبتدعین جو محض دعوے کے چند نام رکھتے ہیں وہ امت کی تکفیر اور انھیں مبتدع ٹھہرانے سے کیوں باز نہیں آتے۔ ان مدعیوں کے مذہب پر جن ائمہ کا کفر

مفروض ہے یہ لوگ دوسرے مسائل میں انہیں ائمہ کرام سے استدلال کرتے، اورانہیں بطور سند پیش کرتے ہیں''۔ ﴿سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾

۲۔ کیا چھ صحابہ کرام، اور ابن ابوفدیک، امام مالک، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن ابوعاصم، ابراہیم حربی، ابن قدامہ، ماوردی، قاضی ابوطیب، علامہ نووی اور فقہائے مذاہب اربعہ، وغیرہم ائمہ نہیں ہیں؟ یہ حضرات وہ ائمہ جلیل الشان ہیں جنھوں نے اللہ کی رحمت میں اس وقت پناہ لی جب کہ ابن تیمیہ ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا۔

۳۔ پھر ابن تیمیہ بتائے کہ اس سے پہلے کس نے یہ دعوی کیا اور کہا کہ: متقدمین کا عمل ایسا نہ تھا، کسی نے ایسا نہ کہا۔ واللہ تعالی أعلم

ابن تیمیہ اوراس کے کفش برداروں کے اسلوب سے ہوشیار وآگاہ رہنا چاہئے کیونکہ وہ اپنے قارئین کو یہ ذہن وشعور دینا چاہتے ہیں کہ ان کا حافظہ وعلم حد درجہ وسیع وکشادہ ہے، اوراس مسئلہ میں ان کا کوئی مخالف نہیں، اورتمام علوم واحادیث پرانہیں دسترس حاصل ہے جب کہ یہ سراسران کا دروغ اور جھوٹ ہے۔

۱۴) صالحین کرام کی قبروں کے پاس دعا کے بارے میں اس نے کہا:

''بلکہ اس بارے میں جو کچھ منقول ہے قائل کی طرف جھوٹی نسبت کی گئی مثلا امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ روایت ذکر کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب مجھے کوئی سخت معاملہ پیش آتا ہے تو ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی قبر کے پاس آ کر دعا کرتا ہوں تو دعا مقبول ہوتی ہے یا اس کے ہم معنی کلام یہ ایسی جھوٹی بات ہے جسے نقل کی ادنی سی معرفت رکھنے والا انسان اضطراری طور پر جان لیتا ہے''

رد:

ا۔ امام شافعی سے جو کچھ بھی مروی ہے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۱۲۳/۱) میں اسے روایت کیا ابن تیمیہ نے اس واقعہ کی سند اوراس کے ضعف کا سبب کیوں نہ ذکر کیا؟ کیا حافظ خطیب نے اس واقعہ کو

روایت کر کے کفر وشرک کیا ہے، یا ان لوگوں کے نزدیک یہ معاملہ خوب معروف ومشہور تھا۔

۲۔ چلیے مان لیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے امام شافعی کے توسل کا واقعہ ضعیف ہے ،حالانکہ ہر گز ایسا نہیں،تو پھر موسیٰ رضا کی قبر کے پاس امام الائمہ ابن خزیمہ، یا ابن حبان کی دعا اوران کا توسل کیوں نہ ذکر کیا، اوراسی طرح امام احمد کے اجل اصحاب امام ابراہیم حربی نے یہ فرمایا کہ:'' معروف کی قبر تریاق مجرب ہے'' اسے کیوں نظر انداز کیا۔ جب کہ ابن تیمیہ کو اس بات کا اقرار ہے کہ امام ابراہیم حربی سے جو کچھ منقول ہے وہ صحیح ہے....کیا ان شواہد وحقائق سے ابن تیمیہ کا کلام ساقط وکالعدم نہیں ہوجاتا۔

(۱۵) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط (۳۴۳/۱) میں کہا:

''قبروں کے پاس دعا کا قصد کرنا حرام یا مکروہ ہے اور قبر وغیرہ مقامات کے پاس دعا کی دو قسمیں ہیں: ایک : یہ کہ اتفاقی طور پر ایسے مقام پر دعا حاصل ہوجائے وہاں دعا کا قصد وارادہ نہ ہو جیسے کوئی شخص اپنے راستہ میں اللہ سے دعا کررہا تھا اور اتفاقاً قبروں یا ان کی زیارت کرنے والوں کے پاس سے گزر ہوگیا تو اس نے وہاں سلام پیش کیا، اوراللہ سے اپنے اور مردوں کے لیے عافیت کا سوال کیا جیسا کہ سنت میں وارد ہے تو اس طرح کی دعا میں کوئی حرج نہیں''۔

دوسرے: یہ کہ قبروں کے پاس اس لیے دعا کا قصد وارادہ کرے کہ دوسرے مقام کی بہ نسبت وہاں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے تو اس دوسری قسم کے متعلق نہی وارد ہے یہ نہی تحریم یا تنزیہہ کے لیے ہے اور نہی کا تحریمی ہونا زیادہ قریب ہے۔

رد:

۱۔ ابن تیمیہ کے کذب کی واضح اور روشن دلیل ابو مویھبہ کی حدیث ہے جسے ہم ذکر کر چکے،جس کا حاصل یہ ہے کہ حضوراقدس ﷺ اہل بقیع کے پاس ان کے استغفار کے لیے قصداً تشریف لے گئے آپ کا وہاں تشریف لے جانا اتفاقانہ تھا پھر یہ بھی مشہور ومعروف ہے کہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے وصال

کے بعد ابوبکر پھر عمر ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے اور ان حضرات کے لیے دعا فرماتے۔

۲۔ ابن تیمیہ نے ذکر کیا کہ قبروں کے پاس دعا کی دو قسمیں ہیں یہ تقسیم کس نے کی؟ اور کس نے یہ کہا کہ قبر والوں کی دعائے مغفرت، یا اپنے حق میں دعا کے لیے قبروں کی زیارت نامشروع ہے؟ اگر کوئی یہ کہے کہ بعض متاخرین حنابلہ نے نقل کیا ہے کہ ابن جوزی اور ابن عقیل نے یہ کہا کہ: قبروں کے پاس دعا کے لیے جانا مکروہ ہے۔ تو اس سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ یہ نقول کہاں ہیں؟ انہیں سامنے لایا جائے۔ بر تقدیر صحت ان حضرات کا مقصود یہ ہے کہ قبروں کو قبلہ بنانا مکروہ ہے کیوں کہ خود ابن جوزی نے قبروں کے پاس بہت ساری دعائیں ذکر کیں ہیں اور انہیں صالحین کی کرامتوں میں سے شمار کیا ہے، آپ کی کتابیں اس کے ذکر سے مالا مال ہیں جیسا کہ نبی پاک کی قبر کی زیارت کی مشروعیت کے باب میں ہم نے اسے ذکر کیا ہے۔ ''صفوة الصفوة'' میں ایک عابدہ خاتون کے احوال ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: آپ حضور اقدس ﷺ کے روضۂ مبارک کے پاس مضبوطی سے قائم رہتیں، خود ابن جوزی کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ معروف کرخی کے مزار اقدس کے پاس تدریس فرماتے۔ ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ وغیرہ مطالعہ کیجئے۔

اور ابو شجاع وزیر کا توسل اور دعا اور طلب استغفار ابن جوزی کی کتاب ''المنتظم'' میں منقول ہے۔ اور ابن عقیل کے بارے میں معروف ومشہور اور آپ کی کتاب میں مذکور ہے کہ آپ نبی پاک ﷺ کے روضۂ مبارک کے پاس جب دعا کرتے تو روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے اور وہاں توسل اور دعا کرتے۔

۳۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''ایسی دعا سے نہی وارد ہے'' ہمارا اس سے مطالبہ یہ ہے کہ یہ نہی کہاں ہے.. کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں قبروں کے پاس تمہارے یا مردوں کے لیے دعا کرنے سے تمہیں روکتا ہوں؟ پھر یہ نہی کہاں ہے؟ ابن تیمیہ کے پیدا ہونے سے پہلے مذاہب اربعہ کی کس کتاب میں کس نے

ایسا ذکر کیا؟

ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط (۱/۳۳۷) میں انبیا اور صالحین کی قبروں کو بتوں کے تھان سے تشبیہ دی اور یہ کہا کہ قبروں کے پاس جا کر دعا کرنا کسی بت، یا صلیب، یا کلیسا کے پاس دعا کرنے سے بھی سخت تر ہے۔

رد:

یہ ابن تیمیہ کی کتنی قبیح تشبیہ ہے کیا اس کے نزدیک انبیا، اور اہل بیت، اور صالحین کی قبریں اور بتوں کے تھان اور کلیسا برابر ہیں، یہ جب کہ اس کی مراد تشبیہ ہو لیکن جب ابن تیمیہ ان امور کا قیاس کرے تو اس کا یہ قیاس یا تو صحیح ہے، حالاں کہ صحیح نہیں، یا یہ قیاس باطل قیاس مع الفارق ہے جیسا کہ قیاس باطل کی ایک مشہور قسم قیاس حماری ہے، تو جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر یا اہل بیت کی قبروں کے پاس کی جانے والی دعا کا قیاس بتوں اور صلیبوں کے پاس کی جانے والی دعا سے کرے، اس کا قیاس قیاس کی کون سی قسم قرار دی جائے؟

۱۶) ابن تیمیہ نے امام مالک کے نص میں کھلی ہوئی تحریف کی ہے کیوں کہ ابن وہب کی عبارت میں ایک کلمہ یہ تھا ''ودعا'' (اور دعا کرے) ابن تیمیہ نے اسے صاف اڑا دیا۔ اصل عبارت یوں ہے: قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرے قبلہ کی طرف نہیں۔ ابن تیمیہ نے دعا کا کلمہ اس لیے حذف کر دیا کہ اس کلمہ سے اس کے مذہب کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے علامہ نبہانی نے **شواهد الحق في الاستغاثة بسيد الخلق** (ص: ۱۹۱، ۱۹۲) میں فرمایا:

''ابن تیمیہ کی صحت نقل کے متعلق جن حضرات نے طعن فرمایا حنفیہ میں سے شہاب خفاجی نے شرح شفا میں اور مالکیہ میں سے امام زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں (جیسا کہ ماسبق میں گزرا)، اور شافعیہ میں سے امام سبکی نے طعن فرمایا جیسا کہ آپ کی کتاب (شفاء السقام) میں مذکور ہے۔ ان مذکورہ کتابوں میں ابن تیمیہ کی خطا کی توضیح کے ساتھ اس بات کی بھی توضیح کی گئی ہے کہ یہ ان احکام شرعیہ کو صحیح طور پر نقل نہیں کرتا جن سے اپنی بدعت کی

تایید وتقویت پر دلیل لاتا ہے، اورانہیں علمائے ائمہ مذاہب اربعہ کی طرف منسوب کرتا ہے حالاں کہ وہ ان کا قول نہیں ہوتا، اسی طرح امام ابن حجر ہیتمی نے ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا کہ: یہ شخص احکام شرعیہ کو صحیح طور پر نقل نہیں کرتا، اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ایک عالم میں یہ بہت بڑا عیب، اوراس کی حد درجہ شنیع وقبیح عادت ہے جس کی بنا پر ثقہ انسان ضعیف، اور دوسرے سے نقل میں ساقط الاعتبار اور نالائق اعتماد شمار کیا جاتا ہے اگر چہ ایسا شخص کتنا ہی بڑا اقوی الحافظہ اور بڑا عالم ہو، ابن تیمیہ بعض نقل کے معاملہ میں ساقط الاعتبار ہے اس کی تائید وتقویت اس سے ہوتی ہے کہ حافظ عراقی کبیر نے اس کے حق میں فرمایا: ''اس کا طریقہ کار اوراس کی منطق یہ ہے کہ وہ عاشورا کے دن (۱) عیال پر کشادگی کے ساتھ خرچ کرنے کی حدیث کا انکار کرتا ہے''۔

ہم استعجالاً بعض ان حضرات کا جائزہ پیش کررہے ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ یا اہل بیت کی قبروں کے پاس دعائیں کیں۔

صحابہ میں:

(۱) سیدہ عائشہ، (۲) اسامہ بن زید، (۳) عبداللہ بن عمر، (۴) انس بن مالک، (۵) بلال بن عامر مزنی، (۶) اور عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ہیں۔

---

(۱) اس مقام پر توسع کی حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جسے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

'' من وسع على عياله في النفقة يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته'' (مشکاۃ المصابیح باب فضل الصدقۃ ص ۱۷۰)

ترجمہ: ''عاشورہ کے دن جس شخص نے اپنے عیال پر کشادگی کے ساتھ خرچ کیا اللہ عزوجل پورے سال اس پر کشادگی فرمائے گا''۔ (مترجم)

سلف صالح اور ائمہ حدیث میں:

ابن ابوفدیک، حافظ ابن ابوعاصم (۲۰۶-۲۸۷ھ)، امام ابراہیم حربی (۱۹۸-۲۸۵)، حافظ ابونعیم، امام الائمہ ابن خزیمہ (۲۳۳-۳۱۱ھ)، حافظ ابوعلی ثقفی، ابن حبان (۳۵۴ھ)، حافظ محاملی (صاحب امالی المحاملی (۲۳۵-۲۳۰ھ)، حاکم صاحب کتاب المستدرک، طبرانی، حافظ ابن المقری اور حافظ ابوالشیخ (صاحب کتاب العظمة وغیرہ)

مفسرین:

قرطبی نے اپنی تفسیر (۵/۲۶۵، ۲۶۶) اور ثعالبی (۱/۳۸۶) اور ابن کثیر (۱/۵۲۰-۵۲۱) اور نسفی (۱/۲۳۰، ۲۳۱)

حنفیہ:

کرمانی، کمال ابن الہمام نے فتح القدیر میں (۳/۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱)، ملاعلی قاری، نورالایضاح (۱/۱۵۵) میں علامہ شرنبلالی نے اور تھانوی، اور ابن عابدین نے اپنے حاشیہ میں اور طحطاوی نے۔

مالکیہ:

ابن وہب، ابن مواز، قاضی عیاض (شفا میں)، عبدالحق اشبیلی، ابوالحسن قابسی، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، شہاب قرافی نے ذخیرہ (۳/۳۷۵، ۳۷۶)، علامہ خلیل نے اپنی منسک، قسطلانی، ابن الحاج نے (المدخل)، زرقانی اور ابن جزی نے القوانین الفقهية (۱/۹۵) میں۔

شافعیہ:

اپنے زمانہ کے شیخ الشافعیہ ابومنصور صباغ نے اپنی کتاب الشامل، امام نووی نے المجموع (۸/۲۰۲) میں ذکر کیا اور اس کو قاضی ماوردی سے نقل کیا اور قاضی ابوالطیب، اور سبکی نے شفاء السقام میں اور حافظ ذہبی، اور ابن الملقن نے غایة السول فی خصائص الرسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم (ص:۱۸۳) میں اور سیوطی نے درمنثور (۱/۵۷۰، ۲۳)، اور ابن حجر ہیتمی نے الجوهر المنظم في زيارة القبر المكرم اور حصنی نے دفع شبہ

(ص:١١٥)اور جاوی نے نهاية الزين (١/٢٢٠-٢٢١) میں۔

حنابلہ :

ابن عقیل حنبلی نے اپنے تذکرہ ،عبدالقادر جیلانی (١/١٦١ ۵ھ) نے کتاب غنیۃ ،ابن جوزی نے المنتظم (۲۵۷ھ)(۹۳/۹)،ابن قدامہ مقدسی نے المغنی (٣/٢٩٧-٢٩٨-٢٩٩)،ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ سمری نے المستوعب،ابن مفلح نے المبدع (٣/٢٥٩)اور بہوتی نے کشاف القناع (٢/٥١٦)اور مرداوی حنبلی نے الإنصاف (٤/٥٣-٥٤) میں۔

مورخین:

ابن الاثیر نے الکامل (٨/١٩٥٠٦)،ابن خلکان نے وفیات الاعیان (١٣٦/٥)،ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (١٢/١٥٠-١٥١)اوران حضرات کے علاوہ سیدالانام ﷺ کی امت کے بہت سے ائمہ اعلام نے نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس یا آپ کے اہل بیت اطہار کی قبروں کے پاس دعائیں کیں۔

وصل اللهم على سيدنا محمد وعلى اله وصحبه وسلم

(۵۲) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا

نماز ترک کرنے والے کی تکفیر کے بارے میں ائمہ اربعہ ابوحنیفہ و مالک وشافعی واحمد کا اختلاف ہے حالاں کہ نماز دین کا ستون اور اسلام کا دوسرا اہم و اعظم رکن ہے جس پر اسلام کی بنیاد قائم ہے، تو کیا ان ائمہ کرام اور دوسرے حضرات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے رخ اقدس کے سامنے آپ پر سلام پیش کر کے دعا کرنا چاہے اس پر یہ لازم ہے کہ اپنے کھڑے ہونے کا طریقہ بدل کر قبلہ رو کھڑا ہو، اور نبی پاک ﷺ کی طرف رخ کر کے دعا نہ کرے۔

ابن تیمیہ کا تو یہی دعوی ہے بلکہ اس کے تین دعوے ہیں:

۱۔ پہلا دعوی: یہ سب سے بدترین اور خوفناک ہے، صحابہ نے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں قبلہ رو ہو کر دعا کی جائے اور قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مکروہ ہے۔

۲۔ دوسرا دعوی: سارے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص قبر کی طرف رخ کر کے دعا نہ کرے۔

۳۔ تیسرا دعوی: سب سے عظیم ترین امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔

مجھے معلوم نہیں کیوں ابن تیمیہ لوگوں سے یہ اصرار کر رہا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس آپ کے ساتھ زندہ انسانوں جیسا معاملہ نہ کریں۔ حالاں کہ آپ اپنے روضۂ اقدس میں یقیناً زندہ ہیں جیسا کہ ائمہ اہل سنت و جماعت نے اس پر نص فرمایا۔ غور کا مقام یہ ہے کہ حضور کے رفیق اعلی کی طرف سفر فرمانے سے پہلے آپ کی بارگاہ میں کوئی شخص حاضر ہوتا اور آپ کی حیات ظاہری میں آپ کے پاس دعا کرنا چاہتا تو کیا حضور کی طرف پشت کر کے کر دعا کرتا؟

میرا اعتقاد یہ ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ ایسے شخص پر نفاق کی تہمت لگا کر اس کا سر قلم فرما دیتے۔

امت مسلمہ کی تربیت فرمانے والے ائمہ کرام میں سے کسی امام سے آپ پوچھیں کہ حضور اقدس سید عالم

ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی بارگاہ کے آداب کیا ہیں؟ تو یہی جواب ارشاد فرمائیں گے کہ آپ کے وصال کے بعد وہی آداب لازم ہیں جو آپ کی حیات ظاہری میں تھے ابن تیمیہ کے کفش برداروں کو تو کافی رنج وغم ہوگا۔

پھر ابن تیمیہ کے نیاز بردار جب مسجد حرام میں شریک درس ہوتے ہیں تو ان کے اساتذہ کعبہ رو نظر آتے ہیں اور اس کے کفش برداروں کی یہ جماعت کعبہ مقدسہ کی طرف اپنی پیٹھ کیے شریک درس ہوتی ہے پھر جب یہ لوگ دعا کرنا چاہتے ہیں تو اپنی اسی سابقہ وضع ہی پر رہتے ہیں، اگر اس کے یہ کفش بردار کعبہ رو ہوکر اپنے ائمہ کی طرف پیٹھ کر کے دعا کریں تو ان کی سخت خدمت کی جائے گی۔

ہم ان نیاز برداروں سے پوچھتے ہیں، **مالکم کیف تحکمون؟**

نبی پاک ﷺ کی سنت کریمہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے افعال اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ وفات یافتہ کی طرف رخ کر کے سلام پیش کرنا اور دعا کرنا مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں:

رسول اللہ ﷺ کے فعل سے یہی ظاہر ہے کہ قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مشروع و مستحب ہے جیسا کہ امام مسلم وغیرہ نے بریدہ سے روایت کیا آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ جب قبرستان تشریف لے جاتے تو صحابہ کرام کو یہ تعلیم فرماتے کہ یوں کہیں تمام مومن اور مسلمان گھر والوں کو سلام اور انشاء اللہ ہم لوگ آپ کے پاس آنے والے ہیں آپ لوگ ہم سے پہلے آئے، اور ہم آپ کے پیچھے آنے والے ہیں ہم اللہ عزوجل سے اپنے لیے اور آپ سب لوگوں کے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اور امام ترمذی نے تخریج کی (اور اس کو حسن کہا اور طبرانی اور ضیا نے اس کو صحیح کہا) کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ طیبہ کی قبروں کے پاس سے گزرے آپ نے اپنا رخ انور ان کی طرف فرما کر فرمایا: اے قبر والو! تمہیں سلام اللہ ہماری اور آپ سب لوگوں کی بخشش فرمائے آپ ہم سے پہلے آئے اور ہم بعد میں آنے والے ہیں۔

پہلی حدیث کی دلالت خوب واضح اور روشن ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمایا کہ مردوں کو سلام کر کے اپنے اور مردوں کے حق میں ان کلمات کے ساتھ دعا کریں: ''ہم اللہ سے اپنے لیے اور آپ

سب لوگوں کے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ یہ سلام اور دعا ٹھیک قبر کے سامنے ہو اس لیے کہ مسلمان نگاہیں نیچی کر کے قبر والوں کو ان کے سامنے سلام کرتا ہے قبر قبلہ کی سمت ہو یا نہیں ہم نے عقلائے مسلمین میں سے کسی عاقل مسلمان کو اپنے والد یا اپنے اصحاب کی قبر کی طرف پیٹھ کر کے سلام پیش کرتے نہ دیکھا اگر ایسا کوئی کرے گا تو مضحکہ خیز ہوگا۔ ہاں اگر کوئی انسان اس ظریف کی طرح ہو جائے جس نے یہ کہا کہ وہ ان کی طرف پیٹھ کر کے اس لیے سلام و دعا کرتا ہے کہ وہ ان کا مخاصم و مخالف ہے.... اور اللہ ہی اپنی مخلوقات کے امور کا مالک و مولی ہے۔

اور دوسری حدیث کی دلالت یوں واضح ہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قبر والوں کی طرف اپنا رخ فرما کر ارشاد فرمایا: ''اے قبر والو تم پر سلامتی ہو۔ اللہ ہمیں اور تمہیں عفو و مغفرت کے قرب خاص میں جگہ بخشے، آپ لوگ ہم سے پیشتر آئے اور ہم بعد میں آنے والے ہیں'' اس حدیث سے صاف صاف ظاہر اور عیاں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے قبروں کی طرف اپنا رخ انور فرما کر تمام قبر والوں کو سلام و دعا پیش فرمایا۔

ان دونوں حدیثوں کے سبب ابن تیمیہ کے کلام کے سارے تار و پود بکھر گئے، اور یہ روشنی ملی کہ زیارت قبر کا مستحب طریقہ یہی ہے کہ زیارت کرنے والا صاحب قبر کی طرف رخ کر کے سلام پیش کرے، اور اپنے اور صاحب قبر کے حق میں دعا کرے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو کر سامنے آ گئی کہ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے اہل بیت اور تمام مسلمانوں کی قبروں کی طرف رخ کر کے دعا کرنے کا جو حکم ہے شرع شریف میں اس کی واضح اصل اور روشن بنیاد موجود ہے۔

ابن تیمیہ کے ذہن و عقل میں یہ بات کیسے نہ آئی کہ میت کی نماز جنازہ پڑھنے والے میت کی طرف رخ کر کے اس کی نماز جنازہ پڑھتے اور اس کے لیے دعا کرتے ہیں، اگر ایسی حالت میں دعا حرام یا مکروہ ہو تو میت کو نمازیوں کے پیچھے رکھ کر نماز جنازہ ادا کرنی چاہئے جیسا کہ غائب کی نماز جنازہ (غیر مقلدین زمانہ) پڑھتے ہیں۔ گزشتہ اوراق میں غور و فکر کرنے سے باذن اللہ تعالی شافی جوابات حاصل ہوتے ہیں۔

اس مقام پر ہمارا مواخذہ یہ ہے کہ: کیا نبی پاک ﷺ سے یہ وارد ہے کہ ''السلام علی فلان'' کہنے کے

بعد قبلہ رو ہو جاتے ،اور مردہ کی طرف پشت اقدس فرما کر یہ دعا کرتے:"أستغفر الله لنا ولكم" میں اللہ سے اپنے لیے اور آپ لوگوں کے لیے استغفار کرتا ہوں؟ کتاب اللہ، یا اللہ کے نبی ﷺ کی سنت شریفہ یا آپ کے برگزیدہ صحابہ کے افعال سے کہاں ثابت ہے؟ کیا ابن تیمیہ کے دعوی کے ثبوت میں صحابہ کرام سے کوئی نص صحیح منقول ہے، جب صحابہ کرام نے یہاں تک نقل فرمایا کہ نبی پاک ﷺ نے نماز استسقا کے دوران اپنی چادر اقدس کو پلٹ لیا تو کیا یہ حضرات یہ نہ نقل فرمائیں گے کہ نبی پاک ﷺ قبر کی طرف رخ کر کے سلام پیش فرماتے، پھر دعا کے وقت اس کی طرف پیٹھ فرماتے؟

صحابہ نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا فرمائی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اور انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے وارد ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے بارے میں امام بیہقی نے باسناد حسن روایت کیا (جس کی تخریج اس سے پہلے (نبی پاک ﷺ کے پاس دعا کے باب میں گذر چکی) کہ عبداللہ بن دینار نے فرمایا: میں نے عبداللہ بن عمر کو دیکھا آپ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر آپ پر سلام پیش فرماتے اور دعا کرتے پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے حق میں دعا فرماتے۔

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۳۰۸/۱-۳۰۹) میں باسناد حسن نافع مولی ابن عمر کی یہ روایت تخریج کی: ''عبداللہ جب مدینہ منورہ آتے تو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے آپ کے رخ اقدس کی طرف رخ کر کے آپ پر درود بھیجتے اور اپنے لیے دعا کرتے، پھر ابوبکر کے پاس آ کر آپ کی طرف رخ کر کے آپ پر درود بھیجتے، اور دعا کرتے، پھر عمر کی طرف رخ فرما کر آپ پر درود بھیج کر آپ کے لیے دعا کرتے اور کہتے اے ابا، اے ابا، اے ابا۔ حماد بن زید نے ایوب سے اسی طرح روایت کیا۔

اور انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت بھی بیہقی نے شعب الایمان میں باسناد حسن روایت کیا: (نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کے باب میں اس کی تخریج اس سے پہلے گزر چکی) ''عبداللہ بن منیب بن عبداللہ بن ابوامامہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے راوی انھوں نے فرمایا میں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ نبی

پاک ﷺ کے روضۂ مکرم کے پاس کھڑے ہوکر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ آپ نبی پاک ﷺ سے فتح و مدد طلب کر کے واپس چلے گئے''۔

ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ صحابی جلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۱۷۱/۲۰) میں کہا: جب اپنی میت کی قبر کے پاس جائے اسے سلام کرے، اور اس کے پاس اس کے چہرہ کے سامنے سے آئے، اس لیے کہ اس کی زیارت اسی طرح کرنی چاہیئے جس طرح اس کی زندگی میں اس سے کلام و خطاب کرتا تھا، اور میت کی حیات ظاہری میں خطاب ادب یہی ہے کہ اس کے روبرو خطاب کرے تو زیارت کے بھی آداب اسی طرح ہیں۔ ذرا امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی کے آداب زیارت ملاحظہ فرمائیں اور اس سے درس حاصل کریں۔

و باللہ التوفیق، اب ابن تیمیہ کے گزشتہ تینوں دعووں کا رد ملاحظہ فرمائیں:

پہلا دعوی: صحابہ نے قبلہ روہو کر دعا کرنا مکروہ جانا جیسا کہ اس نے مجموع الفتاوی (۲۷/ ۱۶۶-۱۶۷) میں کہا:

> ''قبلہ روہو کر اللہ سے دعا کرے، اور حجرہ کی طرف رخ کر کے دعا نہ کرے، اور اس کے برخلاف منصور کے ساتھ مالک کی مروی حکایت باطل و بے اصل ہے، میرے علم میں ائمہ نے بلا اختلاف اس بارے میں یہ فرمایا کہ دعا کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بوقت دعا قبلہ رو رہے، قبر نبوی کی طرف چہرہ نہ کرے، مسجد رسول اللہ میں دعا کے وقت ائمہ نے یہی حکم دیا کہ قبلہ روہو کر دعا کرے جیسا کہ صحابہ سے مروی ہے، حضرات صحابہ نے قبر نبوی کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مکروہ جانا تو آپ کے علاوہ کسی دوسرے کی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنے کا کیا حکم ہے''۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے عظیم دعووں میں سے ایک دعوی ہے، جیسا کہ آ رہا ہے:

۱۔ احادیث میں وارد ہے کہ عبداللہ بن عمر اور انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہما نے رسول اکرم نبی اعظم ﷺ کی طرف اپنا رخ کر کے دعا کی جیسا کہ گزر چکا۔

۲۔ ابن تیمیہ صرف ایک ہی صحابی کا نام کیوں نہیں پیش کرتا کہ انھوں نے ایسا فرمایا۔

ابن تیمیہ کے نیاز بردارو! بفضل اللہ تعالی ہمارا چیلنج ہے کہ تم ایک ہی دلیل ایسی لاؤ جس سے یہ افادہ ہو کہ صحابہ کرام روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مکروہ جانتے تھے۔

پھر تم سے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ: تم اس خیال میں ہو کہ ابن تیمیہ کے علم میں کسی صحابی کی ایسی روایت ہے اگر ایسا ہے تو وہ ان کا نام کیوں نہیں ذکر کرتا، جب تمہارا یہی خیال ہے تو کسی صحابی سے یہ اثر کہاں مروی ہے؟ اور ان کا نام کیوں نہیں ذکر کیا جاتا؟

۳۔ ابن تیمیہ یہ کہتا ہے: ''مسجد رسول اللہ میں جب ائمہ نے یہ حکم دیا کہ قبلہ رو ہو کر دعا کی جائے'' اور اس سے اس کی یہ مراد ہے کہ مسجد نبوی شریف کے کسی حصہ میں کوئی دعا کرنا چاہے تو بحکم ائمہ اس پر قبلہ رو ہو کر دعا کرنا لازم ہے۔ تو اس سلسلہ میں ہم یہی کہیں گے کہ یہ سراسر محض تدلیس، ملمع سازی، اور دھوکہ وفریب ہے جس کے دو اسباب ہیں:

<u>پہلا سبب</u>: یہ کہ دراصل گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جو حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے وقت آپ کے روضۂ اطہر کے پاس دعا کرے، مطلق دعا کی گفتگو نہیں کہ نبی ﷺ کی مسجد، یا مسلمانوں کی کسی بھی مسجد میں کی جائے جب گفتگو کا محور یہ ہے تو ابن تیمیہ کیوں خلط مبحث کر رہا ہے۔

<u>دوسرا سبب</u>: قبلہ رو ہو کر دعا کرنا صرف مستحب ہے اور وہاں اس کا حکم نہیں جیسا کہ یہ معروف ومشہور ہے۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۲۵/۷) میں کہا: دعا جس طرح بھی میسر ہو مستحب ہے، اس لیے کہ انسان سے یہی مطلوب ہے کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کمال فقر واحتیاج اور اپنی عاجزی وفروتنی ظاہر کرے، اب اگر چاہے قبلہ رو ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے کہ دعا کا یہ طریقہ حسن ہے، اور اگر چاہے ایسا نہ کرے، اس لیے کہ نبی پاک

ﷺ نے ایسا فرمایا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ [الاعراف-۷:۵۵]

ترجمہ:۔''اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ''۔

دعا کی کوئی خاص صفت وارد نہیں کہ دونوں ہاتھ اٹھائے وغیرہ، اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا﴾ [آل عمران-۳:۱۹۱]

ترجمہ:۔''جو کھڑے اور بیٹھے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اللہ نے ان ذاکرین کی مدح فرمائی''۔

مذکورہ امور کے علاوہ کوئی حالت وکیفیت شرط نہ فرمائی نبی پاک ﷺ نے جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں دعا فرمائی، آپ دعا کے وقت قبلہ رو نہ تھے الخ۔ ابن تیمیہ کا دعوی کہاں ہے کہ ائمہ نے یہی حکم فرمایا۔اس کا کام یہی ہے کہ ہمیشہ مبالغہ آمیز، خوفناک باطل دعوے کرتا ہے۔

دوسرا دعوی: ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۷/۱۱۷) میں کہا:

''اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قبر کی طرف رخ کرکے دعا نہ کرے، اور سلام کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ مالک واحمد وغیرہما نے کہا: قبر کی طرف رخ کرکے آپ پر سلام پیش کرے، اور اصحاب شافعی نے ایسا ہی ذکر کیا۔اور میرا گمان یہ ہے کہ امام شافعی سے یہی منقول ہے، اور ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب نے کہا: بلکہ قبلہ رو ہوکر آپ پر سلام پیش کرے''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ یہ کلام کس سے، اور کہاں سے نقل کررہا ہے؟ جن حضرات نے ائمہ کا اتفاق نقل کیا۔ان میں ابن ھبیرہ حنبلی (۴۹۹-۵۶۰ھ) ہیں ابن تیمیہ کی موت سے دوسو اٹھائیس سال (۲۲۸ھ) پہلے آپ کا وصال ہوا آپ نے ائمہ کا اتفاق نقل فرمایا مگر اسے نقل نہ کیا جو ابن تیمیہ دعوی کررہا ہے۔

اے کاش! ابن تیمیہ کے دیوانگان عشق ہمیں یہ بتاتے کہ یہ ائمہ کون ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ ائمہ سے وہ خود مراد ہو یا ابن تیمیہ کے زمانہ میں اس کے کفش بردار وریزہ خوار مراد ہوں، بہرحال یہ ائمہ، ائمہ اربعہ نہیں ہیں۔

ابن تیمیہ نے امام ابوحنیفہ کی طرف جو قول منقول منسوب کیا اس سلسلے میں ہمارے پاس دو توضیح ہے:

پہلی توضیح: امام ابوحنیفہ سے اس کے خلاف مروی ہے، جیسا کہ صاحب طبقات الحنفیہ (۲۸۲/۱) نے نقل کر کے کہا: ابن مبارک نے فرمایا: میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا آپ نے فرمایا: میں جس وقت مدینہ منورہ میں تھا ایوب سختیانی آئے میں نے اپنے دل میں کہا: میں ضرور آپ کا عمل دیکھوں گا، آپ نے اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کے مواجہ اقدس میں کھڑے ہوکر رور ہے تھے ایسا معلوم ہورہا تھا کہ آپ ایک مرد فقیہ کے قائم مقام ہیں۔

اور کمال ابن ہمام نے شرح فتح القدیر (۱۸۰/۳-۱۸۱) میں فرمایا: پھر قبر انور کے پاس اس طرح آئے کہ اس کی دیوار کی طرف چہرہ، اور قبلہ کی طرف پیٹھ رہے (اور ابو اللیث سے جو یہ وارد ہے کہ قبلہ رو کھڑا ہو یہ ساقط و مردود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی مسند میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت فرمایا کہ آپ نے فرمایا: مسنون یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس قبلہ کی طرف سے اس طرح آئے کہ اس کی پیٹھ قبلہ کی طرف اور چہرہ روضۂ اقدس کی طرف رہے پھر سلام عرض کرے: "**السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته**" یعنی اے نبی پاک! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، الخ

دوسری توضیح: اگر یہ ثابت بھی ہو کہ امام ابوحنیفہ کا قول وہی ہے تو اس کا معنی یہ نہیں کہ نبی پاک ﷺ کی طرف پیٹھ کرنے کا ارادہ کرے اس لیے کہ سلام روبرو ہی مقصود ہوتا ہے۔ اگر روبرو سلام نہ کیا جائے تو پھر سلام کہاں ہوگا؟ اگر آپ کسی کے پاس آئیں اور اس کی طرف پیٹھ کر کے سلام کریں تو یہ سلام نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے نزدیک سلام کا یہ طریقہ مشہور و متعارف نہیں، ہمارا گمان یہ نہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حد ادب میں تجاوز فرمار ہے ہیں، اور ہم آپ کے حد ادب کی حفاظت کر رہے ہیں۔

سیدنا امام ابوحنیفہ کے بارے میں ہمارا اعتقاد واذعان یہی ہے کہ آپ کے اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جائے حتی الامکان اسے اس طرح قبلہ رو رہنا چاہئے کہ اس کے اور قبلہ کے درمیان رسول اللہ ﷺ کا روضہ اطہر ہو جیسا کہ میت کی نماز جنازہ ادا کرنے والا نماز جنازہ میں ایسا کرتا ہے اس

طرح اسے دونیکیاں حاصل ہوں گی ایک تو روضہ اقدس کے استقبال اور دوسرے استقبال قبلہ کی نیکی۔ گویا یہ ایک طرح کا توسل اور تشفع (سفارشی بنانا) ہے جیسا کہ دارمی کی روایت میں ہے کہ صحابہ نے روشن دان کھول کر ایسا کیا، ابن تیمیہ یا تو اس روایت کو نہیں جانتا یا اس سے غافل ہے۔ ابن تیمیہ تو سرے سے اس کا قائل ہی نہیں کیوں کہ یہ قول اس کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے اس پر غور کرنا چاہئے۔

اس مقام پر ایک دوسرا نقطہ یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے اصحاب وفقہا نے یہ نقل فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کے رخ انور کے سامنے دعا کی جائے جیسا کہ عنقریب اس کی توضیح آ رہی ہے تو کیا ان حضرات کو نقول معلوم نہیں اور ابن تیمیہ جانتا ہے۔

ان حقائق سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ علما اور فقہا یہاں تک کہ ائمہ حنابلہ سے بھی یکسر تجاہل کرتا ہے حالاں کہ ان کی طرف اپنی نسبت ظاہر کرتا ہے، ہم اس مقام پر حنبلی مذہب کے تین عظیم الشان بلند پایہ علما (یہ حضرات ابن تیمیہ سے پہلے کے ہیں) کے نصوص نقل کریں گے جن سے یہ انکشاف تام ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے مواجہہ اقدس میں دعا کرنا ایک شائع شدہ طبعی امر ہے ان حضرات علمائے کرام کے سرخیل ابن عقیل ہیں آپ نے حنبلی مذہب کی سب سے عظیم ترین کتاب "کتاب الفنون" آٹھ سو جلدوں پر مشتمل تصنیف فرمائی ذہبی نے آپ کی اس تصنیف کے متعلق فرمایا: "اسلام میں ایسی کتاب تصنیف نہ ہوئی"، اور ابن قدامہ مقدسی کی کتاب "المغنی"، حنبلی مذہب کی مشہور ترین کتاب ہے۔ ابوعبداللہ سمری کی کتاب "المستوعب" ہے اگر ہم تمام علما کے نصوص جمع کر دیں تو جس کے دل میں شک وشبہ ہے اللہ کی مشیت کے بغیر راہ راست نہ پائے گا۔

ابن عقیل اپنے زمانے کے امام الحنابلہ ہیں (آپ کا وصال ابن تیمیہ سے پہلے ۵۱۳ھ میں ہوا) آپ نے اپنی کتاب "الفنون (في التذكرة المحفوظة بظاهرية دمشق تحت رقم ٨٧ في الفقه الحنبلي) میں کہا:

"قبر کے روبرو منبر سے متصل کھڑے ہو کر آپ کی بارگاہ میں یوں درود وسلام پیش کروائے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ اے اللہ محمد اور آل محمد پر رحمت

نازل فرما آخری تشہد میں پڑھا جانے والا درود مکمل پڑھ کر یہ عرض کروائے اللہ! محمد کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجہ اور وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا، اے اللہ! تمام روحوں اور جسموں میں آپ کی پاکیزہ روح اور آپ کے جسم اقدس پر رحمت نازل فرما جس طرح آپ نے آخری دم تک تیری رسالت کی تبلیغ، اور آیتوں کی تلاوت فرمائی، اور تیرے امر دین کا کھلم کھلا اعلان فرمایا۔ اے اللہ! تو نے اپنی محکم کتاب میں اپنے نبی ﷺ کی شان شفاعت میں فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ: ''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

میں توبہ کر کے اس نبی کی بارگاہ میں طلب استغفار کے لیے حاضر آیا، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخشش کا پروانہ عطا فرما جیسا کہ آپ کی ظاہری حیات طیبہ میں آپ کے پاس آنے والے طالبان بخشش کو تو نے بخشش سے شادکام فرمایا، اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی، نبی رحمت ﷺ کو وسیلہ لاتا ہوں، اے اللہ کے رسول! میں اپنی بخشش کے لیے آپ کو اپنے رب کے حضور وسیلہ لاتا ہوں، اے اللہ! میں آپ کے حق کا وسیلہ لا کر تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کو سب شفاعت کرنے والوں میں پہلا شفیع، اور تمام سائلوں میں کامیاب ترین، اور اولین وآخرین میں سب سے زیادہ عزت وشرافت اور بزرگی وکرامت والا بنا، اے اللہ! بے دیکھے ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی، اور ہمیں آپ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل نہیں تو ہمیں آپ کے داخل ہونے کے مقام میں داخل فرما اور آپ کے زمرے میں ہمارا حشر فرما، اور آپ کے حوض پر ہمیں وارد فرما، اور آپ کے کاسۂ اقدس کے صاف وشفاف خوشگوار خوش مزہ

پانی سے سیراب فرما کہ اس کے بعد نہ کبھی تشنگی کا احساس ہو، نہ ذلت ومصیبت میں مبتلا ہوں، نہ عہد شکنی کریں، اور نہ بدعت وگمرہی کے سبب دین سے نکلیں، اور نہ ہم پر تیرا غضب ہو، اور نہ ہم گمراہ ہوں، اور ہمیں آپ کی شفاعت کا اہل بنا۔ اس کے بعد آپ کے داہنی جانب آئے اور یوں عرض کرے اے ابوبکر صدیق! آپ کو سلام، اے عمر فاروق! آپ کو سلام اے اللہ! اپنے نبی اور اسلام کی طرف سے ان دونوں حضرات کو جزائے خیر عطا فرما، اے اللہ! ہماری اور ہم سے پہلے رخصت ہونے والے ہمارے مومن بھائیوں کی بخشش فرما ..... (الحشر ۱۰)

اور ابن قدامہ نے " المغنی " (۳/۲۹۷-۲۹۹) اور سمری نے "المستوعب" میں تقریباً ابن عقیل ہی کی طرح ذکر فرمایا۔

نبی پاک ﷺ کے روضۂ مبارک کی طرف رخ کر کے دعا کرنے کے متعلق شافعیہ کے بے شمار نصوص ہیں ہم صرف امام نووی کے نقل پر اکتفا کر رہے ہیں آپ کی امامت متفق اور مسلم ہے، آپ پر بدعت وفسق کی کبھی تہمت نہ لگی، اور نہ ہی آپ نے اپنے پیشتر ائمہ کے متفقہ اقوال وارشادات کے خلاف کوئی کلام فرمایا، اور نہ ہی دین سے دور رفتہ عجیب وغریب فکروں کے اسیر ہوئے، نہ ہی علی ابن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ کی تنقیص شان اور عداوت اہل بیت میں متہم ہوئے، اور نہ آپ پر یہ طعن کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بغض وکینہ رکھتے ہیں۔

امام نووی نے المجموع (۸/۲۰۱، ۲۰۲) میں فرمایا:

"یقین سے جاننا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت اہم قربت وعبادت اور کامیاب ترین کوشش ہے، حج وعمرہ کرنے والے جب مکہ سے واپس ہوں تو ان کے لیے غایت درجہ مستحب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کریں، اور زیارت کرنے والے کی نیت زیارت محض تقرب وطاعت، آپ کی بارگاہ کے سفر اور آپ کی مسجد میں نماز کی فضیلت کی تحصیل ہو، اور یہ نیت ہو کہ نماز کا شرف خیر الخلائق ﷺ کے سبب ہے، اور مدینہ منورہ آنے اور وہاں سے واپس جانے تک آپ کی تعظیم اور آپ کی بارگاہ کی ہیبت سے دل مالا مال رہے۔ گویا سرکار اپنی چشمان مبارک سے اسے ملاحظہ ومشاہدہ فرما رہے ہیں، جب آپ کی

مسجد کے دروازہ پر پہنچے آپ پر صلاۃ وسلام پیش کرے، پھر روضہ مکرم کے پاس اس طرح حاضر ہو کہ پشت قبلہ کی طرف اور چہرہ قبر اقدس کی دیوار کی طرف رہے، اور قبر کے سرہانے سے چار گز فاصلہ پر رہے، بہتر یہ ہے کہ وہ کلمات کہے جسے ماوردی اور قاضی ابوالطیب، اور ہمارے تمام اصحاب نے مستحسن سمجھ کر عتبی سے حکایت کیا کہ عتبی نے کہا: میں رسول اللہ کے روضۂ اقدس کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں ایک اعرابی نے آکر عرض کیا: ''السلام علیک یارسول اللہ سمعت اللہ یقول'' اے اللہ کے رسول آپ پر سلام میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

اس لیے میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع لاکر آپ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے آیا ہوں پھر یہ محبت بھرے اشعار گنگنانے لگے:

یاخیر من دفنت بالقاع أعظمه فطاب من طیبهنّ القاع والأکم

اے ان میں افضل جن کی ہڈیاں سپرد خاک کی گئیں تو ان ہڈیوں کی پاکیزہ ومشک بار خوشبو سے زمین، پہاڑ، اور ٹیلے سبھی پاکیزہ ومشک بار ہو گئے۔

حنفیہ میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس طرح قبلہ رو رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس کی طرف پشت نہ ہونے پائے جیسا کہ ہم اس کی توضیح کر چکے واللہ تعالی اعلم۔

اور دوسری جماعت یعنی جمہور نے یہ فرمایا کہ: روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے دعا کرے جیسا کہ کمال ابن ہمام، ملاعلی قاری، طحطاوی، ابن عابدین، اور تھانوی اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات نے یہی فرمایا۔

رہا مالکیہ کا مذہب تو آنے والے نقطہ کے تحت ہم عنقریب اسے نقل کریں گے۔

تیسرا دعوی: یہ ہے کہ امام مالک جو عظیم ترین امام ہیں انھوں نے یہ فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کے رخ انور کے سامنے کھڑے ہوکر دعا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۱۴۵/۲۶-۱۴۶-۱۴۷) میں کہا:

''اور حجرہ کی طرف رخ کر کے دعا نہ کرے کیوں کہ بہ اتفاق ائمہ اس سے نہی وارد ہے، اور مالک جو عظیم ترین امام ہیں انھوں نے اسے مکروہ کہا، اور آپ کے بارے میں جو یہ حکایت مروی ہے کہ آپ نے منصور کو دعا کے وقت حجرہ کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمایا یہ امام مالک کی طرف جھوٹی نسبت ہے''۔

میں کہتا ہوں:

نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کے موضوع کے تحت ہم یہ ذکر کر چکے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالی سے یہ منقول ہے کہ روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے دعا کرے ابن وہب جو امام مالک کے اجل اصحاب متقدمین علما سے ہیں انھوں نے کہا: ''امام مالک نے فرمایا: جب نبی ﷺ کی بارگاہ میں سلام و دعا پیش کرے تو روضۂ پاک کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو، قبلہ کی سمت نہ کھڑا ہو، اور قریب سے سلام عرض کرے، اور روضۂ اطہر کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوئے، اور ابن مواز ابن تیمیہ سے کئی صدی پہلے (۲۸۱ھ) میں پیدا ہوئے آپ کی روشن تصریح گزر چکی!

اشہب نے کہا: مالک سے پوچھا گیا جو شخص التزام کا قصد و ارادہ کرے اس کے متعلق کیا آپ کی یہ رائے ہے کہ کعبہ سے رخصت ہونے کے وقت کعبہ کے پردوں سے چمٹ جائے ارشاد فرمایا: نہیں لیکن کھڑے ہوکر دعا کرے، آپ سے عرض کیا گیا: اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کا بھی یہی حکم ہے؟ فرمایا: ہاں۔

اور اسی طرح امام نووی نے کتاب رؤس المسائل میں حافظ ابوموسی اصفہانی سے یہ نقل کیا کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: جب کوئی شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس جانا چاہے تو قبلہ کی طرف پیٹھ، اور نبی کریم ﷺ کی طرف رخ کر کے آپ پر درود پیش کرے اور دعا کرے۔

اور مالکیہ کی تمام مشہور و معروف کتابوں میں جو وارد ہے وہ ایک عادل و منصف اور صائب الرائے کے لیے کافی ہے، ''المـوازیة'' مالکیہ کی قدیم مشہور ترین کتابوں میں ہے، اس کے علاوہ قاضی عیاض کی ''کتاب

الشفا''، اورابن الحاج کی ''المدخل''اورابن جزی کی ''القوانین الفقہیۃ''(۹۵/۱)اورابوعبداللہ مغربی کی ''مواہب الجلیل''(۴۰۰/۳)اورشرح زرقانی ہے،عبدالحق اشبیلی اورابوالحسن قابسی ،اورابوبکر بن عبدالرحمٰن ،اورعلامہ خلیل نے اپنی منسک میں اوران کے علاوہ دوسرے حضرات نے روضۂ اطہر کے پاس دعا کے متعلق مالکی مذہب یہی نقل فرمایا،ان حضرات نے امام مالک کے ساتھ خلیفہ منصور کا واقعہ بھی نقل فرمایا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اورآپ سب لوگوں کو راہ راست پر قائم رکھے۔

(۵۴) ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا مستجاب ومقبول نہیں

حدیث پاک میں وارد ہے:

''کسی دن سورج طلوع نہیں ہوتا مگر ستر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے نازل ہوتے ہیں یہاں تک کہ اپنے پروں سے نبی پاک ﷺ کے روضۂ پاک کو گھیر لیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ پر درود پیش کرتے ہیں، شام ہونے پر آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں اور اسی تعداد میں دوسرے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور انہیں فرشتوں کی طرح کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب حضور سے زمین شق ہو گی آپ ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ میں نکلیں گے جو حضور کو رب تعالی کی بارگاہ میں پہنچائیں گے۔[1]

---

(۱) دارمی (۵۷/۱) نے اثر کعب بسند حسن تخریج کی جیسا کہ قاضی اسماعیل نے ''فضل الصلاۃ علی النبي'' (۸۵/۱) اور ابن مبارک نے الزھد (۵۵۸/۱) اور ابو نعیم نے حلیة (۳۹۰/۵) اور ابو الشیخ نے العظمة (۱۰۱۸/۳-۱۰۱۹) اور بیہقی نے شعب الإیمان (۴۹۲/۳-۴۹۳) میں تخریج کیا۔

اور نجاد نے ''الرد علی من یقول القراٰن مخلوق'' (۶۳/۱) میں اس پر امام احمد کے قول سے استدلال کیا آپ نے فرمایا: ابن ابو ہلال کے پاس یہ قراءت کی گئی کہ نبیہ بن وہب نے روایت کیا کہ کعب احبار... اس کے بعد مکمل اثر ذکر کیا۔

اور دارمی کی اسناد حسن ہے اس اثر کے تمام راوی ثقہ ہیں، ہاں عبداللہ بن صالح کے راوی لیث تو وہ بھی صدوق (راست گو) ہیں ابوزرعہ نے کہا: حسن الحدیث ہیں، مگر آپ نے صرف لیث ہی سے روایت نہ کیا....اس لیے کہ لیث سے قتیبہ بن سعد نے بھی روایت کی وہ ثقات اثبات میں سے ایک، بخاری ومسلم کے رجال سے ہیں۔

اور اس مقام پر ایک دوسری سند بھی ہے جسے دارمی کے سوا سب نے تخریج کی، عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ ابن لھیعہ کے سوا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں....اور ابن لھیعہ کی حدیث صحیح ہے جب کہ عبادلہ عبداللہ بن مبارک، وابن وہب، اور مقری سے مروی ہو، عبدالغنی بن سعید اسدی اور ساجی وغیرہما نے ایسا ہی کہا، حافظ ابن حجر نے فرمایا: صدوق ہیں اور دوسروں کی بہ نسبت ان سے ابن مبارک اور ابن وہب کی روایت زیادہ قابل اعتبار اور لائق شمار ہے۔

بہر حال بلاشبہ یہ اثر اگر صحیح نہیں تو دونوں طریق کے اعتبار سے ضرور حسن ہے۔

سیدہ عائشہ کی زیارت کے وقت کعب نے ایسا ہی کہا، اوران دونوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا اور عائشہ نے کعب سے یہ نہ فرمایا کہ آپ کی دلیل کیا ہے؟ اس لیے کہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ اہل کتاب کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر موجود ہے۔

ان حضرات کے بعد ابن تیمیہ آیا اور اپنے (۱۱۷/۲۷) میں یہ کہا:

''اوراس کے باوجودان میں سے کسی نے یہ نہ کہا کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہے، اور یہ نہ کہا کہ آپ کی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مستحب ہے، بلکہ انھوں نے اس کے خلاف تصریح کی''۔

اوراس نے ''الرد علی البکری (۴۶۹/۲) میں یہ کہا:

''جب انبیا علیہم السلام کی قبریں تریاق مجرب نہیں تو شیوخ کی قبریں کیوں کر تریاق مجرب ہوں گی''۔

اس نے الرد علی البکری (۱۴۶/۱) میں کہا:

دوسرا مرتبہ: '' یہ ہے کہ یہ گمان کیا جائے کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہے، یا یہ کہ مسجدوں اور گھروں میں دعا کرنے سے بہتر ہے، اس مقصد کی خاطر، یا آپ کے پاس درود بھیجنے، یا آپ سے اپنی ضروریات طلب کرنے کے لیے آپ کی زیارت کا قصد کیا جائے، تو یہ بھی بہ اتفاق ائمہ مسلمین بدعات منکرہ اور حرام ہے، میرے علم میں ائمہ دین کا اس میں کچھ بھی اختلاف نہیں''۔

اوراس نے اپنے مجموع الفتاوی (۱۱۶/۲۷) میں کہا:

''صحابہ وتابعین، اورائمہ ومشائخ متقدمین میں کوئی بھی اطلاق یا تعیین کے ساتھ اس کا قائل نہیں کہ انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا مستجاب ہے''۔

ابن تیمیہ کے اس کلام کے رد میں درج ذیل امور ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ابن تیمیہ کا یہ کہنا: ''بلکہ اس کے برخلاف ان کی تصریحات موجود ہیں'' اس کلام کا مقتضی دو چیزوں میں سے کوئی ایک ضرور ہے:

۱۔ ''ان حضرات نے اس کی تصریح فرمائی'' اور اس جملہ سے اس کا نصف ثانی مراد لے رہا ہے وہ جملہ یہ ہے: ''کسی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مستحب نہیں ہے'' گزشتہ سطور میں ہم نے اس امر کو خوب واضح کر دیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مستحب و مشروع ہے۔

۲۔ ''ان لوگوں نے اس کے برخلاف تصریح کی'' اس سے اس کی مراد جملہ کا نصف ثانی ہی نہیں بلکہ پورا جملہ مراد ہے وہ پورا جملہ یہ ہے ''ان ائمہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہے، اور آپ کی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مستحب نہیں۔ اگر اس کی مراد پورا جملہ ہے، تو یہ عظیم تہمت و بہتان ہے۔ کیا یہ متصور ہو سکتا ہے کہ ائمہ اربعہ اور ان کے علاوہ ائمہ سلف یہ فرمائیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا مستجاب نہیں، ابن تیمیہ نے یہ کذب وافترا کہاں سے سیکھا؟

ابن تیمیہ کے اسلوب سے متنبہ اور ہوشیار رہنا چاہئے، کیوں کہ عوام الناس لاعلمی میں رسول اللہ ﷺ کے بلند مقام کے خلاف جرأت وجسارت کریں گے، اور آپ کے بارے میں یہ کہیں گے گویا، والعیاذ باللہ تعالی، آپ زندہ نہیں، اس طرح لوگوں کے دلوں سے آپ کی تعظیم وتوقیر محو ہو جائے گی... اس لیے خوب غور وفکر کی ضرورت ہے۔

(۲) نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں دعا مستجاب ہے اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے ابن ابوشیبہ اور بیہقی، اور ابن عساکر نے مالک الدار سے روایت کیا آپ نے فرمایا: میں عمر کے دور خلافت میں خازن طعام (خزانچی) تھا۔ عمر کے دور میں لوگ قحط زدہ ہو گئے ایک شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں کیوں کہ امت ہلاک ہو گئی

،تو اس شخص کو خواب میں بتایا گیا کہ:''عمر سے جا کر سلام کہنا اور انہیں یہ خبر دینا کہ تمہیں بارش سے سیراب کیا جائے گا،اوران سے یہ بھی کہنا کہ آپ پر عقل وفہم ،دانائی وزیرکی لازم ہے۔

اس شخص نے حضرت عمر کو آ کر خبر دی تو آپ نے اشک آلود آنکھوں سے عرض کیا:اے رب! میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا مگر جو میرے بس میں نہیں۔

دارمی نے اپنی سنن(۵۶/۱نمبر۹۲) میں روایت کیا:''**باب ماأکرم الله تعالی نبیهﷺ بعدموته**''

اس باب میں اس امر کا بیان ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو عزت وکرامت اور شرف وبزرگی سے سرفراز رکھا۔

ہم سے ابونعمان نے حدیث بیان کیا،ہم سے سعد بن زید نے کہا،ہم سے عمرو بن مالک نکری نے بیان کیا،ہم سے ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ نے بیان کیا،اوس نے فرمایا: مدینہ کے لوگ سخت قحط میں پڑ گئے انھوں نے عائشہ صدیقہ سے آ کر شکایت کی،تو حضرت عائشہ نے فرمایا: نبی پاک ﷺ کے روضۂ شریف کو دیکھو اور آپ کے روضۂ اطہر سے آسمان تک روشن دان بنادو تا کہ روضۂ اطہر اور آسمان کے درمیان کوئی چھت حائل نہ رہے، آپ کے فرمانے پر لوگوں نے ایسا کیا تو ہم پر ایسی زوردار بارش ہوئی کہ سبزے اُگ آئے،اور اونٹ اس قدر فربہ ہو گئے کہ ان کا بدن چربی سے خوب پُر ہو گیا یہاں تک کہ اس سال کا نام عام الفتق پڑ گیا۔

نبی پاک ﷺ کے روضۂ شریف سے استفسار کے متعلق ہم نے ایک مستقل باب ہی قائم کر رکھا ہے۔

(۳) ہم نے ماسبق میں چند صحابہ اور ابن ابوفدیک کی دعا نقل کی: جس میں یہ ہے کہ:''ہمیں یہ خبر ملی کہ جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت کریمہ تلاوت کرے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ [الاحزاب-۵۶۳۳]

ترجمہ:''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے

ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو'۔

اور یہ کہے اے محمد! (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) آپ پر اللہ رحمت نازل فرمائے اور ۷۰/ستر بار یہ آیت کریمہ پڑھے تو فرشتہ اسے جواب دیتا ہے اے فلاں! تم پر اللہ کی رحمت ہوئی، تمہاری کوئی حاجت ناکام نہ ہوئی، اور اسی طرح عتبی کا واقعہ بھی ذکر کر چکے جس سے اس مسئلہ پر خاصا روشنی پڑتی ہے۔

(۴) ہم نے ابن ابو عاصم، ابراہیم حربی، ابن خزیمہ، محاملی، ابن حبان وغیرہم کی دعا اور ان کا یہ ارشاد نقل کیا کہ اہل بیت کرام اور معروف کرخی کی بارگاہ میں دعا مستجاب ہے، اور ابراہیم حربی کا یہ ارشاد بھی گذر چکا کہ: ''معروف کی قبر تریاق مجرب ہے'' اور ائمہ سلف کا ذکر ماسبق میں گزرا۔

ان تمام مذکورہ اقوال وارشادات سے ابن تیمیہ کے اس قول کا کذب اظہر من الشمس اور اوضح من الأمس ہو جاتا ہے جو اس نے مجموع الفتاوی (۱۱۶/۲۷) میں کہا:

''اور صحابہ و تابعین اور ائمہ و مشائخ متقدمین میں سے کسی نے اطلاق و تعیین کے ساتھ یہ نہ فرمایا کہ انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا مستجاب ہے''۔

حافظ خطیب نے تاریخ بغداد (۱۲۳/۱) میں علی بن میمون سے روایت کیا انھوں نے فرمایا میں نے امام شافعی سے یہ فرماتے سنا: میں ابوحنیفہ سے اکتساب برکت کے لیے ہر روز آپ کی قبر پر آتا ہوں جب مجھے کوئی حاجت وضرورت درپیش ہوتی ہے میں آپ کی قبر پر آ کر دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں اور آپ کی بارگاہ میں اللہ تعالی سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں تو میری حاجت مجھ سے دور نہ ہو کر پوری ہو جاتی ہے۔

ابن تیمیہ نے اس مذکورہ واقعہ کی تکذیب کی۔ اسے اس کی وجہ بتانی چاہئے کم از کم ابن تیمیہ سے پیشتر امت کے حوالہ سے یہ بتانا چاہئے کہ انھوں نے اس واقعہ کا انکار فرمایا۔ ابن تیمیہ سے پہلے اور بعد کے تمام شافعیہ اس واقعہ کو نقل کرتے آئے۔

ہم ابن تیمیہ کے اس تلمیذ کا قول نقل کر رہے ہیں جنہیں ابن تیمیہ کے سبب کافی زحمت اٹھانی پڑی وہ

حافظ ذہبی ہیں جنھوں نے سیر أعلام النبلاء (۹/۳۴۳،۳۴۴) میں ذکر کیا:

''ابراہیم حربی نے فرمایا:''معروف کی قبر تریاق مجرب ہے''اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ آپ کی بارگاہ میں ہر مضطر و پریشان حال کی دعا مستجاب ہے اس لیے کہ متبرک مقامات پر دعا مستجاب ہوتی ہے، جیسا کہ سحر کے وقت، اور فرائض کے آخر اور مساجد میں دعا کی قبولیت کی امید ہوتی ہے بلکہ مضطر کو جہاں بھی دعا میسر ہو مقبول ہوتی ہے، اے اللہ! میں تیرے عفو کا طالب ہوں تو مجھے درگذر فرما۔

اے ابن تیمیہ کے کفش بردارو! بتاؤ کیا رسول اللہ ﷺ کا روضہ اقدس متبرک مقامات سے نہیں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مابین بیتي ومنبري روضة من ریاض الجنة ''(ترجمہ:۔''میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے'')۔

(۵) ابن تیمیہ نے یہ کہا:''کوئی اس کا قائل نہیں کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہے''، یہ شخص مجھے بتائے کیا ان لوگوں نے یہ کہا کہ آپ کی بارگاہ میں دعا مستجاب نہیں؟

(۶) جب نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے وقت اصحاب مذہب سے سلام و دعا اور توسل کے صیغے منقول ہیں، تو کیا یہ معقول و متصور ہوسکتا ہے کہ ائمہ اصحاب مذاہب یہ فرمائیں گے: آپ کی بارگاہ میں دعا کرنا ناجائز ہے اور مستجاب نہیں، پھر سارے علمائے امت اپنے ائمہ کے ساتھ خیانت کریں گے اور ان کے اقوال نقل نہ کریں گے....کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے؟

(۷) حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۱۶/۱۶۲) میں نبی پاک ﷺ کا ایسا خواب نقل کیا جس سے ابن تیمیہ کے کفش بردار غیض و غضب میں جل بھن اٹھیں گے وہ خواب یہ ہے:

''امام حاکم نے کہا: میں نے ابوالحسن نیشاپوری[1] رحمہ اللہ تعالی سے اصول صحیحہ سے بیان

---

(۱) ابوالحسن نیشاپوری سراج شیخ الاسلام (آپ امام محدث قدوۃ (پیشوا) شیخ الاسلام، ابوالحسن محمد بن حسن بن احمد بن اسماعیل نیشاپوری مقری ہیں) ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱۶/۱۶۶) میں آپ کے حالات کے تحت ایسا ہی ذکر کیا اور یہ بھی کہا:

فرماتے سنا فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں آپ کے پیچھے ہولیا یہاں تک کہ آپ اندر تشریف لے گئے اور یحی بن یحی کی قبر کے پاس کھڑے ہو گئے، آپ آگے تھے اور آپ کے صحابہ کی ایک جماعت آپ کے پیچھے صف بستہ کھڑی تھی آپ نے وہاں دعائے رحمت فرمائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: یہ قبر اس شہر والوں کے لیے امان ہے''۔

حافظ ابن حجر نے تهذيب التهذيب (۲۶۰/۱۱) میں فرمایا:

''حاکم نے فرمایا میں نے ابوعلی نیشاپوری رحمہ اللہ تعالی [1] سے سنا: فرمایا: میں سخت غم میں تھا خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوا آپ مجھ سے فرمارہے تھے:

حاکم اور ابوسعد مالینی، اور ابوالحسن ابن العالی اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات نے آپ کی حدیث بیان کی۔

حاکم نے کہا: میں نے آپ سے زیادہ کثرت اجتہاد وعبادت والا بہت کم دیکھا۔ آپ عالم قرآن تھے، اور آپ کا حال ابو یونس قوی جیسا تھا، آپ نے نماز ادا فرمائی یہاں تک کہ آپ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے اور اتنا روئے کہ آپ کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی، آپ کا وصال بروز عاشورا ۳۳۶ھ میں ہوا۔ میں کہتا ہوں: آپ کی عمر نوے سال تھی۔ الخ

(۱) ابوعلی نیشاپوری، آپ امام حافظ کبیر ہیں حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۵۱/۶-۵۹) میں آپ کے احوال میں فرمایا: حافظ امام علامہ، ثبت، ابوعلی، حسین بن علی بن یزید بن داود نیشاپوری، ناقد، دارقطنی نے آپ کے بارے میں فرمایا: امام مہذب ہیں۔ اور حاکم نے کہا: میں از راہ تعصب اس لیے نہیں کہتا کہ آپ میرے استاذ ہیں لیکن آپ جیسا مجھے کوئی نظر نہ آیا، اور ابن خزیمہ نے آپ (ابوعلی) سے اس وقت فرمایا جب آپ نے ابن خزیمہ سے عراق جانے کی اجازت چاہی: اے ابوعلی! آپ کے فراق سے ہمیں وحشت ہوگی۔ اھ مختصراً

اور ابوعلی قزوینی نے الارشاد (۸۴۲/۳-۸۴۳) میں آپ کے بارے میں فرمایا: حافظ کبیر، اپنے وقت کے متفق علیہ امام، حافظ حدیث کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے تقریباً دو ہزار شیوخ سے احادیث لکھی، بچپن ہی میں آپ کا لقب حافظ ہو گیا تھا۔

''یحی بن یحی کی قبر کے پاس جایئے'' (۱) اور استغفار وسوال کیجئے تمہاری حاجت پوری ہوگی، صبح ہونے پر میں نے ایساہی کیاتو میری حاجت پوری ہوگئی۔

میں کہتا ہوں: اے ابن تیمیہ کے کفش بردارو! کیاامام ابوالحسن نیشاپوری، امام ابوعلی نیشاپوری، امام حاکم صاحب مستدرک، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر مشرک تھے؟

---

(۱) یحی بن یحی (۱۴۲-۲۲۶ھ) حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۲۶۰/۱۱) میں یحی بن یحی کے ترجمہ میں فرمایا: صالح بن احمد بن حنبل نے اپنے والد سے فرمایا: شہر خُراسان نے ابن مبارک کے بعد آپ جیسانہ نکالا۔ اور ابواسحٰق بن راھویہ نے فرمایا: میں نے آپ جیسانہ دیکھا، اور نہ آپ نے اپنے جیسا دیکھا، جس دن آپ نے اس جہان فانی سے رخت سفر باندھا آپ ساری دنیا کے امام تھے۔

اور محمد بن اسلم طوسی نے کہا: میں نے نبی پاک ﷺ کوخواب میں دیکھاتو میں نے عرض کیا: کس سے کتابت حدیث کروں؟ آپ نے فرمایا: ''یحی بن یحی سے'' اور ابن حبان نے آپ کوثقہ لوگوں میں ذکر فرمایااور فرمایا: آپ نے احمد بن حنبل کواپنے بدن کے لباس کی وصیت فرمائی، میں کہتا ہوں: حاکم نے اپنی تاریخ میں آپ کے حاصل سیر حالات قلمبند کیے ہیں اور اس میں احمد بن حنبل سے روایت کر کے کہا: یحی بن یحی نے اپنی طرح نہ دیکھا، اور آپ کے متعلق پوچھا گیا آپ امام تھے؟ فرمایا: ہاں، اور اگر میرے پاس زادراہ ہوتا تو میں آپ کے پاس سفر کر کے جاتا۔

اور اثرم نے فرمایا: ابوعبداللہ یحی بن یحی کا ذکر ہوا، تو فرمایاواہ وا، واہ وا، واہ وا۔

اور محمد بن نصر مروزی نے کہا: آپ سے پوچھا گیا کن مشائخ کو نبی پاک ﷺ کی سنتوں پر پایا؟ تو آپ نے ان سے فرمایا: میں نے یحیی بن یحیی کے سوا کسی کونہ پایا۔ اور بشر بن کلم نیشاپوری نے کہا: یحیی بن یحیی کے جنازہ میں ہمارااندازہ وتخمینہ ہے کہ ایک لاکھ افراد تھے۔

(۵۴)ابن تیمیہ کے ایک نیاز بردار نے یہ کہا کہ: نبی پاک ﷺ مردہ ہیں، اور قائل کے ہاتھ کا عصا (والعیاذ باللہ تعالیٰ) آپ سے زیادہ نفع بخش ہے

طہارت خانہ میں اس شخص کی بری موت ہوئی، اور لوگوں کو اس کا سر طہارت خانہ میں ملا۔

ہم اخیر میں یہ کہتے ہیں: **زیارت بدعت**: یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی زیارت اس تصور وخیال کے ساتھ کی جائے کہ آپ مردہ ہیں، آپ کو کچھ علم نہیں، اور آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کون ہو، کیا عرض کررہے ہو، اور کس سے دعا کررہے ہو۔ اور **شرعی زیارت**: یہ ہے کہ وقار وادب اور اس اعتقاد کے ساتھ زیارت کی جائے کہ نبی پاک ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں اور تمہیں اور تمہارا نام، اور تمہارا زمانہ اور تمہاری دعا اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔

اس خوش نصیب کی خوشیوں کا کیا کہنا جس کی دعا پر حضور اقدس ﷺ آمین فرمائیں اور اگر کسی کا یہ اعتقاد نہیں، بلکہ اس کے برخلاف اس کا یہ اعتقاد ہے کہ ابراہیم اور موسی کو ارادہ وکلام کی قوت حاصل ہے، وہ نصیحتیں فرماتے، اور سلام کا جواب دیتے ہیں، حضرت موسیٰ کو تو یہ معلوم تھا کہ امت محمدیہ پچاس نماز نہ ادا کرسکے گی، مگر رسول اللہ ﷺ کو اس کا کچھ علم نہ تھا تو بلا شبہ والعیاذ باللہ ایسا شخص زندیق ہے۔

میں اس مقام پر ایک واقعہ کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں جسے ایک صالح رحمہ اللہ تعالی سے سنا انھوں نے مجھ سے فرمایا: میں نے (فلاں سے) پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں؟ تو اس نے کہا: نہیں انہیں کچھ بھی علم نہیں۔ اور میرے ہاتھ کا عصا (والعیاذ باللہ تعالی) تمہیں ان سے زیادہ نفع دے گا، ہم اللہ سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں، اہم بات یہ ہے کہ یہ شخص جس کے نام کا پہلا حرف ''ح'' ہے اس کی بری موت ہوئی۔

(والعیاذ باللہ تعالی) طہارت خانہ میں اس کی موت ہوئی اور لوگوں کو اس کا سر طہارت خانہ کے قبضہ وتسلط میں محصور ملا، جیسے کا بدلہ تیسا، ہم اللہ سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔

اگر آپ کو یہ علم ویقین ہے کہ نبی پاک ﷺ آپ کا سلام سنتے، اوراس کا جواب دیتے ہیں تو آپ کی خوشیوں اورار جمندیوں کا کیا کہنا اگر حضور تمہارے سلام کے جواب میں ''وعلیک السلام'' فرمادیں، یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضوراقدس سلام کا جواب دیتے ہیں اور سلام کا جواب دینا دراصل اس بات کی دعا ہے کہ اللہ عزوجل تمہاری ذات، اور تمہاری عافیت اور تمہارے دین، اور تمہارے اہل و مال میں تمہیں سلامتی بخشے۔

ابن تیمیہ کواس بات کا اقرار ہے کہ انبیا کی دعا مستجاب ہے تو حضوراقدس کی دعا پر کیوں ایمان نہیں رکھتا۔ آپ کی خوشیوں کا کیا کہنا اگر حضور آپ کی دعا کے وقت آمین ارشادفرمادیں جیسا کہ سلف وخلف کا اس پر ایمان ہے۔ اور آپ کو بھی اس بات کا یقین ہے کہ حضور آپ کی دعا سنتے اور آپ کے لیے استغفار فرماتے ہیں اس لیے کہ اللہ کی بارگاہ میں آپ کا بہت ہی اعلی مقام ہے۔ جب آپ کا یہ اعتقاد ہوگا کہ حضوراقدس ﷺ کی قبر اطہر پر ایسی رحمتوں اور برکتوں اور انوار کا نزول ہوتا ہے جو دنیا کی کسی جگہ نہیں ہوتا تو آپ کے اعتقاد میں حضور کا مقام ومرتبہ زیادہ ہوگا یا نہیں؟ اور آپ کی محبت وعظمت اور تکریم وتعظیم میں اضافہ ہوگا یا نہیں؟

اوراگر زندیقوں اور منافقوں جیسا کسی کا یہ گمان ہے کہ حضوراقدس ﷺ زندہ نہیں، اور موسی علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ محمد ﷺ کی امت رات اوردن میں پچاس نماز نہ پڑھ سکے گی جیسا کہ حدیث معراج میں اس کی تصریح ہے، اور حضوراقدس ﷺ کو خود اپنے بارے میں کچھ معلوم نہیں، اور نہ ہی سلام پیش کرنے والوں کے بارے میں کچھ علم ہے، اور حضور کسی کے لیے دعا واستغفار نہیں کرتے، آپ کی بارگاہ میں دعا کرنا بدعت ہے، آپ کے روضۂ اقدس پر دعا مستجاب ومقبول نہیں، اور آپ کی زیارت کی کوئی دلیل نہیں، اور کسی نبی کی قبر کی معرفت کوئی اہم چیز نہیں اس کے علاوہ ایسی بیہودہ باتیں جن سے رونگٹے تھرا جائیں تو ان کی جرأت وجسارت وہی لوگ کریں گے جن کا شیوہ رسول اللہ ﷺ کی تنقیص واہانت اور گستاخی ودشنام طرازی اور آپ کے مقام ومرتبہ کو گھٹانا اور خود اپنی شان اونچی کرنا ہے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایسی گستاخانہ باتیں وہی کریں گے جن کو اللہ نے گمراہ اور ذلیل وخوار فرمایا، اور اللہ عزوجل کی مشیت نے یہی چاہا کہ ایسے گستاخ وگمراہ وذلیل وخوار لوگ اپنے نفاق کے سبب رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت نہ کرسکیں، اور آپ کی شفاعت اور دعا سے محروم رہیں، اور حضور کو ان کے

نفاق کی بو سے تکلیف وایذا نہ ہو۔

ان گستاخوں کے نفاق ہی نے ان کے لیے یہ آراستہ کیا کہ حضور کی بارگاہ میں طرح طرح کی اہانتیں کریں اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت اور آپ کی بارگاہ میں دعا کو حرام و ناجائز کہیں، اور یہ شان الٰہی اور اس کی خفیہ تدبیر ہی ہے جیسا کہ خود اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الاعراف-۷:۱۸۲]

ترجمہ:۔''قریب ہے کہ ہم انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی''۔

اور فرمایا:

﴿وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ﴾ [الانعام-۶:۹]

ترجمہ:۔''اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں''۔

یہ ایسے لوگ ہیں جو محروم و بے فیض ہیں، جن کا رشتہ محبت اللہ و رسول سے ٹوٹا، انہیں اللہ و رسول کی لطف وعطا اور عنایت خاص حاصل نہیں۔ اللہ عزوجل ہمیں عفو وعافیت بخشے اور ایسی محرومیوں سے اپنی خاص پناہ میں رکھے۔

(۵۵) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس نماز ادا کرنے والے ابن تیمیہ کی نظر میں اہل شرک و بدعت ہیں

یہ ابن تیمیہ کا زعم فاسد اور خیال باطل ہے اس لیے کہ روضۂ اقدس کے پاس کم از کم تین صحابہ اور تابعین کا نماز ادا کرنا ثابت ہے۔

ابن تیمیہ اپنی عادت کے مطابق ایسی چیزیں جھٹلاتا ہے جو اسے معلوم نہیں وہ نبی کریم ﷺ کو والعیاذ باللہ تعالیٰ ایک مردہ شمار کرتا ہے، اور اپنے مکتبہ فکر کے مخالف انسانوں کو نصاری اور مشرکین کی جنس سے قرار دیتا ہے، ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۴/۳۲۷) میں کہا:

''زیارت بدعت: یہ مشرکین کی زیارت ہے جو نصاری کی زیارت کی طرح ہے یہ لوگ میت کو پکارتے، اس سے مدد مانگتے، اس کے پاس حاجتیں طلب کرتے ہیں، اس کی قبر کے پاس نماز پڑھتے، اور دعا مانگتے ہیں ایسا نہ کسی صحابی نے کیا، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم فرمایا، اور نہ امت کے اسلاف اور ائمہ نے اسے مستحب ٹھہرایا''۔

اور مجموع الفتاوی (۲۷/۳۲۴) میں یہ بھی کہا:

''عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حیات میں لوگ آپ کے پاس آپ سے حدیث سماعت کرنے، مسئلہ شرعی دریافت کرنے، اور آپ کی زیارت کرنے کے لیے آتے مگر کوئی شخص قبر مکرم کے پاس نہ جاتا نہ نماز پڑھنے اور نہ ہی دعا کرنے اور نہ کسی اور کام کے لیے''

اور اقتضاء الصراط (۱/۳۳۴) میں یہ کہا:

''انبیا یا بعض صالحین کی قبروں کے پاس جانا اور اس مقام کی برکت حاصل کرنے کے لیے وہاں نماز پڑھنا اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کی مخالفت، اور ایسا نیا دین ایجاد کرنا ہے جس کا اللہ نے حکم نہ دیا رسول اللہ ﷺ کے اسی دین پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے بدیہی طور پر

انھوں نے یہ جانا کہ آپ کا دین یہ ہے کہ کسی بھی قبر کے پاس نماز ادا کرنے میں کوئی فضیلت نہیں، اور نہ ہی نماز کو اس مقام سے کوئی خاص خصوصیت حاصل ہوگی بلکہ بری خصوصیت حاصل ہوگی''۔

میں کہتا ہوں:

یہ ایسے قبیح مفروضات ہیں جن پر اللہ عزوجل نے کوئی سند اور دلیل نہ اتاری، اور بلاوجہ امت کو کافر ٹھہرانا ہے، اس لیے کہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم روضۂ اقدس کے پاس دعا فرماتے اور استغفار کرتے، اور نبی پاک ﷺ سے توسل کرتے، جیسا کہ ہم نے اس مسئلہ پر مستقل بحث کی ہے، ہم عاشقان مصطفیٰ تو صرف وہی کہتے ہیں جسے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے مسیلمہ کذاب نجدی کے خلاف معرکۂ یمامہ میں فرمایا: یامحمداہ، وامحمداہ. (اے محمد، ہائے محمد) سیدہ زینب نے بھی یہی کہا اور ابن تیمیہ سے کئی صدی پیشتر ائمہ اعلام نے یہی روایت فرمایا۔ اور اس کے تلامذہ جیسا کہ ابن کثیر نے بھی یہی ذکر کیا اب اس مسئلہ میں ہم یہ واضح کریں گے کہ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''نبی پاک ﷺ کی قبر کے پاس درود پیش کرنے والے اور نماز ادا کرنے والے کافر اور بدعتی ہیں'' یہ اس کا بہت بڑا جھوٹ اور دروغ ہے۔ اس سے کسی کو تعجب نہ ہونا چاہئے، اس لیے کہ کم از کم تین صحابہ کرام سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس درود پیش کیا اور نماز ادا فرمائی۔ اس سلسلے میں تین دلیلیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی دلیل:

ابن حبان اور طبرانی اور ضیا نے باسناد صحیح روایت کیا: عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے روایت کیا میں نے اسامہ کو رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس درود پیش کرتے دیکھا، اتنے میں مروان بن حکم نے نکل کر کہا: آپ کی قبر کے پاس نماز پڑھتے ہو؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: مجھے یہ چیز پسند ہے۔ تو مروان نے آپ سے ایک قبیح بات کہی۔

پھر اسامہ نے پلٹ کر مروان سے کہا: تو نے مجھے تکلیف دی اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے

فرمایا: اللہ فحش گو اور فحش گو بننے والوں کو مبغوض و ناپسند رکھتا ہے، اور تو بلاشبہ فحش گو اور فحش گو بننے والا ہے۔ (۱)

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کے گزشتہ کلام کے متعلق اب آپ کی کیا رائے ہے!! کیا رسول اللہ ﷺ کے محبوب حضرت اسامہ بن زید ابن تیمیہ کے زعم کے اعتبار سے مشرک یا مبتدع ہیں، اور مروان بن حکم کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ صحابہ نے اس کے بارے میں یہ فرمایا: ملعون بن ملعون ہے، اس نے صحابی جلیل طلحہ بن عبد اللہ (جو عشرہ مبشرہ سے ہیں) سے جنگ وقتال کیا اور ابن تیمیہ کی طرح ایک بیہودہ بات کہی۔

دوسری دلیل:

امام حاکم اور بیہقی نے ام علقمہ سے روایت کیا کہ ایک خاتون حضرت عائشہ کے گھر آئیں اور نبی پاک ﷺ کے گھر کے پاس صحت کی حالت میں نماز شروع کیا جب سجدہ میں گئیں تو سجدہ سے سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، یہ دیکھ کر حضرت عائشہ نے کہا: حمد ہے اس اللہ عز وجل کے لیے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ یقیناً اس واقعہ سے مجھے اپنے

بھائی عبد الرحمٰن بن ابوبکر کے بارے میں عبرت حاصل ہوئی آپ اپنے آرام گاہ پر سوئے جہاں قیلولہ وآرام کرتے لوگ آپ کو بیدار کرنے لگے تو دیکھا کہ آپ اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر چکے ہیں۔ حضرت عائشہ کے دل میں اس حادثہ سے پہلے یہ شبہ اور تردد تھا کہ عبد الرحمٰن کے ساتھ کوئی برا کام ہوا ہوگا اور جلدی سے

(۱) اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح (۱۲/نمبر۵۶۹۴) اور طبرانی نے کبیر (۱/۱۶۶ نمبر ۴۰۵) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۵۷/۲۴۸، ۲۴۹) اور ضیا نے المختارۃ (۴/۱۰۶، ۱۰۷ نمبر ۱۳۱۷، ۱۳۱۸) میں روایت کیا اور لفظ ان کے ہیں اور ابن حبان اور حافظ مقدسی نے اس حدیث کو صحیح کہا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۶۴، ۶۵) میں کہا: اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب (۱/۷۶، ۷۷) اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲/۵۰۲، ۴۸۳/۴) اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۰/۴۵۳) میں اس قصہ کو ذکر کیا۔ اور ابن حجر نے کہا: ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ اور مناوی نے فیض القدیر (۲/۲۸۵) میں ذکر کیا اور ھیثمی کی توثیق نقل کی۔

انہیں زندہ دفن کردیا گیا ہوگا جب آپ نے اس پاکباز نیک خاتون کا یہ واقعہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا تو آپ کے لیے عبرت خیز ثابت ہوا، اور آپ کے دل کا سارا شبہ اور تردد زائل ہوگیا۔[1]

تیسری دلیل:

یقیناً سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اپنے اس حجرہ میں نماز ادا فرماتی تھیں جہاں نبی پاک ﷺ کا روضہ اطہر ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ حدیث بیان فرماتے، اور کہتے تھے: اے حجرہ کی مالکہ! سماعت فرمائیں اے حجرہ کی مالکہ! سماعت فرمائیں اور عائشہ نماز میں مشغول ہوتیں، جب آپ نماز سے فارغ ہوچکیں تو عروہ سے کہا: کیا ان کے کلام کی طرف ابھی دھیان نہ کیا؟ نبی پاک ﷺ اس شان سے حدیث بیان فرماتے کہ اگر شمار کرنے والا اسے شمار کرتا تو شمار کرلیتا۔[2]

احادیث کی کتابیں ایسے حضرات کے ذکر سے مالا مال ہیں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس اس حالت میں پہنچتے کہ آپ اپنے اسی حجرہ میں مشغول نماز ہوتیں جہاں نبی پاک ﷺ کا روضۂ اقدس ہے، اور اگر ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس نماز ادا کرنا شرک ہوتا تو ضرور خلفائے راشدین آپ کے لیے ایک دوسرا مکان خرید دیتے جس میں آپ نماز پڑھتیں اور رہتیں، جب ایسا نہ ہوا اور نہ ہی کسی صحابی نے اس پر اعتراض کیا تو یہ ان سب کا اجماع سکوتی ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین مہدیین کی سنتوں میں سے ایک سنت بھی ہوئی۔

---

(۱) اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا (۵۴/۳ نمبر ۶۰۱۱) اور ذہبی نے اس کی موافقت کی، اور بیہقی نے شعب الایمان (۲۵۰/۷ حدیث نمبر ۱۰۲۲۲) میں روایت کیا۔

(۲) سیدہ عائشہ کی نماز اور ابو ہریرہ کا آپ کو خطاب ونداکرنا امام بخاری (۱۳۰۷/۳)، مسلم (۲۲۹/۴)، ابوداود (۳۲۰/۳) اور ابویعلی نے (۱۳۶/۸) اس حدیث کو روایت کیا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵۷۸/۶) میں بخاری کی روایت ''سبحتي'' بمعنی ''صلاتي'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا (جیسا کہ ہم سبحة الضحیٰ کہتے ہیں جس کا معنی چاشت کی نماز ہے) ابن ابوشیبہ نے اپنی مصنف میں (۱۷۵/۲) سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی نماز کو (جسے اپنی گھر میں پڑھتیں) سبحۃ الضحیٰ ذکر کیا اس کا مطالعہ کریں۔

پھر ایک دوسری چیز یہ بھی ہے کہ جو عورتیں حضرت عائشہ کے پاس ملاقات وزیارت کے لیے آتیں وہ بھی اسی حجرہ ہی میں نماز ادا کرتیں جہاں نبی پاک ﷺ کا روضہ اطہر ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں ہے جسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا، صحابہ کا کوئی اعتراض ہم تک منقول ہو کر نہ آیا، کوئی شخص اگر اس کے خلاف ثابت کرنا چاہے اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے۔

تنبیہ: قبروں کے پاس صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے نماز کا معاملہ ان وسوسہ پیدا کرنے والوں کے طریقہ سے بالکل ہی جداگانہ ہے ہم سردست براہ راست سیدنا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب نقل کر رہے ہیں اس لیے کہ ابن تیمیہ نے آپ پر سخت افترا کیا ہے۔

ابن سحنون کی المدونۃ الکبری (۹۰/۱) میں ہے: ''الصلاة في المواضع التي تجوز فيها'' یعنی ان مقامات کا بیان جہاں نماز پڑھنا جائز ہے۔

میں نے ابن قاسم سے کہا: کیا امام مالک اس امر میں توسع کے قائل تھے کہ نمازی کے سامنے اگر قبر ہو تو یہ قبر اس کے لیے سترہ ہے، فرمایا: امام مالک قبرستانوں کے اندر نماز ادا کرنے میں حرج نہ جانتے، آپ جب قبرستان میں نماز پڑھتے تو آپ کے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں قبریں ہوتیں، امام مالک نے کہا: قبرستان کے اندر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ: مجھے خبر یہ ملی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب قبرستان میں نماز پڑھتے۔

(۵۶) نبی پاک ﷺ نے کعبہ سے فرمایا:
''اللہ کے نزدیک مسلمان کا خون تجھ سے بھی زیادہ محترم ہے''
ابن تیمیہ کے زعم میں کعبہ نبی ﷺ سے زیادہ افضل ہے

جمہور علما یا ان کے اجماع کی مخالفت کرنا ابن تیمیہ کی قدیم عادت ہے۔

ابن تیمیہ نے حتی الامکان نبی پاک ﷺ کے خصائص وفضائل کا انکار کیا، اور لوگوں کو آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت سے روکا، اور یہ کہا کہ روضۂ اطہر کی زیارت میں کوئی فائدہ نہیں، اس کے ایک نیاز بردار نے اس کے احترام واکرام میں یہ کہا: (العقود الدریۃ ۱/۴۷۴)

عجبت لقبر ضم جسمک تربه أيحوى الثرى في تربه الشمس والبحرا

نقلت من الدنيا إلى ظل روضة وحزت الذي أملت بالمقلة السهرا

۱۔ مجھے اس قبر پر حیرت ہے جس کی خاک سے تیرا جسم پیوستہ ہے کیا آفتاب وسمندر خاک زمین کے اندر سما گیا ہے۔

۲۔ آپ نے دنیا سے ایک باغ کی طرف سفر فرمایا اور اپنے اس مقصود کو پالیا جس کی بیدار آنکھوں کو امید تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی جسد اطہر سے پیوستہ زمین روئے زمین کی تمام زمینوں سے افضل ہے مگر ابن تیمیہ نے زور وشور سے اس روشن حقیقت کا انکار کیا اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی کی سخت تکذیب کی کیوں کہ آپ نے اجماع امت کے حوالہ سے یہ نقل فرمایا کہ: آپ کے روضۂ اقدس کی زمین تمام زمینوں سے افضل ہے ابن تیمیہ نے اس حقیقت کا انکار اور اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہا:

''قاضی عیاض کے علاوہ کسی عالم نے خاک قبر کو کعبہ پر فضیلت نہ دی، اور ان سے پہلے کسی نے نہ ایسا قول کیا اور نہ اس بارے میں ان کی موافقت کی''۔

ابن تیمیہ نے قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی کے کلام میں تحریف کی۔اس لیے کہ آپ نے "موضع القبر" روضۂ اقدس کی زمین فرمایا۔اور اس نے اس کی جگہ "تراب القبر" (خاک قبر) کہا۔

ہم قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی کے قول کے موافق آپ سے پیشتر ایسی شخصیتوں کے اقوال پیش کریں گے جنہیں ابن تیمیہ بطور تائید پیش کرتا ہے،اور اس موضوع کے حوالہ سے ایسے محکم دلائل ذکر کریں گے جن کی بنیاد پر قاضی عیاض وغیرہ نے یہ اجماع نقل فرمایا۔

سب سے پہلے ابن تیمیہ کے صریح اقوال ذکر کریں گے اس نے فتاوی کبری (۴/۴۶۳) میں کہا:

''اور رمضان تمام مہینوں سے افضل ہے،اور ماہ رمضان کو ماہ رجب پر فضیلت دینے والا کافر ہے،اور مکہ اللہ کی ساری زمین سے افضل ہے یہی ابوحنیفہ اور شافعی کا قول ہے،اور احمد نے دو روایتوں کی تصریح کی،ابوالعباس نے کہا: میرے علم میں قاضی عیاض کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں جس نے نبی ﷺ کی تربت کو کعبہ پر فضیلت دی ہو،ان سے پہلے کسی نے نہ ایسا کہا اور نہ ہی کسی نے ان کی موافقت کی،اور مکہ میں نماز وغیرہ طاعات وعبادات افضل ہیں،اور ایسے مقام کے قرب وجوار میں رہنا افضل ہے جہاں ایمان وتقوی کی کثرت اور فراوانی ہو''۔

اور اس نے مجموع الفتاوی (۲۷/۳۸) میں یہ بھی کہا:

''اور اس بارے میں بھی سوال ہوا کہ دو آدمیوں نے باہم اختلاف ونزاع کیا ایک نے کہا کہ: محمد نبی ﷺ کی تربت آسمان وزمین سے افضل ہے،اور دوسرے نے کہا: کعبہ افضل ہے تو حق وصواب کس کے ساتھ ہے؟ تو اس سوال کا یہ جواب دیا: الحمد للہ اللہ عزوجل نے ذات محمد ﷺ سے افضل کسی مخلوق کو پیدا نہ فرمایا،اور لیکن نفس خاک قبر تو یہ کعبہ بیت الحرام سے افضل نہیں، بلکہ کعبہ اس سے افضل ہے،اور قاضی عیاض کے سوا کسی عالم کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے خاک قبر کو کعبہ سے افضل قرار دیا ہو،ان سے پہلے کسی نے نہ ایسا قول

کیا، اور نہ ہی اس قول میں ان کی موافقت کی''۔

اور دقائق التفسیر (۴۷/۲) میں یہ بھی کہا:

''نبی پاک ﷺ کی قبر موجود ہونے سے پہلے آپ کی حیات ہی میں مسجد کو یہ خاص فضیلت حاصل تھی، تو آپ کی مسجد کو آپ کی قبر کے سبب کوئی فضیلت حاصل نہ ہوئی''۔

بتوفیقہ تعالی ہم یہ کہتے ہیں: ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''قاضی عیاض سے پہلے کسی نے ایسا قول نہ کیا'' خطا سے خالی نہیں۔ آپ سے پہلے ابوالولید باجی، ابن بطال، اور ایسے ہی امام حافظ ھبۃ اللہ طبری معروف بہ لالکائی صاحب کتاب ''شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ'' (متوفی ۴۱۸ھ) اور ایسے ہی اپنے زمانہ کے امام حنابلہ ابن عقیل (جن سے ابن تیمیہ اکثر استدلال کرتا ہے) نے یہی قول فرمایا۔ بلکہ ابن عقیل نے تو ابن تیمیہ کو بہت لگنے والی بات کہی کیوں کہ آپ نے فرمایا: ''کعبہ حجرہ سے افضل ہے لیکن اس حجرہ میں جو ذات جلوہ بار ہے خدا کی قسم کعبہ اس سے افضل نہیں، اور نہ ہی عرش اور حاملین عرش، اور جنت اس سے افضل ہیں، اس لیے کہ حجرہ اقدس میں ایسا جسم اطہر جلوہ نشیں ہے جس سے کسی چیز کا موازنہ کیا جائے تو حضور اقدس ﷺ کی ذات پاک زیادہ باوزن اور باعظمت ثابت ہوگی۔

اس سلسلہ میں دلائل ذکر کرنے سے پہلے بعض علما کے اقوال وارشادات پیش خدمت ہیں:

امام نووی نے اپنی کتاب المجموع (۳۸۹/۷) میں فرمایا:

''مسلمانوں کا اس امر پر مسلم اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی مقدس سرزمین ساری زمین سے افضل ہے، اور اختلاف روضۂ پاک کے علاوہ مقامات میں ہے''۔

اور امام نووی نے یہ بھی نقل فرمایا کہ اس قول پر شافعیہ کا کوئی اعتراض نہیں۔

اور ابن کثیر، جو ابن تیمیہ کے تلامذہ سے ہیں، نے اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ (۲۰۵/۳) میں کہا:

''اور جمہور کا مشہور قول یہی ہے کہ مکہ مدینہ منورہ سے افضل ہے مگر جو حصہ خاک پاک رسول اللہ ﷺ کے جسد اقدس سے پیوستہ ہے''۔

میں کہتا ہوں: اگر آپ ابن کثیر سے سوال کریں کیوں آپ نے جمہور کہا، اوراجماع ذکر نہ کیا؟ جمہور کے خلاف کس نے قول کیا؟ تو وہ ہرگز یہ جواب نہ دے سکیں گے کہ فلاں نے جمہور کے قول کے خلاف ایسا قول کیا، اور فلاں نے خرق اجماع کیا اس لیے کہ آپ کے علم میں ابن تیمیہ سے پہلے کسی نے بھی (حافظ لا لکائی، اور قاضی ابوالولید باجی، اور ابن بطال، اور ابن عقیل وغیرہ) کے قول منقول کے خلاف قول نہ کیا، اور ابن تیمیہ سے ان سب میں آخر امام قاضی عیاض اور نووی ہیں، بلکہ خود ابن کثیر نے اپنی کتاب "**الفصول في اختصار سيرة الرسول ﷺ (۲۶۰/۱)**" میں قاضی عیاض کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> "اس امر پر اتفاق منقول ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی قبر کا جو حصہ آپ کے جسم پاک سے پیوستہ ہے تمام زمینوں سے افضل ہے، اور قاضی ابوالولید باجی، اور ابن بطال وغیرہما نے اس اجماع کی حکایت کی طرف سبقت کیا جس کی اصل وہ روایت ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو یہ اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے بعض نے بقیع اور بعض نے مکہ، اور بعض نے بیت المقدس کہا، تو ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ: اللہ عزوجل نے آپ کو اسی جگہ وصال عطا فرمایا جو اسے تمام زمینوں سے زیادہ محبوب ہے، عبدالصمد بن عسا کر نے کتاب تحفۃ الزائر میں اسے ذکر کیا اور میں نے اس کی کوئی سند نہ دیکھی"۔

ذرا غور فرمائیں کہ خود ابن کثیر نے یہ اجماع نقل کیا کہ نبی پاک ﷺ کے جسم پاک سے روضۂ اقدس کا متصل حصہ تمام زمینوں سے مطلقاً افضل ہے، اور ائمہ مسلمین میں سے کم از کم تین حضرات کا یہ قول ہے، اور ابن کثیر کے اس کلمہ کو ذرا ملاحظہ کیجئے: "وغیرہما" (اور ان دونوں کے علاوہ) اس کلمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قاضی عیاض سے پہلے ان دونوں کے علاوہ اور دوسرے علما بھی ہیں جن کا ذکر ابن کثیر نے نہ کیا۔ تو الحمد للہ یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: "قاضی عیاض سے پہلے کسی نے ایسا قول نہ کیا اور کسی نے اس قول میں ان کی موافقت نہ کی" بالکل کالعدم، ساقط الاعتبار، اجماع مسلم کے خلاف ہے، اور اس ثابت شدہ اجماع کی تکذیب ہے۔

تنبیہ: ابن کثیر کا یہ کہنا کہ: ''ان کی نظر سے یہ اسناد نہ گزری کہ ابوبکر صدیق نے یہ فرمایا کہ: اللہ عزوجل نے کسی نبی کو وصال نہ بخشا مگر جہاں ان کا دفن کیا جانا پسند تھا''، اور کتاب تحفۃ الزائر میں عبدالصمد بن عساکر کی طرف اس کی نسبت کرنا ایک عجیب معاملہ ہے جس سے ان کا قصور علم ظاہر ہوتا ہے جب کہ ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ وسیع الحافظہ ہیں۔

بیہقی نے اپنی سنن کبری میں تخریج کیا کہ سالم بن عبید اشجعی نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ پر سب سے زیادہ جزع فرمایا، حدیث ذکر کر کے یہاں تک فرمایا، تو لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کیا اے رسول اللہ کے صاحب (ساتھی) کیا رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا؟ فرمایا: ہاں رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا، تو لوگوں نے عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ کے صاحب (ساتھی) کون آپ کو غسل دیں گے؟ فرمایا: آپ کے اہل بیت میں قریب ترین لوگ، لوگوں نے عرض کیا: اے صاحب رسول اللہ آپ کی تدفین کہاں فرمائیں گے؟ فرمایا: آپ حضرات اسی جگہ دفن کریں جہاں اللہ عزوجل نے آپ کا وصال پسند فرمایا۔[1]

(۱) اس باب میں تین طرق وارد ہیں:

(۱) سالم بن عبید اشجعی اور یہ حدیث موقوف صحیح ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں بیہقی نے سنن کبری (۳۹۵/۳) اور نسائی نے بھی کبری (۲۶۳/۴-۲۶۵) اور طبرانی نے کبیر (۶۵/۷) میں تخریج کیا جس کے الفاظ یہ ہیں ''فإن الله لم يقبضه إلا في بقعة طيبة'' (کیوں کہ اللہ نے صرف پاکیزہ جگہ ہی آپ کو وصال بخشا) اور حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۸۲/۵-۱۸۳) میں فرمایا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

(۲) ام المومنین عائشہ نے علی بن ابوطالب سے روایت کیا ابن ابوشیبہ نے اپنی مصنف (۳۷۰/۶) میں اس سند سے تخریج کیا کہ ابوبکر بن عیاش نے صدقہ بن سعید سے روایت کیا کہ جمیع بن عمیر نے فرمایا: میں اور میری ماں اور میری خالہ عائشہ کے پاس پہنچے... الحدیث اور اس میں یہ ہے کہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا تو آپ نے نبی کریم ﷺ کے مدفن کے بارے فرمایا: ''مافي الأرض بقعة أحب إلى الله من بقعة قبض فيهانبيه'' اللہ کے نزدیک اس زمین سے بہتر کوئی جگہ نہیں جہاں اس نے اپنے نبی کو وصال بخشا۔ اور ابویعلی نے اپنی مسند (۲۷۹/۸) میں ابن ابوشیبہ کی بعینہ

اور ابن ابوشیبہ نے صدقہ بن سعید سے تخریج کیا کہ جمیع بن عمیر نے کہا: میں اور میری ماں، اور میری خالہ ام المومنین عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عائشہ سے پوچھا حضور کی بارگاہ میں علی کا کیا مقام و مرتبہ تھا؟ تو آپ نے فرمایا: آپ لوگ مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جن کے ہاتھ کو ایسا مقام حاصل تھا کہ کسی صحابی کو یہ مقام حاصل نہ تھا اور ان کے ہاتھ میں آپ کا خون جاری ہوا (بہا) جسے اپنے چہرہ پر ملا اور جس وقت حضور نے وصال فرمایا تو یہ پوچھا گیا کہ لوگ حضور کی تدفین کہاں کریں گے؟ تو حضرت علی نے فرمایا: ''**مافي الأرض بقعة أحب إلى اللّٰه من بقعة قبض فيها نبيه**'' اللہ نے جس جگہ اپنے نبی کو وصال بخشا اس کے نزدیک روئے زمین پر اس سے زیادہ محبوب و پسندیدہ کوئی جگہ نہیں۔

اور ابویعلی نے ابوملیکہ سے تخریج کیا کہ سیدہ عائشہ نے فرمایا: نبی پاک ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی تدفین کے بارے میں صحابہ کا اختلاف ہوا تو ابوبکر نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ سے یہ فرماتے سنا: ''اللہ عزوجل اسی جگہ اپنے نبی کو وصال عطا فرماتا ہے جو اسے زیادہ محبوب ہوتی ہے پھر فرمایا: آپ کو آپ کے وصال

سابقہ اسناد و متن کے ساتھ اس حدیث کی تخریج کی۔ اور یہ حدیث علی بن ابوطالب کے قول سے موقوف اور حکماً مرفوع ہے، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۱۲/۹) میں کہا: اس میں ایک مختلف فیہ جماعت ہے، اور جمیع کی ماں اور ان کی خالہ کو میں نہیں پہچانتا۔ میں کہتا ہوں: صدقہ بن سعید کے بارے میں ذہبی نے کہا صدوق (زیادہ راست گو) ہیں (الکاشف ۵۰۱/۱) اور ابن حجر نے تقریب (۲۷۵/۱) میں کہا: مقبول ہیں۔ اور ابن حبان نے جمیع بن عمیر کو ثقہ کہا (الثقات ۱۱۵/۴) اور عجلی نے معرفۃ الثقات ۲۷۲/۱، اور ابوحاتم نے الجرح والتعدیل ۵۳۲/۲ میں ثقہ کہا، اور ابن حجر نے تقریب (۱۴۲/۱، ۹۶۸) میں کہا: جمیع بن عمیر تیمی ابوالاسود کوفی زیادہ راست گو ہیں خطا کرتے ہیں۔

(۳) ام المومنین عائشہ نے ابوبکر صدیق سے روایت کیا کہ ابویعلی نے اپنی مسند (۴۶/۱)، اور ابن عبدالبر نے تمہید (۳۹۸/۲۴) میں اس کی تخریج کی۔ ابویعلی نے کہا: ابوموسی ھروی اسحاق بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے ابومعاویہ نے بیان کیا، ہم سے عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے ابن ابوملیکہ اور انھوں نے عائشہ سے روایت کیا اور اس حدیث کو ذکر کیا، اور اس اسناد میں قدرے ضعف ہے جو متابعت سے زائل ہو جاتا ہے، اور سابقہ روایتیں معتبر شاہد جید ہیں، کیوں کہ ابوموسی ثقہ ہیں (الجرح والتعدیل ۲۱۰/۲) اور ابومعاویہ ضریر بھی ثقہ ہیں (تقریب ۵۸۴۱)... لیکن عبدالرحمٰن بن ابوبکر ضعیف ہیں (تقریب ۳۸۱۳)، اور عبداللہ بن عبیداللہ ثقہ فقیہ ہیں۔ (تقریب ۳۴۵۴)

کی جگہ دفن کرو۔

اب میں ایک ایسا تحفہ پیش خدمت کروں گا جس سے محبان رسول ﷺ کو دلی ٹھنڈک حاصل ہوگی میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مدینہ منورہ مکہ سے افضل ہے آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا آپ کو اس کی علت معلوم ہے؟ خود امام مالک نے اس کی علت واشگاف فرماتے ہوئے فرمایا: مکہ پر مدینہ منورہ کی فضیلت اس لیے ہے کہ میرے علم میں مدینہ منورہ کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کسی معروف ومشہور نبی کی قبر اتنی معروف ہو۔امام حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب التمهيد (۲۸۹/۲) میں اسے نقل فرمایا اور حافظ ابن عبدالبر کون ہیں ان کی کتاب کا کیا پایہ ہے اس سلسلے میں امام ذہبی کا قول ملاحظہ کیجئے جو ابن تیمیہ کے ان تلامذہ سے ہیں جنھوں نے بعض امور میں ابن تیمیہ کی موافقت اور بہت سے امور میں اس کی مخالفت کی ہے۔

ذہبی نے اپنی کتاب سير أعلام النبلاء (۱۹۳/۱۸) میں کہا:

> ''شیخ عزالدین ابن سلام نے کہا: وہ مجتہدین میں سے ایک مجتہد تھے میں نے اسلامی کتابوں میں ابن حزم کی ''المحلی''اور شیخ موفق الدین کی ''المغنی'' کی طرح کوئی علمی کتاب نہ دیکھی ۔میں کہتا ہوں: (یعنی علامہ ذہبی کا کلام ہے) شیخ عزالدین نے سچ کہا، اوران اسلامی کتابوں میں ایک تیسری کتاب بیہقی کی سنن کبری، اور چوتھی کتاب التمہید لابن عبدالبر ہے۔ جو روشن دماغ علوم کے ان علمی دفتروں کا دائمی مطالعہ کرے وہ عالم برحق ہوگا''۔(ذہبی کا کلام حرف بحرف ختم ہوا)

حافظ سخاوی نے اپنی کتاب التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة (۲۰/۱) میں امام مالک کا قول ایسا ہی نقل کیا ہے۔

تو اب ابن تیمیہ کو امام مالک کے اس قول سے کہاں مفر ہے آپ تو یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ: مدینہ منورہ مکہ سے اس لیے افضل ہے کہ وہاں نبی پاک ﷺ کا روضہ اقدس موجود ہے۔

اس واضح حقیقت کے روشن ہوجانے کے بعد جب ابن تیمیہ کے تہور، اور بے دلیل انکار اجماع کی

حقیقت بھی ظاہر ہوگئی تو اس کے ساتھ ایک دوسری چیز بھی ملاحظہ فرماتے چلیں ممکن ہے وہ آپ پر پوشیدہ ہو۔

وہ یہ ہے کہ امام قاضی عیاض اور باقی ائمہ مسلمین کی گفتگو اس حصہ زمین کے متعلق ہے جو نبی اکرم ﷺ کے جسد اطہر سے پیوستہ ہے، وہ خاک نہیں جو اس کے نیچے ہے کیونکہ دراصل نبی پاک ﷺ اپنے وصال کے بعد بھی اسی طرح ہیں جیسا کہ آپ اپنے جسد اقدس کے ساتھ اپنی حیات ظاہری میں تھے جیسا کہ خود حضور اقدس ﷺ نے یہ خبر دی: ''**إن اللّٰــه حــرم عـلـى الأرض أن تـاكل أجسادالأنبياء**'' کہ اللہ نے زمین پر انبیا کے جسموں کا کھانا حرام فرمادیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا جسد اقدس نہ کبھی خاک ہوا، اور نہ ہوگا جب آپ کی یہ شان اقدس ہے تو ابن تیمیہ کی یہ ملمع سازیاں کس لیے ہیں؟ ذرا اس پر بھی غور کرنا چاہئے۔

ان حضرات کے اسمائے گرامی جنھوں نے یہ فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کا جسد اقدس جس حصہ زمین سے پیوستہ ہے وہ جگہ تمام زمینوں یہاں تک کہ خود کعبہ سے بھی افضل ہے۔

(۱) امام مالک جیسا کہ ابن عبدالبر نے التمہید میں نقل کیا جیسا کہ گذر چکا۔

(۲) حافظ لا لکائی ھبۃ اللہ طبری نے اپنی کتاب ''**توثيق عری الإيمان**'' میں۔

(۳) ابن بطال (متوفی ۴۴۹ھ)

(۴) ابوالولید باجی (۴۰۳-۴۷۴) نے ذکر کیا۔

(۵) ابن عقیل نے کہا کہ: ''**إن هـذا البـقـعـه أفـضل من العرش**'' (یہ خاک اقدس عرش سے بھی افضل ہے)۔

(۶) امام تقی الدین سبکی۔

(۷) ابن کثیر۔

(۸) حافظ سخاوی۔

(۹) تقی الدین حصنی۔

(۱۰) ابوالحسن مالکی نے کتاب کفایۃ الطالب (۵۳۴/۲) میں۔

(۱۱) زرقانی (۷/۲)

(۱۲) امام قرانی نے ذخیرہ (۳۸۱،۳۷۸/۳) میں۔

(۱۳) سمہودی نے تاریخ مدینہ منورہ میں۔

(۱۴) تاج فاکہی۔

(۱۵) شیخ زروق۔

(۱۶) ابوعبداللہ مغربی نے مواہب الجلیل (۳۴۵-۳۴۴/۳) میں۔

(۱۷) صاحب کتاب **السیرۃ الجلیلۃ** (۴۹۵/۳)

(۱۸) آلوسی نے روح المعانی میں (۱۱۲/۲۵)

(۱۹) علامہ ابن عابدین نے (حاشیہ ۲۲۶/۲)

(۲۰) مرغینانی صاحب کتاب درمختار۔

(۲۱) مصنف کتاب "**اللباب**"

(۲۲) شارح کتاب "**اللباب**".

(۲۳) ابن مفلح حنبلی (۸۸۴-۸۱۶ھ نے المبدع (۷۰/۳) میں۔

(۲۴) محمد خطیب شربینی نے **مغنی المحتاج** (۴۸۲/۱) میں۔

(۲۵) حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۶۸/۳) میں قاضی عیاض کا قول ذکر کیا، اور اس پر کوئی تعقب نہ کیا۔

(۲۶) حافظ مناوی نے فیض القدیر (۲۶۴/۶) میں۔

(۲۷) حافظ سیوطی نے خصائص کبری (۳۵۱/۲) میں۔

(۲۸) قسطلانی نے شرح سنن ابن ماجہ میں۔

(۲۹) سندی شارح سنن ابن ماجہ۔

(۳۰) **بیجرمی**.

(۳۱) شروانی۔

(۳۲) طحطاوی نے اپنے حاشیہ مراقی الفلاح (۱/۷۰) میں۔

(۳۳) شیخ نفراوی مالکی نے الفواکہ الاوانی (۱/۴۵) میں۔

(۳۴) مصنف کتاب کشف الاسرار۔

(۳۵) شیخ ازھر شیخ عدوی نے۔

(۵۷)ابن تیمیہ نے رسول اللہ ﷺ کے آغوش جوار اقدس میں رہنے کا انکار کیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے وارفتگان شوق ومحبت کے خلاف بہت سی نازیبا جسارتیں کیں

جس وقت سیدنا عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ طیبہ سے باہر نکلے آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ملتفت ہوکر اشک آلود آنکھوں سے فرمایا: اے مزاحمت کرنے والے کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ ہم ان لوگوں میں سے ہوں جنھیں مدینہ منورہ نے شہر بدر کر دیا (موطا امام مالک ۸۸۹/۲)

امام بخاری نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس تاریخ مدینہ منورہ تصنیف کی، اور چاندنی راتوں میں اسے لکھتا تھا۔ (۱)

ابن تیمیہ نے اپنے نیاز برداروں پر نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس کے زیارت کو حرام کر دیا ہے اس لیے اس کے یہ نیاز بردار حضور اقدس کے روضۂ اطہر کی زیارت اور اس کی تعریف کے بجائے دل کھول کر ابن تیمیہ کی قبر کی تعریف کرتے ہیں!!

اس کے ایک نیاز بردار نے اس کی حمایت ودفاع میں العقو دالدریۃ (۴۷/۱) میں کہا:

قدأودع القبر الشريف علومه	عجبا لوسع القبر بحرا سائلا
ومجاور قبر الإمام مؤملا يارب	وارحمناو كل مشيع صلى عليه أوأتاه مقبلا
من كان مسرورا به و بعلمه	من بعده فالحزن أضحى عاجلا

(۱) ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۴۰۰/۱۲) اور ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری (۴۷۸/۱) اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (۲۸۷/۱) میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا، میں کہتا ہوں: رہ گئے ابواب، جامع صحیح کے تراجم، تو نبی کریم ﷺ کے روضۂ اطہر اور آپ کے منبر مبارک کے درمیان تصنیف فرمایا۔ آپ ہر ترجمۂ باب کے وقت دو رکعت نفل ادا فرماتے۔ ابوالولید باجی کی الجرح والتعدیل (۳۱۰/۱) اور مزی کی تہذیب الکمال (۴۴۳/۲۴) مطالعہ کیجئے۔

۱۔ اس کے علوم قبر شریف میں ودیعت کر دیے گئے کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ایک بحر سائل قبر کی وسعتوں میں سما گیا۔

۲۔ اے پروردگار! امام کے جوار قبر میں فروکش انسانوں، اور اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اسے رخصت کرنے والوں یا اس کے پاس آنے والوں، اور ہم پر رحم فرما۔

۳۔ جو شخص اس سے اور اس کے علم سے خوش رہا رنج وغم نے اس کی طرف پیش رفت کی۔

میں کہتا ہوں: لاحول ولاقوۃ الا باللہ ابن تیمیہ کی قبر، قبر شریف ہے، اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت حرام ہے، اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے جوار اقدس میں رہنے کے بجائے لوگ ابن تیمیہ کے جوار قبر میں فروکش ہوں ایسا کس نے نقل کیا؟ یہ ابن عبدالہادی ہے جس نے شیخ الاسلام سبکی کے رد میں مغالطات پر مشتمل ایک مکمل کتاب اس لیے لکھی کہ آپ نے ابن تیمیہ کا سخت رد فرمایا!

> ابن تیمیہ نے دقائق التفسیر (۴۷/۲) میں کہا: ''نبی ﷺ اور آپ کے کسی صحابی، اور آپ کی امت کے کسی عالم نے یہ نہ کہا کہ کسی قبر کے قرب وجوار میں رہنا مستحب ہے، آپ اور آپ کی قبر مکرم، اور کسی دوسری قبر کی طرف متوجہ اور مشغول نہ ہو، اور نہ ہی کسی قبر کے قریب رہائش کا قصد وارادہ کرے''۔

ابن تیمیہ کے اشتعال انگیز اسلوب والفاظ پر تنبیہ کے بعد اس کا رد بھی ملاحظہ فرمائیں....اس نے یہ کہا: ''**ولا یعکف علیه**'' (آپ کی بارگاہ میں اعتکاف نہ کیا جائے) کیوں کہ اعتکاف سے کبھی مسجد حرام، یا ستون کا اعتکاف مقصود ہوتا ہے اور ہم بعون اللہ تعالی کہتے ہیں:

(۱) عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے مناقب میں ابوموسی اشعری کی یہ حدیث مروی ہے: ''**وبشره بالجنة مع بلوی تصیبه**'' اور انہیں پیش آنے والی مصیبت وبلا کے ساتھ جنت کی بشارت دے دو''[۱]

(۱) ''بشره بالجنة'' (ان کو جنت کی بشارت دے دو) یہ حدیث بخاری (۱۳۴۳/۳) نے تخریج کی اور لفظ بخاری کے ہیں، اور مسلم نے بھی تخریج کی (۱۸٦۸/۴)۔

سعید بن مسیّب نے ''پیش آنے والی مصیبت'' کی شرح میں فرمایا: ''میرے نزدیک اس کی تاویل یہ ہے کہ ان تین حضرات کی قبریں تو ایک جگہ ہیں، مگر حضرت عثمان کی قبر سب سے الگ تھلگ ہے''۔ علامہ نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم (۱۵/۱۷۳) میں فرمایا: ''سعید بن مسیّب نے فرمایا: میرے نزدیک اس کی تاویل ان تینوں حضرات کی قبریں ہیں یعنی وہ حضرات ثلاثہ ایک جگہ مدفون اور آرام فرما ہیں، اور حضرت عثمان ان حضرات سے الگ مقام پر مدفون ہیں، اور یہ سچی فراست کے باب سے ہے''۔

(۲) مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا کہ: آپ عثمان کے محاصرہ کے وقت آپ کے پاس حاضر ہوئے اور مشورۃً کہا کہ: آپ عام لوگوں کے امام ہیں، اور آپ پر جو مصیبت اتری اسے مشاہدہ فرما رہے ہیں، میں آپ کے سامنے تین خصلتیں پیش کرتا ہوں آپ ان میں سے جسے چاہیں اختیار فرمائیں، یا تو آپ خروج فرما کر ان سے قتال کریں کیوں کہ آپ کے ساتھ لشکر کی تعداد اور طاقت وقوت ہے، اور آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، یا جس دروازہ پر وہ لوگ ہیں اس کے علاوہ کوئی دروازہ نکالیں، اور اپنی سواری پر سوار ہو کر مکہ چلے جائیں کیوں کہ جب تک آپ وہاں رہیں گے وہ لوگ آپ کو حلال نہ سمجھیں گے (آپ سے تعرض نہ کریں گے)، اور یا تو آپ شام چلے جائیں کیوں کہ معاویہ شامیوں میں سے ہیں، تو حضرت عثمان نے جواباً فرمایا: میں خروج کر کے ان سے قتال کرنا پسند نہیں کرتا کیوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی امت کا سب سے پہلا وہ خلیفہ نہیں بننا چاہتا جس نے آپ کی امت کی خون ریزی کی ہو، اور رہا مکہ جانا تو بلاشبہ یہ لوگ وہاں مجھے حلال نہ سمجھیں گے مگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: ''**یلحد رجل من قریش بمکة یکون علیه نصف عذاب العالم**'' یعنی مکہ میں قریش کا ایک ایسا شخص مدفون ہوگا جس پر عالم کا نصف عذاب ہوگا'' تو میں ہرگز وہ شخص بننا نہیں چاہتا، اور رہا ملک شام چلے جانا کہ وہاں اہل شام ہیں، اور ان شامیوں میں معاویہ ہیں، تو مجھے اپنا دارالہجرت، اور رسول اللہ ﷺ کا جوار اقدس چھوڑنا پسند نہیں۔[1]

(۱) امام احمد نے عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے اثر کی تخریج کی (۱/۶۷) اور حارث (زوائد ھیثمی) (۲/۸۹۸)، اور خطیب نے

(۳) عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "من استطاع منكم أن يموت بالمدينة فليمت المدينة فإني أشفع لمن مات بها" یعنی تم میں سے جو شخص مدینہ منورہ میں مرنے کی استطاعت رکھے تو مدینہ منورہ میں مرے کیوں کہ میں مدینہ منورہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا" کیا اس حدیث کی شہادت کافی نہیں۔

(۴) علی سے کہا گیا اے ابوالحسن! آپ کا کیا معاملہ ہے کہ مقبرہ (قبرستان) کے قرب وجوار میں رہتے ہیں، فرمایا: میں انہیں بہترین ہمسایہ پاتا ہوں جو برائی و بدگوئی سے اپنی زبانیں بند رکھتے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔[1]

اور بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابوطالب ان کے والد سے تخریج کی کہ علی بن ابوطالب سے کہا گیا آپ کا کیا معاملہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے جوار فیض میں رہنا چھوڑ دیا اور قبر والوں کے قرب وجوار میں رہنے لگے، فرمایا: میں نے انہیں بہترین ہمسایہ پایا وہ

تاریخ بغداد (۲۷۷/۱۴) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۸۰/۳۹) میں تخریج کی اور ضیا نے المختارۃ (۵۲۰/۱) میں اس کو صحیح کہا۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۹۹/۷، ۲۳۰) میں کہا: امام احمد نے اسے روایت کیا، اور اس کے رجال ثقہ ہیں مگر محمد بن عبدالملک بن مروان کا مغیرہ سے سماع میں نے نہ پایا۔

"فضل مكة في الحج" میں اس حدیث کے کئی طرق ہیں" میں کہتا ہوں: تاریخ طبری (۶۵۰/۲) اور "مقتل الشهيد عثمان" (۱۰۲/۱، ۱۰۳) میں ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: "أنا لا أبيع جوار رسول الله ﷺ و ان كان فيه قطع خيط عنقي" (میں رسول اللہ ﷺ کا جوار اقدس کسی چیز کے عوض نہ بیچوں گا اگرچہ میری گردن کا مغز کٹ جائے)۔

(۱) "قيل لعلي ماشأنك ياأباحسن جاورت المقبرة" یعنی علی سے عرض کیا گیا اے ابوالحسن! آپ کا کیا معاملہ ہے کہ قبرستان کے قرب وجوار میں رہتے ہیں" اس اثر مذکور کو ابن ابوشیبہ (۱۰۲/۷) اور بیہقی نے شعب الایمان (۲۰/۷) میں تخریج کیا، اور اس کی اسناد جید ہے ابواسامہ حماد بن اسامہ ثقہ ثبت ہیں (تقریب ۱۴۸۷) اور عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابوطالب: مقبول ہیں، حافظ ذہبی نے ان کے والد کو ثقہ کہا، اور ابن حجر نے صدوق یعنی زیادہ راست گو کہا۔

اپنی زبانیں بند رکھتے ہیں اور آخرت کی یاد تازہ کرتے ہیں۔[1]

(۵) امام بخاری کا قول ابھی ہم نے نقل کیا، اور خطیب نے تاریخ بغداد (۱۲۱/۱) میں فرمایا کہ: ابویعلی فراء حنبلی نے فرمایا کہ: ایک شخص ابوبکر بن مالک کی خدمت میں آمد و رفت رکھتا تھا اس شخص سے کہا گیا مرنے کے وقت کہاں دفن ہونا پسند کرتے ہو تو اس نے کہا: قطیعہ میں، اور عبداللہ بن احمد بن حنبل قطیعہ میں مدفون ہیں اور عبداللہ بن احمد بن حنبل کے متعلق اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے وہاں دفن ہونے کی وصیت فرمائی تھی آپ نے فرمایا کہ: مجھے صحت سے یہ معلوم ہے کہ قطیعہ میں نبی مدفون ہیں، اور اپنے والد کے جوار پاک میں دفن ہونے کی بہ نسبت کسی نبی کے جوار فیض میں دفن ہونا مجھے زیادہ پسند ہے (حموی کی معجم البلدان ۱۲۱/۱ ملاحظہ فرمائیں۔ اور حافظ ابن عبدالبر نے التمہید ۲۲۶/۲۲) میں فرمایا: حضور نے ارشاد فرمایا: "والمدینة خیر لھم لو کانوا یعلمون" "اور مدینہ منورہ ان کے لیے بہتر ہے کاش یہ لوگ جانتے" اس حدیث کی تشریح کے متعلق کئی قول ہیں ایک قول یہ ہے: کہ مدینہ منورہ ان کے لیے اس لیے بہتر ہے کہ وہاں نہ طاعون، نہ دجال آئے گا، اور ایک قول یہ ہے کہ: مدینہ منورہ اس لیے بہتر ہے کہ وہاں دوسرے شہروں کی بہ نسبت فتنہ کم ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ: مدینہ منورہ کو یہ فضیلت اس لیے حاصل ہے کہ وہاں رسول اللہ ﷺ کی مسجد ہے جس میں نماز ادا کی جاتی ہے اور آپ کے روضۂ اقدس کے جوار فیض ورحمت میں سکونت ورہائش حاصل کی جاتی ہے۔

(۱) "علی بن ابوطالب سے کہا گیا کہ آپ کا کیا معاملہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے جوار میں رہنا چھوڑ دیا" اس اثر مذکور کو بیہقی نے شعب الایمان (۲۰/۷) میں تخریج کیا، اور ایک راوی کے علاوہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، ابوعبدالرحمٰن سلمی امام الصوفیہ ہیں، خطیب نے تاریخ بغداد (۲۴۸/۲) میں ان کو ثقہ کہا، اور محمد بن عبداللہ بن محمد بن صبیح: ان کا حال مجھے معلوم نہیں، اور عبداللہ: وہ ابن محمد بن شیرویہ ہیں: حاکم نے ان کو ثقہ کہا (السیر ۱۶۶/۱۴) اور اسامہ حماد بن اسامہ: ثقہ ثبت ہیں (التقریب ۱۴۸۷) اور عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابوطالب: مقبول ہیں، حافظ ذہبی نے ان کے والد کو ثقہ، اور ابن حجر نے زیادہ راست گو کہا۔ (تقریب ۳۵۹۵)

میں کہتا ہوں: مختلف طبقات کے علماے امت کے حالات پر نظر ڈالیے ان کے حالات وواقعات سے فرح وسرور حاصل ہوگا اس لیے کہ یہ علماے امت خیر الخلق ﷺ کے جوار اقدس میں فروکش ہوئے۔

(۵۸) کیا ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر مکمل پابندی عائد کرنا چاہتا ہے؟

ابن تیمیہ کا یہ خیال ہے کہ روضۂ اقدس اور حجرہ شریفہ کے بوسہ کی ممانعت تمام ائمہ مسلمین کی طرف منسوب کر دینے سے اس کے بیہودہ افکار وخواہشات کو فروغ حاصل ہوگا۔

اس نے یہ دعویٰ کیا کہ بہ اتفاق ائمہ نبی ﷺ کے روضۂ اطہر اور حجرہ اقدس کو چھونا اور اس کا بوسہ لینا ممنوع ہے، جیسا کہ فتاوی کبری (۴/۳۷۳) میں کہا:

''اور اسی طرح ہمارے نبی اور خلیل کا حجرہ اور ان کے علاوہ کسی نبی اور مرد صالح کے مدفن کا بوسہ لینا اور اسے چھونا مستحب نہیں بلکہ اس سے نہی وممانعت وارد ہے''۔

اور مجموع الفتاوی (۲۷/۲۲۳) میں یہ کہا:

''سارے ائمہ اس پر متفق ہیں کہ نبی ﷺ کی قبر کا نہ بوسہ لے، اور نہ اسے چھوئے، یہ سارے احکام توحید کی محافظت کے لیے ہیں''۔

اور زیارۃ القبور (۱/۵۴) میں یہ کہا:

''**قبر کو چھونے، اور اس کا بوسہ لینے اور اس پر رخسار رکھنے کا بیان**: کسی بھی قبر کو چھونا، اور اس کا بوسہ لینا، اور اس پر رخسار رکھنا بہ اتفاق مسلمین ممنوع ہے، وہ انبیاہی کی قبریں کیوں نہ ہوں، امت کے سلف اور ان کے ائمہ نے ایسا نہ کیا، بلکہ یہ شرک ہے''۔

میں کہتا ہوں: اس مقام پر بہت سے احتمالات ہیں:

(۱) ابن تیمیہ کو یہ معلوم ہی نہیں کہ بعض ائمہ کرام نے یہ فتوی دیا کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کا بوسہ لینا جائز ہے، اور ان ائمہ میں امام احمد بن حنبل ہیں، اور یہ مفروض ہے کہ ابن تیمیہ حنبلی ہے۔ اگر ایسا ہی

ہے کہ ابن تیمیہ کو جواز کا یہ فتوی معلوم نہ تھا تو یہ مسئلہ ان کثیر مسائل میں سے ایک مسئلہ ہوگا جن میں مطلق دعوی کے لیے تمام الفاظ کا ایک سیل رواں ہوگا، مثلا ابن تیمیہ مطلق دعوی کرتا ہے اور یہ کہتا ہے: تمام ائمہ، تمام سلف، اور سارے علما کا اجماع ہے، اس پر اجماع امت ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف معلوم نہیں، سارے سلف کا اتفاق ہے، کسی نے کبھی ایسا قول نہ کیا۔ اس کے علاوہ اس کے بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن سے اس کا مقصود اپنے کلام کو قوت دینا ہوتا ہے۔

اور براہ راست یہ نقطہ، یعنی مشہور مسائل میں بکثرت غلط دعوی کرنا، اسے محققین کے دائرہ ہی سے خارج کر دیتا ہے تو پھر یہ کیسے شیخ الاسلام ہوسکتا ہے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نے دانستہ اسے ذکر نہ کیا.. اگر ایسا ثابت ہے تو یہ بھی ایک عظیم حادثہ ہے۔

(۳) اسے معلوم تھا لیکن اسے تبدیلی رائے کی مہلت نہ مل سکی۔

(۴) اور کچھ دوسرے احتمالات بھی ہیں جن کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں۔

ہم اللہ ہی کی توفیق سے کہہ رہے ہیں:

ہر دور میں صحابہ وتابعین اور سلف صالح سے یہی ثابت ہے کہ ان حضرات نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کا بوسہ لیا، اور اسے چھوا، رہ گئی توحید کی محافظت تو اس کا اس میں ذرا بھی دخل نہیں۔

ابن تیمیہ کے کفش برداروں پر لازم ہے کہ اگر ان میں ذرا بھی صداقت ہے تو اس کی دلیل لائیں جسے ان کے نام نہاد پیشوا ابن تیمیہ نے سارے ائمہ کے حوالہ سے نقل کیا، یا اس نے خود ہی بلاشرکت غیر ایسا سمجھا اس لیے کہ اس کا یہ کلام باطل ہے۔

اولا: سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کا واقعہ:

امام احمد اور حاکم نے تخریج کیا کہ داود بن ابوصالح نے کہا: ایک دن مروان آیا اس نے ایک شخص کو روضۂ اقدس پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے کہا: کچھ خبر ہے کیا کر رہے ہو؟ جب قریب آ کر دیکھا تو آپ حضرت

ابوایوب انصاری تھے، آپ نے فوراً فرمایا: ہاں میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آیا ہوں اور سنگ قبر کے پاس نہیں آیا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: "**لاتبكوا على الدين إذا وليه أهله ،ولكن ابكوا عليه إذا وليه غير أهله**" جب دین کے حاکم لائق اور اہل لوگ ہوں تو دین پر نہیں رونا چاہئے، ہاں جب زمام ولایت نااہلوں کے ہاتھوں میں ہو تو دین پر رونا چاہئے"۔(۱)

(۱) امام احمد نے اپنی مسند (۴۲۲/۵ نمبر ۲۳۶۳۳)، حاکم نے مستدرک (۵۶۰/۴ نمبر ۸۵۷۱) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۲۴۹/۵۷) میں داود بن صالح سے روایت کیا۔

اور طبرانی نے معجم کبیر (۱۵۸/۴ نمبر ۳۹۹۹) اور معجم اوسط (۹۴/۱ نمبر ۲۸۴) اور (۱۴۴/۹ نمبر ۹۳۶۶) میں اور ابن عساکر نے (۲۵۰/۵۷) مطلب بن عبداللہ سے روایت کیا۔

بہر حال یہ حدیث کم از کم حسن ہے حاکم اور سیوطی نے جامع صغیر میں اسے صحیح کہا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۴۵/۵) میں کہا: اس کو امام احمد اور طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا، اور اس میں کثیر بن زید ہیں جنہیں امام احمد وغیرہ نے ثقہ، اور نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا، اور امام احمد کی ان کی توثیق کافی ہے، اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ نسائی توثیق کے معاملہ میں شدت پسند ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کثیر کی حدیث حسن قرار دیا، انھوں نے تلخیص الحبیر (۱۳۳/۲) میں یہ حدیث اس طرح تخریج کی کہ: "حضور اقدس ﷺ نے عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس ایک پتھر رکھا، اور فرمایا "**أعلم بها قبر أخي و أدفن إليها من مات من أهلي**" (ترجمہ:۔ "میں یہاں پر اپنے بھائی کی قبر جانتا ہوں اور اپنے وفات یافتہ اہل کو یہیں سپرد خاک کرتا ہوں") ابن حجر نے یہ حدیث تخریج کرنے کے بعد فرمایا: اس کی اسناد حسن ہے اس میں صرف کثیر بن زید ہیں جو مطلب سے راوی ہیں اور وہ صدوق (زیادہ سچے) ہیں۔ امام بخاری نے ان کی اس حدیث کو صحیح کہا جو انھوں نے ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "**إن المرأة لتأخذ للقوم**"

اس کو امام ترمذی نے روایت کیا اور یہ نقل کیا کہ بخاری نے اس کو صحیح کہا (نصب الرایۃ ۳۹۵/۳ مطالعہ کریں)

تنبیہ: مناوی کو فیض القدیر (۳۸۶/۶-۳۸۷) میں وہم ہوا کیوں کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ داود بن ابوصالح نے اس واقعہ کو دیکھا ان کے بارے میں ابن حبان نے یہ کہا: موضوع روایتیں کرتے ہیں، اور بخاری کی "التاریخ الکبیر" اور ابن ابوحاتم کی "الجرح و التعدیل" (۴۱۶/۳) کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ داود بن ابوصالح حجازی ہی ابوایوب انصاری سے راوی ہیں، اور لیکن داود ابن ابوصالح لیثی جن کے بارے میں ابن حبان نے کہا: موضوع

کیا صحابی جلیل سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ عزوجل کی توحید کا علم نہ تھا، یا وہ ابن تیمیہ کی تعلیم وتربیت کے محتاج تھے، یا آپ ابن تیمیہ کے نزدیک معتبر امام نہیں؟

سبحان اللہ! سیدنا ابوایوب انصاری پر صرف مروان بن حکم، اور ابن تیمیہ ہی نے اعتراض کیا۔

ان میں مروان بن حکم وہ شخص ہے جس نے طلحہ بن عبید اللہ کو شہید راہ محبت کیا جو عشرہ مبشرہ سے ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی کہ: "أنه شهيد يمشي على وجه الأرض" (وہ روئے زمین پر چلتے ہوئے شہید ہیں)۔

صحیح سندوں سے مروی روایتیں دیکھنے سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ مروان بن حکم نے طلحہ بن عبید اللہ کو شہید کیا جو عشرۂ مبشرہ سے ہیں، ابن حجر نے الاصابۃ (۵۳۲/۳) اور ھیثمی وغیرہما نے مجمع الزوائد (۱۵۰/۹) وغیرہ میں ان صحیح روایتوں کو ذکر کیا۔

اور ابن تیمیہ کے حالات کے تحت ہم نے ذکر کیا کہ اس کے معاملہ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔

ثانیا: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنا داہنا ہاتھ نبی ﷺ کی قبر پر رکھے ہوئے تھے۔(۱)

روایتیں کرتے ہیں، یہ ایک دوسرے شخص ہیں۔

اور حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۴۰۵/۸) میں کہا: داود بن ابوصالح حجازی ابوایوب انصاری سے روایت کرتے ہیں۔

ابن حجر نے تقریب التہذیب (۱۹۹/۱) میں ایسا ہی کہا۔

اور اس بنا پر ان شاء اللہ حدیث کم از کم حسن ہے چاہے بطریق داود بن ابوصالح یا مطلب بن عبد اللہ مروی ہو۔

(۱) نافع نے ابن عمر سے روایت کیا کہ نبی پاک ﷺ کی قبر کو چھونا مکروہ ہے ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۳۷۸/۲) اور جزء الأصفهاني (۱۰٦/۱ نمبر ۲۷) وغیرہ میں یہ اثر مذکور ہے۔ اور ابن قیسرانی نے تذکرۃ الحفاظ (۱٦۱/۱) میں اس کی تخریج کر کے کہا: عبید اللہ کی حدیث ثقفیات، اور جزء بن فرات، اور ابن عیینہ، اور جزء بن عاصم میں علو حال کے ساتھ ہمیں دستیاب ہوئی، اور بطریق طبرانی یوں وارد ہے، ابراہیم بن احمد حاسب نے ہمیں خبر دی، اسماعیل بن ظفر نے ہمیں خبر دی، احمد بن محمد تیمی نے ہمیں خبر دی، ابن ابوالخیر نے ہمیں تیمی سے خبر دی، ہم کو ابونعیم نے خبر دی، ہم سے عبد اللہ بن جعفر نے بیان کیا، محمد بن عاصم نے ہمیں خبر دی، ہم کو ابواسامہ نے عبید اللہ سے بروایت نافع خبر دی کہ ابن عمر نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کو کثرت سے چھونا مکروہ جانتے تھے۔

عبداللہ بن عمر کے بارے میں جو یہ وارد ہے کہ آپ نبی ﷺ کی قبر کو چھونا مکروہ جانتے تھے تو عبیداللہ نے اس کی توضیح کی ہے، یہ عبیداللہ وہ ہیں جو امام احمد بن حنبل کے نزدیک امام مالک سے زیادہ قوی اور ثابت ہیں جب نافع سے بروایت ابن عمر روایت کریں، عبیداللہ نے نافع سے روایت کیا کہ ابن عمر نبی ﷺ کی قبر کو کثرت سے چھونا ناپسند فرماتے تھے۔(1)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک قبر کا چھونا مطلقا مکروہ نہیں ___ آپ خود اپنا دست راست قبر شریف پر رکھتے تھے جیسا کہ گزرا ہاں بکثرت چھونا مکروہ ہے۔

اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ قبر شریف کے چھونے یا بوسہ لینے میں امر توحید کا مطلقا کوئی دخل نہیں جیسا کہ خوارج کا یہ دعوی ہے زیادہ سے زیادہ یہ مکروہ ہے اور مکروہ وہ ہے جس کے نہ کرنے پر ثواب اور اس کے کرنے پر مذمت وعقاب نہ ہو ___ جو حضرات نبی اکرم ﷺ کے روضۂ پاک کا بوسہ لیتے یا اسے چھوتے ہیں محض تبرک کی غرض ونیت سے ایسا کرتے ہیں۔ اور بار بار قبر شریف چھونے والا کبھی حد ادب سے تجاوز کر جاتا ہے اسی لیے صحابی

---

(1) ابن عمر نے اپنا ہاتھ قبر شریف پر رکھا اس اثر کو قاضی نے فضل الصلاة على النبي (۸۴/۱ نمبر ۱۰۰) میں ذکر کر کے کہا: مجھ سے اسحاق بن احمد نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے عبداللہ بن عمر نے بروایت نافع بیان کیا کہ ابن عمر جب سفر سے آتے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے، پھر نبی ﷺ کی بارگاہ میں آتے اور آپ کے روضۂ اقدس پر اپنا دست راست رکھ کر قبلہ کو پیٹھ کر کے نبی پاک ﷺ پھر ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما کی بارگاہ میں سلام پیش کرتے۔

اس اثر کی اسناد حسن ہے، بخاری نے اپنی صحیح میں اسحاق بن محمد کی روایت ذکر کی ہے اور یہ زیادہ سچے ہیں جیسا کہ ابن حجر اور ذہبی نے کہا، اور عمری کو ذہبی نے ان لوگوں میں ذکر کیا جن کے بارے میں محدثین نے کلام فرمایا اور وہ قابل وثوق ہیں (۱۱۲/۱) اور کہا: مسلم نے عبداللہ بن عمر کی روایت متابعت میں ذکر کی ہے. احمد نے کہا: صالح الحدیث ہیں اور ابن معین نے کہا: صویلح آپ کی حدیث لکھتے ہیں اور ابن عدی نے کہا: ان میں کوئی حرج نہیں، اور نسائی نے کہا: وہ قوی نہیں۔

ابن عدی نے الکامل (۱۴۱/۴ نمبر ۱۷۶) میں کہا: احمد بن سعد نے ہم سے بیان کیا میں نے یحي سے سنا آپ نے فرمایا عبداللہ بن عمری بن حفص: میں کوئی حرج نہیں ان کی حدیث لکھی جاتی ہے، ہم سے محمد بن علی نے بیان کیا: ہم سے عثمان بن سعید نے بیان کیا میں نے یحي بن معین سے کہا عبداللہ عمری جب نافع سے روایت کریں تو اس روایت کا کیا حال ہے؟ فرمایا صالح ثقہ ہیں۔ اور انھوں نے یہاں نافع سے روایت کیا ہے۔ فالحمد للہ۔

جلیل سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے اس کو مکروہ فرمایا۔

ثالثاً: رسول اللہ ﷺ کے موذن بلال نے ایسا کیا کیوں کہ آپ نے روضۂ اقدس سے اپنے چہرہ کو مس فرمایا۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۳۷/۷) اور غسانی نے اپنے اخبار (۴۵/۱-۴۶ نمبر ۵۷) میں ذکر کیا:

''کہ بلال نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے ان سے ارشاد فرمایا: ''**ماهذه الجفوة يا بلال أما ان لک ان تزورني يابلال**'' '' اے بلال! یہ کیا ظلم ہے، کیا تمہارے لیے ابھی میری زیارت کا وقت نہ آیا'' آپ خوف و دہشت کے ساتھ رنجیدہ ہو کر بیدار ہوئے اور اپنی سواری پر سوار ہو کر مدینہ منورہ طیبہ کی طرف جادہ پیما ہو گئے، جب نبی پاک ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوئے اپنا چہرہ روضۂ پاک پر رکھ کر رونے لگے اتنے میں حسنین کریمین آئے اور آپ کو اپنے سینہ سے لگایا اور بوسہ لیا، اور عرض کیا: اے بلال! ہم آپ کی وہ اذان سننا چاہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی حیات ظاہری میں سحر کے وقت دیا کرتے تھے تو آپ مسجد کی چھت پر تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہوئے جہاں کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے جب اللہ اکبر اللہ اکبر کہا مدینہ منورہ میں کہرام برپا ہو گیا پھر جب **اشهد أن لا إله إلا الله** کہا: خوب چیخ و پکار بلند ہوتی پھر جب **أشهد أن محمدرسول الله** کہا: دوشیزائیں اپنے پردوں سے باہر نکلیں اور کہا: کیا رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ کے بعد اس دن سے زیادہ رونے والے اور رونے والیاں دیکھی نہ گئیں۔

شوکانی نے نیل الاوطار (۱۸۰/۵) میں اس واقعہ کے بارے میں کہا: صحابہ کی ایک جماعت نے حضور ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی ہے جن میں حضرت بلال ہیں جیسا کہ ابن عساکر نے بسند جید ذکر کیا۔ اور بہت سے علما نے اسے حسن کہا، اگر چہ ذہبی نے **سیر أعلام النبلاء** (۳۵۸/۱) میں اس کے متعلق یہ کہا: اس کی اسناد لیّن ہے اور حافظ مزی صاحب ابن تیمیہ نے اپنی کتاب تہذیب الکمال، اور امام نووی نے تہذیب الاسماء میں یہ واقعہ بلا کسی نکیر کے ذکر کیا اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی یہ واقعہ ذکر کیا۔

رابعا: محمد بن منکدر رسادات تابعین سے ہیں۔

حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۵۰/۵٦، ۵۱) اور حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۳۵۸/۵، ۳۵۹) میں ذکر کیا: ''کہ محمد بن منکدر جب اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھتے آپ پر سکوت طاری رہتا آپ اسی حالت میں اٹھتے اور اپنا رخسار نبی ﷺ کے روضۂ اقدس پر رکھتے پھر واپس آتے، اس بارے میں آپ کو عتاب کیا جاتا تو فرماتے مجھے ایک خطرہ درپیش ہوا جب میں نے اسے محسوس کیا تو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر استغاثہ پیش کیا۔ آپ سحر کے وقت مسجد کے ایک حصہ میں آتے اور وہاں کی خاک میں لوٹ کر چت لیٹ جاتے اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس جگہ (خواب میں) دیکھا ہے۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ محمد بن منکدر ساداتِ تابعین کے سردار ہیں، اگر یہ اثر ضعیف، یا دین کے کسی امر کے مخالف و مزاحم ہوتی تو ذہبی محمد بن منکدر کے مناقب میں اسے ذکر نہ کرتے۔

خامسا: حسین بن عبداللہ بن عبداللہ بن حسین

حافظ سخاوی نے التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة (۲۹۲/۱) میں آپ کے حالات کے تحت ذکر کیا: یحی بن حسن بن جعفر نے اپنی کتاب ''أخبار المدينة'' میں کہا: ہم نے اپنے مابین آپ سے افضل انسان نہ دیکھا، آپ کے جسم میں جب کوئی شکایت وتکلیف ہوتی تو حضور کے روضۂ اقدس کی مقدس دیوار سے متصل سیدہ فاطمۃ الزہراء کے گھر میں جو پتھر تھا اسے کھولتے اور اس سے اپنا جسم مس کرتے۔

سیدنا امام احمد بن حنبل اپنا ہاتھ روضۂ اقدس پر رکھتے۔

سادسا: امام احمد بن حنبل

طبقات الحنابلہ (۲۹۳/۱-۲۹۴) میں ہے کہ محمد بن بزار نے فرمایا: میں اپنے والد عبداللہ بن احمد کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوا آپ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گوشہ میں کھڑے ہوگئے جب لوگ دفن سے فارغ ہوئے اور دفن کا سارا معاملہ ختم ہوگیا تو آپ روضۂ اقدس کے پاس آئے اور میرا دونوں ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئے، اور اپنا ہاتھ روضۂ اطہر پر رکھ کر یہ عرض کیا: اے اللہ تو نے اپنی سچی کتاب میں فرمایا:

﴿ فَأَمَّآ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ٥ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّةُ نَعِيْمٍ ٥ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ

أَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ o فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ o وَأَمَّآ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ o فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍo وَتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ o ﴾ [الواقعہ-۵۶:۸۸ تا۹۴]

ترجمہ:''پھر وہ مرنے والا اگر مقربوں میں سے ہے تو راحت اور پھول اور چین کے باغ۔اور اگر دہنی طرف والوں سے ہوتو اے محبوب تم پر سلام ہے دہنی طرف والوں سے اور اگر جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہوتو اس کی مہمانی کھولتا پانی اور بھڑکتی آگ میں دھنسانا''۔

آخری سورت تک یہ آیت تلاوت فرمائی اور یہ دعا کی اے اللہ! میں شہادت دیتا ہوں کہ اس فلاں بن فلاں نے تجھے جھٹلایا،اور تجھ پر اور تیرے رسول علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا۔اے اللہ اس کے حق میں ہماری شہادت قبول فرما،آپ دعا فرمانے کے بعد واپس تشریف لائے''۔

اس سے واضح ہے کہ یہ چیز امام احمد بن حنبل کے فعل سے ثابت ہے۔

امام احمد نے روضۂ نبوی شریف کا بوسہ لینا جائز قرار دیا ہے:

حافظ عراقی نے فرمایا: حافظ ابوسعید علائی نے مجھ سے فرمایا: میں نے امام احمد بن حنبل کے فرزند کے کلام کا ایک قدیم جز دیکھا جس میں ابن ناصر وغیرہ حفاظ کی یہ تحریر تھی کہ امام احمد سے نبی ﷺ اور دوسرے حضرات کی قبروں کے بوسہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ہم نے ابن تیمیہ کو یہ تحریر دکھائی تو اس سے تعجب کر کے کہنے لگا: میرے نزدیک امام احمد بن جلیل ہیں وہ یہ کہہ رہے ہیں؟

اس نے کہا اور اس میں کون سا تعجب ہے!

اور عبداللہ بن امام احمد بن حنبل کی کتاب العلل ومعرفۃ الرجال (۴۹۲/۲) میں ہے: میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو نبی کریم ﷺ کا منبر مبارک تحصیل برکت کے لیے چھوئے اور اسے بوسہ لے،اور آپ کے روضۂ اطہر کے ساتھ ایسا ہی کرے یا اس طرح اور کوئی چیز صرف تقرب الی اللہ کے لیے کرے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۱۲/۱۱) میں اس امر کو تاکید کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کہا:
''عبداللہ بن امام احمد بن حنبل نے فرمایا: میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) کو دیکھا آپ نبی پاک ﷺ کا موئے مبارک اپنے دہن سے لگاتے، اور اسے بوسہ دیتے، اور میرا گمان ہے کہ میں نے آپ کو اسے اپنی آنکھوں سے لگاتے، اور پانی میں ڈال کر اس کا دھوون پیتے اور اس سے شفا حاصل کرتے دیکھا۔

اور میں نے دیکھا کہ آپ نبی کریم ﷺ کا کاسہ شریف لے کر پانی کے ایک بڑے گھڑے میں اسے دھوتے پھر اس کا دھوون پیتے، اور میں نے آپ کو بغرض شفا آب زمزم شریف نوش کرتے، اور اسے اپنے ہاتھوں اور چہروں پر ملتے دیکھا۔

میں (علامہ ذہبی) کہتا ہوں: امام احمد کی شان میں غلو اور اس روشن حقیقت کا انکار کرنے والے کہاں ہیں؟ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عبداللہ نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو نبی پاک ﷺ کے منبر شریف کی لکڑی اور حجرہ نبویہ کو (بطور برکت) چھوتا اور چومتا ہے؟ تو فرمایا: میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا، اللہ عزوجل ہمیں اور آپ کو خوارج کی رائے اور اہل بدعات سے پناہ بخشے''۔ (ذہبی کا کلام ختم ہوا)

میں کہتا ہوں: اللہ آپ کو ہدایت پر قائم رکھے ذرا حافظ ذہبی کا یہ قول ملاحظہ فرمائیں: ''امام احمد کی شان میں غلو اور اس روشن حقیقت کا انکار کرنے والے کہاں ہیں؟'' اور ابن تیمیہ کا وہ کلام بھی ملاحظہ کیجئے جسے علائی نے نقل کیا: ''میرے نزدیک احمد جلیل ہیں یہ فرما رہے ہیں؟

اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ابن عبدالہادی مقدسی ابن تیمیہ کے تلمیذ نے العقود الدریۃ (۳۲۷/۱-۳۳۸) میں ابن تیمیہ کی بعض ایسی اختراعی باتیں ذکر کیں جو مذاہب اربعہ کے مخالف ہیں ان میں سے یہ ہے: کہ متمتع کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کافی ہے جیسا کہ قارن اور مفرد کے حق میں کافی ہے اور یہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے۔

ابن عبدالہادی نے کہا: امام ابن حنبل سے آپ کے بیٹے عبداللہ نے اسے روایت کیا، اور امام احمد کے

بہت سے اصحاب یہ روایت نہیں جانتے۔

میں کہتا ہوں: سبحان اللہ! امام احمد کی ایک روایت آپ کے عظیم اصحاب حنابلہ پر کئی صدی تک پوشیدہ رہی، ابن تیمیہ نے آ کر اسے واضح و روشن کیا؟ اور امام احمد کے ثابت شدہ قول و فعل پر ابن تیمیہ کو سخت حیرت واستعجاب ہوا، اور یہ دعویٰ کیا کہ سارے ائمہ اس پر متفق ہیں کہ نبی پاک کے روضۂ اطہر کو نہ چھوا جائے۔ **لاحـــول ولاقوة إلابالله العلى العظيم.**

سابعا: ابراہیم حربی

آپ امام احمد کے اکابر اصحاب سے ہیں، اور تمام حنابلہ یہی نقل کرتے آئے کہ آپ کے نزدیک نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کا بوسہ لینا مستحب ہے۔ (کشف القناع ۲/۱۵۰-۱۵۱)

ابن تیمیہ حافظ عبد الغنی کی بہت تعریف کرتا ہے۔

ثامنا: حافظ عبد الغنی مقدسی حنبلی

علامہ کوثری نے **السیف الصقیل** (ص ۱۸۵) میں کہا:

> میں نے حافظ ضیاء مقدسی حنبلی کی کتاب ''الحکایات المنثورۃ'' (جو ظاہریہ دمشق کی لائبریری میں نمبر ۹۸ کے تحت محفوظ ہے) میں آپ کی یہ تحریر دیکھی کہ: آپ نے حافظ عبد الغنی مقدسی حنبلی سے یہ فرماتے سنا کہ: آپ کے بازو میں پھوڑے کے مشابہ کوئی چیز نکل آئی جس کے علاج سے عاجز و پریشان رہے بالآخر امام احمد بن حنبل کی قبر پر تشریف لے گئے، اور آپ کی خاک قبر اس پر ملی تو شفایاب ہو گئے اور دوبارہ مرض عود نہ کیا۔

توضیح:

بعض علمائے اہل سنت نے یہ فتویٰ دیا کہ نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کو چھونا مکروہ ہے مگر جس پر شدت حال کا غلبہ ہے اس کے لیے یہ کراہت نہیں، یہ افتا نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کے ادب کے پیش نظر ہے۔ اس خوف کے سبب نہیں کہ یہ مفضی الی الشرک ہے، اس لیے کہ ابن تیمیہ سے پہلے سارے علما کا کلام رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ کے

آداب کی اتباع میں ظاہر وروشن ہے،اور ہماری ذکر کردہ دلیلوں سے استحباب نہ سہی مگر اتنا ضرور واضح ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کا بوسہ لینا جائز ہے،اور اس بارگاہ کے آداب بجالانا بھی لازم ہے۔

لیکن والعیاذ باللہ تعالی جن لوگوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ مبارک ،اور آپ کی امت کے افعال وافہام پر بالکلیہ پابندی عائد کردی جائے تاکہ ہر شخص انہیں کی فہم کے مطابق امت کو کافر ومشرک کہے تو ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَ قَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾

[الاعراف-۷:۱۳۲]

ترجمہ:۔''اور بولے تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آ ؤ کہ ہم پر اس سے جادو کرو ہم کسی طرح تم پر ایمان لانے والے نہیں''۔

اور فرمایا:

﴿وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ [التوبہ-۹:۴۸]

ترجمہ:۔''اور اے محبوب تمہارے لیے تدبیریں الٹی پلٹیں''۔

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ [آل عمران-۳:۱۷۳]

اور اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز۔

تنبیہ: صحابہ کرام نے روضۂ اقدس کے چھونے،اور چومنے سے متعلق جو کچھ جانا اور عمل کیا ان وسوسہ پیدا کرنے والوں کا طریقۂ عمل اس سے بالکل ہی الگ تھلگ ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح (۱/۴۵۷) میں روایت کیا کہ عثمان بن حکم نے کہا: خارجہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک قبر پر بیٹھایا،اور مجھے اپنے چچا یزید بن ثابت کے بارے میں خبر دی کہ انھوں نے فرمایا کہ ''إنما كره ذلك لمن أحدث عليه'' ''(قبر پر بیٹھنا صرف اس کے لیے مکروہ ہے جو قبر پر حدث یعنی پاخانہ وپیشاب کرے)۔

اور نافع نے فرمایا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قبروں پر بیٹھتے تھے۔

اورامام مالک نے مؤطا(۲۳۳/۱) میں روایت کیا کہ ”أن علـي بن طالب کان یتوسل القبور و یضطجع علیها“ (علی بن ابوطالب قبروں پر ٹیک لیتے،اوران پر لیٹتے)۔

امام مالک نے فرمایا: ہماری رائے میں صرف قضائے حاجت کی خاطر قبروں پر بیٹھنے سے منع کیا گیا،اور اسی لیے امام مالک اورامام ابوحنیفہ نے یہ فتوی دیا کہ قبروں پر بیٹھنا ممنوع ہے،اوراس سے ان کی مراد یہ ہے کہ پیشاب اور پاخانہ کے لیے بیٹھنا[1] ہے،لیکن اگراس کے علاوہ اورکسی مقصد کے لیے بیٹھا جائے تواس باب میں ممانعت وارد نہیں۔

ان حضرات نے زید بن ثابت کی درج ذیل مرفوع روایت سے استدلال واستفادہ کیا:

”نبی پاک ﷺ نے صرف پاخانہ یا پیشاب کے لیے قبروں پر بیٹھنے سے منع فرمایا“ اس حدیث کی اسناد

---

(۱) أقول وباللّٰه التوفيق: فقیہ اعظم ہند حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”صحیح یہ ہے کہ قبر پر بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے کہ احادیث میں اس پر وعید آئی ہے۔البتہ بعض علمانے قرأت قرآن کے لیے بیٹھنے کی اجازت دی ہے“۔(فتاوی امجدیہ ۳۶۱/۱و۳۶۲)

فقیہ فقید المثال مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

لأن يجلس أحدكم على جمرة فتحرق ثيابه حتى تخلص إلى جلده خير له من أن يجلس على قبر. رواه مسلم وأبوداود والنسائي وابن ماجة عن سيدناأبي هريرة رضي الله تعالى عنه. (سنن أبي داود كتاب الجنائز ۲/ ۱۰۴)(آفتاب عالم پریس)

ترجمہ: ”بے شک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ قبر پر بیٹھے۔اسے مسلم وابوداود ونسائی وابن ماجہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا“۔

عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

رائني رسول الله ﷺ جالساعلى قبرفقال ياصاحب القبر انزل من على القبر لاتؤذ صاحب القبر ولايؤذيک“.

میں تمام راوی ثقہ ہیں۔

ترجمہ:۔''مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے''۔

(شرح معانی الآثار باب الجلوس علی القبور ۱/۳۴۶ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی)

اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا: عمرو بن حزم کو نبی ﷺ نے ایک قبر سے تکیہ لگاتے دیکھا فرمایا:

'' لاتؤذ صاحب القبر كمافي المشكاة'' ترجمہ:۔''صاحب قبر کو ایذا نہ دے جیسا کہ مشکاۃ میں ہے''

(مشكاة المصابيح باب دفن الميت فصل ثالث ۱/۱۴۹ مطبع مجتبائی دہلی)

مزید احادیث و ابحاث پیش فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:

انھیں احادیث سے ہمارے علما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے بے ضرورت قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پاؤں رکھنے سے منع فرمایا کہ یہ سب حرمت مومن کے خلاف، ترک ادب و گستاخی ہے۔

ففي النوادروالتحفة والبدائع والمحيط وغيرهما أن أباحنيفة كره وطيء القبر والقعود أوالنوم أوقضاء الحاجة عليه كذا نقل العلامة ابن أمير الحاج في الحلية.

ترجمہ:۔''تو نوادر، تحفہ، بدائع اور محیط وغیرہ میں ہے کہ ابوحنیفہ نے قبر کا روندنا، بیٹھنا، سونا اس پر قضائے حاجت کرنا مکروہ کہا ایسا ہی ابن امیر الحاج نے حلیہ میں نقل کیا''۔

أقول والكراهة عندالإطلاق كراهة التحريم كما صرحوا به مع مايفيده من النهي الواردفي الأحاديث معللا بالإيذاء حرام فهذا ماندين الله تعالى به وإن قيل وقيل.

ترجمہ:۔''میں کہتا ہوں جب کراہت مطلق ہو تو کراہت تحریم مراد ہوتی ہے جیسا کہ فقہا نے تصریح کی ہے پھر اس نہی سے بھی تائید ہوتی ہے جو احادیث میں ایذا کی علت سے متعلق وارد ہے اور ایذا حرام ہے پس دیانت داری کی بات یہی ہے اب خواہ کوئی کچھ کہتا رہے''۔

مزید تحقیقات کے بعد فرمایا:

''فقد قال في الفتح يكره الجلوس على القبروو طوء ه فمايضعه الناس ممن دفنت أقاربه ثم دفن حواليهم خلق من وطاء ة تلك القبورإلى أن يصل إلى قبر قريبه مكروه''.

ترجمہ:۔''چنانچہ فتح میں کہا: قبر پر بیٹھنا اور اس کو روندنا مکروہ ہے تو وہ لوگ جن کے رشتہ داروں کے گرد دوسروں

کی قبریں ہوں ان کا ان قبروں کو روندنا اپنے قریبی رشتہ داروں کی قبر تک پہنچنے کے لیے مکروہ ہے۔(القدیر فصل في الدفن ۲/۱۰۲ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام محدث حافظ الحدیث ابوبکر بن ابی الدنیا حضرت ابوقلابہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی:

"أقبلت من الشام إلى البصرة فنزلت الخندق فتطهرت وصليت ركعتين بالليل ثم وضعت رأسي على قبر فنمت ثم انتبهتُ فإذابصاحب القبريشتكي ويقول اٰذيتني منذ الليلة".

ترجمہ:۔"یعنی میں ملک شام سے بصرہ کو آتا تھا۔رات کو خندق میں اترا،وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی،پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا جب جاگا تو ناگاہ سنا کہ صاحب قبر شکایت کرتا اور فرماتا ہے کہ تو نے رات بھر مجھے ایذا پہنچائی"۔الخ

(شرح الصدور بحوالہ ابن أبي الدنيا باب ماينفع الميت في قبره ص۱۲۸۔خلافت اکیڈمی منگورہ سوات)

ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی دلائل النبوۃ میں حضرت عثمان نہدی سے وہ مینا تابعی سے راوی:

"میں مقبرے میں گیا دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہا،خدا کی قسم!میں خوب جاگ رہا تھا کہ سنا صاحب قبر کہتا ہے:

"قم فقداٰذيتني"(اٹھ کہ تو نے مجھے ایذا دی)

(دلائل النبوة للبيهقي باب ماجاء في الرجل الخ ۷/۴۰ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

امام حافظ ابن مندہ قاسم بن مخیمرہ سے راوی:

"کسی شخص نے ایک قبر پر پاؤں رکھا،قبر سے آواز آئی:"إليك عني ولا تؤذني"اے شخص میرے پاس سے جا مجھے تکلیف نہ دے"(شرح الصدور باب تاذیۃ بسائر الوجوہ ص۱۲۶)

ذكرهما العلامة السيوطي في شرح الصدور أقول وفيهما تاييد لما عليه عامة علماء نا خلافا للإمام أبي جعفر ومن تابعه من بعض المتأخرين

ترجمہ:۔علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے ان دونوں روایتوں کو شرح الصدور میں ذکر فرمایا اُقول:ان دونوں روایتوں سے اسی کی تائید ہوتی ہے جس پر عامہ علما ہیں برخلاف ابوجعفر اور ان کے تابع بعض متاخرین کے۔

ان ساری شہادتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اکثر علما اس پر ہیں کہ بے ضرورت قبر پر بیٹھنا مطلقاً حرام ہے اس لیے کہ اس

حافظ ابن حجر کی فتح الباری (۳/۲۲۴)اور حافظ طحاوی کی شرح معانی الآ ثار(۱/۵۱۶،۵۱۷) مطالعہ کریں۔

ابن تیمیہ اپنے دل ودماغ میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے متعلق ایسا تصور وخیال رکھتا ہے جس سے رونگٹے تھرا جائیں،

اس نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۷/۳۲۴-۳۲۵) میں کہا:

''عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حیات میں بہت سے لوگ آپ سے حدیث سننے،اور حکم شرع پوچھنے، اورآپ کی زیارت وملاقات کے لیے جاتے،مگرکوئی شخص قبرمکرم کے پاس نماز ودعاوغیرہ کے لیے نہ جاتا بلکہ بسااوقات بعض لوگ آپ سے یہ درخواست کرتے کہ آپ انہیں قبروں کی زیارت کرادیں،تو آپ بعض حضرات کوقبروں کی زیارت کراتیں''۔

میں کہتا ہوں:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ صحابہ وتابعین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے یہ درخواست کرتے کہ آپ انہیں روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کرادیں تا کہ قبرشریف کے نورانی جلووں سے اپنی نگاہوں کولطف اندوز کریں،اورآپ سے برکت حاصل کریں،اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ کے مماثل چیزوں کودیکھ کراپنی قبروں کے ساتھ بھی ویسا ہی کریں،مگرابن تیمیہ ان حضرات پر یہ تہمت لگاتا اوران کا یہ تصور دلاتا ہے کہ افضل الخلق ﷺ سیدہ

میں ایذاواہانت مومن ہےاورایذاواہانت مومن حرام ہےاس لیے عامہ علما کےقول کوترجیح ہوئی اس لیے کہ فقہائے کرام نے ارشادفرمایا:

'' العمل بماعليه الأكثر، وأنه لا يعدل عن رواية ماوافقها دراية فكيف إذا كان هو الأشهر والأظهر الأكثر الأزهر وبهذا يضعف مازعم العلامة البدرفي العمدة فتبصر''

ترجمہ:''کہ عمل اس پر ہوگا جس پر اکثر ہیں اور یہ کہ درایت کے موافق روایت سے عدول نہ کیا جائے گا تو پھر اس سے عدول کیوں کرجائز ہوگا جو اشہر،اظہر،اکثر اوراَوضح ہے،اوراسی سے''عمدۃ''میں علامہ بدرکا زعم ضعیف قرار پاتا ہے،تو غور کیجئے۔''(ملخصاً فتاوی رضویہ۹/۴۴۴تا۴۵۲رضافاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ)

(مترجم)

عائشہ کے جس حجرہ میں آرام فرما ہیں اس حجرہ میں والعیاذ باللہ تعالی یہ لوگ صرف اور صرف زیارت کے لیے جاتے "أستغفر الله العظيم" گویا آپ کا روضۂ اقدس آثار وسیاحت گاہ ہے۔ ﴿أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [ہود-۱۱:۱۸] "سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے"۔

ذرا دیکھیں ابن تیمیہ کہہ رہا ہے:

"نماز و دعا وغیرہ کے لیے نہ جاتے"

ہم ماسبق میں ذکر کر چکے کہ صحابہ وتابعین روضۂ پاک پر جا کر وہاں کی مقدس خاک اپنے چہروں پر ملتے۔

ابونعیم نے حلیہ (۹/۲۶۲) میں تخریج کیا کہ ابوسلیمان دارانی نے کہا: جب اویس حج کے لیے گئے تو مدینہ میں داخل ہوئے، جب مسجد نبوی کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تو آپ سے بتایا گیا: یہ نبی ﷺ کا روضۂ پاک ہے، یہ سن کر آپ پر غشی طاری ہوگئی، جب ہوش آیا تو فرمایا: مجھے یہاں سے لے چلیں اس لیے کہ میرے شہر اس شہر اقدس کی طرح نہیں جہاں محمد ﷺ اپنے روضۂ اقدس کے اندر جلوہ آرا ہیں۔

﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ ......﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ ......﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾

(۵۹) جو شخص نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرتا ہے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں

مگر ابن تیمیہ کی نظر میں اس جواب کی کوئی اہمیت نہیں

اس نے مجموع الفتاوی (۲۷/۳۹۵، ۳۹۶) میں کہا:

''جب مسلمان اپنی نماز میں حضور پر درود بھیجتا ہے تو اگر چہ حضور اس سلام کا جواب نہ دیں لیکن اللہ اس پر دس سلامتی نازل فرماتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا: ''جو ایک بار مجھ پر سلام بھیجے گا اللہ اس پر دس سلامتی نازل فرماتا ہے'' تو اللہ سلام کی اس سے بہتر جزا عطا فرماتا ہے جو سلام کے جواب سے حاصل ہوتی ہے، جس طرح کوئی شخص حضور پر ایک بار درود بھیجے اللہ اس پر اس درود کے عوض دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، ابن عمر آپ پر سلام پیش کر کے واپس چلے آتے، وہاں کھڑے ہو کر نہ اپنے لیے دعا کرتے اور نہ ہی حضور کے لیے''۔

میں کہتا ہوں:

رسول اللہ ﷺ کے خلاف یہ کیا جنگ وجدال ہے، میں تو کہتا ہوں:

(۱) یہ کیسی تلبیس ہے، کیا اللہ عزوجل نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ دس سلامتی اس وقت نازل نہ فرمائے گا جب کوئی نبی ﷺ پر سلام پیش کرے اور آپ اس کے سلام کا جواب عنایت فرمائیں، اور کس شخص نے یہ کہہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ اگر سلام کا جواب عنایت فرمائیں گے تو اللہ دس سلامتی نازل نہ فرمائے گا۔

(۲) بندہ پر اللہ عزوجل کا دس سلامتی نازل فرمانا، دراصل حضور اقدس ﷺ کی اولاً تکریم شان ہے، پھر ثانیاً آپ کے وسیلہ سے اس شخص کی بھی تکریم شان ہے جو آپ سے محبت رکھے۔ ایسا اس لیے ہے تا کہ اس محبّ صادق کے محبت رسول میں خوب خوب اضافہ ہو۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں (امام احمد رضا قدس سرہ)

(۳) نبی پاک ﷺ اپنی امت کے سلام کا جواب دیتے ہیں اس میں کچھ ایسی خصوصیتیں اور فضیلتیں ہیں جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے ان میں سے ایک خصوصیت وفضیلت یہ ہے کہ آپ پر سلام پیش کرنے والا غلام آپ کے پیش نظر رہے، اور آپ کی خاص توجہ وعنایت اس پر سایہ فگن رہے، اس لیے کہ آپ کا عاشق آپ کی بارگاہ میں (۱) سلام (۲) رحمت (۳) اللہ عزوجل کی برکتیں پیش کرتا ہے کیوں کہ وہ عرض کرتا ہے: ''**السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته**''

حضور اقدس ﷺ اس سلام کے جواب میں ''وعلیک السلام'' فرماتے ہیں آپ کی بارگاہ سے دائمی سلامتی کی دعا صرف اس خوش عقیدہ کو حاصل ہوتی ہے جس کا سینہ آپ کی محبت سے سرشار اور عشق سے مالا مال ہوتا ہے۔

(۴) جب کوئی شخص رسول پاک ﷺ پر سلام پیش کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس پر دس سلامتی نازل فرماتا ہے، تو اللہ عزوجل کے اس سلام اور ملائکہ، اور رسول اللہ ﷺ کے سلام کے درمیان خلط نہ کیا جائے۔ مجھے بتایا جائے کہ کیا کسی شخص کا یہ کہنا صحیح ہے کہ میرا مقصود اللہ کی رضا وخوشنودی ہے، اور یہ رسول پاک ﷺ کی رضا سے افضل ہے ایسا شخص اللہ عزوجل کے ان روشن ارشادات کا مصداق ہے:

﴿وَيُرِيدُونَ أَنْ يُّفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ [النساء-۴:۱۵۰]

ترجمہ:''اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کردیں''۔

﴿إِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ﴾ [المنافقون-۶۳: ۵]

ترجمہ:''اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لیے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں''۔

﴿فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصٰلِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾ [التحریم-۶۶:۴]

ترجمہ:۔''تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اوراس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں''۔

ابن تیمیہ کا مقصد صاف صاف ظاہر ہے کہ آپ کی بارگاہ میں دعا کرنا مستجاب ہونے کی دلیل نہیں، اگر نبی پاک ﷺ سلام کا جواب نہ دیں تو اللہ کی دس سلامتی تم پر نازل ہوگی، اور یہ نبی ﷺ کے جواب سے افضل ہے۔اس لیے آپ کی بارگاہ میں جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں بیٹھے رہنا زیادہ اچھا ہے کہ اللہ کی دس سلامتی تم پر نازل ہورہی ہے، پھر نبی پاک ﷺ کی بارگاہ سے سلام کا جواب، کسی مسلمان یا مومن کی قبر کے سلام کے جواب جیسا ہے اس میں نبی پاک کی کوئی فضیلت وخصوصیت نہیں۔مسلمانوں انصاف سے بتاؤ ایسے شخص کا کیا حکم ہے جوشہد میں زہر چھپا کر ایسی بیہودہ باتیں کرتا، اور ایسے ناپاک معانی پیش کرتا ہے۔

(۵) ابن تیمیہ کے کلام کا مقصد صاف ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی امت آپ کی بارگاہ میں درود نہ بھیجے، اور نہ وہاں ذکر وتسبیح کرے، صرف قرآن تلاوت کرے، تو پھر صحابی رسول کے اس عرض کا کیا معنی ہے: ''**كم أجعل لک من صلاتي**'' اے اللہ کے رسول میں آپ کی بارگاہ میں کس قدر درود پیش کروں''. حضور اقدس نے اس کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: ''**إذا تكفي همك يغفر ذنبک**'' اس وقت تمہارے اس درود کی برکت تمہارا غم کافور کرکے تمہارا مقصد برلائے گی، اور تمہارا گناہ بخش دیا جائے گا۔

(۶) صاف واضح ہے کہ ابن تیمیہ اس آیت کریمہ کے پس منظر سے بالکل غافل وجاہل ہے:

''**يـأيهاالذين اٰمنوا استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لمايحييكم واعلموا أن الله يحول بين المرء وقلبه**'' (الأنفال۲۴پ۹ع۱۷)

ترجمہ:۔''اے ایمان والو! اللہ ورسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے

لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے''۔

یہ آیت کریمہ ایک صحابی رسول ﷺ کی شان میں وارد ہے جنھیں نبی ﷺ نے پکارا اور آپ نماز میں مشغول تھے، آپ نماز چھوڑ کر بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہوئے، اس پر نبی پاک ﷺ نے فرمایا دعوت و پکار پر کیوں نہ آئے؟ تو آیت مذکورہ بالا اتری۔ کیا نبی پاک ﷺ نے اپنے اس صحابی سے یہ فرمایا، تمہارے رب کے ساتھ تمہاری نماز افضل ہے، یا خود اللہ عزوجل نے ابن تیمیہ کے ناپاک مقصد کی تکذیب فرما کر اس کی ساری جڑیں کاٹ دیں۔

(۷) ابن تیمیہ کا یہ کلام ابھی گزرا: ''جب کوئی مسلمان اپنی نماز میں آپ پر دورد بھیجتا ہے تو اگر چہ آپ اسے جواب نہ دیں'' آخر ابن تیمیہ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ نبی پاک ﷺ سلام پیش کرنے والے کے سلام کا جواب نہیں دیتے نبی معصوم ﷺ نے تو یہ ارشاد فرمایا:

''مامن أحد يسلم علي إلا وقد رد الله علي روحي حتى أسلم عليه.'' (رواہ ابوداود کذا فی الترغیب)

ترجمہ:۔''جب بھی کوئی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اللہ عزوجل میری روح مجھ پر پیش فرماتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں''۔(مشکاۃ المصابیح ۲/۴۹۹)

یہ ایک نص قطعی ہے جس میں تاویل کا احتمال نہیں، ابن تیمیہ اس نص قطعی کے ہوتے ہوئے کس جرأت و بے باکی سے کہہ رہا ہے: ''اگر چہ آپ اسے جواب نہ دیں اللہ اس پر دس سلامتی نازل فرماتا ہے اور اس کے لیے اللہ کا سلام نبی ﷺ کے سلام سے افضل ہے''۔

کیا نبی پاک ﷺ نے اس حدیث پاک کے اندر اندرون نماز، یا بیرون نماز فرمایا.... صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اور ان کے ساتھ جو حضرات رسول اللہ ﷺ کی حیات میں تھے خواہ وہ مدینہ منورہ میں، یمن، اطراف شام یا اور کسی گوشہ عالم میں رہے ہوں، اور رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد سے اب تک تمام اہل ایمان، اور ہم

تمام مومنین نماز میں ایک ہی صیغہ سے، واضح خطاب کے ساتھ یوں سلام پیش کرتے ہیں: **السلام علیک أیها النبي ورحمة اللّٰه وبرکاته** اے نبی آپ پر اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت، اور اس کی برکتیں ہوں۔

(٦٠)ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کی تحریف کرتا ہے،اور آپ کی بارگاہ میں عرض سلام،اور اس سلام کے جواب کی کوئی اہمیت نہیں دیتا

میں تقی الدین حصنی کی کتاب''**دفع شبه من تشبه وتمرد ونسب ذالک للامام أحمد**'' مطالعہ کرر ہا تھا جس میں آپ نے ان سرکش لوگوں کے غلط شبہات کا ازالہ فرمایا جنھوں نے اپنے باطل شبہات امام احمد کی طرف منسوب کیے۔ آپ نے ابن تیمیہ کے بعض کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:''یہ شخص نبی پاک،اور آپ کے دونوں ساتھی،اور اسی طرح آپ کی امت سے اس لیے دلی کینہ رکھتا ہے تاکہ آپ کی امت آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے سبب حاصل ہونے والے خیر وبرکت سے محروم رہے،ایسے شخص اور اس کے اس آراستہ کلام سے بھی پرہیز لازم ہے جس کے پس پردہ بدترین قباحتیں پوشیدہ ہیں''۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

''اس شخص کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز اپنی خواہش،اور خبث باطن کے مطابق پاتا ہے اسے ذکر کرتا ہے۔ اور اسے خوب مزین وآراستہ کر کے کشادہ کلام کرتا ہے، اور اگر اپنے خلاف کوئی چیز پاتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے،یا اسے ایسے محمل پر محمول کرتا ہے جس سے اہل نقل پر اس کی جہالت وتدلیس کا حال روشن ہوجاتا ہے،بعض مقامات پر تامل اور بعض جگہ بلا تامل ہی یہ معلوم ہوجاتا ہے''۔

رسول اکرم ﷺ کی شان اقدس میں ابن تیمیہ کی کچھ گستاخیاں مجھے معلوم ہوئیں جن میں سے اس کی ایک گستاخی وہ ہے جسے مجموع الفتاوی (۲۷/۴۱۳) میں افترا کرتے ہوئے لکھا:

> ''صحابہ رضوان اللہ علیہم کو یہ بخوبی معلوم تھا کہ حضور کی قبر کے پاس آپ پر جو سلام پیش کیا جاتا ہے، جس کے بارے میں حضور نے فرمایا:''جب بھی کوئی مسلمان مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اللہ عزوجل میری روح مجھے واپس فرمادیتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اس کے سلام

کا جواب دیتا ہوں'' یہ حضور ہی کی خصوصیت اور فضیلت نہیں، بلکہ ہر زندہ و مردہ مسلمان کے حق میں یہ سلام مشروع ہے۔ اور اللہ عزوجل سلام پیش کرنے والے پر دس سلامتی نازل فرماتا ہے جیسا کہ آپ پر کوئی درود پیش کرے تو اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اس امر مشروع کا حکم بھی آیا ہے یہ افضل، بے حد نفع بخش، کامل ترین ہے جس میں کسی طرح کا کوئی فساد نہیں یہ جہد عبادت حضور ہی کے ساتھ خاص نہیں، اور نہ ہی اس بات کا حکم ہے کہ صرف آپ کی خاطر مسافت سفر طے کی جائے بلکہ آپ پر صلاۃ وسلام اور آپ کی قبر کے پاس دعا کی نیت کا قصد وارادہ ہی درحقیقت آپ کی قبر کو عید بنانا ہے''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے کس زندیق سے یہ افترا پردازی سیکھی ہے:

اولاً: اس نے نبی پاک ﷺ کو فضائل وخصائص سے خالی قرار دیا اور **ثانیاً**: اپنے ظالمانہ فہم کی نسبت اور اس کا تعلق صحابہ سے کر رہا ہے (کہ صحابہ بھی یہی جانتے تھے) اور **ثالثاً**: اپنی گفتگو کا آغاز اس جملہ سے کیا: (صحابہ یہ جانتے تھے) تاکہ زیرک وصاحب فہم سامع یا قاری کہیں یہ نہ سمجھ لے کہ یہ ابن تیمیہ کا زہر افشاں باطل کلام ہے اور اس پر عمل پیرانہ ہو اسی ناپاک مقصد کے لیے صحابہ کی طرف اپنے سوئے فہم کی نسبت کر رہا ہے۔ اور عوام کا حال تو یہ ہے کہ وہ برسرِ منبر حدیث وسنت بیان کرنے والے کے بارے میں حسن ظن رکھتی ہے۔

اللہ عزوجل کی عطا کردہ طاقت وقدرت سے اس باطل کلام کا رد سنیں اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى﴾

[طٰہٰ-۲۰:۶۱]

ترجمہ:۔''تمہیں خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے اور بے شک نامراد رہا جس نے جھوٹ باندھا''۔

أقول: ابن تیمیہ نے کہا کہ:''صحابہ خوب جانتے تھے کہ یہ سلام حضور کی خصوصیت وفضیلت نہیں'' یہ کلام دو حادثوں پر مشتمل ہے:

پہلا: یہ کہ ابن تیمیہ نے رسول اللہ ﷺ کے تقریباً ایک لاکھ صحابہ عظام پر افترا کیا، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، مالک، احمد، ابن ابوشیبہ، ابن حبان، حاکم، طبرانی، ابن ابوعاصم اور بیہقی وغیرہم، کی تصریحات میں کسی ایک صحابی کے بارے میں وہ یہ دکھلا دے کہ انھوں نے یہ فرمایا ہو کہ: جب کوئی شخص نبی ﷺ پر سلام پیش کرتا ہے تو رفیق اعلی کی بارگاہ سے آپ کی روح آپ پر اس سلام کا جواب دینے کے لیے پیش کی جاتی ہے اس میں حضور کی کوئی خصوصیت وفضیلت نہیں۔

دوسرا: یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ایسے عظیم ووافر آداب سے مالامال فرمایا جن کی خود فاجروں نے شہادت دی پھر ابن تیمیہ اپنے افترا کے ذریعہ سارے صحابہ کو مجروح کر رہا ہے، اور ان پر یہ حکم لگا رہا ہے کہ صحابہ کو یہ معلوم تھا کہ جو حضور پر سلام پیش کرتا ہے تو رفیق اعلی کی بارگاہ سے آپ کی روح آپ پر سلام کا جواب دینے کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ یہ حضور کی خصوصیت وفضیلت نہیں۔

ایسا لگ رہا ہے کہ یہ ایسے شخص کے بارے میں کلام کر رہا ہے جو اس کے ہاتھ میں قید وگرفتار ہے، اور گویا والعیاذ باللہ تعالیٰ اسے اس لیے بھیجا گیا ہے تا کہ اپنی خواہش کے مطابق نبی کریم ﷺ کے فضائل وخصائص محدود کرے۔

ہم کہتے ہیں:

بخدا کبھی کوئی صحابی ابن تیمیہ کی ان تاریکیوں اور گستاخیوں میں نہ پڑے، اگر ابن تیمیہ کے زمانہ کے قاضیوں کے سامنے اس کا یہ کلام پیش کیا جاتا تو اسے عرصہ دراز تک قید رکھتے، اگر چہ قید کے دوران ہی اس کی قضا آجاتی صحابہ کرام نے ہرگز ایسا نہ فرمایا بلکہ ان حضرات نے تو یہی فرمایا: "**واللّٰہ مافرغنامن دفن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم حتی وجدنا في أنفسنا النقص**" کہ بخدا جب ہم رسول اللہ ﷺ کے دفن سے فارغ ہوئے تو اپنے اندر کمی اور خلا محسوس کیا، اور یہ دیکھا کہ رسول پاک کی آمد آمد کے وقت مدینہ منورہ کے جو ذرے روشن تھے آپ کے وصال کے وقت تاریک ہو گئے۔

کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم کسی کو نبی کریم ﷺ کے مقابل ٹھہرائیں گے لاحول

ولاقوة إلاباللہ العلي العظیم۔

یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم وہ ہیں جنھوں نے عبداللہ بن ابی کو اس وقت دندان شکن جواب دیا جب اس نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں یہ گستاخانہ جملہ کہا:" إلیک عني واللہ لقدآذاني نتن حمارک" میرے پاس سے چلے جایئے خدا کی قسم آپ کے دراز گوش کی بدبو سے مجھے اذیت وتکلیف ہورہی ہے۔ یہ سن کر ایک انصاری صحابی نے جوش غیظ وغضب میں اس گستاخ رسول کو یہ کفرشکن، ایمان افروز اور باطل سوز جواب دیا "واللہ لحمار رسول اللہ ﷺ أطیب ریحامنک" خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کے دراز گوش (گدھا) کی خوشبو تجھ سے کہیں زیادہ اچھی ہے۔(۱)

یہ حضرات صحابہ کرام وہ ہیں جنھوں نے حضور اقدس کی بارگاہ میں ہرقل بادشاہ کا یہ حقیقت وعقیدت اور محبت کشا کلام نقل فرمایا۔ جب ہرقل کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خطاب پہنچا تو اس نے آپ کا بلیغ خطاب سن کر یہ کہا: بلاشبہ آپ ایک نبی ہیں، مجھے یقین سے معلوم ہے کہ آپ خروج فرمائیں گے اور میرا گمان یہ نہیں کہ وہ آپ حضرات میں سے ہیں، اور اگر میں یقین سے جانتا کہ آپ کی بارگاہ تک پہونچ سکوں گا تو ضرور آپ کی زیارت وملاقات کو پسند کرتا، اور اگر آپ کی خدمت میں ہوتا تو آپ کے پائے اقدس دھوتا، اے لوگو! یقین جانو آپ کی حکومت وبادشاہت میرے زیر قدم زمین تک ضرور پہونچے گی۔(۲)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ فرمایا، گویا آپ ابن تیمیہ کا کلام سماعت فرمارہے تھے، عبادابن ازہرابورواع فرماتے ہیں: میں نے عثمان سے دوران خطاب یہ فرماتے سنا: ہم صحابہ سفر وحضر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے، آپ ہم میں سے بیماروں کی تیمارداری، اور مزاج پرسی فرماتے، اور ہمارے جنازوں میں تشریف لے جاتے، اور کم وبیش کے ذریعہ ہماری مالی ہمدردی فرماتے، اور بے شک کچھ لوگ مجھے آپ کے بارے میں اس طرح بتاتے ہیں جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی نے حضور کو کبھی دیکھا

---

(۱) بخاری نے صحابی کے اس قول کی تخریج انس سے کی (۹۵۸/۲)

(۲) بخاری (۱۶۵۸/۴) ومسلم (۱۳۹۵/۳) نے ہرقل کے قول کی تخریج کی۔

ہی نہیں۔(۱)

ہم کہتے ہیں: کیا ابن تیمیہ نے یہ نہ کہا کہ:''آپ کی قبر کے پاس جا کر آپ پر سلام پیش کرنا جس کے بارے میں خود حضور نے فرمایا جب بھی کوئی مسلمان مجھے سلام پیش کرتا ہے اللہ عزوجل اس کے سلام کا جواب دینے کے لیے مجھ پر میری روح پیش فرماتا ہے، یہ حضور ہی کی خصوصیت وفضیلت نہیں'' ابن تیمیہ نے اس کلام کے اندر نبی کریم ﷺ کے حق نبوت ورسالت میں حدادب سے تجاوز کیا ہے، اور زندیقوں، اوباشوں، بدباطنوں اور منافقوں کے لیے عام دروازہ کھول دیا ہے کہ رسول پاک کی شان میں جو گستاخ بدباطن دریدہ دہن جس طرح چاہے گستاخی اور دریدہ دہنی کرے، اور خود ابن تیمیہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ زندیق ومنافق اور جن کے دلوں میں کوئی بیماری ہے انہیں نام پاک محمد (ﷺ) کس درجہ سخت ناگوار وناپسند ہے، یہ لوگ حضور کے خصائص وفضائل وکمالات کا ذکر سخت ناگوار وناپسند کرتے ہیں جسے ہر مسلمان وکافر اور نزدیک ودور والا اچھی طرح جانتا ہے۔

ہمارے تین تعقب (تین گرفتیں):

پہلا تعقب: جس وقت نبی پاک ﷺ نے فرمایا:''**مامن أحد یسلم علي إلارد اللّٰه علي روحي**'' جب کوئی بھی مسلمان مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اللہ عزوجل مجھ پر میری روح پیش فرماتا ہے، کیا آپ نے بے ضرورت، یا زائد، یا ایسا کلام فرمایا جس کے بارے میں اس سے پہلے کسی قائل نے یہ کہا:''آپ مجھ سے مختصر کلام فرمائیں'' یا اس کلام سے حضور کا مقصود یہ تھا کہ آپ عام امتی کی طرح ہیں جب کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس کی ازواج مطہرات کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا:

﴿لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ [الاحزاب-۳۳:۳۲]

ترجمہ:-''تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو''۔

(۱) عثمان بن عفان کے اثر کی تخریج امام احمد (۶۹/۱) اور ضیاء نے المختارة (۴۸۰/۱، ۴۸۱) میں کی۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۸/۷) میں کہا: اس کو امام احمد اور ابویعلی نے کبیر میں روایت کیا، اور ان دونوں کے رجال (راوی) صحیح کے راوی ہیں مگر عباد بن ازھر اور یہ ثقہ ہیں۔

جب نبی پاک کی ازواج طاہرات کی یہ شان ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ عام امتی کی طرح ہوں گے جن کے بارے میں اللہ کے سوا کوئی یہ نہیں جانتا کہ ان کا انجام جنت ہے یا جہنم، یا نبی پاک ﷺ کا اس ارشاد سے یہ مقصود ہے کہ تم مجھ پر کثرت سے سلام بھیجو تا کہ بکثرت جواب سے تم سرفراز کیے جاؤ۔ حضور اقدس ﷺ کو یقین سے یہ معلوم ہے کہ کوئی شخص آپ کے اعلی مقام تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا ہے اس لیے آپ ﷺ اپنی قبرانور میں جلوہ بار رہ کر رفیق اعلی کی بارگاہ میں ٹھیک اسی وقت امت کے سلام کا جواب اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی کیفیت صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

أنت الذي من نورک البدر اکتسی والشمس مشرقة بنور بهاکا

أنت الذي لما رفعت إلی السما بک قد سَمَتْ وتزینت لسراکا

أنت الذي ناداک ربک مرحبا ولقد دعاک لقربه وحباکا

أنت الذي فینا سألت شفاعة ناداک ربک لم یکن لسواکا

۱۔ آپ کی وہ روشن ذات ہے جس کے فیض نور سے ماہ کامل کو نور کا لبادہ ملا، اور آپ کے حسن عالمتاب کے حسین انوار اور پر نور ضیاؤں سے خورشید فلک کو روشنی ملی۔

۲۔ آپ کی وہ بلند ذات ہے جسے آسمان کی سیر کرائی گئی تو آپ کے سفر معراج کے سبب آسمان کو رفعت و بلندی اور زیب و زینت حاصل ہوئی۔

۳۔ آپ کی وہ محبوب و مقبول اور مکرم و مقرب ذات ہے جسے آپ کے رب نے مرحبا (خوش آمدید) فرما کر پکارا، اور آپ کو اپنے قرب خاص میں بلا کر اپنی خاص عطاؤں سے نوازا۔

۴۔ آپ کی وہ ذات رحمت ہے جس نے اپنے رب سے ہماری بخشش و شفاعت کا سوال فرمایا تو آپ کو آپ کے رب نے "**یا محمد ارفع رأسک**" (اے محمد! ﷺ اپنا سر سجدے سے اٹھائیے) فرما کر ندا فرمائی اور فتح باب شفاعت کے تاج رفعت سے سرفراز فرمایا جو آپ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

دوسرا تعقب: ابن تیمیہ کے نزدیک رفیق اعلی کی طرف حضور کا سفر عام انسان کی موت کے مساوی ہے اس کا یہ زعم ہے کہ نبی ﷺ کا کوئی امتی جب آپ کی امت کے کسی مردہ انسان کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور اسے پہچان کر سلام کرتا ہے تو وہ مردہ بھی اس کے سلام کا جواب دیتا ہے' ابن تیمیہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے نزدیک نبی ﷺ اور آپ کی امت برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں.....اس کے اس فہم میں نہ صرف سوئے ظن بلکہ مقام نبوت کی سخت توہین ہے کیوں کہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان حضرات کی حیات قبر ان شہدا کی حیات سے بھی کامل ہے جنہیں ان کے رب کی بارگاہ سے رزق ملتا ہے۔

تیسرا تعقب: رسول اللہ ﷺ جس وقت بندہ کے سلام کا جواب دیتے ہیں آپ جسم و روح اور اپنی حقیقی حیات کے ساتھ جواب دیتے ہیں اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے' آپ یقیناً زندہ ہیں آپ کی حقیقی زندگی شہدا، اور شب معراج و اسرا میں ملاقات کرنے والے انبیائے کرام کی حیات سے کم نہیں۔ چاہے یہ وہ انبیاے کرام ہوں جو اپنی قبروں میں مشغول نماز تھے، یا بیت المقدس، یا آسمان بالا میں حضور نے جن کی امامت فرمائی ہے۔

عام مردہ انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا جسم بوسیدہ اور خاک آلود ہو جاتا ہے صرف اس کی روح سلام کا جواب دیتی ہے مگر نبی رحمت ﷺ جسم و روح کے ساتھ دہن نبوت و رسالت سے سلام کا جواب دیتے ہیں تو پھر عام انسانوں سے آپ کی ذات کا تقابل کیسا؟ عام انسان کا حال تو یہ ہے کہ اس کا جسم قبر میں ایسا بوسیدہ ہو جاتا ہے کہ کوئی اس کی بوئے قبر نہیں پا سکتا، اللہ عزوجل ہمیں عفو و عافیت بخشے، اور ان حضرات کے کرم سے مالا مال فرمائے جن کا جسم کھانا زمین کے لیے حرام فرما دیا گیا ہے جب نبی پاک ﷺ اور آپ کے سلام کی یہ شان ہے تو پھر آپ کی خصوصیت و فضیلت کا انکار کیوں کر ممکن ہے، پھر کہاں اس رسول مکرم کا سلام جن کی قبر پر رحمت و انوار کی ایسی پیہم بارش ہوتی رہتی ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے، اور کہاں اس عام مردہ کے سلام کا جواب جو اپنے رب کی رحمت کا محتاج ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں، رفیق اعلی کی طرف حضور کے سفر فرمانے کے بعد بھی کسی زندہ انسان کا آپ سے تقابل ممکن نہیں چہ جائیکہ کسی مردہ مسلمان سے۔

مگر افسوس ابن تیمیہ کا حال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حضور کا ایک مردہ مسلمان سے تقابل کر رہا ہے۔ **سبحانک هذا بهتان عظیم۔**

ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں پر ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مسلمان کا بارگاہ رسالت میں سلام پیش کرنا، اور اس سلام کے جواب کے لیے آپ پر آپ کی روح کا پیش کیا جانا، آپ کی ایسی اہم خصوصیت وفضیلت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی خصوصیت کے اسباب حسب ذیل ہیں:

الف: آپ کے روضۂ پاک میں آپ کے زندہ جسم کی طرف آپ کی روح رفیق اعلی کی بارگاہ سے پیش کی جاتی ہے، کیا رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے بھی یہ خصوصیت ثابت ہے؟

ب: نبی پاک کی بارگاہ میں آپ کا کوئی جاں نثار جب سلام محبت پیش کرتا ہے آپ اسے سماعت فرماتے ہیں۔ کیا آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے بھی یہ خصوصیت ثابت ہے؟

ج: آپ اپنے عاشقوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور اس کے لیے رحمت و برکت اور سلامتی کی دعا فرماتے ہیں اگر چہ ہزاروں یا کروڑوں ہوں۔

آپ کی فضیلت (1) یہ ہے کہ رفیق اعلی کی بارگاہ سے آپ پر خاص انعام واکرام کی بارش ہوتی ہے، آپ

---

(۱) آپ کا مقام یہ ہے کہ رب عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّآ أَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ﴾ [الکوثر-۱۰۸:۱]

اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں (پ۳۰ر ع۳۳ر آیت ۱ر الکوثر)

فرمایا: ﴿وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى﴾ [الضحیٰ-۹۳:۵]

اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے (پ۳۰ر ع۱۸ر آیت ۵ر الضحیٰ)

فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ أَيۡدِيۡهِمۡ﴾ [الفتح-۴۸:۱۰]

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں تو وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

فرمایا: ﴿وَمَا رَمَيۡتَ إِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ [الانفال-۸:۱۷]

اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اپنے رب سے اذن شفاعت طلب فرمائیں گے، رفیق اعلیٰ کی بارگاہ قدس میں آپ کو ایسا خاص قرب، اور ایسی خاص محبوبیت حاصل ہے کہ عاشقوں کے سلام کا جواب دینے کے لیے آپ پر آپ کی روح پیش کی جاتی ہے۔ آپ کی فضیلت وکمال یہ بھی ہے کہ آپ اپنی امت کے بے حد حریص اور بے پناہ چاہنے والے ہیں، یہاں

فرمایا:﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ [الشرح-۹۴:۴]

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

فرمایا: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ٥ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ أَوْ أَدْنٰی﴾ [النجم-۵۳:۹،۸]

پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم

فرمایا:﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا﴾ [البقرہ-۲:۱۴۴]

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منھ کرنا۔ تو ضرور تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہو۔

فرمایا:﴿تَبَّتْ یَدَآ أَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ٥ مَآ أَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا کَسَبَ﴾ [المسد-۱۱۱:۲،۱]

تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور نہ جو کمایا۔

فرمایا: ﴿لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ٥ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ [البلد-۹۰:۲،۱]

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔

فرمایا:﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِیْهِمْ﴾[الانفال-۸:۳۳]

اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

فرمایا: کل یطلب رضائي وأنا أطلب رضاءک. (حدیث قدسی)

ہر شخص میری رضا چاہتا ہے، اور میں تیری رضا چاہتا ہوں ۔

امام عشق ومحبت مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

زہے عزت و اعتلائے محمد	کہ ہے عرش حق زیرپائے محمد
عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا	گروں کا سہارا عصائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم	خدا چاہتا ہے رضائے محمد

تک کہ شب اسرا میں کمال عبودیت سے سرشار ہو کر اپنی امت کی شفاعت و بخشش کے لیے اپنے رب سے یہ عرض کیا" أمتـــي أمتـــي" (میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے)، اور قیامت کے دن زیر عرش رب العالمین کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر اس کی حمد و ثنا فرما کر اللہ عزوجل سے اپنی امت کی بخشش و شفاعت کے لیے "أمتي أمتي" عرض کریں گے (اے میرے رب! میری امت کو بخش دے، اے میرے رب! میری امت کو بخش دے)

ایک اہم گزارش: نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد بھی گزرا کہ آپ نے فرمایا:" **مامن أحد يسلم علي إلا رد اللــه علـي روحي حتى أرد عليـه السلام**" یعنی جب کوئی بھی مسلمان مجھ پر سلام پیش کرتا ہے، اللہ عزوجل اس سلام کا جواب دینے کے لیے مجھ پر میری روح پیش فرماتا ہے' ابن تیمیہ نے اس حدیث کو ایک خاص مقصد کے تحت نقل کیا ہے جس کے پس پردہ ایسے ناپاک مقاصد پوشیدہ ہیں جنہیں عام انسان بآسانی نہیں جان سکتا ہم آئندہ سطور میں انہیں واضح کریں گے۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں
قصر دنا تک کس کی رسائی جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں
إنـــا أعـطيـنـــاک الـکـوثـر ساری کثرت پاتے یہ ہیں

میرے مولی کی ہے بس شان عظیم
جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم
پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں

(مترجم)

(۶۱) ابن تیمیہ نے ایک حدیث میں کھلی ہوئی تحریف کی اور ناپاک امید واصرار کے ساتھ اس تحریف کردہ حدیث کو گیارہ مرتبہ ذکر کیا

ابن عباس نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**مامن أحد مر بقبر أخيه المومن كان يعرفه في الدنيا فسلم عليه إلاعرفه ورد عليه السلام**".

جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا، اور اسے وہ سلام کرتا ہے تو قبر میں اس کا مومن بھائی اسے پہچان لیتا ہے، اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے"۔[1]

صرف حافظ ابن عبدالبر (۳۶۸-۴۶۳ھ) نے "الاستذکار" میں اس حدیث کو روایت کیا جس کے الفاظ یہ ہیں:

"آپ نے کہا ابوعبداللہ عبید بن محمد نے قرأت علی الشیخ کے طریقے پر ماہ ربیع الاول ۳۹۰ھ میں ہمیں یہ خبر دی کہ فاطمہ بنت ریان مستملی نے مصر میں اپنے گھر پر ماہ شوال ۳۴۲ھ میں اس حدیث کا املا کرایا اور فرمایا کہ ربیع بن سلیمان موذن تلمیذ امام شافعی نے کہا، ہم سے بشر بن بکیر نے اوزاعی سے روایت کر کے کہا کہ عطا نے عبید بن عمر سے یہ روایت کی کہ ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**مامن أحد مر بقبر أخيه المومن كان يعرفه في الدنيا فسلم عليه إلاعرفه ورد عليه السلام**"

جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا، اور اسے وہ سلام کرتا ہے تو قبر میں اس کا مومن بھائی اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے"۔

اور عبدالحق اشبیلی کی **الأحـــكـــام** میں ہے کہ: ابوعمر بن عبدالبر نے الاستذکار میں روایت کیا اور اسی

(۱) اس حدیث "جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے" کو ابن عبدالبر نے الاستذکار (۱۶۵/۲) (مؤسسة الرسالة) میں ذکر کیا، اور اس کی تصحیح (جس سے ابن تیمیہ اور ابن قیم نے استدلال کیا) عبدالحق اشبیلی کی الأحکام (۵۶۴/۲) (مکتبة الرشید ریاض) میں مذکور ہے۔

سندکوذکرکرکے کہا کہ: ابن عباس نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مامن أحد مر بقبر أخيه المومن كان يعرفه في الدنيا فسلم عليه إلاعرفه ورد عليه السلام".

جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا، اوراسے وہ سلام کرتا ہے تو قبر میں اس کا مومن بھائی اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے"۔الخ

ابن تیمیہ نے یہ حدیث گیارہ مرتبہ نقل کی اوراس میں کھلی ہوئی تحریف کی، اوراپنی طرف سے تحریف کرتے ہوئے اس حدیث کو یوں روایت کیا: مامن رجل يمر بقبر الرجل الذي كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه إلارد الله عليه روحه".

"جو شخص بھی ایسے آدمی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اوراسے سلام کرتا ہے، تو اللہ اس کی روح اس پر لوٹا دیتا ہے"۔

ابن تیمیہ نے حافظ ابن عبدالبر کے حوالہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی، اوراپنی درج ذیل کتابوں میں آٹھ مرتبہ اسے درج بالا عبارت کے ساتھ ذکر کیا:

"(الردعلی البکری ۱/۲۴۷، ۴۵۴)، اقتضاء الصراط ۱/۳۲۶، مجموع الفتاوی ۱/۳۵۱، ۴/۲۹۵، ۲۴/۳، ۱۷۳، ۳۶۴، اوراپنی کتاب منہاج ۲/۴۴۲)"

اور تین مرتبہ ان کتابوں میں ذکر کیا:

"زیارۃ القبور ۱/۱۶، اور مجموعۂ فتاوی ۲۴/۳۰۳، ۲۷/۷"

مقام افسوس یہ ہے کہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۳/۴۳۹) میں ابن تیمیہ کی اتباع کی، اورایسا ہی ابن قیم کے حاشیہ (۱۱/۹۱)، اور بدائع الفوائد (۲/۴۰۰) اورالروح (۱/۵) میں ہے۔ابن کثیر اورابن قیم نے حافظ ابن عبدالبر، یا عبدالحق اشبیلی کی تصحیح حدیث نقل کی۔

آفتاب روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ جملہ: "إلارد الله عليه روحه" (ترجمہ:۔"مگر اللہ اس کی روح اس پر لوٹا دیتا ہے") حافظ ابن عبدالبر کی صریح حدیث میں نہیں، اورنہ ہی

دیگر محدثین نے اسے روایت کیا، ابن تیمیہ اوراس کے تلامذہ نے ایک جھوٹی حدیث وضع کی، اوراسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا۔ ناظرین کرام واضعین حدیث کے وضع حدیث کا یہ کارنامہ ملاحظہ کریں:

آخرابن تیمیہ اوراس کے تلامذہ نے کیوں وضع کیا؟

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حضوراقدس ﷺ کا ابھی یہ ارشادگزرا: ''**ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام**''.

''کوئی شخص جب مجھ پرسلام پیش کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کے سلام کا جواب دینے کے لیے مجھ پر میری روح پیش فرماتا ہے''۔

دراصل ابن تیمیہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس حدیث میں نبی پاک ﷺ کی کوئی خصوصیت نہیں کیوں کہ جس طرح حضور پر آپ کی روح پیش کی جاتی ہے عام مردہ کی روح بھی اس پر پیش کی جاتی ہے، تو روح لوٹانے میں صرف حضور ہی کی کوئی خصوصیت نہیں۔

ابن تیمیہ اوراس کے کفش برداروں کے کذب کا راز، اوران کا منظّم ناپاک منصوبہ آپ پر واضح ہوگیا ہوگا۔

ابن تیمیہ کے کذب وافترااوروضع واختراع کو جاننے کے لیے گزشتہ اوراق کا مطالعہ کریں، جہاں اس نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مبتدع قرار دینے کے دوران حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ ناپاک افترا کیا کہ آپ نے کعب احبار سے یہ جملہ کہا: ''**یاابن الیھودیة**'' (اے یہودیہ کے بیٹے)۔

إنالله وإناإليه راجعون ولاحول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم.

(٦٢) ابن تیمیہ نے اپنی کتابوں میں ایک بار بھی سرکار کا ارشاد: ’’بل الرفیق الأعلی ‘‘(بلکہ رفیق اعلی)ذکر نہ کیا، ہاں آپ کے سلام سماعت فرمانے کی ایک خاص حد مقرر کی

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۳۲۴/۲۷) میں کہا:

’’یہ سلام اس شخص کے لیے مشروع ہے جو حجرہ کے اندر سلام پیش کرے، اور نبی جس سلام کا جواب دیتے ہیں وہ یہی قریب کا سلام ہے، لیکن مطلق سلام جو حجرہ کے باہر یا اور کسی جگہ سے پیش کیا جائے وہ اس سلام کی طرح ہے جو نماز میں آپ پر پیش کیا جاتا ہے، اور یہ آپ پر درود پیش کرنے کی طرح ہے، اور اللہ ہی اس شخص پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے جو آپ پر ایک بار درود پیش کرے، اور جو ایک بار آپ پر سلام پیش کرے اس پر سلامتی نازل فرماتا ہے ’’مابین بیتي ومنبري روضة من ریاض الجنة‘‘(میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے) یہ صحیحین کا لفظ ہے، اور ’’قبري‘‘ (میری قبر) کا لفظ صحیح میں نہیں کیوں کہ اس وقت کوئی قبر نہ تھی‘‘۔

ابن تیمیہ نے اس بات پر کافی زور دیا کہ اگر کوئی شخص حجرہ شریفہ کے باہر سے آپ پر سلام پیش کرے تو آپ اس سلام کو سماعت نہیں فرماتے جیسا کہ مجموعۂ فتاوی (۳۸۳/۲۷، ۳۸۴) میں کہا:

’’اور اب یہ گفتگو باقی ہے، کیا یہ قبر کے پاس پیش کیا جانے والا سلام ہے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حجرہ میں داخل ہونے والے حضور پر سلام پیش کرتے، یا یہ حکم حجرہ کے اندر اور باہر دونوں کو شامل ہے، جن لوگوں نے اس (حدیث) سے استدلال کیا دونوں کو شامل مانا، جب کہ آپ قریب ہی کا سلام سنتے ہیں، اور دور کا صلاۃ وسلام ملائکہ آپ کے پاس

پہنچاتے ہیں جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''إن للّٰــــه مــلائكة سيــاحين يبلغوني عن أمتي السلام'' بیشک اللہ کے کچھ سیر وسیاحت کرنے والے ملائکہ ہیں جو میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کی مسلسل یہی کوشش رہتی ہے کہ لوگ نبی پاک ﷺ کی شرف زیارت سے محروم و بےفیض رہیں، ابن تیمیہ کے لیے پیچیدہ اور پریشان کن مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس بات کی تصدیق نہیں کرنا چاہتا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، اور اس سے بھی پیچیدہ اور دشوار گزار امر یہ ہے کہ اس کا اس بات پر ایمان ہی نہیں کہ دور و نزدیک سے آپ کی بارگاہ بیکس پناہ میں نذر عقیدت اور گلہائے محبت پیش کرنا اور آپ سے رابطہ و تعلق رکھنا جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں:

(۱) کس دلیل سے یہ معلوم ہوا کہ صرف حجرہ شریفہ کے اندر ہی سلام پیش کرنا مشروع ہے اور حجرہ اقدس کے باہر سے نہیں۔

ابن تیمیہ کا کلام ابھی گزرا کہ اس نے کہا: نبی پاک جس سلام کا جواب دیتے ہیں اس سے مراد قریب کا سلام ہے' اس کے اس کلام کا معنی اچھی طرح ظاہر ہے وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ نبی پاک صرف حجرہ کے اندر ہی سلام سنتے ہیں اسی لیے اس سلام کا جواب دیتے ہیں... لیکن حجرہ کے باہر کا سلام تو نہیں سنتے۔ ابن تیمیہ کا یہ کلام باطل محض ہے، اسی کے کلام کے مطابق ہم اس سے کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آپ کی حیات ظاہری میں حجرہ کے باہر سے اتنی بلند آواز سے آپ کو پکارتا، اور سلام پیش کرتا کہ آپ سن لیں تو کیا وصال فرمانے کے بعد اب ایسے سلام کی آواز نہ سنیں گے، پھر فرض کیجئے کسی نے لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا اور حجرہ سے کافی فاصلہ پر درود و سلام پیش کیا تو کیا نبی ﷺ اس سلام کی آواز نہ سنیں گے بلکہ حجرہ کے اندر ہی سے سنیں گے۔ ''**نستغفر الله من هذه العبارات**''۔

جب حجرہ نبوی شریف مثلاً ۳ × ۵ میٹر ہو، اور آپ خود کو ایسے کمرہ میں تصور کریں جس کی مساحت و پیمائش

اسی حجرہ نبوی کی مقدار ہو، تو کیا آپ کے لیے یہ تخیل جائز ہوگا جو ابن تیمیہ کی مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف حجرہ کے اندر ہی سے سلام سنتے ہیں۔

(۲) ابن تیمیہ بالکلیہ اس سے غافل ہے کہ دنیا میں نبی پاک ﷺ کا سننا، اور دیکھنا دوسروں کے دیکھنے اور سننے سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے اس فرق سماعت اور اختلاف رویت کو روشن فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" إني أرى مالا ترون وأسمع مالا تسمعون".

ترجمہ:۔''میں اسے دیکھتا ہوں جسے تمہاری آنکھیں نہیں دیکھتیں اور میں اسے سنتا ہوں جسے تمہارے کان نہیں سنتے''۔

اور اپنے صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا:

"هل تسمعون ماأسمع،هل تسمعون ما أسمع"

ترجمہ:۔''کیا تم اسے سنتے ہو جسے میں سنتا ہوں، کیا تم اسے سنتے ہو جسے میں سنتا ہوں''۔

جب نبی پاک کی ظاہری حیات طیبہ میں آپ کے سماع کا یہ حال تھا کہ آپ ایسی چیزیں سماعت فرماتے جنہیں عام مخلوق کے کان سننے سے عاجز و درماندہ رہتے تو کیا رفیق اعلی کی بارگاہ میں جانے کے بعد آپ کی سماعت قلیل اور کمزور(۱) ہو گئی کہ ابن تیمیہ اس سماع کی حد چند میٹر مقرر کر رہا ہے۔

کیا اسے نہیں معلوم کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں مقرب بارگاہ بندہ کے سماع کا حال ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

---

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان — کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

ابن تیمیہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ نبی اکرم سید عالم ﷺ کا یہ سننا اور دیکھنا صرف ظاہری حیات طیبہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وصال شریف کے بعد بھی آپ کا سننا اور دیکھنا آپ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کی طرح ہے اس لیے کہ یہ امر صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں اور آرام گاہوں میں زندہ ہیں جیسا کہ شب معراج میں اس کی تحقیق گزری کہ

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ قدس سید عالم انے فرمایا:''مررت بموسى ليلة أسري بي وهو قائم يصلي في قبره ''یعنی میں شب معراج موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے (صحیح ابن حبان ۱/۲۴۲)

امام مسلم نے روایت کیا:

" عن جابر أن رسول الله ﷺ قال عرض علي الأنبياء فإذا موسى ضرب من الرجال كأنه من رجال شنوءة ورأيت عيسى ابن مريم فإذا أقرب من رأيت به شبها عروة بن مسعود ورأيت إبراهيم فإذا أقرب من رأيت به شبها صاحبكم''(صحيح مسلم كتاب الإيمان: باب الاسراء برسول الله ﷺ إلى السماوات)

ترجمہ:۔''حضرت جابر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر انبیا پیش کیے گئے میں نے موسیٰ کو دیکھا وہ قبیلہ شنوءۃ کے لوگوں کی طرح تھے، اور میں نے عیسیٰ ابن مریم کو دیکھا جن سے عروہ بن مسعود بہت زیادہ مشابہ ہیں، اور میں نے ابراہیم کو دیکھا تمہارے پیغمبران سے بہت زیادہ مشابہ ہیں''۔

امام مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا:

" سرنا مع رسول الله ﷺ بين مكة والمدينة فمررنا بواد فقال أي واد فقالوا وادي الأزرق قال فقال كأني أنظر إلى موسى عليه السلام فذكر من لونه وشعره شيئا لم يحفظه داؤد واضعا أصبعيه في أذنيه جوار إلى الله بالتلبية مارًا بهذا الوادي ''(صحیح مسلم کتاب الإیمان: باب الاسراء برسول اللہ ا إلی السماوات)

ترجمہ:۔''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک وادی سے گزرے آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ وادی ازرق ہے، آپ نے فرمایا: گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ نے ان کا رنگ اور بالوں کی کیفیت بیان فرمائی جو راوی حدیث داود کو یاد نہ رہی اور پھر فرمایا: حضرت موسیٰ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں رکھ کر اللّٰھم لبیک کی صدا لگاتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں''۔

تو پھر جب نبی پاک ﷺ اپنے وصال کے بعد بھی زندہ ہیں تو آپ کا دیکھنا اور سننا آپ کی حیات ظاہری کی طرح حدیث

" كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذى يبصر به" (اشعۃ اللمعات ج۲ ص۱۹۴،۱۹۵)

ترجمہ:۔"میں اس بندہ کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے"۔

ہم پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی شان رفیع کے متعلق ابن تیمیہ کے دل میں کیا ہے، ابن تیمیہ کے کلام کے بموجب، اس کا معنی یہ ہے کہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں گلہائے سلام پیش کرنے کی خاطر جانے کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے کہ آپ حجرہ کے اندر ہیں، اور سیدہ عائشہ کے روز وصال سے کوئی اس حجرہ میں داخل نہ ہوا یہاں تک کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ کے دورخلافت میں یہ حجرہ (مسجد نبوی کی) توسیع میں شامل ہوگیا، جب ایسا معاملہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور سلام کی خاطر اس بارگاہ کی جادہ پیائی اور مشقت سفر کیوں؟ ابن تیمیہ کے نزدیک آپ سلام کا جواب نہ دیں گے البتہ آپ کے پاس سلام پہنچے گا۔

(۴) حدیث میں ہے:

" إن لله ملائكة سياحين يبلغوني عن أمتي السلام "قال المنذري رواه

پاک "إني أرى مالا ترون وأسمع مالا تسمعون" سے ثابت ہے تو پھر آپ کے سلام سننے کی ایک حد مقرر کرنا کیوں کر روا ہوگا آخر ابن تیمیہ اس حدیث کو کیوں نظرانداز کر رہا ہے اور اس کی کیوں تقیید وتخصیص کر رہا ہے کیا حدیث کے اس روشن اطلاق کی تخصیص وتقیید پر کوئی روشن قرینہ یا واضح دلیل ہے اگر آپ کا دیکھنا اور سننا صرف چند گز ہی تک محدود ہے تو پھر حضور اقدس کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے؟

اس حدیث کا صاف اور واضح معنی یہی ہے کہ میرا دیکھنا اور سننا تمہارے دیکھنے اور سننے کی طرح نہیں کہ مخصوص مسافت تک محدود ہو صحابہ کرام نے حضور کے اس ارشاد پاک کا یہی معنی سمجھا انھوں نے آپ کے سماع وادراک کی کوئی حد متعین ومقرر نہ کی ہاں ابن تیمیہ اور اس کے کفش بردار بے دلیل حدیث کے واضح اطلاق کو مخصوص ومقید کر رہے ہیں جس سے ان کا حال دل ہر سچا مسلمان جان لیتا ہے اللہ عزوجل مسلمانوں کو راہ راست پر قائم رکھے اور ان خرافات آمیز گستاخانہ بحثوں سے دور رکھے۔ (مترجم)

النسائي وابن حبان في صحيحه من الترغيب والترهيب.(مشکاۃ المصابیح ۴۹۸/۲)

ترجمہ:''بے شک (اطراف عالم میں)اللہ کے سیر وسیاحت فرمانے والے کچھ فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں''۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں کہ نبی پاک ﷺ دوروالوں کا سلام نہیں سنتے، یا سلام سننے کی ایک حد مقرر ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ ملائکہ کو یہ شرف بخشا گیا کہ رسول پاک کی بارگاہ میں آپ کی امت کے احوال وکوائف پیش کریں، جیسا کہ بعض ملائکہ نے اللہ عزوجل سے بارگاہ رسالت کی شرف زیارت کی اجازت چاہی... پھر سلام پہنچانے والے فرشتوں کی ایک عظیم الشان تعداد ہے، اس کام پر کوئی ایک فرشتہ نہیں، بلکہ فرشتوں کی ایک جماعت مامور ہے، اس حدیث میں ایسا اسلوب بھی نہیں جس سے یہ انکشاف ہو کہ آپ کے سلام سننے کی ایک حد مقرر ہے کہ اسی خاص حد(اندرون حجرہ)ہی کے اندر حضور سلام سنتے ہیں ہاں اس حدیث کے اسلوب سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کو یہ شرف بخشا گیا کہ آپ کی امت کی محبت اور شوق ووارفتگی اور ان کا درود وسلام آپ کی بارگاہ میں آ کر پیش کریں۔

ممکن ہے ابن تیمیہ کے کفش بردار اس حدیث سے استدلال کریں:

''من صلى علي نائيا أبلغته'' (رواہ الدارقطني، مشکوۃ المصابیح ص ۸۷ رواہ البیہقي في شعب الإیمان)

ترجمہ:''جو شخص دور سے مجھ پر سلام پیش کرتا ہے فرشتے اس کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں''۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو محدثین کی ایک جماعت نے اسے ضعیف، اور دوسرے محدثین نے صحیح کہا، بہر حال اس حدیث کی کئی توجیہیں ہیں:

(۱) اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص میری سنت سے دور رہ کر مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اس کا سلام میری بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۴) جو شخص بعید الذہن اور غیر متنبہ ہو کر مجھ پر درود پیش کرتا ہے اس کا سلام میری بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے ،اور جو شخص نزدیک سے مجھ پر سلام پیش کرتا ہے میں اس کا سلام سنتا ہوں ،کبھی اس کا یہ معنی ہوتا ہے، جو شخص قریب یعنی حضور قلب وفہم ومکان کے ساتھ سلام پیش کرتا ہے فرشتے اس کا سلام میری بارگاہ میں پیش کرتے ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ٥ وَنَرَاهُ قَرِيبًا﴾ [المعارج-۷،٦]

ترجمہ:۔''وہ اسے دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے نزدیک دیکھ رہے ہیں''۔

(۵) ابن تیمیہ کا یہ کہنا:''اور'' قبـــري ''(میری قبر) کا لفظ صحیح میں وارد نہیں کیوں کہ اس وقت کوئی قبر نہ تھی'' دس اجلہ صحابہ کرام سے مروی روایت کو ساقط وکالعدم ٹھہرانا ہے، کیوں کہ '' قبري'' کالفظ ابو ہریرہ ،ابن عمر، عمر بن خطاب، عبداللہ بن زید، ام سلمہ، علی بن ابو طالب، ابوسعید خدری، زبیر بن عوام، عبداللہ بن لبید، اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین سے مروی ہے جیسا کہ خود بخاری میں یہ لفظ (قبري) ابن عساکر کی روایت میں موجود ہے....اور بخاری ومسلم نے ایک باب ہی قائم فرمایا جس میں '' قبري'' کالفظ موجود ہے۔[1]

(۱) ''ما بين قبري ومنبري'' (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان) یہ حدیث ابن ابوشیبہ (۳۰۵/٦) اور ابن ابوعاصم نے السنة (۳۳۹/۲-۳۴۰) اور بزار ۱-۳ (۱۴۸/۲-۱۴۹) اور بیہقی نے سنن کبری (۲۴٦/۵) میں ابو ہریرہ سے روایت کی۔

اور ابن عمر کی حدیث بخاری نے تاریخ کبیر (۳۹۲/۱) اور طبرانی نے معجم کبیر (۲۹۴/۱۲) اور اوسط (۱۹۲/۱، ۲۲۳) میں، اور ابویعلی (۴۹٦/۲) اور خطیب نے تاریخ بغداد (۱٦۰/۱۲) اور تمام نے فوائد (۹۷/۱) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۱۸/۴۹) میں تخریج کی۔

اور عمر بن خطاب کی حدیث اسماعیلی نے مسند عمر میں تخریج کی، اور بزار ۴-۹ (۴۴/۴) نے سعد بن وقاص کی تخریج کی، اور خطیب نے تاریخ بغداد (۲۹۰/۱۱)، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۷/۴۰) اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۰۰/۴) میں تخریج کیا۔ حافظ ابن حجر نے کہا:''اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں''۔

اور عبداللہ بن زید کی حدیث رویانی نے روایت کیا (۱۷۹/۲)

اور ام سلمہ کی حدیث نسائی نے سنن کبری (۴۸۹/۲)، اور ابونعیم نے حلیة الاولیاء (۲۴۸/۷) میں روایت کیا۔

پھر حضرت معاذ بن جبل کی حدیث کہاں گئی، معاذ بن جبل نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجا، آپ وصیت فرماتے ہوئے ازراہ محبت وعنایت میرے ساتھ نکلے، میں سوار تھا، اور رسول اقدس ﷺ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے، وصیت سے فارغ ہونے کے بعد محبت آمیز لہجہ میں فرمایا: "**یامعاذ إنک عسی أن لا تلقاني بعد عامي هذا، ولعلک أن تمر بمسجدي هذا وقبري**" اے معاذ! امید کہ اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہ کرو، اور میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو، تو معاذ رسول اللہ ﷺ کے فراق کی تاب نہ لاکر رو پڑے۔(۱)

اور بزار ۱-۳ (۱۴۸/۲-۱۴۹) نے علی بن ابوطالب کی حدیث روایت کی۔

اور ابوسعید خدری سے مروی حدیث امام احمد (۶۴/۳) اور ابویعلی (۴۹۶/۲) نے تخریج کی، اور انھوں نے "**طبقات المحدثین بأصبهان**" (۳۶۱/۲) اور خطیب کی تاریخ بغداد (۴۰۲/۴) میں، اور زبیر بن عوام کی مسند الحارث (زوائد الھیثمی) (۴۷/۱/۱) میں۔ اور عبداللہ بن لبید کی الفردوس (۵۳۸/۳ نمبر ۵۶۷۶) میں۔

اور جابر سے مروی حدیث خطیب نے تاریخ بغداد (۲۲۸/۱۱)، بیہقی نے شعب الایمان (۴۹۱/۳)، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۷۷/۲۲) میں روایت کیا ہے۔

اور بخاری نے اسی لفظ مذکور سے اس کا باب ہی قائم فرمایا (۳۹۹/۱) جیسا کہ فرمایا: "باب فضل مابین القبر والمنبر" اور مسلم (۱۰۱۰/۲) نے فرمایا: "باب مابین القبر والمنبر روضة من رياض الجنة" اور ابن حبان (۶۵/۹) نے فرمایا: "ذكر رجاء نوال المرء المسلم بالطاعة روضة من رياض الجنة إذا أتى بها بين القبر والمنبر" اور ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات نے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۱) "ولعلك أن تمر بمسجدي هذا وقبري" (اور شاید تم میری اس مسجد اور میری قبر سے گزرو) یہ حدیث امام احمد (۲۳۵/۵) ابن حبان (۴۱۴/۲-۴۱۵)، ابن ابوعاصم نے السنة (۴۸۶/۲)، اور طبرانی نے کبیر (۸۹/۲۰، ۱۲۱) اور بیہقی نے سنن کبری (۸۶/۱۰) میں روایت کیا، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲/۹) میں کہا: اس حدیث کو امام احمد نے دو سندوں سے روایت کیا..... اور دونوں سندوں کے راوی صحیح کے راوی ہیں مگر راشد[1] بن سعد اور عاصم بن حمید۔ اور یہ دونوں بھی ثقہ ہیں۔

---

[1] راشد بن سعد تابعی متوفی ۱۰۸ھ وثقہ ابن المعین وابوحاتم وابن سعد (خلاصۃ تہذیب الکمال ۱/ص ۳۴۱)
عاصم بن حميد السكوتي شهد الجابية، عن عمر ومعاذ وعائشه، وثقه الدارقطني (۲۰/۲) (مترجم)

یہ ایک ناقابل تاویل نص ہے جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ آپ اپنی مسجد شریف کے بغل میں مدفون ہوں گے،

اور ابومویھبہ کی گزشتہ حدیث بھی یاد رہے۔اس لیے کہ اس میں بھی اس امر کی دلیل ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا جائز ہے۔

اور جزء نافع (۵۱/۱) میں ہے: طاؤس نے روایت کیا کہ عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا:"**المدينة مهاجري، فيها قبري، وقال صلاة الليل مثنى مثنى فإذا خشيت الصبح فواحدة**" "مدینہ منورہ میری ہجرت کی جگہ ہے،اور وہاں میری قبر ہے،اور فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب تمھیں صبح ہونے کا اندیشہ ہوتو ایک رکعت ملا کر وتر کر لیا کرو"۔[1]

ابن حزم نے المحلی (۳۴۳/۵) میں کہا: حضور علیہ السلام نے فرمایا"**مابين قبري ومنبري روضة من رياض الجنة**" (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے) آپ نے یہ فرما کر اپنی قبر کی جگہ کا انذار وخوف دلایا اور یہ بتایا کہ آپ کی قبر آپ کے گھر میں ہے۔

(۶) ابن مفلح حنبلی ابن تیمیہ کے تلمیذ نے الفروع (۳۸۵/۳) میں کہا: نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا،اور آپ اور آپ کے صاحبین (ابوبکر وعمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے،آپ کی طرف رخ کر کے سلام پیش کرے،نہ کہ قبلہ رو ہو کر، پھر قبلہ رو ہو کر حجرہ کو اپنے بائیں کر کے دعا کرے،امام احمد نے اسے ذکر کیا،اور حنابلہ کے کلام سے یہ ظاہر ہے کہ حجرہ سے قریب ہو کر ایسا کرے،یا اس سے دور رہ کر،ابن مفلح حنبلی کا کلام ابن تیمیہ کا کھلا ہوا رد ہے۔

---

(۱) مشکاۃ المصابیح میں ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"**المدينة بها قبري، وبها بيتي، وتربتي وحق على كل مسلم زيارتها**"(مشکاۃ المصابیح ص ۵۴۷)

ترجمہ:۔"مدینہ منورہ میں میرا گھر ہے،اس میں میری قبر شریف بھی ہوگی لہٰذا ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ اس کی زیارت کرے"۔ (مترجم)

(٦٣) ابن کثیر کو اس بات کا اعتراف ہے کہ جو شخص نبی پاک ﷺ کی زیارت اقدس کو حرام کہے وہ جاہل ہے۔

اب ہم ابن تیمیہ کی کھلی ہوئی تصریح پیش کریں گے کہ اس کے نزدیک روضۂ رسول ﷺ کی زیارت حرام ہے، یہاں تک کہ اہل مدینہ منورہ پر بھی، اگر چہ شدر حال کے بغیر ہو۔

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (٢٤٣/٢٧) میں کہا:

''اور اگر یہ گمان کیا جائے کہ ہمارے نبی کی زیارت کا سفر دیگر انبیا اور صالحین کے سفر زیارت کی طرح ہے تو یہ چند وجوہ سے غلط ہے:

ا۔ آپ کی مسجد آپ کی قبر کے پاس ہے، اور اس مسجد کا سفر نص واجماع سے مشروع ہے، جہاں مسجد نہیں وہاں کا سفر اس کے برخلاف غیر مشروع ہے۔

٢۔ آپ کی زیارت دوسروں کی زیارت کی طرح ممتنع ہے، انسان مسجد جا کر وہاں وہی کام کرتا ہے جو اس کے لیے مشروع ہے۔

٣۔ اگر ہمارے نبی کی قبر کی زیارت دوسری قبروں کی زیارت جیسی ہوتی تو اہل مدینہ منورہ کو اس کا سب سے زیادہ حق تھا، جیسا کہ ہر شہر والوں کو اپنے شہروں کے صلحا کی زیارت کا زیادہ حق ہے، جب کہ سلف وائمہ دین اس پر متفق ہیں کہ اہل مدینہ منورہ آپ کی قبر کی زیارت نہ کرتے، بلکہ جب یہ لوگ مسجد جاتے اور وہاں سے آتے تو بھی آپ کی قبر کے پاس سلام کے لیے کھڑے نہ ہوتے، اگر چہ اس کا نام زیارت نہیں، بلکہ بغیر سفر کے بھی ان کے لیے ایسا (زیارت) کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مالک نے ذکر کیا، اور یہ کہا: '' کہ یہ ان بدعات سے ہے جنھیں اس امت کے پیش رو حضرات (صحابہ) نے نہ فرمایا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس نے دوسری قبروں کی زیارت کی طرح آپ کی زیارت قبر کو مشروع کہا اس نے اجماع

مسلمین کے خلاف کیا‘‘۔

میں کہتا ہوں:

گزشتہ سطور میں اس کا رد گزر چکا لیکن پھر بھی ابن تیمیہ کی یہ روشن تصریح اس لیے ذکر کردی تا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی عداوت کا حال اچھی طرح روشن ہو جائے۔ بہت سے علما نے یہ سمجھا کہ بغیر شد رحال (بلا سفر) زیارت حرام نہیں، ابن تیمیہ کا واضح کلام آپ کے سامنے ہے کہ اس کے نزدیک سفر زیارت حرام ہے چاہے اس کے لیے حاجت سفر ہو یا نہ ہو، یہاں تک کہ اہل مدینہ منورہ پر بھی حرام ہے جنہیں زیارت کے لیے سفر کی حاجت نہیں، اہل مدینہ منورہ پر یہ ابن تیمیہ کا کھلا ہوا جھوٹ ہے، اور اس کے افترا کے لیے اس کا یہی کلام کافی ہے کہ اس نے یہ کہا: ’’دوسروں کی زیارت کی طرح آپ کی زیارت حرام ہے‘‘ اور یہ کہا: ’’سلف اور ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل مدینہ منورہ آپ کی قبر کی زیارت نہ کرتے، بلکہ جب یہ لوگ مسجد جاتے اور وہاں سے آتے تو بھی آپ کی قبر کے پاس سلام کے لیے کھڑے نہ ہوتے‘‘۔

ہم سب سے پہلے ابن کثیر کا کلام اس کے رد میں پیش کر رہے ہیں:

ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۲۴/۱۴) میں کہا: ابن خطیری حاجب، شیخ تقی الدین (ابن تیمیہ) کے پاس اس دن کے پہلے پہنچے، تو ان سے ان کی ملاقات ہوگئی، اور نائب سلطنت کے حکم پر کچھ چیزوں کے متعلق ان سے دریافت کیا، پھر جمعرات کے روز قاضی جمال الدین بن جملۃ، اور ناصر الدین مہتمم اوقاف پہنچے، اور ان دونوں نے تقی الدین ابن تیمیہ سے مسئلہ زیارت کے متعلق اس کے کلام کا مضمون پوچھا تو اس نے ایک کاغذ پر دستی حکم تحریر کیا، اور اس تحریر کے نیچے دمشق کے قاضی شافعیہ نے لکھا: میں نے ابن تیمیہ کی تحریر سے متعلق اس نوشتہ سوال کا جواب مقابلہ اور ملاحظہ کیا یہاں تک کہ انھوں نے لکھتے ہوئے کہا: ’’کہ اس کے نزدیک نبی ﷺ اور انبیا صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی قبروں کی زیارت بالاجماع یقیناً معصیت ہے‘‘۔ تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خلاف یہ تحریف ملاحظہ کیجئے کیوں کہ اس مسئلہ زیارت کے متعلق انھوں نے جو جواب تحریر کیا اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ: ’’صالحین کی قبروں کی زیارت ممنوع ہے‘‘۔ صرف اس جواب میں محض زیارت قبور کی خاطر سفر اور شد رحال کے متعلق دو قول

ذکر کیا ہے: ا۔قبروں کی طرف سفر اور شدرحال کیے بغیر ان کی زیارت کرنا ایک الگ مسئلہ ہے اور ۲۔محض زیارت کے لیے سفر اور شدرحال ایک دوسرا مسئلہ ہے، اور شیخ (ابن تیمیہ) نے شدرحال کے بغیر زیارت کو ممنوع نہ کہا بلکہ اسے مستحب اور مندوب کہا، ان کی کتابیں، اور ان کے مناسک اس پر شاہد ہیں انھوں نے اپنے فتوی میں اس زیارت سے تعرض نہ کیا، اور نہ ہی اسے معصیت کہا، اور نہ اس زیارت کے ممنوع ہونے پر اجماع نقل کیا، وہ رسول پاک کے اس ارشاد:

"زوروا القبور فإنها تذكركم الآخرة" (مشكاة المصابيح ص ۱۵۴ أيضا رواه مسلم)

ترجمہ:۔"قبروں کی زیارت کرو کیوں کہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلائے گی"۔

سے جاہل بھی نہیں، اور اللہ سبحانہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اور نہ ہی کوئی پوشیدہ رہنے والی حقیقت اس پر پوشیدہ ہے۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ﴾ [الشعراء-۲۶:۲۲۷]

ترجمہ:۔"اور ظالم جلد ہی اپنا ٹھکانہ جان لیں گے"۔

ابن کثیر کا کلام ختم ہوا۔

ابن کثیر کا یہ کلام دیدۂ حیرت سے پڑھتے۔ابن کثیر کی گذارشات اور نوٹ سے صرف نظر کرتے ہوئے کم از کم اتنی بات تو خوب واضح ہے کہ قاضی شافعیہ کے بارے میں ابن کثیر کا حسن ظن نہیں، حالاں کہ اس کے بعد حنفی اور مالکی اور یہاں تک کہ حنبلی قاضیوں نے قاضی شافعیہ کے فیصلہ کی موافقت وحمایت کی.....اہم بات یہ ہے کہ ابن کثیر نے ابن تیمیہ کی تہمت کے ازالہ میں جو کلام تحریر کیا ہمارے نزدیک اس کی دووجہوں میں سے ایک وجہ ضرور ہے...... یا تو ابن کثیر ابن تیمیہ کے راز سربستہ پر آگاہ نہ ہوسکے۔یا ابن تیمیہ کا ایک اشاعتی منظّم پروپیگنڈہ ادارہ تھا جس نے لوگوں کے سامنے اس کی خوشنما صورت پیش کی اور اصل حقیقت کی پردہ پوشی کی۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کی دروغ گوئی کا حال گزرا کیوں کہ اس نے یہ کہا: ''جو دوسری قبروں کی زیارت کی طرح آپ کی قبر کی زیارت کو مشروع جانے وہ اجماع مسلمین کا مخالف ہے'' ابن تیمیہ کے اس کذب پر تنبیہ کے بعد اس کے تمام کفش برداروں کو میرا چیلنج ہے کہ کس نے اس اجماع کا دعوی کیا؟ اسے پیش کریں اگر چہ وہ ابن تیمیہ کی پیدائش کے ایک دن پہلے کا ہو، اس لیے کہ ابن تیمیہ بہت بڑا جھوٹا ہے، ہم نقل کر چکے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت مشروع ہے بلکہ بعض علما نے اس کو واجب تک کہا۔

ذرا صاحب کتاب ''الشهادة الزكية'' (۱/۸۹،۹۰) کا یہ قول بھی دیدۂ حیرت سے ملاحظہ کیجئے: ''اور یہ جو کہا گیا کہ شیخ (ابن تیمیہ) نے قبروں کی زیارت سے منع کیا تو حاشا للہ اور معاذ اللہ یہ ان کی کتابیں، اور ان کے فتاوی، اور ان کے مناسک ہیں ان میں کھلی ہوئی تصریح ہے کہ مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے، چہ جائیکہ انبیا علیہم السلام، بلکہ اس نے کافروں کی قبروں کی زیارت بھی جائز قرار دی ہے، ہاں جب محض قبروں کی زیارت کے لیے سفر کیا جائے تو اس بارے میں انھوں نے علما کا اختلاف ذکر کیا کہ بعض علما نے جائز کہا، اور یہ جمہور کا مذہب ہے، اور بعض نے مکروہ کہا، اور کچھ لوگوں نے حرام کہا، اور اس قول کو حنبلیہ کے دو امام ابن بطہ، اور ابن عقیل نے اختیار کیا، اور امام ابو محمد جوینی امام شافعیہ، اور امام مالکیہ قاضی عیاض نے اپنی کتاب اکمال میں یہی اختیار کیا، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اسی قول کی طرف مائل ہیں''۔

آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ ابن تیمیہ سے لے کر اب تک ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں کا یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ وہ بے بنیاد اور باطل پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔

آخر ابن تیمیہ کی کھلی تصریح کے خلاف انھوں نے کیوں باطل پروپیگنڈہ کیا؟ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ خاص و عام، عالم و جاہل سب پر ابن تیمیہ کے قول کی قباحت ظاہر ہے اس لیے اس کے کفش برداروں نے اس کی تصریحات کے خلاف تصریح کی کہ کہیں یہ لوگ اس سے اور ان کفش برداروں سے منحرف نہ ہو جائیں، ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں کا کذب اظہر من الشمس اور اوضح من الأمس ہے اس لیے کہ ابن عقیل ان حضرات میں سے ہیں جنھوں نے یہ روشن تصریح فرمائی کہ نبی پاک ﷺ کا جسم اقدس جس حصہ زمین سے متصل ہے وہ عرش

سے بھی افضل ہے، اور آپ نبی پاک ﷺ سے توسل فرماتے، اور حضور اقدس کے روضۂ انور کی طرف رخ کر کے دعا فرماتے، اور آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت آپ کی بارگاہ میں یوں عرض استغفار کرتے "استغفر لنا" "آپ ہماری بخشش و مغفرت طلب فرمائیں" اور آپ ان حضرات میں سے ہیں جو لوگ نبی پاک کی جانب رخ کر کے یوں عرض حاجت کرتے: " إني أتوجه بك إلى ربي" "میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوا"۔ ذرا ان کفش برداروں کی چالبازی دیکھیں کیا ان کے پاس ابن عقیل کے حوالہ سے کوئی واضح نص ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ ابن عقیل نے یہ کہا کہ نبی ﷺ کے روضۂ پاک کی طرف سفر کرنے والا اپنی نماز میں قصر نہ کرے؟ اگر یہ لوگ اس سلسلے میں کوئی نص پاتے تو ضرور اسے طبع کرا کر گھر گھر شہر شہر مفت تقسیم کرتے۔ ہر مسلمان کو اپنے دین کے بارے میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

یہ ابن عقیل کا معاملہ تھا اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی کا حال یہ ہے کہ آپ نے یہ نقل فرمایا کہ مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کا جو حصہ آپ کے جسم مبارک سے متصل ہے کعبہ سے افضل ہے، اور آپ نے یہ بھی نقل فرمایا کہ منصور سے امام مالک نے فرمایا: "نبی پاک سے اپنا چہرہ کیوں پھیریں گے حالاں کہ آپ ہمارے اور تمہارے باپ آدم کے بھی وسیلہ ہیں" اور آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس ٹھیک آپ کے مواجہہ اقدس میں دعا فرماتے، اور اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری چیزیں منقول ہیں۔

قاضی عیاض نے شفا (۶۸/۲، ۶۹) میں فرمایا: حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت مسلمانوں کی ایسی سنت ہے جس پر ساری امت کا اجماع ہے، اور یہ ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب آئی ہوئی ہے، حضور کے روضۂ اطہر کی طرف سفر اور اس بارگاہ کا شدرحال واجب ہے، اس مقام پر آپ نے وجوب سے وجوب ندب و ترغیب و تاکید مراد لیا ہے وجوب فرض نہیں"۔

آپ خود مطالعہ فرمائیں اور ابن تیمیہ اور اس کے نیاز برداروں کے عظیم فریب پر ماتم کریں۔ **وحسبنا الله ونعم الوكيل۔**

بعض مسائل کے تحت ہم نے نقل کیا ہے کہ ابن ابوشیبہ نے (۱۰۲/٦) بسند صحیح تخریج کیا کہ ہم سے عبدہ بن سلیمان نے بیان کیا کہ سعید بن سعید نے بیان کیا کہ مغرب سے میری واپسی پر نافع بن جبیر سے میری ملاقات ہوگئی، میں نے کہا: آپ کا کیا حال ہے، (فرمایا: جب نبی ﷺ کے روضۂ سے گزروتو یوں عرض کرو) ''السلام علی النبي صلی الله تعالی علیه وسلم ورحمةالله'' (اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام اور اللہ کی رحمت نازل ہو) کیوں کہ شیطان صحبت ورفاقت کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کوئی صحبت نہیں (میرا ساتھ چھوٹ گیا)، پھر جب اپنے اہل کے پاس داخل ہوتو ''السلام علیکم'' کہو کیوں کہ شیطان کہتا ہے کوئی شب باشی نہیں (ساتھ میں شب باشی بھی گئی) پھر جب تمہارا شام کا کھانا حاضر ہوتو ''بسم اللہ'' پڑھو کیوں کہ شیطان ذلیل وخوار ورسوا ہوکر اپنے دوستوں سے کہتا ہے: ''نہ شب باشی نہ شام کا کھانا'' (شب باشی اور شام کا کھانا سب گیا)''

گزشتہ مسائل کے تحت امام مالک کا مذہب خوب واضح ہو چکا اس لیے ازسرنو اس کے اعادہ کی حاجت نہیں، اس وقت سلام کے مسئلہ میں امام مالک کا ارشاد مجھے یاد آ رہا ہے، بعض اجلہ علمائے مالکیہ مثلا ابوالولید محمد بن رشد مالکی نے شرح العينيه مسمی بہ کتاب (البيان والتحصيل) میں کتاب الجامع کے اندر ذکر فرمایا کہ: امام مالک سے پوچھا گیا کہ: جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر سے گزرے، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، کیا وہ جب جب گزرے سلام پیش کرے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں، میرے نزدیک اس پر لازم ہے کہ جب آپ کے پاس سے گزرے سلام پیش کرے، اور لوگوں نے اس سے بھی زیادہ کیا ہے، لیکن جب آپ کے پاس سے نہ گزرے تو میری رائے یہ نہیں (شفاء السّقام في زيارة خير الأنام ۲۷۲، ۲۷۳ دیکھیے)

(٦٤) نبی پاک ﷺ کے صحابہ کبھی بھی آپ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ پر سلام پیش کرنے سے غافل و بے پرواہ نہ رہے۔

ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۷/۴۱۷) میں کہا:

''اور رہا آپ کی قبر پر آ کر آپ پر سلام پیش کرنا تو صحابہ اس سے بے پرواہ رہے، اس لیے کہ نماز میں آپ پر سلام پیش کیا جاتا ہے، اور مسجد میں آنے اور جانے کے وقت، اور نماز کے بعد بار بار قبر پر آنا اسے عید اور بت بنانے کا موجب ہے''۔

میں کہتا ہوں:

کون شخص نبی ﷺ کی زیارت سے مستغنی ہے؟ کیا یہ زندیق، یا مبتدع، یا خارجی لوگ ہیں؟! یہ کلمہ (''استغنوا''، یعنی صحابہ مستغنی و بے نیاز رہے) کس قدر قبیح و بدترین ہے، اور یہ کوئی عجب نہیں اس لیے کہ یہ کلمہ اس شخص کی زبان سے جاری ہوا جس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ: ''وہ نبی ﷺ سے کینہ رکھتا ہے''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ اور اس کے کفش بردار کان کھول کر اچھی طرح سن لیں ہم عاشقان رسالت نبی دو جہاں رحمت عالم و عالمیاں ہادی انس و جاں ﷺ سے کبھی بھی مستغنی[1] نہیں، اور نہ ہی آپ کے روضۂ پاک کے پاس آپ پر سلام پیش کرنے سے بے نیاز ہیں، بلکہ ہم کہیں بھی رہیں آپ پر سلام محبت پیش کرنے سے بے نیاز نہیں، اور انشاء اللہ تعالی ہم غلامان مصطفیٰ ﷺ کبھی بھی پتھر کی طرح سنگ دل ہونے والے نہیں خواہ کتنے ہی وسوسے ڈالے

(۱) وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا — ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی
لا وَرَبِّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا — بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ — لولاک والے صاحبی سب تیرے در کی ہے

(از سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ)---(مترجم)

جائیں۔

ہم کہتے ہیں: اے مسلمان! ابن تیمیہ کے پرفریب اور خطرناک اسلوب سے ہوشیار رہنا، ورنہ اس خاردار وادی، اور ہلاکت خیز گرداب میں پھنس جاؤ گے جس میں بعض زندیق پھنسے اس لیے کہ ان زندیقوں نے یہ فتوی دیا کہ نبی پاک ﷺ کی قبر جزیرۂ عرب میں سب سے آخری بت ہے۔

اور ایک دوسرے بے عقل نے یہ کہا: ہم ضرور قبر کو مسجد سے باہر کر دیں گے، ہم مکمل تفصیل کے ساتھ اسے بیان کریں گے، اور بعض ہلاک ہونے والوں نے یہ ناپاک مطالبہ کیا کہ: ''نبی پاک کا سبز گنبد زمین بوس کر دیا جائے''۔[1] اے امت محمد ﷺ ہوش میں آ۔

---

(۱) سید ابوالحسین عبداللہ حسینی مالکی ہاشمی کے تلامذہ نے کتاب **الاحتفال بالمولد النبوي** ص۶ پر اپنی تعلیق میں کہا: ''ہم بعض گستاخوں کی نہایت گستاخانہ عبارت پر آگاہ ہوئے جسے عبدالعزیز برعی نے اپنی کتاب: **قوارع الأسنة في الرد علی أعداء السنة** میں لکھا؟؟؟ اس کتاب کے مؤلف نے (ص۲۸ پر) زیر عنوان (''**عباد الأصنام**'' بتوں کے پجاری) کہا: ہمارے زمانہ میں بتوں کی پرستش بہت زیادہ ہے... اور ان بتوں میں سے رسول اللہ ﷺ کی قبر ہے۔ علما نے کہا: سید المرسلین کی شان میں یہ صریح توہین اور قبیح گالی و گستاخی ہے، کیوں کہ آپ نے اپنے رب سے یہ دعا کی اور یقیناً آپ کی یہ دعا اجابت سے سرفراز ہوئی: ''**اللّٰھم لاتجعل قبري وثنا یعبد**'' ''اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا جس کی پوجا ہو'' اور یہ مولف '' مقبل بن ھادی'' کے تلامذہ سے ہے جس نے مدینہ منورہ کے اندر حماد انصاری کے زیر نگرانی الجامعۃ الاسلامیہ سے شائع ہونے والے رسالہ میں زیر عنوان (**ظلال الجنة في الرد علی أعداء السنة**) اس بات کی طرف دعوت دی کہ نبی ﷺ کے روضۂ اقدس پر بنے ہوئے سبز گنبد کو زمین بوس کر دیا جائے، اس کے اس غلو اور حد درجہ سرکشی کے سبب اسے سلطنت سے دور کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں: یہ ان لوگوں کا انجام کار ہے جو رسول اکرم ﷺ کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کے رجحانات کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور ان جیسے لوگ ایسے صریح قبیح و شنیع قول کی جرأت کرتے ہیں، اگر چہ وہ کفر ہی سہی، اور یہ لوگ اپنے استاذ ابن تیمیہ سے بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں کیوں کہ ابن تیمیہ دکھاوے کے لیے اس بات کی ظاہری کوشش کرتا تھا کہ اس کا عیب ظاہر نہ ہونے پائے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی شان میں اس کی گستاخی، اور دریدہ دہنی پر جو حضرات آگاہ نہ ہوئے انھوں نے اس کے بارے میں توقف کیا، اور حسن ظن رکھا۔

میں کہتا ہوں: جو شخص بارگاہ رسالت میں ایسے اسلوب کی جرأت وجسارت کرے اس کا کیا حکم ہے؟ نبی پاک سے امت محمدیہ کا قلبی تعلق ورابطہ دیکھ کر ابن تیمیہ کا دل کیوں دکھ رہا ہے۔ بخدا مجھے نہیں معلوم میں اس کے سوا کیا کہوں: اے اللہ کے رسول! جو شخص امت کو اس کے نبی سے محروم کرے، اور مقام نبوت کی شان گھٹائے، اور نوجوانوں کے آداب اور ان کے ایمان کی حلاوت کو پامال کرے۔ ایسے شخص سے آپ کو، اور ہمیں اللہ کافی ہے، اور وہ اچھا کارساز ہے۔

بعض متدین لوگوں کے ابتدائی طور وطریقہ پر نظر ڈالا جائے تو ان پر بظاہر ہدایت کے آداب و انوار روشن نظر آتے ہیں پھر جب ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں کے متعلق ان سے کچھ کہا جاتا ہے تو ہدایت کے انوار وآداب معدوم نظر آتے ہیں، اور ان سے اختلاف کے سوا کچھ بھی سننے میں نہیں آتا، اے کاش! آداب مخالفت ہی ان کے یہاں ہوتی۔

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ کون لوگ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس سلام پیش کرنے سے بے نیاز اور مستغنی ہیں؟ لو ہم سے سنو تمہاری ساری تشنگی بجھ جائے گی۔

ابن ابوشیبہ نے (۱۰۲/۶) بسند صحیح تخریج کر کے فرمایا: عبدہ بن سلیمان نے ہم سے بیان کیا کہ سعید بن سعید نے فرمایا: جب میں مغرب سے واپس ہوا تو نافع بن جبیر سے میری ملاقات ہوگئی میں نے کہا آپ کا کیا معاملہ ہے نافع نے فرمایا: جب نبی ﷺ کی قبر کے پاس سے گزرو تو یوں سلام عرض کرو ''السلام علی النبي صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ورحمۃ اللہ'' (اللہ کے نبی ﷺ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو)، کیوں کہ شیطان یہ سن کر کہتا ہے اس کا ساتھ چھوٹا، پھر اپنے اہل کے پاس پہنچ کر یوں سلام پیش کرو ''السلام علیکم'' کیوں کہ شیطان یہ سن کر کہتا ہے: اس کے ساتھ رات گزارنا گیا، پھر جب تمہارا شام کا کھانا تمہارے سامنے آئے تو ''بسم اللہ'' پڑھو کیونکہ شیطان ذلیل وخوار ورسوا ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے رات گزارنا اور شام کا کھانا دونوں گیا۔[1]

---

(۱) اثر ابن ابوشیبہ صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، کیوں کہ عبدہ بن سلیمان کلابی (متوفی ۱۸۷ھ) ثقہ ہیں ثقہ ہیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے آپ کے بارے میں فرمایا، اور آپ مسلم کے رجال سے ہیں (تہذیب الکمال ۵۳۰/۱۸)، اور ذہبی

نافع بن جبیر کا کلام ابھی گزرا آپ ائمہ تابعین سے ہیں، اور صحابی رسول جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالی عنہ کے فرزندار جمند ہیں، آپ نے نبی پاک ﷺ کے چچا عباس، اور ان کے بیٹے عبداللہ، علی بن ابوطالب، سیدہ عائشہ، سیدہ ام سلمہ، زبیر بن عوام، عبداللہ بن مسعود، ابو ہریرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم سے حدیث روایت کی آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ۹۹ھ میں ہوا، آپ کا یہ ارشاد مذکور آپ کی رائے نہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ تابعین کے نزدیک اس کا مشروع ہونا معلوم ومتعارف ہے، اور تابعین نے صحابہ سے سیکھ کر ہی اسے حاصل کیا۔

تنبیہ: اگر ابن تیمیہ کے علم میں ایک شخص بھی ایسا ہوتا جس سے یہ منقول ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوکر سلام عرض کرنے کی حاجت نہیں تو اپنی عادت کے مطابق اپنی کتابوں میں بار بار اس کا ذکر ضرور کرتا، اگر کسی سے ایسا منقول ہے تو ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں نے کیوں ذکر نہ کیا؟

میں کہتا ہوں:

کچھ سمجھا کون رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس پر عرض سلام سے بے نیاز اور مستغنی ہے، اور کسے فرشتہ، اور کسے شیطان کی صحبت حاصل ہے، اپنے، اور امت کے بارے میں اللہ کا خوف کرو اور یاد رکھو اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

" فكفروا وتولوا واستغنى الله والله غني حميد "(التغابن ٦ پ ٢٨ ع ١٥)

ترجمہ:''تو کافر ہوئے، اور پھر گئے، اور اللہ نے بے نیازی کو کام فرمایا، اور اللہ بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا''۔

نے کہا: حافظ حجت قدوہ (پیشوا) ہیں، لیکن سعید بن سعید، تو صحیح و درست نام یہ ہے: سعید بن ابو سعید مقری'' وہ ثقہ ہیں، علی بن مدینی، اور ابن سعد، اور ابوزرعہ، اور نسائی وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا، بخاری و مسلم اور باقی اصحاب ستہ نے ان سے روایت کیا (تہذیب الکمال ۱۰/۴۶۶) (التقریب ۲۳۲۱) لیکن نافع بن جبیر تو وہ تابعی ثقہ ہیں بخاری و مسلم اور باقی اصحاب صحاح ستہ نے ان کی روایت لی (تہذیب الکمال ۲۹/۲۷۲) اور ابن حجر نے کہا: ثقہ فاضل ہیں اور ذہبی نے کہا: شریف مفتی ہیں۔

(٦٥) ابن تیمیہ کو یہ گوارا نہیں کہ کوئی شخص نبی پاک ﷺ کی زیارت کرے اس نے کھل کر یہ تصریح کی کہ آپ کی زیارت کا کوئی فائدہ نہیں

رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض سلام کی اہمیت کا انکار کرتے ہوئے ابن تیمیہ نے مجموعۂ فتاوی (۲۷ر ۴۱۶) میں کہا:

''قبر کی حاضری میں نہ تو زائرین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی حضور کا، برخلاف مسجد قبا کی حاضری، کیوں کہ صحابہ ہر ہفتہ کے روز مسجد قبا حاضر ہوتے، اور نبی ﷺ کی اتباع میں وہاں نماز ادا کرتے کیوں کہ وہاں نماز پڑھنا عمرہ ادا کرنے کے برابر ہے، اور صحابہ مسجد قبا کی نماز کے ساتھ جمعہ کے دن آپ کی مسجد میں نماز ادا کرتے کیوں کہ ان دونوں میں کوئی بھی دوسرے سے بے نیاز کرنے والی نہیں، بلکہ اس کے سبب اجر بڑھ جاتا ہے، اور ایسا ہی بقیع اور اہل اُحد کی طرف نکلتے جیسا کہ نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے جا کر ان کے حق میں دعا کرتے، یہ بھی حسن ہے اس لیے کہ یہ ایسا کار خیر اور نیک عمل ہے جس میں کوئی برائی نہیں، اور صحابہ ہر نماز میں ان لوگوں (اہل بقیع واحد) کے لیے دعا نہ کرتے کہ یہ کہا جائے کہ یہ (نماز کی) دعا اس دعا (بقیع واحد کی دعا) سے بے نیاز کر دیتی ہے''

(جیسا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک نماز میں نبی پاک پر سلام آپ کی قبر پر عرض سلام سے بے نیاز کر دیتا ہے)

میں کہتا ہوں:

إنا لله وإنا إليه راجعون ، نبی پاک سے کسی کا قرب ابن تیمیہ کو اس درجہ نا گوار و ناپسند ہے...عوام پر چونکہ ابن تیمیہ کی اس تلبیس کا خوف ہے اس لیے چند تنبیہات پیش خدمت ہیں:

۱۔ نبی ﷺ کے احباب اور آپ کی بارگاہ کے زائرین کا عظیم طبقہ آپ کی زیارت صرف اس شوق و محبت میں کرتا ہے کہ سنگ در جاناں پر حاضری اور جبیں سائی کی سعادت نصیب ہو جائے ان کا مطمح نظر کوئی فائدہ حاصل کرنا نہیں۔

۲۔ کن علما نے یہ کہا کہ روضۂ اقدس کی حاضری کا کوئی فائدہ نہیں؟ نبی پاک ﷺ اس شخص پر نظر رحمت فرماتے ہیں جو آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہے، اور آپ کے در اقدس پر اس مبارک و پاکیزہ مقام میں کھڑے ہو کر آپ پر سلام پیش کرتا ہے، آپ اپنے اس عاشق صادق کے سلام کا جواب دیتے ہیں، کیا یہ چیزیں خانۂ شمار میں نہیں؟

۳۔ ابن تیمیہ ہمیشہ اس امر کو فراموش کر دیتا ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنے روضۂ اقدس میں زندہ ہیں۔

۴۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا: ''قبر کی حاضری میں زائرین اور حضور کا کوئی فائدہ نہیں'' حضور اقدس کی بلند بارگاہ میں سخت ترین بے ادبی ہے۔

۵۔ بلاشبہ نبی پاک ﷺ کو کسی کی حاجت نہیں، اور نہ ہی آپ کسی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، کیوں کہ آپ کو اللہ کافی، اور اچھا کارساز ہے، مگر امت خیر الخلق ﷺ سے ضرور مستفید و مستفیض ہوتی ہے اور میرا اعتقاد و ایمان اور کامل اذعان یہ ہے کہ ہر ہر امر میں اپنا فائدہ ڈھونڈنا مادہ پرستوں کا نظریہ ہے۔[1]

۶۔ اے کاش ابن تیمیہ یہ کہتا: نبی پاک ﷺ کی زیارت جائز ہے اگر چہ زندگی میں ایک ہی بار سہی، لیکن اس نے تو بالکلیہ اسے ممنوع کہا، اس سے اس کے دل کا حال خوب خوب آشکارا ہے۔

۷۔ ابن تیمیہ نے قبا اور شہدائے احد کی زیارت کی یہ علت ذکر کی ''اس لیے کہ یہ کار خیر اور نیک عمل ہے جس میں کوئی برائی نہیں'' اس کے اس کلام کے پس پردہ یہ گستاخی و بے ادبی پوشیدہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی زیارت کار خیر اور نیک عمل نہیں بلکہ اس میں فساد اور برائی ہے۔

☆......☆......☆

(۱) اور پھر عاشقوں کے لیے یہی کیا کم فائدہ ہے کہ وہ جلوۂ جاناں کی زیارت کر کے دل شکستہ و رنجیدہ کو سکون پہنچاتے ہیں۔ (مترجم)

(٦٦) صحابہ کرام نے نبی پاک ﷺ، اور آپ کے روضۂ اقدس کے وسیلہ سے استسقا کیا، ابن تیمیہ نے اس حقیقت کو جھٹلانا چاہا، اور ایسا وہم وگمان کیا جسے کوئی عاقل نہیں کرسکتا وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی چھت آپ کے روضۂ اقدس پر نزول رحمت سے مانع ہے!

ابن تیمیہ نے الرد علی البکری (۴۶۹/۲) میں کہا:

''اور اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ مردہ شیخ کی قبر کے پاس استسقا کیا جائے، اور اللہ پر ان کی قسم کھائی جائے، تو ایسے شخص کا جواب یہ ہے کہ: نبی ﷺ سید الخلق تھے صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آپ کی قبر کے پاس نہ استسقا کیا، اور نہ ہی اللہ پر آپ کی قسم کھائی، اور نہ ہی آپ کی قبر کے پاس استسقا کرنا ان کا عقیدہ تھا تو پھر دوسروں کی قبروں سے استسقا کیوں کر جائز ہوگا''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا اسلوب دیکھیے اس نے یہ نہ کہا کہ: ''مجھے اس بارے میں کوئی دلیل معلوم نہیں'' بلکہ یہ کہنے کے بجائے ایسا اسلوب استعمال کیا جس سے ایک ساتھ دو چیزوں کا انکار کیا، اور یہ کہا: ''کہ نبی ﷺ سید الخلق تھے، صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آپ کی قبر کے پاس نہ تو استسقا کیا، اور نہ ہی اللہ پر آپ کی قسم کھائی، اور نہ ہی آپ کی قبر کے پاس استسقا ان کا عقیدہ تھا تو پھر دوسروں کی قبروں کے پاس استسقا کیوں کر جائز ہوگا''...اس شخص نے ایسا اسلوب انکار اس لیے استعمال کیا کہ عام انسان، اور بے علم جب اس ناپاک اسلوب میں غور وفکر کریں تو انہیں یہ گمان ہو کہ صحابۂ کرام نے نبی پاک ﷺ اور آپ کے روضۂ اقدس کے وسیلہ سے استسقا نہ کیا، گویا یہ ایک ثابت شدہ حقیقت

اور مسلم امر ہے۔

ہم ابن تیمیہ کے پیروکاروں پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ صحابہ نے نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ کے روضۂ اقدس کے وسیلہ سے استسقا فرمایا، اس کے بعد امت نے بعض صالحین کی قبروں سے بھی استسقا کیا، اور یہ ثابت شدہ حقیقت محض مفروض نہیں بلکہ عظیم ائمہ اعلام سے منقول ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ کے وسیلہ سے استسقا

اثر صحیح میں وارد ہے جسے ابن ابوشیبہ، اور بیہقی اور ابن عسا کر نے روایت کیا: مالک دار نے فرمایا: (آپ عمر کے خازن طعام (خزانچی) تھے) عمر کے دور خلافت میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے ایک شخص نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے استسقا (باران رحمت کا نزول طلب) فرمائیں کیوں کہ لوگ ہلاک ہو گئے، حضور اقدس ﷺ نے خواب میں اس شخص سے فرمایا: ''عمر کے پاس جا کر انہیں سلام سنانا، اور یہ خبر دینا کہ تمہیں باران کرم سے سیراب کیا جائے گا، اور ان سے یہ بھی کہنا کہ تم پر عقل وفہم وزیرکی اور کاموں میں متانت وسنجیدگی لازم ہے۔'' اس شخص نے آ کر حضرت عمر کو خبر دی، تو آپ نے اشک ریز آنکھوں سے عرض کیا: اے پروردگار! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر جو میرے بس سے باہر ہے''۔[1]

(۱) اس کو ابن ابوشیبہ (۳۵۶/۶ نمبر ۳۲۰۰۲)، اور بیہقی نے دلائل النبوۃ، اور ابن عسا کر نے تاریخ دمشق (۳۴۵/۴۴)، (۴۸۹/۵۶) میں روایت کیا، اور یہ حدیث صحیح ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۴۹۵/۲ - ۴۹۶)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۹۱/۷-۹۲) اور حافظ غماری نے (الرد المحکم ص ۵۲، ۵۳) میں اسے روایت کیا۔
اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ (۵۰۹/۲) میں بغیر کسی انکار کے یہ واقعہ ذکر کیا___ لیکن دوسری سند سے___ اور حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب (۱۱۴۹/۳)، اور ابو یعلی قزوینی نے الارشاد (۳۱۴/۱) میں ذکر کیا۔
اور رسول اللہ ﷺ نے جن تین قرنوں کے خیر القرون ہونے کی شہادت بخشی ان قرون ثلاثہ کے علمائے صالحین، اور اسلاف کرام نے اس حدیث پر اعتراض نہ فرمایا۔ اور آپ کے لیے یہ سند کافی ہے کہ علمائے سابقین میں سے حافظ ابن حجر، اور ابن کثیر نے اس حدیث کو صحیح کہا، اور اس حدیث پر جسے اعتراض ہے اسے دلیل پیش کرنا لازم ہے، اور معترض ہرگز دلیل نہ لا سکے گا۔
اے امت مسلمہ! خوارج، مبتدعین اور نیم ملاؤں سے ایسے بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہو۔

یہ ایک واضح صحیح اثر ہے جس سے ابن تیمیہ کے کلام کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے اور اس کے خوابوں کا شیش محل تاراج ہو جاتا ہے، اس سے پہلے کسی امام نے یہ نہ کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، یا ایسا کرنا شرک و بدعت ہے۔

بفضلہ تعالی ہمارا چیلنج ہے کہ معاندین میں اگر ذرا بھی صداقت ہے تو ابن تیمیہ سے پیشتر علما کے اقوال پیش کریں جنھوں نے ابن تیمیہ کی سی بات کہی۔

اگر یہ امر بدعت یا شرک ہو تو ائمہ حدیث میں سے ابن ابوشیبہ (جن کا امام احمد بن حنبل سے چھ سال قبل وصال ہوا) پھر اس کے بعد امام بیہقی، اور ابن عساکر کیا اسے روایت کرتے؟

نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس سے استسقا مسند امام دارمی (ابن تیمیہ امام دارمی کی بہت تعریف کرتا ہے) میں مذکور ہے، اسے یہ خبر نہیں کہ امام دارمی نے اس اثر کی تخریج کی، بلکہ اس نے یہ کہا کہ جو یہ گمان کرے کہ امام دارمی نے اسے روایت کیا وہ سفیہ و بے وقوف ہے۔

نبی پاک ا کے روضۂ اقدس سے استسقا:

دارمی نے اپنی سنن (۱/۵٦ نمبر ۹۲) میں روایت کیا: (جس کا مضمون یہ ہے:" **باب ما أكرم الله تعالى نبيه ﷺ بعد موته**" "یعنی ان کرامتوں کا باب جنہیں اللہ تعالی نے اپنے نبی کو آپ کے وصال کے بعد بخشا")

ہم سے ابونعمان نے بیان کیا کہ ہم سے سعید بن زید نے بیان کیا، ہم سے عمرو بن مالک نکری نے بیان کیا، ہم سے ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ نے بیان کیا، کہ مدینہ منورہ کے لوگ سخت قحط میں پڑ گئے انھوں نے حضرت عائشہ سے شکایت کی اس پر آپ نے فرمایا: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کو دیکھو اور آپ کی قبر سے آسمان کی طرف ایک روشن دان کر دو تا کہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی چھت حائل نہ رہے، چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا، تو اتنی زوردار بارش ہوئی کہ ہری گھاس اگ آئی اور اونٹ اس قدر فربہ ہو گئے کہ ان کے بدن پر خوب خوب چربیاں چڑھ گئیں، اس وجہ سے اس سال کا نام عام الفتق (اونٹ کے فربہ ہونے کا سال)

پڑا۔[1] (مشکاۃ المصابیح باب الکرامات ص ۵۴۵)

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد علی البکری (۹۱،۹۰،۸۹/۱) میں اس اثر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا:

''اہل مدینہ منورہ کے متعلق یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ انھوں نے عائشہ سے شکایت کی تو انھوں نے یہ حکم دیا کہ آپ ﷺ کی قبر سے چھت کی طرف ایک روشن دان بنادو، تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی چھت حائل نہ رہے، اہل مدینہ منورہ کے ایسا کرنے پر ایسی زور کی بارش ہوئی کہ سبز گھاس اگ آئی، اور اونٹ فربہ ہوگئے، اور ان کے بدن پر خوب چربی آگئی جس کے سبب اس سال کا نام عام الفتق پڑا۔

میرے گمان میں محمد بن حسن بن زبالہ نے اپنی تصنیف اخبار مدینہ منورہ میں اسے ذکر کیا اور اس کے دو جواب ہیں:

ا۔محمد بن زبالہ ضعیف ہیں، ان سے استدلال جائز نہیں، اور بہ اتفاق علمائے صحابہ یہ ثابت ہے کہ وہ حضرات جب بارش طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ سے مسجد، یا صحرا میں دعا کرتے، اور بہ اتفاق اہل علم یہ استسقا مشروع

(۱) میں کہتا ہوں: حافظ غمازی نے کہا: اس اثر کے راویوں میں کوئی حرج نہیں (الرد المحکم ص ۷۰،۶۹)
اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا، کیوں کہ سعید بن زید کی روایت مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کی، اور یحیی بن معین نے ان کو ثقہ کہا، اور ابن معین کی توثیق سند کے لیے کافی ہے۔مزی نے کہا: عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہا: ان (سعید بن زید) میں کوئی حرج نہیں، اور بخاری نے کہا: ہم سے مسلم نے بیان کیا، مسلم نے کہا: ہم سے سعید بن زید ابوالحسن نے بیان کیا وہ زیادہ راست گو، حافظ ہیں۔ابن حجر نے کہا: زیادہ راست گو ہیں، ان کے پاس اوھام ہیں، رہے عمرو بن مالک نکری تو حافظ ذہبی نے ان کے بارے میں فرمایا: ان کی توثیق کی گئی ہے، اور حافظ ذہبی کے نزدیک ان کی حدیث از قبیل حسن ہے۔(ذہبی کی کتاب ملاحظہ ہو)۔اور ابن حجر نے کہا: زیادہ راست گو ہیں، ان کے پاس اوہام ہیں، مزی نے کہا: ابن حبان نے ثقات میں انہیں ذکر کیا اور بخاری نے ''افعال العباد'' میں ذکر کیا۔اور محدثین اربعہ یعنی امام نسائی، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے ان کی روایت ذکر کی۔

ہے،صحابہ نے آپ کی قبر نہ کھولی۔اگر یہ مشروع ہوتا تو صحابۂ کرام اس سے عدول وانحراف نہ کرتے، یہ بات اس قدر مشہور ومتفق علیہ ہے کہ اس کا معارضہ ان روایتوں سے نہیں ہوسکتا جنہیں ابن زبالہ وغیرہ ایسے لوگوں نے روایت کیا جن سے استدلال جائز نہیں''۔

اگر کوئی عالم یہ کہے کہ استسقا وغیرہ کے وقت نبی ﷺ، یا دوسرے انبیا اور صالحین کی قبریں کھولنا مستحب ہے تو وہ مبتدع ہے اس نے رسول اللہ ﷺ، اور آپ کے خلفا سے مشروع سنت کے خلاف ایک بدعت ایجاد کیا''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا اس حدیث کی نسبت ابن زبالہ کی طرف کرنا ___ جو علمائے محدثین کے نزدیک متروک ہیں ___ دو وجہوں سے خالی نہیں:

۱ - ابن تیمیہ (جیسا کہ اس کے بارے میں اس کے اصحاب کہتے ہیں) کو اطلاع تام اور کامل دسترس ہے گویا تمام کتب احادیث اس کے پیش نظر ہیں، اسے یہ پتہ نہیں کہ دارمی نے یہ حدیث روایت کی، اس لیے اس واقعہ کی تضعیف کی خاطر ابن زبالہ ضعیف متروک کی طرف اس حدیث کی نسبت کی۔

۲ - ابن تیمیہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ دارمی نے اسے روایت کیا، مگر اسے ان کا حوالہ دینا اس لیے پسند نہیں کہ کہیں ان کی طرف لوگوں کی نظریں مبذول نہ ہو جائیں، اور اگر یہ صحیح ہے تو یہ ایک شیریں چیز ہے جو زبان سے نہیں کہی جاتی۔

جب آپ پر حقیقت روشن ہوگئی، اور دو وجہوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرلیا: تو ابن تیمیہ حافظ دارمی کے بارے میں اب کیا کہتا ہے؟

اس نے مجموع الفتاوی (۲/۴) میں کہا:

''بخاری نے اپنی صحیح کا آغاز وحی اور نزول وحی کی ابتدا سے کیا، اور اولاً رسول پر علم وایمان کے نزول کی صفت بتائی، پھر اس کے بعد کتاب الایمان قائم کیا، ایمان نبی پاک کی لائی ہوئی تمام چیزوں کا اقرار کرنا ہے، پھر اس کے بعد آپ نے کتاب العلم قائم کیا، جس میں نبی پاک کی

لائی ہوئی تمام چیزوں کی معرفت ہے، تو امام بخاری نے صحیح بخاری کی ترتیب میں حقیقی ترتیب کا لحاظ رکھا، اور ایسا ہی امام ابو محمد دارمی صاحب مسند نے اپنی کتاب کا آغاز دلائل نبوت سے کیا۔ اور اس باب میں کتاب کا ایک بڑا حصہ صرف کیا، یہ دونوں حضرات مسلم وترمذی وغیرہما سے بہت زیادہ افضل ہیں، اسی لیے امام احمد بن حنبل ان دونوں اور ان کے ہم پایہ محدثین کی تعظیم کرتے ہیں، اس لیے کہ یہ حضرات حدیث کے اصول وفروع پر گہری نظر، اور ان میں کامل دست گاہ رکھتے تھے''۔

یہی امام دارمی اس اثر کو روایت فرمارہے ہیں، بلکہ آپ نے اپنی احادیث مسند کے ابواب میں اسے ایک باب قرار دیا، اور یہ فرمایا: "**باب ماأكرم الله نبيه بعد موته**" ''یعنی ان کرامتوں کا باب جن سے اللہ نے اپنے نبی کو آپ کے وصال کے بعد سرفراز فرمایا''۔

اور توسل کے باب میں بھی یہ دلیل وحجت ہے رسول اللہ ﷺ کے کینہ پروروں کی ناک خاک آلود ہو۔

اور یہی امام دارمی اس دور میں اکابر علمائے سنت اور سلف صالح سے تھے جس دور کے متعلق ابن تیمیہ نے یہ کہا کہ: ''اس میں شرک کا وجود نہ تھا'' اور ابن تیمیہ نے انہیں امام بخاری کے درجہ میں رکھا، اور ان کی مدح شان میں یہ کہا کہ: آپ امام مسلم وترمذی سے بہت زیادہ افضل ہیں، ابن تیمیہ کے نزدیک جس امام دارمی کا مقام ومرتبہ یہ ہے، اور جن کی اعلی شان یہ ہے وہی نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس سے استسقا، اور باران رحمت کا نزول نبی ﷺ، اور آپ کی آل کی کرامت شمار فرمارہے ہیں، ابن تیمیہ کی طرح اسے شرک وبدعت نہیں کہہ رہے ہیں۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں: اگر کوئی صحیح یا ضعیف حدیث مروی ہوتی جس سے اللہ کے دین میں شرک یا بدعت کا شبہ ہوتا تو یہ ائمہ اعلام حدیث مذکور روایت نہ کرتے۔ خاص کر قرون ثلاثہ اولی میں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ شہادت بخشی کہ اس زمانہ کے لوگ سارے زمانے کے لوگوں سے افضل ہیں۔

اب جب کہ ابن تیمیہ کے کلام کی حقیقت واضح ہوگئی، اور اس کے قول کا فساد وبطلان ظاہر ہوگیا تو آٹھویں صدی ہجری میں دنیا سے کھسکنے والے ابن تیمیہ کی مدح وتعریف میں اسے ''شریعت اسلام'' کہنے والوں سے ہم کیا شکوہ کریں۔ **حسبنا الله ونعم الوكيل**

(٦٧)ارباب عقل ودانش خوب جانتے ہیں کہ روضۂ اطہر کی دیوار وچھت نزول رحمت سے مانع نہیں

ابن تیمیہ نے الردعلی البکری (١٦٤/١) میں کہا:

''یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے کہ عائشہ کی حیات میں نبی پاک کی قبر کے سامنے ایک روشن دان تھا،اوراگر یہ صحیح بھی ہوتو یہ اس بات کی دلیل وحجت ہے کہ لوگ اللہ کوکسی مخلوق کی قسم نہ دیتے تھے،اوراپنی دعامیں کسی مردہ سے توسل نہ کرتے،اوراس کے وسیلہ سے اللہ سے سوال نہ کرتے،انھوں نے قبرانور کے سامنے اس لیے روشن دان کھولا تاکہ رحمت خداوندی نازل ہو،(معاذاللہ) وہاں کوئی ایسی دعانہ کی جس میں خداکوکسی مخلوق کی قسم دی ہو۔تو دونوں میں کتناواضح فرق ہے''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا یہ جملہ:''اوراپنی دعامیں کسی مردہ سے توسل نہ کرتے''رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ایک گستاخانہ تعبیر ہے،اللہ عزوجل اپنے رسول اللہ ﷺ کے لیے کافی اورآپ کے معاملہ کا حاکم ووالی ہے،اسی نے اپنے رسول معظم نورمجسم ﷺ کی شان اقدس میں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

[الاحزاب-٣٣:٥٧]

ترجمہ:۔''بے شک جوایذادیتے ہیں اللہ اوراس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیااورآخرت میں''۔

نبی پاک ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں جیسا کہ فرمایا:

" الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون" (۱)

ترجمہ:۔''انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ کا مقام ومرتبہ شہیدان راہ حق کے مقام ومرتبہ سے کم نہیں، اور نہ ہی آپ اللہ کے نبی موسی علیہ السلام سے کم رتبہ ہیں جو اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے، جیسا کہ خود نبی اکرم ﷺ نے معراج کی شب اپنی آنکھوں سے انہیں ایسا کرتے دیکھا اور ہمیں خبر دی۔(۲)

(۱) مسند ابی یعلی:۶/۱۴۷ ادار المامون للتراث، دمشق ۱۹۸۴ء (مترجم)

(۲) أقول: ابن تیمیہ بہت بڑا جھوٹا ہے اسے فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث نہیں معلوم جس میں خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''بحق نبيک و الأنبياء الذين من قبلي'' تیرے نبی، اور مجھ سے پہلے انبیا کے وسیلہ سے۔

ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ طبرانی نے''کبیر''اور''اوسط''میں یہ حدیث روایت کی۔ اس کی سند میں روح ابن صلاح ہیں جنھیں حاکم اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ تمام راوی صحیح بخاری کے رواۃ سے ہیں جیسا کہ حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد میں فرمایا۔

اس حدیث صحیح میں وفات پانے والے انبیاے سابقین علیہم السلام کا وسیلہ کھلے الفاظ میں موجود ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں جسے ابن ماجہ نے اپنی سنن کے''باب المشي إلى الصلاة''میں روایت کیا:''اللهم إني أسألک بحق السائلين عليک''

(ترجمہ:۔''اے اللہ! سوال کرنے والوں کا تیرے اوپر جو حق ہے اس کے وسیلہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں'')

ابن تیمیہ سنے اس میں تمام مسلمانوں کا وسیلہ ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ، اس حدیث کے ایک راوی ابن موفق ابن مرزوق سے روایت کرنے میں اپنی سند کے اندر منفرد نہیں۔ ساتھ ہی ابن مرزوق صحیح مسلم کے راویوں میں سے ایک ہیں۔ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں فضیل بن مرزوق کے واسطہ سے حدیث روایت کی ہے تو ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن رزین نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن منیع نے بھی اپنی''مسند''میں اس طرح یہ حدیث بیان کی ہے:

''حدثنافضيل بن مرزوق علاء الدين مغلطائی ''الاعلام شرح ابن ماجہ''میں فرماتے ہیں یہ حدیث ابونعیم فضل ابن دکین نے ''کتاب الصلاۃ''میں فضیل بن مرزوق سے، انھوں نے عطیہ سے، عطیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے موقوفا روایت کی ہے، عطیہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرنے میں تنہا نہیں بلکہ

رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی راہ میں اس سے بھی زیادہ تکلیف وایذادی گئی، ہمیں ان گستاخوں کے بارے میں اللہ کافی اور اچھا کارساز ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ نوجوانان اسلام کو اپنی نت نئی گمراہ فکروں کا اسیر بنانا، اور انہیں تباہ وبرباد کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان میں رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں نازیبا و ناشائستہ کلام کی جرأت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا: ''اور انھوں نے قبر پر صرف اس لیے روشن دان کھولا تا کہ رحمت خداوندی نازل ہو'' (معاذ اللہ) یہ بے عقلوں کی بولی ہے عاقل کی شان ایسے کلام سے بلند وبالا ہے بھلا کوئی عاقل یہ گمان کرسکتا ہے کہ چھت نزول رحمت سے مانع ہے؟

ابوالصدیق بھی عبدالحکم بن ذکوان کی روایت میں ان کے ساتھ ہیں اور وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ اگر چہ ابوالفرح نے اپنی علل میں ان پر تنقید کی ہے۔ اور ابن السنی نے ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں وازع نے بلال سے اس طرح روایت کی ہے: ''اللھم بحق السائلین علیک'' اس سند میں نہ عطیہ ہیں، نہ ابن مرزوق، اور نہ ہی ابن موفق جس سے ظاہر ہوگیا کہ عطیہ، ابن مرزوق، اور ابن موفق کو اگر ضعیف تسلیم بھی کرلیا جائے تو مذکورہ سندوں سے یہ واضح ہوگیا کہ وہ تینوں حضرات اس روایت میں منفرد نہیں، بلکہ اس کی دوسری بھی تائیدات موجود ہیں۔ علاوہ ازیں احمد بن منیع کے شیخ یزید بن ہارون بھی ابن مرزوق سے روایت کرنے میں ابن موفق کے شریک ہیں۔ اسی طرح فضل بن دکین، ابن فضیل، اور سلیمان بن حبان وغیرہم نے بھی ابن مرزوق سے روایت کی ہے۔ عطیہ پر تشیع کا الزام ہے لیکن امام ترمذی نے ان کی کئی روایتوں کو حسن قرار دیا ہے۔ ابن معین سے منقول ہے کہ وہ صالح ہیں، ابن سعد سے مروی ہے کہ ثقہ ہیں۔ ابن عدی نے فرمایا ہے کہ ان کی روایتیں صالح ہیں۔ اور حضرت ابوسعید خدری کے نام کی صراحت کے بعد تدلیس کا احتمال نہیں خصوصاً جب کہ اس روایت میں متابعت بھی ہے۔ اور امام مسلم کے نزدیک ابن مرزوق کی توثیق کا پلہ بھاری ہے کیوں کہ انھوں نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذکورہ حدیث بلال رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطہ سے بھی وارد ہے۔ اس لیے یہ حدیث تمام تر تنقیدات کے باوجود پایۂ اعتبار اور درجۂ استدلال سے فروتر ہرگز نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا معاملہ صحیح اور حسن کے درمیان ہوگا کیوں کہ یہاں متابعات اور شواہد کثرت سے پائے جارہے ہیں''۔ (مترجم)

کیا نبی پاک ﷺ اپنے وصال کے چھ سال بعد اس کے منتظر تھے کہ جب قحط پڑے تو صحابہ چھت میں ایک روشن دان اس لیے کھولیں تا کہ آپ پر رحمت نازل ہو۔

بھلا سوچو تو سہی کیا صحابہ چند سالوں تک روضۂ رسول میں روشن دان نہ بنانے کے سبب گناہ کے سزاوار ہیں کہ انھوں نے روضۂ رسول ﷺ کو اللہ کی رحمت سے محروم رکھا؟ یا گناہ گار نہیں ہوئے؟ یہ کیسی خواہش پرستی ہے؟

جب آپ یہ کلام پڑھیں گے تو ابن کثیر کے تلمیذ صلاح صفدی کے کلام کی یاد تازہ ہو جائے گی جنھوں نے خلیل ابن احمد اور عبداللہ بن مقفع کے اس تقابل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: خلیل سے کہا گیا: آپ نے اسے کیسا پایا؟ تو کہا: میں نے اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ دیکھا۔

صلاح صفدی نے ابن تیمیہ کے بارے میں اس گزشتہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: اس کا علم حد درجہ وسیع ہے، اور اس کی عقل اسے ہلاکت گاہوں، اور تنگ وادیوں میں لا گراتی ہے'' (منقول از شواہد الحق از علامہ نبہانی ۱۸۸-۱۸۹)

میں کہتا ہوں:

اس کی عقل نے اسے ایسے گرداب بلا میں ڈالا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں کسی عالم کے لیے اس میں پھنسنا مناسب نہیں۔

ابن تیمیہ کا گزشتہ کلام آپ کو معلوم ہو چکا اس نے اقتضاء الصراط (۱/۳۳۸) میں کہا:

''بلکہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے بارش کے لیے نبی ﷺ کی قبر کھولنے کا حکم دیا کیوں کہ بارش ایسی رحمت ہے جو آپ کی قبر پر نازل ہوگی، عائشہ نے آپ کی قبر کے پاس نہ تو استسقا کیا، اور نہ ہی استغاثہ وفریاد کیا''۔

ابن تیمیہ کا یہ کلام حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے

۱۔ ابن تیمیہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی تصریحات ہمارے سامنے پیش کرے، گزشتہ اوراق میں جس اثر کی تکذیب کی وہ کن کتب احادیث میں وارد ہے؟ اگر اس کے کفش برداروں میں ذرا بھی ہمت

ہے تو سامنے آئیں اوراس اثر کی کھلم کھلا تکذیب کریں جسے گزشتہ سطور میں دارمی کے حوالہ سے ہم نے ذکر کیا کہ امام دارمی نے اسے روایت کیا ان سے کبھی بھی نہ بن پڑے گا، ورنہ محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدہ عائشہ کو بدعتی قرار دینے پر مجبور ہوں گے، اور اللہ امت مسلمہ پر ان کی فضیحت وذلت روشن فرمادیگا۔

۲۔ ابن تیمیہ کوکس نے بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کا روشن دان صرف اس لیے کھولنے کا حکم دیا تاکہ بارش نازل ہو کیوں کہ یہ ایسی رحمت ہے جو آپ کی قبر پر نازل ہوتی ہے، یہ کس کتاب، اور کس نص میں ہے؟ ابن تیمیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حوالہ سے جو چیزیں ذکر کیں ہیں اس کے کفش برداران کا ثبوت پیش کریں۔

۳۔ ابن تیمیہ کوکس نے یہ فتوی دیا، اور یہ تعلیم دی کہ نبی پاک ﷺ رحمت کے محتاج ہیں، اور چھت کھولنے سے آپ کو یہ رحمت حاصل ہوگی، اور چھت کھولنے کے وقت قبر پر بارش نازل ہوگی تو اللہ کے نبی ﷺ رحم فرمائیں گے۔

ہم ابن تیمیہ کے کفش برداروں سے کہتے ہیں: کیا امت کو یہی تعلیم دینا چاہتے ہو؟ کیا یہ فکریں نبی دو جہاں ﷺ کی امت کی ہیں یا مادہ پرست یہودیوں کی؟

۴۔ ابن تیمیہ سے کس نے یہ بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے آپ کی قبر کے پاس استسقانہ کیا، اور آپ نے وہاں استغاثہ وفریاد نہ کی..... میرا چیلنج ہے کہ ابن تیمیہ کا کوئی کفش بردار ابن تیمیہ سے پیشتر اہل سنت وجماعت کے کسی موقر عالم کی سند پیش کرے کہ انھوں نے ابن تیمیہ کے دعوی جیسا دعوی کیا، اور یہ کہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی پاک ﷺ کے پاس استسقانہ کیا؟

۵۔ اے کاش! ابن تیمیہ اپنے تبصرہ میں یہ کہتا: ہم تک جو علوم پہنچے ان میں مجھے یہ معلوم نہیں...واللہ تعالی أعلم، بلکہ وہ تو بڑے طمطراق سے اس طرح کلام کررہا ہے جیسے تمام احادیث وآثار اس کے پیش نظر ہیں، اور اس سے کئی صدی پیشتر جو کچھ ہوا وہ ان سب کا عالم اور حاکم مطلق ہے۔

ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں کے اس جھوٹے طور طریقہ سے آگاہ رہنے، اور ان سے سخت احتراز

واجتناب کی ضرورت ہے، وہ اپنے اس تلبیس آمیز اسلوب سے عوام کو اپنے دام تزویر میں لانا چاہتے ہیں کہ انہیں کہیں یہ وہم وگمان نہ ہو کہ ان کا یہ کلام، اوران کے یہ اطلاقات حقیقی نہیں، بلکہ انہیں اس بات کا اذعان ہو کہ یہ ائمہ سلف کی تصریحات جیسی ہیں جن پر تمام علما کا اتفاق ہے اس لیے کہ ایک عالم سے یہ مستبعد ہے کہ وہ ایسے جھوٹ اورخوفناک امر میں گرفتار ہوگا۔

(٦٨) صالحین کی قبروں سے استسقا اور امت کا عمل

حافظ ذہبی، جو ابن تیمیہ کے تلامذہ سے ہیں، نے سیر أعلام النبلاء (۲۱/۲۵۱-۲۵۳) میں حافظ رعینی کے حالات میں ذکر کیا:

''حجری، شیخ، امام، علامہ، معمر، مقری، مجود، محدث، حافظ، حجت، شیخ الاسلام ابو محمد عبداللہ بن محمد رعینی حجری اندلسی مربی مالکی۔

میں نے ابو ربیع بن سالم سے یہ فرماتے سنا کہ: آپ کے وصال کے وقت قحط پڑا، جب آپ کا جنازہ رکھا گیا لوگوں نے آپ کے وسیلہ سے اللہ عزوجل سے استسقا کیا تو اس قدر بارش ہوئی کہ ہفتہ بھر لوگ آپ کی قبر پر کیچڑ ہی میں آتے جاتے رہے۔ ذہبی نے فرمایا: آپ سید الصالحین، اور سچائی پر ثابت قدم رہنے والوں کے رئیس وسردار ہیں''۔ (مختصراً ذہبی کا کلام ختم ہوا)

ابن الابار نے کتاب الصلۃ (۲/۲۸۱) کے تکملہ، اور حافظ سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ (۴/۱۷/۱۳۷) میں بھی اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔

اور قاضی ابن خلکان نے وفیات الاعیان (۵/۲۳۲) اور ابن العماد نے شذرات الذہب (۱/۳۶۰) میں معروف کرخی کے احوال میں لکھا:

''دعا کی قبولیت میں آپ مشہور تھے، اہل بغداد آپ کی قبر سے استسقا کرتے اور کہتے: معروف کی قبر تریاق مجرب ہے''۔

اور ذہبی نے استاذ ابن فورک کے حالات میں سیر أعلام النبلاء (۱۷/۲۱۵) میں لکھا:

''حسن بن فورک اصفہانی: ابو بکر بیہقی، اور ابو القاسم قشیری، اور ابو بکر بن خلف اور دوسرے حضرات نے آپ سے حدیث روایت کی، آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ عبدالغافر نے سیاق التاریخ میں کہا: ''استاذ ابو بکر کی قبر حیرہ کی سرزمین پر واقع ہے، آپ کی قبر سے استسقا کیا

جاتا ہے''۔اور یاقوت حموی نے معجم البلدان (۱۳۹/۲) میں کہا:'' فقیہ محمد بن عبدویہ شیخ، ابواسحاق شیرازی کے تلمیذ ہیں آپ کی قبر سے وہاں استسقا کیا جاتا ہے''۔

اور ابن تیمیہ کے تلمیذ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۴۶۹/۱۲) میں مزید یہ بھی کہا:

''ابوعلی غسانی نے کہا: ابوالفتح نصر بن حسن سکتی سمرقندی نے ہمیں خبر دی آپ ۴۶۴ھ میں ہمارے پاس بلنسیہ آئے فرمایا: ایک سال سمرقند میں ہم پر بارش نہ ہونے کے سبب قحط پڑ گیا، لوگوں نے بار بار استسقا کیا پھر بھی بارش نہ ہوئی، تو خیر وصلاح میں معروف ایک مرد صالح قاضی سمرقند کے پاس آئے، اور آپ سے کہا: آپ کی خدمت میں ایک رائے لے کر آیا ہوں، قاضی نے کہا وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ آپ، اور آپ کے ساتھ سارے لوگ امام محمد بن اسماعیل بخاری کی قبر پر چلیں، آپ کی قبر ''خرتنک'' میں ہے، وہاں ہم سب مل کر استسقا کریں، امید ہے کہ اللہ ہمیں باران کرم سے سیراب فرمائے، قاضی نے جواب دیا: آپ کی رائے اچھی ہے۔قاضی سمرقند، اوران کے ساتھ سارے لوگ نکلے، قاضی نے سب کو نماز استسقا پڑھائی، اور تمام لوگوں نے آپ کی قبر کے پاس خوب گریہ وزاری کی، اور صاحب قبر کے وسیلہ سے بارش طلب کی تو اللہ عزوجل نے آسمان سے ایسی موسلا دھار بارش نازل فرمائی جس کے سبب لوگ خرتنک میں سات دن یا اسی طرح مقیم رہے، بارش کی کثرت وفراوانی کے سبب کوئی شخص سمرقند نہ آسکا جب کہ خرتنک اور سمرقند میں صرف تین میل کا فاصلہ ہے۔

میں کہتا ہوں: کیا یہ سارے علمائے کرام کافر، یا بدعتی، یا ناسمجھ تھے، اور تنہا ابن تیمیہ صاحب فہم تھا، اگر یہ ساری چیزیں شرک وبدعت تھیں تو ابن تیمیہ کے تلمیذ حافظ ذہبی نے انہیں کیوں ذکر کیا کیوں کہ کسی نہ کسی پر حکم شرک ضرور[1] عائد ہوگا۔

---

(۱) امام مالک، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود اور امام ترمذی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

" أیماامرئ قال لأخیه کافرفقد باء بها أحدهماإن کان کماقال وإلارجعت إلیه"
(مسلم، باب بیان حال الایمان الخ ۵۷/۱ کراچی)
ترجمہ:۔"یعنی جوشخص کسی کلمہ گوکوکافر کہےتوان دونوں میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے گی اگر جسے کہاوہ حقیقۃً کافر تھاجب توخیرورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا"۔
صحیح بخاری شریف میں سیدناابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ حضوراقدس سیدعالم ﷺ نے فرمایا:
" إذا قال لأخیه یاکافر فقد باء أحدهما" (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب من اکفرأخاه الخ ۹۰۱/۲ کراچی)
ترجمہ:"جب کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کو"یاکافر" کہےتوان دونوں میں ایک کارجوع اس طرف بےشک ہو"۔
امام بخاری ومسلم سیدناابوذررضی اللہ تعالی عنہ سے راوی کہ حضوراقدس سیدعالم ﷺ نے فرمایا:
" لیس من دعا بالکفر، أو قال عدوت الله ولیس کذلک إلا حارعلیه، ولایرمي رجلابالفسق ولایرمیه بالکفرإلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک. هذا مختصرا
"(صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ماینھی عن السباب واللعن ۸۹۳/۲ کراچی)
ترجمہ:۔"جوشخص کسی کوکافریادشمن خداکہےاوروہ ایسانہ ہویہ کہنااسی پرپلٹ آئے گااورکوئی شخص کسی کوفسق یاکفرکا طعن نہ کرے گامگر یہ کہ وہ اسی پرالٹاپھرے گااگرجس پرطعن کیاتھاایسانہ ہوا۔یہ اختصاراہے"۔
امام حبان اپنی صحیح التقاسیم والانواع میں بسندصحیح حضرت ابوسعیدخدری سے راوی کہ حضوراقدس سیدعالم ﷺ نے فرمایا:
" ماأکفررجلا أصلا إلا باء ها أحدهما إن کان کافرا وإلا کفر بتکفیره"(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان من اکفرانساناالخ، حدیث ۲۴۸، ۴۱۰/۱ بیروت)
ترجمہ:۔یعنی کبھی ایسانہ ہواکہ ایک شخص دوسرے کی تکفیرکرےاوروہ دنوں اس سےنجات پاجائیں بلکہ ان میں ایک پرضرورگرے گی اگروہ کافرتویہ بچ گیاورنہ اسے کافرقراردینے سے یہ خودکافرہوا۔
ان تمام احادیث سے صاف ظاہرہے کہ مسلمان کوکافراعتقادکرکےکافرکہنےوالاخودکافرہے۔علمائے کرام نے اس کی یہ علت ارشادفرمائی کہ جب اس نےمسلمان کوکافراعتقادکرکےکافرکہاتواس نے دین اسلام کوکفرٹھہرایا اورجوایساکرےوہ بلاشبہ کافرہےفتاوی عالمگیری میں ہے:

ماسبق میں ابن ابوشیبہ کی حدیث صحیح ،اوراثر دارمی (جس میں کوئی ضعف نہیں)،اورعلامہ ذہبی وغیرہ کا کلام گزرا یہ ساری چیزیں اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ ابن تیمیہ ہی مسلمانان اہل سنت کی جماعت کا مخالف ہے۔

اس لیے اس کی ریشہ دوانی سے ہوشیار رہیں،اورحق پر ثابت قدم رہیں،اورسواداعظم اہل سنت وجماعت کے ساتھ رہیں،اوراپنے کوابن تیمیہ کے ان عجائب وغرائب سے دور رکھیں،اور ہمیشہ ایسے لوگوں سے چوکنا رہیں جو یہ کہہ کرلوگوں کو ہلاک کریں کہ: لوگ ہلاک ہوگئے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔یا یہ کہہ کرلوگوں کوگمراہ کرے کہ: مسلمان گمراہ ہوگئے۔مسلمانان اہل سنت ایسے لوگوں سے ہوشیار رہیں جولوگوں کی عقلوں کی برین واشنگ (Brain washing) کرتے ہیں۔

وصل اللهم على سيدنا محمد وعلى اٰله وصحبه وسلم

☆☆☆

" المختار للفتوى في جنس هذه المسائل أن القائل بمثل هذه المقالات إن كان أراد الشتم ولايعتقده كافرا لايكفر، وإن كان يعتقده كافرا فخاطبه بهذابناء على اعتقاده أنه كافريكفر كذا في الذخيرة" (۲/۲۷۸)

ترجمہ:۔"اس طرح کے مسائل میں فتوی کے لیے مذہب مختار یہ ہے کہ قائل کے کلام کی بنیاد پراس کی اس وقت تکفیر نہ کی جائے گی جب کہ اس کلام سے قائل کا مقصود گالی ودشنام ہواورقائل کفرکا اعتقاد نہ رکھے ہاں اگر قائل کافر اعتقاد کر کے اسے کافر کہے تو ضرور اس کی تکفیر کی جائے گی ایسا ہی ذخیرہ میں ہے"۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ نے ردالمحتار میں صاحب ذخیرہ کی مذکورہ عبارت پر یہ اضافہ فرمایا:

" لأنه لمااعتقدالمسلم كافرا فقد اعتقد دين الإسلام كفرا"(۱۱۶/۲)

ترجمہ:۔"اس لیے کہ جب قائل نے مسلمان کوکافر اعتقاد کیا تو دین اسلام کوکفر اعتقاد کیا"۔

ابن تیمیہ اوراس کے کفش بردار بات بات پر امت مسلمہ کوکافر ومشرک کہتے ہیں وہ ان احادیث مبارکہ کو پڑھیں اورخود فیصلہ کریں کہ وہ کیا ہیں الحمدللہ رب العالمین ہم اہل سنت کا اعتقاد وعمل کفر وشرک کی آلائشوں سے حد درجہ دور رفتہ ہے۔ (مترجم)

(٦٩) رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے وقت آپ سے بخشش کا سوال، توسل واستغاثہ اور مدد طلب کرنا ابن تیمیہ کے نزدیک ممنوع ہے

اس کے اس باطل وہم کے رد پر بے شمار دلائل قائم ہیں کیوں کہ قرآن وسنت، اور صحابہ کرام، حفاظ عظام ومحدثین اعلام وفقہائے مسلمین ومتکلمین، اور مختلف دور میں نبی پاک ﷺ کی امت کے عمل سے یہی ثابت ہے کہ روضۂ اقدس کی زیارت کے وقت آپ سے بخشش کا سوال، توسل واستغاثہ اور مدد طلب کرنا جائز ہے۔

روضۂ اطہر کی زیارت کے دلائل

جب نبی پاک ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں تو آپ کی زیارت کسی دلیل کی محتاج نہیں، اور اگر آپ کسی فلسفی سے کہیں کہ: اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرنا ضروری ہے تو ہرگز اس سے یہ نہ بن پڑے گا کہ قرآن وسنت سے کوئی صریح قول پیش کرے جس میں یہ وارد ہو کہ: اللہ ہی پر بھروسہ کرنا ضروری ہے، یا صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے فیضان کرم سے محروم نہیں، یا محروم رہ کر آپ کے فیض کے طالب، اور اپنی بلا سے نجات کے خواستگار ہیں ایسے لوگوں کو ہم کچھ دلیلیں ضرور گوش گزار کریں گے جن سے یہ انکشاف ہوگا کہ خود نبی پاک ﷺ نے شب معراج براق پر سوار ہو کر سفر فرمایا، اور اللہ کے نبی موسی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی، یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ: صادق امین ﷺ، یا اللہ کے امین جبریل علیہ السلام نے اس مبارک ومسعود وقت میں پاکیزہ سواری پر سوار ہو کر موسی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لیے سفر فرمایا۔

اولاً: قرآن کریم کے دلائل

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

لَوَجَدُوْااللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اوراگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

اس آیت سے ہمارا مطمح استدلال یہ ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے کسی مسلمان عالم نے یہ نہ کہا کہ یہ حکم صرف نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات کے ساتھ خاص ومقید ہے، اور آپ کے وصال کے بعد اب یہ حکم باقی نہ رہا، بلکہ صحابہ وتابعین اور اگلی تین صدیوں کے علما سے لے کر اب تک یہی روشن تصریحات قائم ہیں کہ نبی ﷺ کے روضۂ اطہر پر مسلمان کا جانا، اور آپ سے بخشش طلب کرنا مشروع وجائز ہے، ان حضرات کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے، یہاں تک کہ ابن تیمیہ آیا، اور اس نے ایسی بات کہی جو اس سے پہلے کسی نے نہ کہی، اس شخص کی یہ بات بے دلیل ہے، جس پر کسی صحابی، یا تابعی یا سلف صالح کا قول نص جلی نہیں، بلکہ علمائے مسلمین میں سے کسی ایک عالم کا بھی ایسا قول نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اس آیت پر عمل کرنا صحیح ودرست نہیں۔

ہم اس مقام پر ان صحابہ وتابعین کے اقوال پیش کر رہے ہیں جنھوں نے مذکورہ آیت کریمہ سے ان چیزوں کے جواز پر استدلال کیا:

ا۔صحابی جلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ

سعید بن منصور، اور حاکم وطبرانی وغیرہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ آپ نے فرمایا کہ سورۂ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں جن کیعوض دنیا و مافیہا کا حاصل ہونا مجھے پسند نہیں___اور مجھے معلوم ہے کہ علما جب ان آیتوں سے گزرتے ہیں انہیں جان لیتے ہیں وہ پانچ آیتیں یہ ہیں:

(۱) ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَايَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَاوَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ [النساء-۴:۴۰]

ترجمہ:۔''اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا، اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا، اور اپنے پاس

سے بڑا ثواب دیتا ہے۔''

اور

(۲) ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ [النساء-۴:۳۱]

ترجمہ:۔''اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے''۔

اور

(۳) ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء-۴:۴۸]

ترجمہ:۔''اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے''۔

اور

(۴) ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ [النساء-۴:۴۰]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانو پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

اور

(۵) ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۱۱۰]

ترجمہ:۔''اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا''۔

عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ان آیتوں کے عوض دنیا و مافیہا کا حاصل ہونا مجھے پسند نہیں۔

میں کہتا ہوں:

اس ارشاد کا معنی اچھی طرح واضح اور روشن ہے، خاص کر یہ جملہ: ''مجھے معلوم ہے کہ علما جب ان آیتوں سے گزرتے ہیں انہیں جان لیتے ہیں''، اور ایک دوسری روایت میں ایک دوسری سند سے وارد ہے جسے بیہقی نے شعب الایمان (۳۷۶/۲) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: مجھے یقیناً یہ امید ہے کہ جو شخص ان آیتوں کو (ان کے معانی میں غور کر کے) تلاوت کرے گا اللہ اسے بخش دے گا:

﴿ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۱۱۰]

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ﴾ [النساء-۴:۶۴]

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ﴾ [النساء-۴:۱۱۰]

ترجمہ:۔''پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا، اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے''۔

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾ [آل عمران-۳:۱۳۵]

ترجمہ:۔''اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں''۔

آپ کا صریح کلام اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک یہ آیت ساری امت کے لیے عام ہے، صرف صحابہ ہی کے ساتھ خاص نہیں۔

۲۔سعید بن جبیر رضی اللہ تعالی عنہ جو سادات تابعین سے ہیں:

آپ نے فرمایا: ''استغفار کی دو قسمیں ہیں قولی اور عملی، استغفار قولی کے متعلق اللہ عزوجل نے ارشاد

فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اوراگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں''۔

اور استغفار عملی کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الانفال-۸:۳۳]

ترجمہ:۔''اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک کہ وہ بخشش مانگ رہے ہیں''۔

اس سے اللہ عزوجل کی مراد یہ ہے کہ وہ لوگ بخشش کے اعمال میں مشغول ہیں، اور مجھے بخوبی معلوم ہے کہ کچھ مدعیان اسلام، اور اہل مذاہب اپنی زبانوں سے استغفار کے باوجود جہنم میں جائیں گے''(۵۸)

اب ہم ان حضرات کے اقوال پیش کررہے ہیں جنھوں نے یہ فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوکر آپ سے بخشش طلب کرنا اگر مستحب نہیں تو کم از کم جائز ضرور ہے۔

اس سلسلے میں عتبی کا واقعہ بہت ہی مشہور ہے آپ نے فرمایا: میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک اعرابی آئے، انھوں نے بارگاہ رسالت میں سلام عرض کیا: ''السلام علیک یارسول اللہ'' اور یہ عرض کیا کہ: میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اوراگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے

والا مہربان پائیں''۔

اے اللہ کے حبیب میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بنا کر اپنے گناہ کی بخشش طلب کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں آیا ہوں، پھر وہ اعرابی محبت آمیز لہجہ میں یہ اشعار گنگنانے لگے:

۱) یاخیر من دفنت بالقاع أعظمه فطاب من طيبهن القاع والأكم

۲) نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والكرم

(۱) اے ان میں افضل ذات جن کی ہڈیاں پست ہموار زمین میں سپرد خاک کردی گئیں تو وہاں کی زمین، پہاڑ اور ٹیلے ان کی پاکیزگی کے سبب پاکیزہ و مشک بار ہوگئے۔

(۲) میں اس تربت اطہر پر نثار جس میں آپ سراپا عفت وجود و کرم بن کر جلوہ بار ہیں اس میں پاکیزگی اور جود و کرم ہے۔

پھر اعرابی واپس چلے گئے، اتنے میں میری آنکھ لگ گئی، میں خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ نے فرمایا: ''اے عتبی! اعرابی کو جا کر خوش خبری دے دو کہ اللہ نے اسے بخش دیا ہے''۔

میں کہتا ہوں:

عتبی امام شافعی کے معتبر شیوخ، اور سلف صالح سے ہیں انھوں نے اور قدیم و جدید زمانہ کے جمہور امت نے اس آیت پاک سے یہ استدلال فرمایا کہ: روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر بخشش طلب کرنا جائز و مستحب ہے۔

اب ہم ان علمائے امت کے اسمائے گرامی ذکر کر رہے ہیں جنھوں نے اس آیت سے استدلال فرمایا۔

مفسرین

(۱) قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۶۵/۵، ۲۶۶)،

(۲) اور ثعالبی (۳۸۶/۱)،

(۳) اور ابن کثیر (۵۲۰/۱-۵۲۱)،

(۴) اور نسفی نے (۲۳۰/۱-۲۳۱)

فقہاء

حنفیہ :

(۱) کمال ابن ہمام نے فتح القدیر میں (۳/۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱)،

(۲) اور شرنبلالی نے نور الایضاح میں (۱/۱۵۵)

حنابلہ :

(۱) ابن عقیل حنبلی نے اپنے تذکرہ،

(۲) اور سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) نے کتاب غنیۃ،

(۳) اور ابن الجوزی نے المنتظم (۵۹۷ھ) (۹/۹۳)،

(۴) اور ابن قدامہ مقدسی نے المغنی (۳/۲۹۷-۲۹۹)

(۵) اور ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ سمری نے المستوعب،

(۶) اور ابن مفلح نے المبدع (۳/۲۵۹)

(۷) اور بہوتی نے کشف القناع (۲/۵۱۶)

شافعیہ :

(۱) اپنے زمانہ کے شیخ الشافعیہ ابومنصور صباغ نے اپنی کتاب الشامل،

(۲) اور بیہقی نے شعب الایمان (۳/۴۹۵)،

(۳) اور امام نووی نے المجموع میں (۸/۲۰۲) انھوں نے قاضی ماوردی اور قاضی ابوطیب سے نقل کیا،

(۴) اور سبکی نے شفاء السقام،

(۵) اور ابن ملقن نے غایۃ السول في خصائص الرسول ﷺ (ص ۱۸۳)،

(۶) اور سیوطی نے الدر المنثور (۵۷۰/۱، ۲۳)،

(۷) اور ابن حجر ہیتمی نے الجوہر المنظم،

(۸) اور حصنی نے ''دفع شبہ''،

(۹) اور جاوی نے نہایۃ الزین (۲۲۰/۱-۲۲۱) میں۔

مالکیہ :

(۱) امام قاضی عیاض نے شفا شریف،

(۲) شہاب قرافی نے ذخیرہ (۳۷۵/۳، ۳۷۶)، ۳و۴)

زرقانی وقسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں

مورخین :

(۱) ابن اثیر نے الکامل (۵۰۶/۸)،

(۲) اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان (۱۳۶/۵)،

(۳) اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۵۰/۱۲-۱۵۱) میں۔

یہ ذہن نشین کر لینے کے بعد ابن تیمیہ کی بے باکی وگستاخی کا حال روشن ہو گیا جو اس نے مجموع الفتاوی (۱۵۹/۱) میں کہا:

''بعض لوگ اللہ تعالی کے اس قول کی تاویل کرتے ہیں ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴: ۶۴] اور یہ کہتے ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد آپ سے استغفار، صحابہ کے استغفار جیسا ہے، ان لوگوں نے اپنی اس تاویل میں صحابہ، اور بھلائی کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں (تابعین)، اور تمام مسلمانوں کی مخالفت کی ہے کیوں کہ ان میں سے کسی نے بھی آپ کے وصال کے بعد آپ سے شفاعت کی درخواست نہ کی، اور نہ ہی آپ سے کوئی

چیز مانگی، اور نہ ہی ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اپنی کتابوں میں اسے ذکر کیا''۔

اور اس نے یہ بھی کہا:

''ملائکہ، اور انبیا، وصالحین کے وصال کے بعد ان کی قبروں کے پاس اور ان سے دور، اور ان کے مجسموں سے خطاب یہ ساری نوعیں ان اقسام شرک سے ہیں جو اہل کتاب کے علاوہ مشرکین میں موجود تھیں، اور مبتدعین اہل کتاب اور مسلمانوں کے اندر بھی یہ چیزیں موجود ہیں اس لیے کہ انھوں نے ایسے شرک اور ایسی عبادتیں ایجاد کیں جن کا اللہ نے حکم نہ دیا''۔

اور اس نے ''الرد علی البکری'' (۱/۱۴۶) میں یہ بھی کہا:

''تیسرا درجہ:

یہ ہے کہ صاحب قبر سے یہ سوال کرے کہ اللہ سے اس کے لیے سوال ودعا کریں، یہ ایسی بدعت ہے جس پر تمام ائمہ مسلمین متفق ہیں، اور اللہ نے برادران یوسف کے بارے میں یہ خبر دی کہ وہ سب آپ کے لیے سجدہ میں گر گئے، اور ایسے ہی آپ کے والدین نے بھی آپ کو سجدہ کیا، یہ سجدہ ہمارے لیے مشروع نہیں (اس لیے کہ کسی کو کسی کا سجدہ کرنا جائز نہیں)''۔

اور اس نے مجموع الفتاوی (۲۴/۳۲۷) میں کہا:

''اور زیارت بدعت اہل شرک کی زیارت ہے، یہ زیارت نصاری کی زیارت کی طرح ہے جن کا مقصود مردہ کو پکارنا، اس سے مدد طلب کرنا اور حاجتیں چاہنا ہے، یہ لوگ مردہ کی قبر کے پاس نماز پڑھتے، اور وہاں دعا کرتے ہیں، اس طرح کی چیزیں نہ صحابہ نے کیں، اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا، اور نہ ہی امت کے اسلاف وائمہ نے اسے مستحب کہا''۔

میں کہتا ہوں:

یہ ابن تیمیہ کی فتنہ انگیز باتیں ہیں، ماسبق میں ان کا رد گزر چکا، اور باقی رد بھی پورا کریں گے، اب ہم قارئین کرام کی خدمت میں ایسے آثار پیش کریں گے جن سے ابن تیمیہ کی فتنہ انگیز باتوں کا کذب روشن ہوجاتا

ہے اس لیے کہ بہت سے حضرات نے انبیائے کرام کے وصال کے بعد ان سے خطاب وندا کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب رفیق اعلی کی طرف سفر فرمایا تو سیدہ فاطمہ نے عرض کیا: ہائے ابا جان! آپ نے اپنے رب کا بلاوا قبول کر لیا، ہائے ابا جان! آپ کا مقام جنت الفردوس بنا، ہائے ابا جان! ہم جبریل کو آپ کے وصال کی خبر دیں گے۔(۱)

جب صحابہ کرام آپ کے دفن سے فارغ ہوئے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا: اے انس! کیا رسول اللہ ﷺ کو سپرد خاک کرنا تمہارے دلوں نے گوارہ کیا؟

اور حضرت ابوبکر نے آ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ زیبا کھولا، اور اسے بوسہ لے کر عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کا دنیا میں رہنا، اور اس سے سفر فرمانا پاکیزہ ومشک بار رہے، اور اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، اللہ عزوجل آپ کو کبھی بھی دو موتوں کا ذائقہ نہ بخشے گا۔(۲)

اور قیس بن ابوحازم سے مروی ہے کہ: عمر بن خطاب نے ایک روز مدینہ منورہ طیبہ کے منبر پر لوگوں کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: عدن کے باغات میں ایک محل ہے جس کے پانچ سو (۵۰۰) دروازے ہیں، ہر دروازہ پر پانچ ہزار (۵۰۰۰) حورعین ہیں، اس دروازہ سے صرف نبی ہی داخل ہوں گے، پھر رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے اس قبر میں جلوہ نشیں! آپ کو مبارک ہو، پھر فرمایا: یا صدیق (اس دروازے سے داخل ہوں گے) پھر ابوبکر کی قبر کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے ابوبکر! آپ کو مبارک ہو پھر فرمایا: یا شہید (اس دروازے سے داخل ہوں گے) پھر اپنی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے عمر! تمہارے نصیب میں شہادت کہاں پھر فرمایا کہ: جس خدائے پاک نے مجھے مکہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت کا شرف بخشا وہ اس پر قادر ہے

(۱) حدیث (یا أبتاہ) بخاری (۱۶۱۹/۴) وابن حبان (۵۹۱/۱۴) اور حاکم (۵۳۷/۱) نے تخریج کی۔

(۲) حدیث (طبت حیا ومیتا) بخاری (۱۳۴۱/۳) نے عائشہ، اور بزار (۱۸۲/۱) نے عبداللہ ابن عمر سے تخریج کی۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۸/۹) میں کہا: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ علی بن منذر ثقہ ہیں اور بیہقی نے بھی کبری (۱۴۲/۸) میں یہ حدیث تخریج کی۔

کہ مجھے شہادت سے سرفراز فرمائے۔ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: اللہ عزوجل نے آپ کو ایسے شخص کے ہاتھ شہادت عطا فرمائی جو اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر مغیرہ کا غلام(۱) تھا۔(۲)

(۱) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عرض کیا:

ألا يارسول الله كنت رجاء نا وكنت بنا برا ولم تك جافيا
وكنت رحيما هاديا ومعلما ليبك عليك اليوم من كان باكيا
عليك مني السلام تحية ودخلت جنات من العدن راضيا

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! آپ ہماری امید ہیں، ہمارے اوپر انعام واحسان فرمانے والے ہیں، خشک مزاج نہیں، آپ رحم فرمانے والے رہنما اور معلم ہیں۔ آپ کے غم فراق میں رونے والے آج جتنا چاہیں رولیں، میں آپ کی بارگاہ میں گلہائے درود وسلام پیش کررہی ہوں، آپ جنات عدن میں خوشی بخوشی داخل ہو گئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

ودعنا الوحي إذ وليت عنا فودعنا من الله الكلام
سوى ماقد تركت لنا رهينا تضمنه القراطيس الكلام

ترجمہ: آپ کے وصال کے بعد سلسلۂ وحی ہم سے منقطع ہو گیا، اس طرح آپ کے واسطہ سے اللہ عزوجل کے شرف ہم کلامی سے ہم محروم ہو گئے، صرف قرآن کے اثاثہ کے علاوہ بظاہر ہمارے پاس کچھ نہیں جو پاکیزہ دفتروں میں محفوظ ہے۔

حضرت حسان ابن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

كنت السواد لناظري فعمى عليك الناظر
من شاء بعدك فليمت فعليك أنت أحاذر

ترجمہ: آپ میری آنکھوں کے نور تھے، آپ کے پردہ فرمانے کے بعد یہ آنکھیں بے نور ہو گئیں، آپ کے وصال کے بعد اب جو چاہے رخت سفر باندھے، میں ہمیشہ آپ کی تائید وحمایت میں سینہ سپر رہا۔

ابن تیمیہ اور اس کے ہم نوا بتائیں کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال جانکاہ کے بعد آپ سے یہ خطاب وندا اقسام شرک سے ہے؟ کیا صحابہ سے یہ خطاب وندا ثابت نہیں؟۔ (مترجم)

(۲) اثر عمر بن خطاب طبرانی نے اوسط میں (۱۶۳/۹-۱۶۴) روایت کیا، اور حارث نے اپنی مسند (زوائد ھیثمی) (۸۹۱/۲) میں روایت کیا۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۵۴/۹-۵۵) میں کہا: شریک نخعی کے علاوہ اس کے تمام رجال صحیح کے رجال ہیں، اور شریک ثقہ ہیں اور ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

ان روشن حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ موت کے بعد یا حالت غیبت میں خطاب وندا جائز ہے۔

ماسبق میں گزر چکا کہ امت مسلمہ اپنے تشہد میں یہ عرض کرتی ہے ''السلام علیک أیھا النبي ورحمة الله وبركاته'' اے نبی! آپ پر سلام، اور اللہ کی رحمت، اور اس کی برکتیں ہوں'' اور نبی پاک ﷺ کی سنت کے حوالہ سے آئندہ جو کچھ ذکر کریں گے اس سے بھی یہ امر بخوبی واضح وروشن ہے۔

جن لوگوں کو خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ابن تیمیہ کے نزدیک یہ حضرات اپنے دین میں کمزور ہیں، ان کے اندر نفاق پایا جاتا ہے، اور یہ لوگ مؤلفۃ القلوب سے ہیں۔

عتبی کا مشہور واقعہ گزرا جس میں یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آئے انھوں نے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر عرض کیا: ''السلام علیک یا رسول اللہ'' میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

میں اپنے رب کے حضور آپ کو آپ اپنا شفیع لا کر اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے آپ کی خدمت میں آیا ہوں، پھر یہ اشعار پڑھنے لگے:

(۱) یاخیر من دفنت بالقاع أعظمه فطاب من طیبهن القاع والأكم

(۲) نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والكرم

(۱) اے ان میں افضل ذات جن کی ہڈیاں پست ہموار زمین میں سپرد خاک کردی گئیں تو وہاں کی زمین، پہاڑ اور ٹیلے ان کی پاکیزگی کے سبب پاکیزہ ومشک بار ہوگئے۔

(۲) میں اس تربت اطہر پر نثار جس میں آپ سراپا عفت وجود وکرم بن کر جلوہ بار ہیں۔اس میں پاکیزگی جود وسخا اور لطف وکرم ہے۔

پھر اعرابی واپس چلے گئے، اتنے میں میری آنکھ لگ گئی، مجھے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، آپ نے فرمایا: ''اے عتبی! اعرابی کے پاس جا کر اسے خوش خبری دے دو کہ اللہ نے اسے بخش دیا''۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''**قاعدة في المحبة**'' (۱/۱۹۱/۱۹۲) میں عتبی کی اس مشہور حکایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''بعض فقہا نے اعرابی کے متعلق عتبی کی حکایت ذکر کی جس میں یہ ہے کہ اس نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کیا اے افضل الخلق! بے شک اللہ فرماتا ہے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ﴾ [النساء-۴:۶۴] اور میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں، اور عتبی نے خواب دیکھا کہ نبی پاک نے انہیں یہ حکم دیا کہ اعرابی کو خوش خبری دیں، نبی اور دوسرے صالحین کی قبر کے بارے میں اس طرح کی حکایتیں ایسے لوگ بیان کرتے ہیں جن کے ایمان میں کمزوری ہے، اور رسول کے مقام ومرتبہ اور آپ کے حکم سے جاہل ہیں، اگر ایسے شخص کو اس کی حاجت کے سبب اس طرح کے امور سے روکا نہ گیا تو اس کا ایمان اضطراب میں پڑ جائے گا، اور اس کا نفاق عظیم ہو جائے گا، ایسا شخص ان لوگوں کی طرح ہے جنھیں نبی کی حیات میں تالیف قلب کے لیے کچھ دیا جاتا تھا جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''میں کچھ لوگوں کے دلوں کی کمزوری اور بے صبری کے سبب ان کی تالیف قلب کرتا ہوں، اور کچھ لوگوں کو ان کی اس مالداری اور خیر کے حوالہ کر دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دلوں میں قائم فرما دی ہے' ان مؤلفۃ القلوب کے لیے یہ مال لینا مکروہ ہے، تو پھر ان لوگوں کی حاجتیں بھی انہیں (مؤلفۃ القلوب) کی حاجتوں کی طرح ہیں''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ بڑا جھوٹا شخص ہے اس لیے کہ اس کے نزدیک خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کرنے والا منافق ہے، اسے کس نے یہ بتایا کہ اس کے ایمان میں کمزوری ہے، یا ایسا شخص رسول اللہ ﷺ کے مقام ومرتبہ اور آپ کے احکام وآداب سے جاہل ہے؟ اور کس نے یہ کہا کہ ایسا شخص عظیم نفاق رکھتا ہے، یہ سب ابن تیمیہ کے قبیح مفروضات ہیں جن کا مقصود نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کی اہمیت گھٹانا ہے وبس؟

کیا آپ جانتے ہیں کہ ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کی اہمیت کیوں گھٹا رہا ہے؟ دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ اس کی اور اس کے ریزہ خواروں کی کتابوں میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ انہیں نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کا حظ وافر حاصل ہوا، اور اسی طرح اگر کوئی اس سے یہ پوچھے: کیا تو نے نبی پاک ﷺ کی زیارت کی ہے؟ تو اس کا وہی جواب ہوگا جو ابھی گزرا، اگر کوئی اس سے یہ کہے کہ: فلاں عالم یا صالح کو خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اس لیے میں ان کی اتباع کرتا ہوں تو ابن تیمیہ کا کھلم کھلا رد ہوگا۔

اب تک ابن تیمیہ کے حامیوں کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے، افسوس کا مقام یہ ہے کہ امسال (۱۴۲۳ھ) بعض حضرات ۲۵/رمضان المبارک کی شب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے سرکار نے خواب میں انہیں یہ خبر دی کہ یہ شب قدر ہے، تو بعض جہلا جنہیں صرف پوست کا علم ہے، اور کسی مسجد میں مدرس ہیں انھوں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: اس کا کیا معنی ہے "**كويس علشان تجتهدى في العبادة، ولكن ده مش دليل**".

بلاشبہ یہ تبصرہ کرنے والا شخص نبی کریم ﷺ کی زیارت سے محروم ہے، اگر یہ خود زیارت کرتا تو اپنے تمام اصحاب ورفقا اور پیروکاروں کو یہی خبر دیتا، اور اگر اکثر صالحین سے دریافت کرتا تو وہ یہی کہتے کہ یہ پچیسویں کی شب ہے، یہ شخص سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی اس حدیث سے غافل ہے جس میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"**أرى رويا كم قد تواطأت في السبع الأواخر فمن كان متحريها فليتحرها**

في السبع الأواخر" (۱)

ترجمہ:۔" مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں کا دیکھنا اخیر کے سات دنوں میں ایک دوسرے کے مطابق ہے تو جو شخص اسے تلاش کرنا چاہے تو وہ اخیر کی سات راتوں میں تلاش کرے"۔

اور اگر صرف مسلمانان اہل سنت کی کتابوں کا احاطہ کریں تو آپ پر یہ روشن ہوگا کہ یہ حضرات خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کرنے والے شخص سے خوش ہوتے، اور اس کی بے پناہ تعظیم وتکریم کرتے، اور اسے عمدہ اوصاف ومناقب اور کمالات وفضائل کا حامل جانتے، بہر کیف خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے والے حضرات امت کے نیک وبہتر افراد واشخاص ہیں۔

بعض علما کا یہ حال تھا کہ خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کم ہونے پر" **أعوذ بالله من الشيطان الرجيم**" پڑھا کرتے تھے۔

میں نے گزشتہ سطور ہی میں ذکر کر دیا کہ ابن تیمیہ کا کوئی عاشق زار اور ریزہ خوار ایسا نہیں جو نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کی تعظیم کرے، اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ اس سعادت سے بالکل محروم ہیں، اور اسی لیے شاذ ونادران میں سے کسی سے یہ کہتے سنیں گے کہ میں نے نبی پاک ﷺ کی زیارت کی ہے۔

اور یہ شاذ ونادر یا تو ابن تیمیہ، اور اس کے پیروکاروں اور ان کی روش پر چلنے والوں کی فکر سے دور رفتہ ہے، یا آپ کی زیارت ہی شاذ ونادر کے باب سے ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ یہ کوئی خوش خبری نہیں۔

ان مسکینوں سے آپ پوچھیں گے تو وہ کبھی بھی اس کا جواب نہ دیں گے، بلکہ نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کی اہمیت ہی گھٹائیں گے۔

نبی پاک ﷺ کی حیات ظاہری، اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی زیارت عارفوں کے درد دل اور سوز دروں کا تریاق ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث وآثار اس پر شاہد ہیں:

---

(۱) حدیث (أری رؤیاکم) امام بخاری نے روایت کی (۲/۷۰۹) اور مسلم (۸۲۲) وغیرہ نے بھی **مشكاة المصابيح** ص ۱۸۱ **باب ليلة القدر**، ابوداود رمضان، ترمذی صوم، مؤطا امام مالک اعتکاف، مسند امام احمد ۲/ص ۸۹۶ وغیرہ

(۱) امام مسلم وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من أشد أمتي لي حبا ناس يكونون بعدي يود أحدهم لو رآني بأهله وماله". (۱)

ترجمہ:۔"مجھ سے بے پناہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے،ان میں سے بعض کی یہ خواہش وتمنا ہوگی کہ اپنے اہل ومال کے ساتھ میری زیارت کریں"۔

(۲) طبرانی نے سمرہ بن جندب سے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں سے فرماتے تھے:

" ألا أحدكم سيوشك أن يحب أن ينظر إليّ نظرة بماله من أهل ومال".

ترجمہ:۔"بے شک عنقریب تم میں سے بعض کو یہ پسند ہوگا کہ اپنے اہل ومال کے ساتھ ایک نظر میرا دیدار کریں"۔

(۳) انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرمایا کرتے تھے:

" قل ليلة تاتي علي إلا وأنا أرى فيها خليلي صلى الله تعالى عليه وسلم ،وأنس يقول ذلك وتدمع عيناه" (۲)

ترجمہ:"بہت ہی کم ایسی راتیں آتیں جن میں مجھے اپنے محبوب کی زیارت ہوتی ،اور جس وقت انس یہ کہتے ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔"

ثانیا: سنت اور نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا حکم

(۱) " یامحمد إني أتوجه بک إلی ربي"

امام احمد نے اپنی مسند،اور بخاری نے اپنی تاریخ میں،اور ترمذی وغیرہم نے تخریج کیا کہ:عثمان بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک نابینا شخص نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آئے ،اورعرض کیا اللہ عزوجل سے دعا

(۱) حدیث (أشد أمتي لي حُبًّا) امام احمد (۲/۴۱۷)،مسلم (۴/۲۱۷۸)،ابن حبان (۱۶/۲۱۴)،طبرانی نے اوسط (۷/۸۹) اور حاکم نے مستدرک میں (۴/۹۵) یہ حدیث تخریج کی۔

(۲) (انس کی حدیث) احمد نے روایت کیا (۳/۲۱۶) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا: اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

فرمائیں کہ مجھے عافیت بخشے، آپ نے فرمایا: ''اگر چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں، اور اگر چاہو تو اس کو موخر رکھوں، اور یہی بہتر ہے، نابینا نے عرض کیا، حضور دعا فرمائیں، سرکار نے انہیں یہ حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کریں اور دو رکعت نماز ادا کر کے یہ دعا مانگیں:

'' ألـلهم إني أسألک و أتوجه إليک بنبيک محمد نبي الرحمة يامحمد إني توجهت بک إلى ربي في حاجتي هذه فتقضى لي اللهم شفعه في ''(۱)

ترجمہ: ''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیرے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا کہ آپ میری حاجت روائی فرمائیں، اے اللہ! آپ کو میرے حق میں شفیع بنا''

اور زیادت صحیحہ میں جسے طبرانی نے اپنی کتاب الدعا میں صحیح قرار دیا، اور کتاب الدعا اور معجم کبیر و صغیر میں تخریج کیا (حافظ منذری نے ''الترغیب والترہیب'' اور حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد وغیرہما میں طبرانی کی اس تصحیح کو برقرار رکھا) یہ ہے: **بـاب القول عندالدخول على السلطان**: (اس باب میں اس بات کا ذکر ہے کہ بادشاہ کے پاس جانے کے وقت کیا کہا جائے)

---

(۱) حدیث: **یـامـحـمد إنی أتوجه بک** - امام احمد نے تخریج کی (۱۳۸/۴) اور بخاری نے تاریخ کبیر میں (۲۰۹/۶) اور ترمذی (۵۶۹/۵) اور نسائی (۱۶۸/۶، ۱۶۹) اور ابن ماجہ (۴۴۱/۱) اور ابن خزیمہ (۲۲۵/۲) اور حاکم (۴۵۸/۱، ۷۰۰، ۷۰۷) اور طبرانی نے معجم کبیر (۳۰/۹، ۳۱)، اور معجم صغیر (۳۰۶/۱)، اور دعا میں (۳۲۰/۱، ۳۲۱) اور عبد بن حمید (۱۴۷/۱) اور ابن قانع نے معجم الصحابہ میں (۲۵۷/۲، ۲۵۸) اور ابن عساکر نے الأربعون حدیثا (چہل حدیث)، (۵۳/۱، ۵۴، ۵۵) اور تاریخ دمشق میں (۲۴/۶) تخریج کیا، اور کم از کم سترہ علمائے محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا جن میں یہ حضرات ہیں: ۱۔ترمذی، ۲۔ابن ماجہ، ۳۔ابن خزیمہ، ۴۔طبرانی، ۵۔حاکم، ۶۔بیہقی، اور ۷۔علامہ نووی نے الأذکار میں اس کی تصحیح برقرار رکھی، اور ۸۔حافظ منذری، ۹۔ذہبی، ۱۰۔ھیثمی، اور ۱۱۔ابن حجر نے **أمـانـي الأذكـار** میں، اور ۱۲۔سیوطی، اور ۱۳۔مناوی وغیرہم نے ۱۴۔ابن ابو حاتم، ۱۵۔ابوزرعہ، ۱۶۔ابن حبان، اور ۱۷۔ابن عساکر نے تخریج کی۔

عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں اپنی حاجت کے لیے آتے جاتے تھے، آپ ان کی طرف نہ توجہ فرماتے، اور نہ ان کی حاجت میں نظر کرتے، ایک روز عثمان بن حنیف سے ان کی ملاقات ہوگئی، آپ سے انھوں نے اس بات کا شکوہ کیا، عثمان بن حنیف نے ان سے فرمایا آپ وضو کا پانی لاکر وضو کیجئے پھر مسجد جا کر دو رکعت نماز ادا کیجئے اور یہ دعا کیجئے:

" أللهم إني أسألک و أتوجه إليک بنبيک نبي الرحمة يامحمد إني أتوجه بک إلى ربک فيقضي لي حاجتي "

ترجمہ:۔"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیرے نبی نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا تاکہ وہ میری حاجت روائی فرمائے"۔

اور اپنی حاجت ذکر کیجئے پھر میں آپ کے ساتھ چلوں گا، انھوں نے جا کر ایسا ہی کیا پھر عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے دولت سرا پر آئے، تو دربان نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو عثمان بن عفان کی خدمت میں پہنچا دیا، اور وہاں انہیں آپ کے ساتھ ایک چٹائی پر بیٹھا دیا آپ نے فرمایا: کیا حاجت ہے؟ انھوں نے اپنی حاجت پیش کی، آپ نے ان کی حاجت روائی فرمائی، اور ان سے فرمایا: تم نے اتنے زمانہ تک اپنی حاجت ذکر نہ کی، پھر ان سے فرمایا آپ کی جو کچھ حاجت رہے پیش کر دیا کریں، پھر وہ آدمی حضرت عثمان کے پاس سے نکلے، اور عثمان بن حنیف سے آکر ملاقات کی، اور کہا اللہ عزوجل آپ کو جزائے خیر دے، وہ میری حاجت کی طرف نظر ہی نہ فرماتے تھے اور نہ ہی میری طرف ملتفت ہوتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ان سے میری حاجت کے بارے میں سفارش کیا، تو عثمان بن حنیف نے ان سے فرمایا: میں نے آپ کے بارے میں ان سے کچھ نہ کہا، لیکن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا دیکھا کہ ایک نابینا شخص آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے اپنی کور چشمی کی شکایت کی تو نبی پاک ﷺ نے ان سے صبر کے لیے فرمایا انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ میرا کوئی قائد وراہ نما نہیں، اور مجھے مشقت و پریشانی ہوتی ہے، اس پر نبی پاک ﷺ نے ان سے فرمایا: "وضو کا پانی

لا کر وضو کیجئے پھر دو رکعت نماز ادا کر کے یہ دعا کیجئے'' ابن حنیف نے کہا: خدا کی قسم بارگاہ رسالت سے ابھی ہم نہ نکلے تھے کہ وہ نابینا شخص ہم لوگوں کے پاس آئے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کبھی ان کی بینائی گئی ہی نہیں تھی''۔

میں کہتا ہوں:

یہ اثر درج ذیل امور کے بارے میں نص قطعی ہے:

(۱) نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو پکارنا، اور آپ سے استعانت واستغاثہ کرنا جائز ہے کیوں کہ خود نبی پاک ﷺ نے نابینا کو یہ دعا تعلیم فرمائی:۔

'' یامحمد إني توجهت بک إلی ربي''

ترجمہ:۔''اے محمد (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا''۔

نابینا کی دعا کے وقت حضور اقدس ان کے پیش نظر نہ تھے، جیسا کہ اس قصہ کے راوی عثمان بن حنیف کا یہ جملہ اس پر شاہد عدل ہے:''خدا کی قسم بارگاہ رسالت سے ابھی ہم نہ نکلے تھے کہ وہ نابینا شخص ہم لوگوں کے پاس آئے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کبھی ان کی بینائی گئی ہی نہیں تھی''۔

عثمان ابن حنیف نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں تھے، اور نابینا شخص نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی پھر یہ کلمات دعا عرض کیے، اور یہ کوئی بعید نہیں کیوں کہ یمن، شام، مکہ، مدینہ منورہ، یا کسی خطۂ زمین پر نماز پڑھنے والا انسان نماز کے اندر بحالت تشہد آپ پر یہ سلام پیش کرتا ہے:'' **السلام علیک أیهاالنبي ورحمة الله وبرکاته**'' حضور اقدس سید عالم ﷺ تو مدینہ منورہ طیبہ میں جلوہ بار ہیں اور نمازی خطاب کے صیغہ سے دور سے یوں سلام عرض کرتا ہے''السلام علیک'' آپ پر سلام نازل ہو یہ نہیں کہتا''**السلام علی النبي**'' نبی پر سلام نازل ہو، اب اسی سلام پر ساری امت کا اجماع ہے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے نابینا شخص کو یوں دعا کرنے کی تعلیم فرمائی ''یا محمد''(دور رہ کر بھی یہی دعا کریں)''**إني أتوجه بک إلی ربي**'' میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوا۔

(۲) نبی پاک ﷺ سے توسل کرنا جائز ہے اگر چہ جلنے والے جلیں، اس نص میں تاویل کا بھی احتمال نہیں۔

(۳) نبی پاک نے نابینا صحابی سے ارشاد فرمایا کہ یوں دعا کریں:
"أتوجه إليک بنبيک" اے اللہ! میں تیرے نبی کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوا۔
اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حضور اقدس کو عظیم محبوبیت، اور اعلیٰ مقام حاصل ہے اس لیے اللہ عزوجل نے آپ کو اس کرامت سے سرفراز فرمایا کہ آپ سے امت کا توسل کرنا جائز ہے، جو لوگ رسول پاک کی اس عظیم کرامت کا انکار کرتے ہیں اگر ان کے زعم کے مطابق یہ مراد ہو کہ نابینا صحابی صرف اپنے رب عزوجل ہی سے دعا کریں، تو خود نبی پاک ﷺ ابتداًء ان کے لیے دعا فرما دیتے یا انہیں یہ تعلیم فرماتے کہ مثلاً یوں دعا کریں" یاحي یاقیوم اشفني" اے حی وقیوم مجھے شفاعطا فرما، لیکن انہیں یہ کلمہ تعلیم فرمایا: "أتوجه" میں متوجہ ہوا، اور صحابہ کے سامنے یہ ندا بھی تعلیم فرمائی "یامحمد إني أتوجه بک إلـــی ربـي" اے نبی! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا، ظاہر ہے نابینا صحابی کی دعا کے وقت حضور اقدس نابینا صحابی کے سامنے موجود نہ تھے، بلکہ اپنے صحابہ کے جھرمٹ میں تھے۔ اگر دور سے ندا کرنا جائز نہ ہوتا، تو حضور نابینا صحابی کو یہ دعا تعلیم نہ فرماتے اس لیے کہ وہ آپ سے دور تھے۔

(۴) عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل الشان صحابی ہیں، اور تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم عادل ہیں، اور سارے صحابہ ابن تیمیہ سے کروڑ ہا درجے افضل ہیں، اور خود عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی سمجھا کہ اس حدیث کا حکم نبی پاک کی ظاہری حیات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ آپ کے وصال کے بعد بھی اس کا حکم باقی ہے اسی لیے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جس شخص کو حاجت تھی انہیں یہی دعا تعلیم فرمائی گئی، اور صحابی اور تابعی جنہیں یہ واقعہ پیش آیا ان حضرات کا فہم وعمل ہم مسلمانوں کے لیے ابن تیمیہ کے فتنہ سے زیادہ بہتر ہے، طبرانی نے اس واقعہ کو صحیح قرار دیا، اور ان کی تصحیح ہمارے لیے کافی ہے، اور منذری نے بھی ان کی موافقت کی، اور ان کی تصحیح برقرار رکھی، اور ان کا زمانہ ابن تیمیہ سے پہلے ہے، اور ھیثمی نے بھی امام طبرانی کی موافقت کی ہے جو ابن تیمیہ کے بعد کے ہیں۔

(۵) راویان حدیث اور ائمہ اعلام نے اس حدیث سے یہی سمجھا کہ اس حدیث میں وارد دعا صرف مخصوص زمانہ ہی کے ساتھ خاص نہیں کہ جب نبی پاک ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان اپنی حیات ظاہری کے ساتھ موجود تھے اسی وقت یہ حکم تھا، بلکہ ان حضرات نے یہی سمجھا کہ حضور اقدس کے وصال کے بعد بھی اس کلمہ خاص "یامحمد إني أتوجه بک إلی ربي" کے ساتھ دعا کا حکم مسلسل باقی ہے جب کبھی کسی مسلمان کو کوئی حاجت وضرورت درپیش ہو یہ دعا کرسکتا[1] ہے۔

امام نسائی کو دیکھیں آپ نے کتاب "عمل الیوم واللیلة" میں ایک باب میں اسے ذکر کیا جس کا عنوان یہ ہے: "باب مایقال عندالکرب إذانزل بہ" اس باب میں ان چیزوں کا ذکر ہے جنہیں غم نازل ہونے کے وقت کہا جائے" (۱/۴۴۰) آپ نے استمرار کا صیغہ ذکر فرمایا: "یقال" "کہا جائے" یہ نہ کہا "باب ما قیل عندالکرب" اس باب میں ان چیزوں کا ذکر ہے جنہیں غم وکرب کے وقت کہا گیا. اور آپ نے "باب ما یقولہ إذا راعہ شيء" (۱/۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸) میں ذکر فرمایا یعنی اس باب میں ان چیزوں کا بیان ہے جنہیں خوف ودہشت لاحق ہونے کے وقت کہے، یہاں بھی "یقول" فرمایا یعنی "کہے" یہ بھی استمرار کا صیغہ ہے، اور اسی طرح حافظ ابن السنی نے "عمل الیوم واللیلة" (ص۲۹۶) میں فرمایا: "باب مایقول من ذھب بصرہ" یعنی اس باب میں ان چیزوں کا ذکر ہے جنہیں نابینا شخص کہے"۔

کیا نسائی اور ابن السنی سے کفر سرزد ہوا، اور اسی طرح ابن ماجہ، طبرانی، نووی، منذری، اور ہیثمی وغیرہم نے صلاۃ الحاجۃ کے باب میں اسے ذکر فرما کر کفر کیا، اور اسی طرح ابن خزیمہ جنھوں نے "باب صلاۃ

---

(۱) حافظ ابن حجر ہیتمی الجوہر المنظم میں ارشاد فرماتے ہیں:

" وھذالمعنی حاصل في حیاتہ وبعد موتہ ومن ثم استعمل السلف ھذا لدعاء في حاجاتھم بعد موتہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم" (الجوہر المنظم ص۱۵ دار جوامع الکلم قاہرہ ۱۹۲۲ء)

ترجمہ:۔" یہ معنی حضور اقدس سید عالم ﷺ کی حیات اور وفات دونوں حالتوں میں حاصل ہے اسی لیے سلف صالحین نے حضور کے وصال کے بعد اپنی حاجتوں میں اس دعا کا استعمال فرمایا ہے"۔ (مترجم)

الترغیب والترھیب" میں اس روایت کوذکر کیا، کیا یہ تمام حضرات خطا کار اور قصوروار ہیں، اور آٹھویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ صرف ایک ایسا شخص ہے جو راہ راست پر قائم ہے۔ **مالکم کیف تحکمون؟** بتاؤ مسلمانوں تمہارا فیصلہ کیا ہے؟

اور تعجب تو یہ ہے کہ بعض کو چھوڑ کر سارے شیعوں نے صحابہ کی فضیلت کو ساقط و کالعدم قرار دیا، مگر ابن تیمیہ کے پیروکاروں کا حال یہ ہے کہ انھوں نے ابن تیمیہ کے اقوال کی اتباع میں مسلمانوں کی سات سو سالہ تاریخ کو ساقط و کالعدم قرار دیا، کیا ابن تیمیہ سے پیشتر کوئی ایسا عالم گزرا ہے جس نے ابن تیمیہ جیسا کارنامہ انجام دیا ہو؟

(۶) کتاب مجابی الدعا میں ابن ابوالدنیا کی روایت کے متعلق ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۶۴/۱) میں جو جائزہ پیش کیا ہے وہ مضحکہ خیز بھی ہے اور گریہ انگیز بھی:

"ایک شخص عبدالملک بن سعید بن ابجر کے پاس آئے انھوں نے ان کا شکم چھوکر کہا آپ کو ایک لاعلاج بیماری ہے، انھوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ کہا "دوبیلہ[۱]" یعنی پیٹ میں پھوڑا ہو گیا، جب وہ شخص واپس چلے گئے تو آپ نے کہا اللہ اللہ اللہ ہی میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، اے اللہ! میں تیرے نبی محمد نبی رحمت پر سلام پیش کر کے آپ کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں متوجہ ہوا اے محمد! ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے آپ اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا تاکہ مجھے لاعلاج پھوڑے سے شفا عطا فرمائیں، یہ عرض کرنے کے بعد جب ان کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو بتایا کہ آپ کی وہ بیماری دور ہو گئی"

میں کہتا ہوں (ابن تیمیہ)، (اس طرح کی دعا کے متعلق یہ مروی ہے کہ سلف نے یہ دعا کی، اور امام احمد بن حنبل سے منسک المروذی میں منقول ہے کہ آپ نے دعا میں نبی پاک سے توسل کیا، اور بعض لوگوں نے اس

(۱) دُوْ بَیْلہ ایک ایسی لاعلاج بیماری ہے جس میں مریض کے پیٹ میں پھوڑا پھنسی نکل آتی ہے اور طبیبوں کو مجبوراً دفع شر کے لیے اسے قتل کرنا پڑتا ہے۔ (المعجم الوسیط) (مترجم)

سے منع کیا ہے، تو اگر توسل کرنے والوں کا مقصود یہ ہے کہ آپ پر ایمان اور آپ کی محبت وموالات اور آپ کی اطاعت سے توسل کیا جائے تو فریقین کا اس میں کوئی نزاع نہیں، اور اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ آپ کی ذات کو وسیلہ بنایا جائے تو یہ محل نزاع ہے اور اس بارے میں ان کا نزاع اللہ ورسول کے حوالہ ہے) الخ

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ! خود ابن تیمیہ نے اپنے اس جائزہ میں چند امور پر مہر لگا دی ہے:

۱۔ ابن ابجر کے اس کلام: "**یامحمد إني أتوجه بک إلی ربک**" (اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوا) نے حضور کے وصال کے بعد آپ سے استغاثہ وندا کے شک کا دروازہ بند کر دیا، ائمہ سلف سے یہی چیز مروی ہے، انھوں نے اسے پسند فرمایا، اور اسے ابن ابجر کے عمدہ اوصاف ومناقب سے شمار کیا۔

۲۔ ابن تیمیہ کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ سلف نے اس طرح کی دعا فرمائی تو کیا ابن ابجر جو تبع تابعین سے ہیں وہ کافر ومشرک ہیں؟ حافظ لا لکائی نے اعتقاد اہل السنۃ (۲۹/۱) میں آپ کا ذکر ان لوگوں میں فرمایا جو رسول اللہ ﷺ کے بعد راہ استقامت کی طرف دعوت وہدایت اور سنت پر استقامت میں امامت کے عظیم منصب پر فائز تھے۔

مزی نے تہذیب الکمال میں ابن ابجر کی شان میں کہا: سفیان ثوری نے فرمایا: ہم سے اس شخص نے حدیث بیان کی جس کے پایہ کا تمہاری آنکھوں نے نہ دیکھا یعنی ابن ابجر نے۔

اور حافظ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں کہا: عجلی نے کہا: وہ حدیث میں ثقہ ثبت صاحب سنت تھے۔

سفیان ثوری نے اپنے وصال کے وقت یہ وصیت فرمائی: کہ ابن ابجر آپ کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

کیا سلف کافر وغافل تھے، اور ساری امت خواب غفلت میں تھی؟ پھر آٹھویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ کو امت کی غفلت کا علم وشعور ہوا۔

۳۔ خود ابن تیمیہ کی نقل گزری کہ امام احمد نے دعا میں نبی پاک سے توسل کو جائز فرمایا... تو کیا امام احمد سنت پر

قائم نہ تھے، جب کہ تمام لوگ آپ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ائمہ کبار سے ہیں تو کیا ان کا امام کافر ومشرک ہے؟

۴۔ ابن تیمیہ کا یہ جملہ: (''ونهى عنه آخرون'' اور بعض لوگوں نے اس سے منع کیا) اس کا ایک عجوبہ ہے...آخران مانعین میں سے کسی کا نام کیوں نہ ذکر کیا، کیا اس سے خود وہی مراد ہے؟

۵۔ ابن تیمیہ نے یہ کہا:

''اگر توسل کرنے والوں کا توسل سے مقصود یہ ہے کہ آپ پر ایمان اور آپ کی محبت وموالات اور آپ کی اطاعت سے توسل کیا جائے تو یہ محل نزاع ہے''

ہم کہتے ہیں: ان دو فرقوں کی اصل کیا ہے؟ کس نے ایسی تفصیل کی؟ اور یہ نزاع کہاں ہے؟ اور یہ تفصیل وفرق اس نے کہاں دیکھا، اور پڑھا، اور کہاں سے نقل کیا؟

ہم یہ بھی کہتے ہیں: کیا ابن ابجر، اور سلف نے یہ کہا ''نتوسل إليک بالإيمان بالنبي ﷺ و بمحبته'' ہم نبی ﷺ پر ایمان، اور آپ کی محبت کو تیری بارگاہ میں وسیلہ لاتے ہیں، یا یہ کہا کہ توسل کے بارے میں چند واضح دعا اوراذ کار وارد ہیں، ان حضرات نے تو یہی فرمایا:

'' **الله الله الله ربي لاأشرک به شيئاً**''.

ترجمہ:۔''اللہ اللہ اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا''۔

''**اللهم إني أتوجه إليک بنبيک محمد نبي الرحمة تسليما**''

ترجمہ:۔''اے اللہ میں تیرے نبی محمد نبی رحمت پر سلام بھیج کر آپ کے وسیلہ سے تیری بارگاہ میں متوجہ ہوا''۔

''**يا محمد إني أتوجه بک إلى ربک و ربي يرحمني مما بي**''

ترجمہ:۔''اے محمد (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے اور اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوا کہ وہ مجھ پر لاعلاج پھوڑے سے رحم فرمائے''۔

جب ابن تیمیہ نے سمجھ بوجھ کر از راہ تعنت وتشدد جملہ " أتوجه إليك بنبيك محمد"کو یہ جملہ بنادیا " أتوجه إليك بحبي له" (میں ان کی محبت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوا) تو نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ذات شریفہ سے ابن ابجر کے اس استغاثہ کے بارے میں کیا کیا جائے جوانھوں نے اس طرح استغاثہ فرمایا:یا محمد إني أتوجه بك إلى ربك" یعنی وہی تعبیر اختیار کی جائے جو ابن تیمیہ کر رہا ہے جیسا کہ مردہ یا غائب کو پکارا جاتا ہے؟

۶۔ ابن تیمیہ ہرگز حوالہ نہ پیش کر سکے گا۔

ظاہر نصوص بھی ہمارے موافق ہے، اور ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ "اے اللہ! ہم تیرے نبی محمد نبی رحمت علیہ الصلاۃ والسلام کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں متوجہ ہیں۔ اور اے محمد ﷺ! ہم آپ کے وسیلے سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہیں کہ ہمارا رب ہمیں پریشانیوں سے نجات بخشے"۔

اگر کوئی شخص توسل کا انکار کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ صحابہ، یا سلف، یا ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک سے ایسا منقول قول پیش کرے جس میں صراحۃ اس کی حرمت مذکور ہو۔

۷۔ اور یہ بھی مضحکہ خیز اور گریہ انگیز ہے کہ ابن تیمیہ اس سے بھی غافل ہے کہ حنبلی مذہب کے ائمہ اعلام نبی پاک ﷺ سے توسل کے قائل ہیں، اور بقیہ ائمہ مذاہب کا بھی یہی حال ہے، اس لیے کہ ان حضرات کا اذعان واعتقاد یہی ہے کہ نبی پاک کی حیات طیبہ میں نابینا صحابی کی دعا، اور ان کے توسل کا حکم آپ کے وصال کے بعد بھی مسلسل باقی ہے، یہ ساری چیزیں ابن تیمیہ کی منشا کے بالکل خلاف ہیں، اس لیے کہ وہ تو یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ نابینا صحابی کی دعا، اور ان کے توسل کا حکم صرف نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

اب ہم حنبلی مذہب کے بعض ائمہ اعلام کا ذکر کریں گے جو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت طیبہ کے وقت آپ سے خطاب، اور طلب حاجات اور توسل اس طرح کرتے:" اللهم إني أتوجه إليك بنبيك، يا رسول الله إني أتوجه بك إلى ربي" اے اللہ میں تیرے نبی کے وسیلہ سے تیری بارگاہ

میں متوجہ ہوا، اے اللہ کے رسول! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوا۔

امام ابن عقیل اپنے زمانے میں حنبلی مذہب کے شیخ تھے، (**التذکرۃ المحفوظة بظاهرية دمشق تحت رقم ۸۷ في الفقه الحنبلي**) ابن تیمیہ نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ انور کی زیارت کی تحریم کے سلسلے میں آپ سے استدلال میں خطا اور تحریف کی ہے اور آپ کی طرف غلط اور بے اصل باتیں منسوب کیں ہیں۔

اسی طرح امام عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵۶۱ھ) نے کتاب غنیۃ میں صیغہ خطاب سے ندا فرمایا۔

ابن تیمیہ نے سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ''رضی اللہ عنہ'' (فتاوی کبری ۳۶۷/۴) اور ''قدس اللہ روحہ'' (درء التعارض ۵/۵) اور ''عارف'' (مجموع الفتاوی ۲۶۴/۳) اور ''امام'' (مجموع الفتاوی ۸۵/۵) لکھا، اور یہ کہا کہ: آپ سب سے زیادہ امر و نہی کا سخت التزام فرماتے، اور دوسروں کو اس کی اتباع کی وصیت بھی فرماتے مجموع الفتاوی (۳۶۹/۸)

ابن تیمیہ کے تلمیذ ابن القیم نے بھی الصواعق المرسلۃ (۱۲۷۹/۴) میں لکھا:

''شیخ عبدالقادر جیلانی کے کرامات وآیات، اور آپ کی ولایت متفق علیہ ہے، آپ تمام فرقوں کے نزدیک مقبول ومسلم ہیں''۔

اور اجتماع **الجیوش الإسلامیة** (۱۷۵/۱) میں یہ لکھا:

''شیخ، امام، عارف، قدوۃ العارفین، شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ روحہ''۔

اور اسی طرح ائمہ حنابلہ میں سے ابو عبداللہ سامری نے "**المستوعب**" میں صیغہ خطاب ذکر کیا۔

اور یہ تینوں شخصیتیں ابن تیمیہ سے پیشتر کی ہیں، یہ حضرات نبی پاک کے وصال کے بعد آپ سے خطاب وندا اور طلب حاجات کرتے، ہم نے درج ذیل آیت کریمہ:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اوراگر جب وہ اپنی جانوں پرظلم کریں تواے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور اللہ سے معافی چاہیں،اوررسول ان کی شفاعت فرمائیں توضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والامہربان پائیں''۔

کے ضمن میں یہ ذکرکیاہے کہ۲۵؍پچیس سے زائداکابرعلمائے اسلام نے اس آیت شریفہ سے استدلال فرمایا جن میں سات حضرات ائمہ حنابلہ سے ہیں،ان سات میں یہ تینوں حضرات بھی ہیں، یہ تمام حضرات اس آیت پاک سے یہی استدلال فرماتے ہیں کہ توسل کاحکم نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس کاحکم آپ کے وصال کے بعدبھی باقی ہے۔

ہم ابن تیمیہ کے حامیوں سے کہتے ہیں: ہم نے حافظ ابن ابجر،نسائی،ابن ماجہ،ابن السنی،ابن خزیمہ، طبرانی،ابن عقیل،عبدالقادر جیلانی،نووی،منذری،سامری،ہیثمی،اورابن حجر کے حوالہ سے یہ واضح اورثابت کردیا ہے کہ ان حضرات نے یہی سمجھا کہ نابیناصحابی رسول کی حدیث،اوراس حدیث میں مذکوردعا''یامحمد إني أتوجه بك إلى ربي'' سے یہ ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ سے خطاب وندا آپ کے وصال کے بعدبھی جائز ہے اسی پرساری امت قائم ہے،امت اپنے اذکاراورنماز حاجت میں اسی طرح نداوخطاب کرتی رہی ہے،اور یہ کوئی تعجب خیزنہیں کیوں کہ ہمارے پاس گزشتہ حضرات کے ایسے روشن نصوص ہیں جن سے یہ حقیقت اظہرمن الشمس ہوجاتی ہے کہ آپ کی ذات پاک،اورآپ کے بلندمقام ومرتبہ کووسیلہ بنانا جائزہے جیسا کہ توسل کے مسئلہ میں ہم آئندہ ذکرکریں گے۔

''فهل عندكم من علم فتخرجوه لنا'' توکیاتمہارے پاس کوئی علم ہے کہ اسے ہمارے سامنے پیش کرسکو۔

۲۔حضوراقدس انے یہ فرمایاکہ:''اگرعیسی میری قبرکے پاس کھڑے ہوکرمجھے''یامحمد'' کہہ کرپکاریں گے میں انہیں جواب دوں گا''۔

ابویعلی،اورابن عساکر نے بسندصحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی آپ نے فرمایا: میں نے

رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا:''**والذی نفس أبي القاسم بیدہ لینزلن عیسی ابن مریم إماما مقسطا، وحکما عدلا فلیکسرن الصلیب، ویقتلن الخنزیر، ولیصلحن ذات البین، ولیذھبن الشحناء، ولیعرضن المال فلا یقبلہ أحد، ثم لئن قام علی قبري فقال یامحمد لأجبتہ، وفي روایۃ ''لأجِیبَنّہ''**

یعنی قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے، ضرور عیسی بن مریم امام منصف اور حاکم عادل بن کر اتریں گے، وہ صلیب توڑیں گے، اور خنزیر کو قتل کریں گے، اور اصلاح ذات البین کریں گے (جدا لوگوں کو ملائیں گے)، اور بغض وکینہ کا خاتمہ فرمائیں گے، اور مال پیش کریں گے جسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا، پھر اگر وہ میری قبر کے پاس کھڑے ہوکر ''یا محمد'' کہہ کر مجھے خطاب وندا کریں گے میں انہیں جواب دوں گا اور ایک روایت میں ہے ''لأجِیبَنّہ'' میں انہیں ضرور ضرور جواب دوں گا۔(1)

حضور اقدس سید عالم ﷺ نے یہ نہ فرمایا:''اگر عیسی مجھے سلام کریں گے میں انہیں ان کے سلام کا جواب دوں گا''، جس سے معلوم ہوا کہ اس کا صاف اور واضح معنی یہ ہے کہ اللہ کے نبی عیسی علیہ الصلاۃ والسلام نبی پاک ﷺ سے سوال کریں گے اور نبی پاک ﷺ اپنی قبر میں جلوہ بار رہ کر ان کے خطاب وندا کا جواب دیں گے۔

ابن منظور نے لسان العرب (۱/۲۸۳) میں کہا و الإجابۃ: کا معنی ہے کلام کا جواب دینا، آپ بولتے ہیں ''**أجابہ عن سؤالہ وقدأجابہ إجابۃ وإجابا وجوابا وجابۃ واستجوبہ واستجابہ واستجاب لہ**'' سب کے معنی کا حاصل ہے کسی کے کلام کا جواب دینا۔

اور مختار الصحاح (۱/۴۹) میں ہے (ج۔و۔ب) **أجابہ وأجاب عن سؤالہ** اور اس کا مصدر الإجابۃ ہے اس کا بھی وہی معنی ہے کسی کے سوال کا جواب دینا۔

---

(1) حدیث ''لینزلن عیسی ابن مریم'' ابویعلی نے بسند صحیح تخریج کی (۴۶۲/۱) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۹۶،۴۹۴/۴۷) میں تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۱۱/۸) میں تخریج کرکے اس کو صحیح کہا، اور یہ کہا: میں کہتا ہوں: یہ حدیث صحیح میں مختصرا مذکور ہے جسے ابویعلی نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

اور المصباح المنير (۱۱۳/۱) میں ہے" ولا يسمى جوابا إلا بعد طلب" یعنی جواب سوال وطلب کے بعد ہوا کرتا ہے اور "أجابه إجابة وأجاب قوله واستجاب له" کا معنی یہ ہے جب کوئی کسی کو کسی چیز کی دعوت دے تو اس کی اطاعت کرے یعنی اس کی دعوت قبول کرے اور "أجاب الله دعاء ه "کا معنی ہے اللہ نے اس کی دعا قبول فرمالی اور "استجاب له" کا بھی یہی معنی ہے۔

اور التوقيف على مهمات التعاريف (۳۴/۱) میں ہے " الإجابة": کا معنی یہ ہے کہ دعوت سے جوشئ مطلوب ہے اس میں دعوت دینے والے کی موافقت کرنا تا کہ دونوں میں موافقت رہے، اور بعض علما نے اس مسئلہ کے بارے میں فرمایا کہ مسیح عیسی ابن مریم آخری زمانہ میں نازل ہونے کے بعد کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ کریں گے، اس پر لوگوں نے باہم یہ سوال کیا کہ آپ کو قرآن کے احکام کا علم تو ہے، مگر نبی پاک ﷺ کی سنت کے خاص احکام کے متعلق آپ کیا فرمائیں گے؟

تو علما نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: آپ حضور اقدس سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر آپ سے آپ کی سنت کے احکام پوچھیں گے، اور ائمہ اربعہ ابوحنیفہ، و مالک، وشافعی، واحمد میں سے کسی امام کے قول کی پیروی نہ کریں گے۔

میں کہتا ہوں: گزشتہ حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

ثالثاً: صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کا عمل

"آپ اپنی امت کے لیے اپنے رب سے بارش کی دعا فرمائیں"

ا۔ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس استسقا کرنا، اور آپ سے استسقا (طلب بارش) کی درخواست کرنا، یہ ساری چیزیں صحیح اثر میں وارد ہیں جسے ابن ابوشیبہ، بیہقی، اور ابن عسا کرنے مالک الدار سے روایت کیا: (آپ حضرت عمر کے مولی اور خازن تھے) کہ عمر کے زمانہ میں لوگ قحط کے شکار ہو گئے، ایک شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے رب تعالی سے بارش کی دعا فرمائیں، لوگ تباہ ہورہے ہیں، سرکار نے خواب میں اس شخص کو اپنا جلوہ زیبا دکھایا، اور فرمایا: تم عمر کے پاس

جا کران سے میرا سلام کہو، اور یہ خبر دو کہ اب بارش ہوگی، اوران سے یہ بھی کہنا: تم پرفہم وفراست اوردانائی وہوشیاری لازم ہے، اس شخص نے عمر کے پاس آ کر ساری سرگزشت سنائی تو آپ نے اشک آلود آنکھوں سے عرض کیا: اے پروردگار! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر جو میرے بس سے باہر ہے۔ (۱)

یہ اثر صحیح حد درجہ واضح ہے جس سے ابن تیمیہ کے کلام کی ساری بنیادیں زمین بوس ہو جاتی ہیں، ابن تیمیہ سے پہلے کسی عالم نے یہ نہ کہا کہ یہ اثر ضعیف، یا یہ شرک ہے، یا ایسا کرنا بدعت ہے اگر آٹھویں صدی ہجری کے ابن تیمیہ سے پہلے کسی عالم نے ایسا کہا ہوتو ان کے نام واقوال پیش کریں، بفضلہ تعالی ہمارا چیلنج ہے کہ ان خواہش پرستوں سے کبھی نہ بن پڑے گا۔ اگر یہ چیز شرک وبدعت ہوتی تو کیا ائمہ حدیث میں سے امام ابن ابوشیبہ اسے روایت کرتے جن کا امام احمد ابن حنبل سے چھ سال پیشتر وصال ہوا، اور پھر امام بیہقی، اور ابن عساکر بھی اسی روش پر قائم رہتے؟

۲۔عثمان بن حنیف کے توسل کا حال گزر چکا۔

۳۔سیدہ عائشہ کی بہن (ام کلثوم بنت ابوبکر)۔

استیعاب (۱۸۰۷/۴، ۱۸۰۸) اور ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۹۶/۲۵) میں ہے:

---

(۱) ابن ابوشیبہ (۳۵۶/۶ حدیث نمبر ۳۲۰۰۲)، اور بیہقی نے دلائل النبوۃ، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۴۵/۴۴) اور (۴۸۹/۵۶) میں اسے روایت کیا، اور یہ حدیث صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۴۹۵/۲-۴۹۶) میں اسے صحیح کہا، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۹۱/۷-۹۲)، اور حافظ غماری نے (الرد المحکم ص۵۲، ۵۳)، اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ (۵۰۹/۲) میں یہی قصہ بلاکسی انکار کے ذکر کیا (لیکن ابن کثیر نے دوسری سند سے)، اور حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۱۱۴۹/۳)، اور ابویعلی قزوینی نے الارشاد (۳۱۴/۱) میں ذکر کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے جن تین صدیوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ اس زمانہ کے لوگ بہتر ہیں ان صدیوں کے علمائے صالحین اور سلف میں سے کسی کو ہم نے نہ دیکھا کہ اس حدیث پر اعتراض کیا ہو، اور آپ کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ حافظ ابن حجر، اور ابن کثیر، اور بہت سے علمائے سابقین نے اسے صحیح قرار دیا اور معترض پر لازم ہے کہ کوئی دلیل لائے، اور وہ ہرگز نہ لا سکے گا۔ مسلمانو! خارجیوں، بدعتیوں اور نیم فقیہوں سے ایسے ہی بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہو۔

ابن عیینہ نے اسماعیل بن ابو خالد سے روایت کیا کہ: عمر بن خطاب نے حضرت عائشہ کے پاس آپ کی بہن ام کلثوم بنت ابوبکر کے نکاح کا پیغام بھیجا، تو حضرت عائشہ نے آپ کو امید دلائی اور کہا: وہ آپ کے علاوہ کہاں جائیں گی آپ کی بہن ام کلثوم نے یہ سن کر حضرت عائشہ سے کہا: عمر سے آپ میرا نکاح کردیں گی حالاں کہ ان کی غیرت اور درشتی عیش آپ کو خوب معلوم ہے، خدا کی قسم اگر آپ نے ایسا کیا میں رسول اللہ ﷺ کے روضۂ پاک پر جا کر آپ کے پاس چیخ وپکار اور فریاد کروں گی، مجھے قریش کا صرف ایسا جوان چاہئے جو میرے پاس دنیا کو انڈیل دے، ام کلثوم کی یہ بات سن کر عائشہ نے حضرت عمرو بن عاص کے پاس پیغام بھیجا، اور معاملہ کی خبر دی، اس پر عمرو بن عاص نے کہا میں آپ کی کفایت کروں گا، عمرو بن عاص نے کہا: اے امیر المومنین! اگر آپ کی خدمت میں کسی عورت کو پیش کیا جائے تو آپ نے فرمایا: آپ کے انہیں ایام میں اس کی امید ہوسکتی ہے، عمرو بن عاص نے کہا امیر المومنین نے کس عورت کا ارادہ فرمایا؟ عمر نے کہا: ام کلثوم بنت ابوبکر کا، عمرو بن عاص نے کہا آپ کا اور اس لڑکی کا کیا معاملہ ہے جو صبح وشام آپ کی طرف اپنے والد کی موت کی خبر دیتی رہتی ہے، عمر نے فرمایا: کیا عائشہ نے آپ کو اس کام کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو حضرت عمر نے ام کلثوم کے نکاح کا ارادہ ترک فرما دیا، اس کے بعد ام کلثوم کا نکاح طلحہ بن عبداللہ سے ہوا۔ علی نے فرمایا: آپ کا نکاح محمد ﷺ کے اصحاب میں سب سے عظیم مفتی سے ہوا۔ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی (۷/۳۴۳) میں اس واقعہ سے استدلال فرمایا'' کہ لڑکی کا اپنے بلوغ سے قبل نکاح کرنا صحیح ہے اور فرمایا: حضرت عمر نے سیدنا ابوبکر صدیق کے وصال کے بعد حضرت عائشہ کے پاس ام کلثوم بنت ابوبکر کے نکاح کا پیغام دیا تو عائشہ نے اسے قبول فرمایا جب کہ آپ کی عمر دس سال سے کم تھی اس لیے کہ آپ اپنے والد کے وصال کے بعد پیدا ہوئیں، اور حضرت عمر کے دور خلافت کو صرف دس ہی سال ہوئے تھے۔ ام کلثوم بنت ابوبکر نے اس رشتہ کو پسند نہ فرمایا اس لیے طلحہ بن عبیداللہ سے آپ کا عقد ہوا، اور کسی منکر نے اس کا انکار نہ کیا، جس سے صاف واضح ہوا کہ یہ حضرات اس پر متفق تھے کہ لڑکی کا اپنے بلوغ سے قبل نکاح کرنا صحیح ہے'' الریاض النضرۃ (۲/۲۵۸) دیکھیں۔

۴۔ سیدہ زینب:

طبری نے اپنی تاریخ (۳/۳۳۶)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۸/۱۹۳) میں کہا:'' قرہ بن قیس تمیمی سے مروی ہے کہ مجھ سے زینب بنت فاطمہ کا وہ کلام بھلایا نہ جائے گا جب آپ خاک وخون میں غلطاں اپنے بھائی حسین کے پاس سے گزریں، اور فریاد کر رہی تھیں:''یامحمداہ یا محمداہ'' ہائے محمد! ہائے محمد! آسمان کے فرشتے آپ پر رحمت بھیجیں، یہ حسین کھلے میدان میں خون آلودہ ہیں، ان کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے ہیں یا محمداہ (ہائے محمد) آپ کی شہزادیوں کو قید وگرفتار کرلیا گیا ہے، اور آپ کی ذریت شہید کر دی گئی ہے، باد صبا ان کی نعشوں سے گزر رہی ہے''۔

راوی کہتے ہیں'' **فأبکت واللہ کل عدو وصدیق**'' زینب بنت فاطمہ کے اس کلام نے ہر دوست ودشمن کو اشک آلود کر دیا۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ معلوم ہوا کہ''المدد یارسول اللہ'' کہنا جائز ہے۔

۵۔خالد بن ولید:

طبری نے اپنی تاریخ (۲/۲۸۱)، اور ابن الاثیر نے الکامل (۲/۲۲۱)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۶/۳۲۴) میں کہا: پھر خالد ظاہر ہوئے یہاں تک کہ جب دشمنان اسلام کی صف کے سامنے آئے تو انہیں مقابلہ جنگ کی دعوت دی اور میدان کارزار میں بلند آواز سے کہا:

أنا ابن الولید العود	**أنا ابن عامر و زید**
میں ولید کا طاقتور فرزند ہوں	میں قبیلۂ عامر و زید کا فرزند ہوں

اس روز مسلمانوں نے اپنے خاص شعار کے ذریعہ ندا فرمائی، اس روز ان کا شعار یہ تھا کہ وہ: **یامحمداہ:** کہتے جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے سامنے جو بھی دشمن آتا اس کا صفایا فرما دیتے''۔

میں کہتا ہوں:

اس واقعہ سے یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ''المدد یارسول اللہ'' کہنا جائز ہے، اور صحابہ کا اجماع معتبر ہے چاہے یہ حضرات میدان کارزار میں موجود رہے ہوں، یا حاضر وموجود نہ رہے ہوں کیوں کہ یہ محال ہے کہ صحابہ کو ان

مجاہدین اسلام کے اس شعار کا علم ہی نہ ہوا ہو۔

۶۔عبداللہ بن مسعود نے سورہ نساء کی آیت سے یہی معنی سمجھا۔

رابعا: قرون ثلاثہ اولیٰ کا عمل

(۱) ابن ابو ابجر تابعین سے ہیں۔

"یا محمد إني أتوجه بک إلی ربي" (اے محمد! ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا) کے تحت آپ کا عمل ذکر کر چکے ہیں۔

(۲) طبری نے اپنی تاریخ (۳/۶۴۷، ۶۴۸) اور ابن الاثیر نے الکامل (۴/۲۰۰) میں ذکر کیا:

''اور دور تابعین کے اہل بصرہ کو بھی دیکھیں جنہیں صحابہ کی رفاقت وصحبت حاصل رہی، جن سے ہزار ہا ہزار تشنگان علم نے اکتساب علم کیا، جب ابن الاشعث کا فتنہ نمودار ہوا تو حجاج کے عاملوں نے اس کے پاس مکتوب بھیجے کہ بے شک خراج کا معاملہ ختم ہوگیا، اور ذمیوں نے اسلام قبول کرلیا، اور شہر والوں سے جا ملے، تو بصرہ وغیرہ یہ مکتوب لکھا گیا کہ جس بستی میں جس شخص کی کوئی اصل موجود ہے وہ وہاں چلائے جائے، تو فوج درفوج لوگ نکل کر رونے اور یہ پکارنے لگے: یا محمداہ یا محمداہ، ذی الحجہ (۸۲ھ) کے آخری مہینہ میں عبدالرحمٰن بصرہ میں داخل ہوئے''۔

(۳) ابن الاثیر نے الکامل (۵/۱۱۴) میں ۱۳۷ھ کے حوادث کے بارے میں کہا:

سنباذ کی قیادت میں مجوسیوں کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ میں مسلمان قیدی عورتیں پکار رہی تھیں: وامحمداہ، (ہائے محمد) تو ایک ہوا چلی جس سے مجوسیوں کے اونٹ بدک گئے اور مجوسی لشکر کا شیرازہ منتشر ہوگیا جیسا کہ ابن الاثیر نے کہا۔

ابن الجوزی نے المنتظم (۸/۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱) میں ۲۷۰ھ کے حوادث کے بارے میں ذکر کیا:

''علی ابن البربری نے اپنی اسناد کے ساتھ ان سے ذکر کیا کہ میرے والد نے کہا ابو سلیم نے

جس وقت طوس کو آباد کیا سب سے پہلے میں نے وہاں سکونت اختیار کی میرے والد ایک ضعیف العمر بوڑھے آدمی تھے انھوں نے بیان کیا: شام کے تین بھائی شہسوار، اور بہادر و دلیر تھے، یہ لوگ دشمنوں کے لشکر سے میل ملاپ نہ کرتے، جب یہ لوگ دشمن کو دیکھتے اور ان کی تعداد کافی ہوتی تو ان سے اس وقت تک قتال نہ کرتے جب تک کہ وہ خود پہلے سے حملہ آور نہ ہوں۔ ایک مرتبہ انھوں نے جنگ کی تو انہیں سرکش لوگوں کی ایک عظیم جماعت نے پالیا جنھوں نے مسلمانوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور انہیں قتل و گرفتار کیا، ان تینوں بھائیوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا آپ لوگ ہماری حالت دیکھ رہے ہیں اب ہم پر لازم ہے کہ اپنی جانیں قربان کر دیں، اور دشمنوں سے ڈٹ کر مقابلہ کریں یہ لوگ آگے بڑھے، اور باقی لوگوں سے کہا آپ لوگ ہمارے پیچھے رہئے اور ہمیں جنگ کرنے دیجئے ان شاء اللہ تعالی ہم آپ لوگوں کے لیے کافی ثابت ہوں گے، یہ لوگ رومیوں پر غالب آ گئے۔ تو روم کے بادشاہ نے اپنے کمانڈروں سے کہا: کون شخص میرے پاس ان لوگوں کے ایک شخص اور اس کے کمانڈر کو لے کر آئے گا؟ تو رومیوں نے ان پر اپنی جان کی بازی لگا دی، اور ایک ایک کو گرفتار کر کے بادشاہ روم کے پاس لائے ان میں سے کوئی شخص باقی نہ بچا، یہ دیکھ کر رومیوں نے کہا ان لوگوں کی گرفتاری سے بڑھ کر نہ کوئی فتح ہوسکتی ہے نہ مال غنیمت ان قیدیوں کو لے کر شہر قسطنطنیہ پہنچے، اور ان کے سامنے دین نصرانیت پیش کیا اور کہا: میں تمھیں اپنی بادشاہت اور اپنی بیٹیاں تمہارے عقد میں دے دوں گا، انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا اور یہ فریاد اور دہائی کی: یا محمداہ تو بادشاہ نے کہا: یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ انھوں نے بتایا: اپنے نبی کو پکار رہے ہیں۔ بادشاہ نے ان قیدیوں سے کہا: اگر تم لوگوں نے دین نصرانیت قبول کر لیا جب تو ٹھیک ہے، ورنہ یہ تین دیگ ہیں جن کے اندر تیل ڈال کر تمھیں ان میں ڈال دیا جائے گا۔ جب ان قیدیوں کا انکار بڑھا تو ان میں سے ہر ایک کو

ایک ایک دیگ میں ڈال دیا گیا، انھوں نے دیگوں کے اندر جا کر بھی انکار کیا، پھر جب دیگ نصب کر کے ان میں تیل ڈالا گیا، اور حکم دیا گیا کہ ان دیگوں کے نیچے تین دن تک آگ روشن کی جائے، ہر دن انہیں ان گرم کھولتے ہوئے دیگوں کے سامنے پیش کیا جائے، اور انہیں دین نصرانیت اور اپنی بیٹیوں کے نکاح کی دعوت دی جائے اور بادشاہت کی پیش کش کی جائے، انھوں نے ان چیزوں کو قبول کرنے سے انکار کیا، اور دین اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس کے بعد روم کے بادشاہ نے ان تینوں بھائیوں کو بلایا، اور انھیں اپنے دین نصرانیت کی دعوت دی مگر انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، تو ان سے یہ کہا تمہیں اس دیگ میں ڈال دوں گا پھر بھی انھوں نے انکار کیا، بالآخر اس کے بڑے بھائی کو اس کھولتے ہوئے دیگ میں ڈال دیا گیا، جیسے ہی اس دیگ میں ڈالا اس کی ہڈیاں دیگ کے اوپر چمکنے لگیں، پھر دوسرے بھائی کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا جب بادشاہ نے ان دونوں کا صبر و استقامت، اور اپنے دین کی حفاظت دیکھی تو اسے ندامت ہوئی اور کہا: میں نے یہ کام ایسی قوم کے ساتھ کیا جن سے زیادہ دلیر و باہمت نہ دیکھا، پھر بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ ان کے اس چھوٹے بھائی کو اس کے دین کے بارے میں ہر طرح آزمایا جائے تو یہ بچہ بھی پیہم انکار کرتا رہا تو ایک تجربہ کار آدمی نے بادشاہ سے کہا مجھے مہلت دیں میں اسے آزماتا ہوں، بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے مگر کس طرح آزماؤ گے؟ اس نے کہا اہل عرب عورتوں کی طرف جلد مائل ہوتے ہیں، اور رومیوں کو معلوم ہے کہ ان میں میری فلاں بیٹی سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں، اس لڑکے کو میرے حوالے کیجئے تاکہ میں اسے اپنی خوبرو لڑکی کے ساتھ تنہا کر دوں، وہ اسے فتنہ و آزمائش میں ڈال دے گی، بادشاہ نے اس شخص کو چالیس روز کی مہلت دی، اور اس لڑکے کو اس شخص کے حوالہ کر دیا، یہ شخص اس نوجوان کو لے کر آیا، اور اسے اپنی خوب رو بیٹی کے ساتھ تنہا کر دیا اور اس لڑکے کے ساتھ جو کچھ کرنا تھا سب بیٹی کو بتا دیا، اور بادشاہ کی دی ہوئی مہلت

بھی بتادی،اس پر اس بیٹی نے کہا: آپ اسے چھوڑ دیں میں اس کے لیے تنہا کافی ہوں،وہ چھوٹا بھائی اس بیٹی کے ساتھ شب وروز مصروف عبادت رہتا،اوراپنے شبانہ روز معمول میں ذرا کوتاہی نہ کرتا یہاں تک کہ مقررہ میعاد کا عظیم حصہ گزر گیا تو بادشاہ نے اس شخص سے پوچھا:اس لڑکے کا کیا حال ہے؟وہ اپنی بیٹی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ تم نے اس لڑکے کے ساتھ کیا کیا؟اس نے جواب دیا میں اب تک کچھ نہ کرسکی،دراصل اس شہر میں اس کے دو بھائی اس کی آنکھوں کے سامنے جاں بحق ہوئے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے ان دونوں بھائیوں کے آثار واحوال دیکھ کر دین نصرانیت سے باز رہتاہے،آپ بادشاہ سے مزید مہلت لے لیں،بادشاہ نے کچھ دنوں کی مزید مہلت دے دی،اوراسے یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ دونوں کسی دوسرے شہر چلے جائیں،اس شخص نے ان دونوں کوایک دوسری بستی میں لاکر کردیا،اس لڑکے نے وہاں بھی کچھ ایام اس طرح گزارے کہ دن میں یہ نوجوان روزہ رکھتا،اوررات میں عبادت کرتا،جب تھوڑی میعاد باقی رہ گئی تو ایک رات اس رومی لڑکی نے اس لڑکے سے کہا میں آپ کو دیکھ رہی ہوں کہ آپ ہمہ وقت اپنے عظمت والے رب کی تسبیح وتقدیس میں مصروف رہتے ہیں،میں بھی آپ کے ساتھ آپ کے دین میں داخل ہوگئی اوراپنا دین چھوڑ دیا۔اس لڑکے کواس لڑکی کی اس بات پر اعتماد نہ ہوا،جب اس لڑکی نے بار بار اس سے یہی کہا تو لڑکے نے اس لڑکی سے کہا اس فتنہ سے بھاگنے کی کیا تدبیر کی جائے؟تو لڑکی نے کہا: میں آپ کوایک تدبیر بتاتی ہوں،پھر اس نے کچھ سواری کے جانور فراہم کیے اوراس لڑکے سے کہا: ہم دونوں اس پر سوار ہوکر دوسری جگہ چلے چلیں وہ دونوں اس پر سوار ہوکر اس طرح سفر کرتے کہ رات میں سفر کرتے،اوردن میں چھپے رہتے،ادھر ان دونوں کی تلاش جاری ہوگئی،ایک روز دونوں چل رہے تھے کہ ان کے کانوں سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ٹکرائی تو لڑکی نے اس سے کہا:اے شخص!اپنے اس رب سے دعا کیجئے جس کی

میں نے تصدیق کی،اور جس پر ایمان لائی کہ وہ ہمارے دشمن سے ہماری حفاظت فرمائے،دیکھا تو اچانک اس کے دونوں بھائی (جو کھولتے دیگ میں جاں بحق ہو گئے تھے) اوران کے ساتھ ملائکہ رسل تھے،اس نوجوان نے ان دونوں بھائیوں سے سلام کیا،اوران کا حال پوچھا تو انھوں نے اس سے کہا: کھولتے ہوئے تیل کے دیگ میں میرے غوطہ لگانے کا جو عظیم منظر آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہی میرے لیے جنت الفردوس کا سبب بن گیا،اوراللہ عزوجل نے ہمیں آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے تا کہ اس رومی دوشیزہ کے ساتھ آپ کے نکاح کے ہم گواہ بن جائیں،ان دونوں نے اس رومی دوشیزہ سے اس لڑکے کا نکاح کر دیا،اورواپس چلے گئے،اور یہ لڑکا اس لڑکی کو لے کر ملک شام رواں دواں ہو گیا، اگلے زمانہ میں ملک شام کے اندر یہ دونوں کافی معروف ومشہور تھے“۔

(۵) عتبی کا واقعہ جسے ہم نے ماسبق میں ذکر کیا اس پر سیر حاصل گفتگو ہو چکی۔

خامساً: مسلسل گزشتہ صدیوں میں امت مسلمہ کے اعمال وافعال

تین حفاظ حدیث وعلمائے محدثین ابوالقاسم طبرانی،حافظ ابوعبداللہ ابن المقری،اورحافظ ابوالشیخ اصفہانی صاحب کتاب العظمۃ وغیرہ نے نبی پاکﷺ سے آپ کے وصال کے بعد استغاثہ واستعانت کی۔

قیسرانی نے تذکرۃ الحفاظ(۳/۳ ۹۷-۹۷۴)،اورذہبی نے سیر اعلام النبلاء(۱۶/۴۰۰،۴۰۱) میں ذکر کیا:

”ابن المقری(۲۸۵-۳۸۱ھ) فرماتے تھے میں اورطبرانی،اورابوالشیخ اصفہانی مدینہ منورہ میں تھے ایک دن وہاں ہم پر وقت تنگ ہو گیا اوراس روز مسلسل وقت کی تنگی دامن گیر رہی، عشا کے وقت میں قبر اطہر پر حاضر ہوا اورعرض کیا یارسول اللہ! بھوک دامن گیر ہے،تو طبرانی نے مجھ سے کہا بیٹھیں یا تو رزق آئے گا،یا موت آئے گی،تو میں اورابوالشیخ اصفہانی دونوں وہاں سے اٹھے پھر دروازہ پر ایک علوی نمودار ہوئے ہم نے ان کے لیے دروازہ کھولا،تو

اچانک ان کے ساتھ دو بچے دوٹوکریاں لیے کھڑے تھے ان دونوں میں بہت کچھ تھا، انھوں نے کہا: آپ لوگوں نے نبی پاک ﷺ سے میری شکایت کی ہے، میں نے خواب میں سرکارکودیکھا کہ مجھے حکم فرمارہے ہیں کہ آپ حضرات کی خدمت میں کچھ پیش کریں''۔

میں کہتا ہوں:

اس حافظ حدیث کے قول: ''یارسول اللہ الجوع''۴ (اے اللہ کے رسول بھوک دامن گیر ہے) سے استغاثہ واستعانت کی حقیقت خوب واضح ہوجاتی ہے، اوراللہ آپ کی راہ نمائی فرمائے ذرا آپ اس پرغورفرمائیں کہ کس قدرجلد نبی پاک ﷺ نے علوی کوتینوں حفاظ حدیث کی فریادرسی اورخدمت نوازی کاحکم فرمایا۔ اورقیسرانی اورذہبی نے کس طرح اسے ان کی کرامتوں میں شمارفرمایا۔

۲۔ابوجعفر کتانی

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء(۱۰/۳۴۳) میں ابوجعفر کتانی (جنھوں نے تقریباً آٹھ سومرتبہ نبی پاک ﷺ کی زیارت کی) کے احوال میں ذکرکرتے ہوئے کہا:

''آپ کا پیرٹوٹ گیا، جس کے سبب اس سال روضۂ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کونہ جاسکے، آپ کے بعض اصحاب زیارت کے لیے جارہے تھے آپ نے انہیں ایک رقعہ دیااور یہ حکم فرمایا کہ اسے روضۂ اطہر میں ڈال دیں گے، آپ کے ساتھی کے جیب سے آپ کا رقعہ غائب ہوگیا، آپ نے اسی رات خواب میں نبی پاک ﷺ کادیدار پرانوار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوجعفر! تمہارارقعہ ملا، اورہم نے تمہاراعذرقبول کیا''۔

۳۔ابوالخیرتیناتی

ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۶۶/۱۶۱)، اورابن الجوزی کی صفوۃ الصفوۃ (۴/۲۸۲، ۲۸۳) میں ہے:

''ابوالخیرتیناتی نے فرمایا: میں فاقہ کی حالت میں مدینۃ الرسول پہنچا، اوروہاں پانچ دن بے کھائے رہا میں روضۂ پاک پرحاضرہوا، نبی پاک، اورابوبکروعمررضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بارگاہ

میں سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ! آج رات میں آپ کا مہمان ہوں، اس کے بعد میں ایک گوشہ میں جا کر منبر شریف کے پیچھے سو گیا، میں نے خواب میں نبی پاک کو اس حال میں دیکھا کہ ابوبکر آپ کے داہنے اور عمر آپ کے بائیں اور علی بن ابوطالب آپ کے سامنے تھے، علی نے مجھے جنبش دے کر فرمایا: اٹھیے رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں، میں آپ کی خدمت میں باادب کھڑا ہو گیا، اور آپ کی جبین اقدس کا بوسہ لیا، آپ نے مجھے ایک روٹی عطا فرمائی، میں نے آدھی روٹی کھالی، اور جب بیدار ہوا تو دیکھا میرے ہاتھ میں آدھی روٹی باقی تھی''۔

۴۔ابن الجوزی نے المنتظم (۹/۴۷-۵۷) میں کہا:

''ہبۃ اللہ بن عبدالوارث حافظ، متقن، ثقہ، صالح، خیر، صاحب ورع، نیک سیرت، کثرت سے عبادت کرنے والے تھے، اپنا کام خود سے فرماتے آپ نے کافی احادیث کی تخریج کی، اور گراں قدر تصنیف فرمائی، طالبان حدیث کی ایک جماعت نے آپ کی صحبت سے استفادہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ: میری والدہ فاطمہ بنت علی نے بیان فرمایا: میں نے ابوعبداللہ محمد بن احمد معروف بہ ابن ابوزرعہ طبری سے سنا انھوں نے فرمایا: میں نے اپنے والد کے ہمراہ مکہ کا سفر کیا، مجھے سخت فاقہ لاحق ہوا، جب ہم مدینۃ الرسول ﷺ پہنچے تو وہاں فاقہ سے رات گزاری، میں ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچا تھا، میں اپنے والد کے پاس آ کر کہتا: مجھے بھوک لگی ہے میرے والد مجھے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آج رات آپ کا مہمان ہوں، اور بیٹھ گئے، کچھ دیر کے بعد آپ سر اٹھاتے تو کبھی رونے اور کبھی مسکرانے لگتے، آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاتھ میں کچھ درہم رکھتے دیکھا، ہاتھ کھول کر دیکھا تو اس میں کچھ درہم تھے ان دراہم میں اتنی برکت ہوئی کہ شیراز واپس ہونے تک ہم انہیں درہم سے خرچ کرتے رہے''۔

اس سال ہبۃ اللہ کا ''مرو'' میں وصال ہوگیا، ان کے شکم میں کوئی بیماری تھی، آپ نے اپنے وصال کی شب ستر مرتبہ یا اسی کی مثل اس طرح قیام لیل فرمایا کہ ہر مرتبہ نہر میں غسل فرماتے، یہاں تک کہ ۴۸۵ھ میں بحالت طہارت آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد فرمادی''۔

میں کہتا ہوں: کیا ابن جوزی صاحب کتاب ''المنتظم'' اور اس قصہ کے راوی کافر ہیں؟ اور کیا حافظ ہبۃ اللہ بن عبد الوارث، اور ابو زرعہ طبری کافر ہیں؟

۵۔ سلطان نور الدین محمود اور برنس: برنس نبی پاک ﷺ سے توسل کرنے والوں کا مذاق اڑاتا تھا۔

یہ بات معلوم ہے کہ بعض امرا (جن کا نام برنس ارناط ہے) نے مسلمانوں کے ساتھ غدر کیا، اور ان سے کہا: اپنے محمد سے کہو وہ تمہیں بچائیں گے، یہ خبر سلطان نور الدین محمود تک پہنچی آپ پر دین کی حمیت غالب آئی اور یہ نذر مانی کہ اگر برنس ارناط آپ کو مل گیا تو اسے قتل کر دیں گے، جب اللہ نے نصرت وظفریابی کے ذریعہ آپ کو اس پر فتح بخشی تو خیمہ کی دہلیز میں بیٹھ گئے اور برنس ارناط کو حاضر کرایا اور اسے اس کی گستاخانہ باتوں سے آگاہ فرمایا، اور اس سے کہا: سنو محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کی بارگاہ کی گستاخی کا انتقام میں تم سے لوں گا، پھر اس کے سامنے اسلام پیش کیا جب اس نے اسلام لانے سے انکار کیا اسے قتل فرمادیا اور فرمایا: بادشاہوں کا یہ طریقہ نہیں کہ بادشاہوں کو قتل کریں لیکن اس نے رسول اکرم ﷺ کی شان اقدس میں حد سے تجاوز کیا۔ اس رات لوگوں نے بڑی شادمانی کی حالت میں گزاری ہر طرف اللہ کی حمد وشکر اور تکبیر وتہلیل سے لوگوں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ (کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین النوریۃ ۳/۲۹۶-۲۹۷ مطالعہ کریں)

میں کہتا ہوں:

سلطان نور الدین محمود مسلمانوں کے ایک عظیم قائد ہیں انھوں نے یہ نہ فرمایا: اللہ ہی بچائے گا، بلکہ برنس ارناط کی اس گستاخی رسالت کے جرم میں اسے قتل فرمادیا اور یہ فرمایا محمد ﷺ کا انتقام میں لوں گا، یہ بات بہت ہی معروف ومشہور ہے کہ تمام مسلمان بادشاہوں میں سب سے زیادہ سلطان نور الدین محمود نے صلیبیوں کے خلاف جنگ فرمائی، آپ رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ عشق ومحبت رکھتے، اسی لیے آپ کو حضور کی کثرت سے زیارت

نصیب ہوئی۔

آپ کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ اپنی مسجد میں پیش آنے والے پرخطر معاملات سے آپ کو خوف دلا رہے ہیں، نورالدین محمود نے معاملہ کی تحقیق وتفتیش کے دوران مدینہ منورہ طیبہ میں دو مغربی یہودیوں کو پایا جو اسلام کا جھوٹا دعوی کرتے تھے، انھوں نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے قریب ایک مکان خرید رکھا تھا، اور زمین کے نیچے ایک سرنگ کھود رکھی تھی تا کہ نبی پاک ﷺ کے جسد اطہر تک پہنچ کر اسے حاصل کرلیں، سلطان نورالدین محمود نے ان دونوں یہودیوں کو گرفتار فرما کر سخت ترین عبرتناک سزادی۔

۶۔ **ابوشجاع وزیر:** نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر آپ کی حاضری آپ کے اعلی مناقب میں شمار کی جاتی ہے، ابن جوزی نے المنتظم (۹۳/۹)، ابن الاثیر نے الکامل (۵۰۶/۸)، ابن خلکان نے وفیات الاعیان (۱۳۶/۵)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۵۰/۱۲-۱۵۱) میں اسے ذکر کیا۔

مدینہ طیبہ میں آپ نے سکونت اختیار فرمائی، آپ وہاں بیمار ہوئے، اور مرض شدید ہوتا گیا تو حجرہ نبوی شریف کے پاس آ کر عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ: ''اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں''۔

میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں، اور قیامت کے دن آپ کی شفاعت کی امید رکھتا ہوں، پھر اسی روز آپ کا وصال ہو گیا اور بقیع میں مدفون ہوئے اللہ آپ پر اپنی باران رحمت نازل فرمائے''۔

حافظ ابن سمعانی نے بھی ''الذیل'' میں اسے ذکر فرمایا۔

اور ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمائیں جسے ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۲/۱۵۰-۱۵۱) میں آپ کے حالات کے تحت ذکر فرمایا: ''آپ اچھے وزیروں میں سے تھے، علما وفقہا کے ساتھ خوب بخشش واحسان فرماتے ، شیخ ابواسحاق شیرازی وغیرہ سے حدیث سماعت کی، اور بعض کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے آپ کی کتاب ''ذیلــہ عـلـی تجارب الأمم'' آپ کا اہم علمی شاہکار ہے، آپ خلیفہ مقتدی کے وزیر تھے، آپ کے پاس چھ لاکھ دینار تھے جنہیں صدقہ وخیرات فرما دیا اور بہترین وقف فرمائے، مشاہد تعمیر فرمائے، اور بیواوں اور یتیموں پر خوب انعام فرمایا، ایک شخص نے آپ سے کہا: ہمارے پڑوس میں ایک بیوہ خاتون کے چار بچے ہیں وہ برہنہ اور بھوکے رہتے ہیں، آپ نے اپنے ایک خاص آدمی کے ذریعہ ان بچوں کے پاس کچھ اخراجات، لباس اور غلہ روانہ فرمایا، اور سخت ٹھنڈک میں اپنے جسم سے لباس اتار کر فرمایا: خدا کی قسم میں انہیں اس وقت تک نہ پہنوں گا جب تک تم واپس آکر مجھے ان کے حالات نہ بتا دو''۔

۷۔ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۳/۱۸۸-۱۹۲) میں کہا:

''ابوشامہ نے کہا: جمادی الآخرہ ۶۵۴ھ کے پہلے جمعہ کے دن مدینہ منورہ مشرفہ کے مشرقی جانب میں ایک عظیم آگ نمودار ہوئی پھر ہمارے پاس مقام حرہ میں قریظہ کے پیچھے سوارقیہ کے راستہ پر صبح سے ظہر تک زمین سے نکلنے والی ایک عظیم آگ نمودار رہی جسے دیکھ کر ہمارے آس پاس کے لوگ کافی خوف زدہ ہو گئے، پھر اس آگ میں سفید بادل کی طرح آسمان میں بڑا سا دھواں اٹھا، سورج ڈوبنے سے پیشتر تک جمعہ کے دن یہی حالت رہی پھر زبان نما آگ اٹھی جو فضا میں سرخ آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ قلعہ ہے، آگ کا یہ سلسلہ بڑھتا رہا، لوگ خوف ودہشت کے مارے مسجد نبوی شریف، اور حجرہ اقدس کے پاس پناہ لینے آئے، سارے لوگ حجرہ اقدس کو گھیرے ہوئے برہنہ سر اپنے گناہوں کا اقرار، اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ومناجات، اور اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام

سے استغاثہ وفریاد کر رہے تھے"۔

اس توضیح کے بعد مزید گفتگو اور تبصرہ کی ضرورت نہیں، ابن تیمیہ سے پیشتر ساری امت مسلمہ کا عمل یہی تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے توسل کرتی، ایک عادل ومنصف اور عاقل وذی فہم کے لیے اتنا کافی ہے۔

(۷۰) توسل کا مسئلہ

گزشتہ باب میں منکرین توسل کی دشنام طرازیاں گزر چکیں، اور توسل واستمداد کی حقانیت بھی واضح ہوگئی ہم یہ چاہتے ہیں کہ توسل کے حوالہ سے ایک مستقل کتاب پیش کریں ان شاء اللہ الرحمٰن یہ کتاب جلد ہی منظر عام پر آئے گی اس وقت ہم کچھ سوالات اور تبصرے پیش کریں گے:

۱۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ توسل کی اکثر یا کثیر حدیثیں ضعیف ہیں، تو کیا ائمہ دین کفر وشرک کی روایت فرمارہے ہیں اور خاص کر قرون ثلاثہ اولی کے ائمہ عظام؟

۲۔ کیا آٹھویں صدی تک علمائے امت نے ایک شرک پر سکوت فرمایا؟

۳۔ شیعہ اور ان میں خاص کر غلو پسند شیعوں نے سخت خطائیں کیں، کیوں کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ جادۂ راہ پر قائم رہنے والے صحابہ کی تعداد صرف چھ یا اس کے قریب ہے۔ اس باطل اعتقاد میں امت پر بہت بڑا خطرہ ہے اور اس کا ایک عظیم سبب یہ ہے، "**نستغفر اللــه من هذااللفظ**" کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کی تربیت پر کما حقہ توجہ نہ فرمائی۔

ابن تیمیہ اور اس کے کفش بردار بھی ٹھیک اسی مغالطہ میں پڑے، انھوں نے یہ اعتقاد کیا کہ خود یہی لوگ امت ہیں، پھر اس کے بعد کمینہ ورذیل اور حقیر وکمتر لوگ آئے، جنھوں نے یہ گمان کیا کہ ابن تیمیہ ہی حق مبین ہے"۔

۴۔ کیا کوئی ایسی آیت یا حدیث ہے جس میں یہ صاف اور کھلی تصریح ہو کہ توسل حرام ہے؟

۵۔ ابن تیمیہ سے پیشتر کتنے علمانے توسل کا انکار کیا؟ اور ان کی کتابیں کہاں ہیں؟ اور کتنے علمانے امام احمد بن حنبل کو کافر کہا؟

۶۔ جو لوگ مختلف رایوں میں تطبیق کرنا چاہتے ہیں ان سے ہماری گزارش ہے کہ:

اپنے رب کی قسم کھا کر ہمیں بتائیے کہ ابن تیمیہ سے پیشتر کس نے یہ کہا کہ توسل ممنوع ہے، یا اس سلسلے

میں ائمہ پر کس نے اعتراض کیا؟ کیا یہ کہنا علمی امانت ہے کہ اس مسئلہ میں دو قول ہیں، اور سیکڑوں سالوں کے بعد آٹھویں صدی ہجری تک دوسرا قول ایک قول رہے گا؟ آٹھویں صدی ہجری تک جب امت نے سکوت فرمایا تو دوسرے قول کو شاذ و خارج از دین قول کیوں نہیں شمار کرتے؟

اگر تم پر ابن تیمیہ کے کفش برداروں کا دباؤ نہیں ہے تو پھر یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ پہلا قول ہی ساری امت کا قول ہے، اور دوسرا قول صرف ابن تیمیہ سے نکلا؟ کیا تمہیں اس کے کفش برداروں کا خوف ہے؟ نبی پاک ﷺ نے کیا یہی امانت تمہیں بخشی تھی؟ آپ نے تو تم سب کے لیے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد پیش فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَاتَكْتُمُوْنَهٗ﴾ [آل عمران-۳:۱۸۷]

ترجمہ:۔’’اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا‘‘۔

یا تمہیں ابن تیمیہ کے جھوٹے کفش برداروں ہی کی گستاخانہ گفتگو بھا رہی ہے کہ کہیں امت کا شیرازہ نہ منتشر ہو جائے جب کہ یہ سراسر جھوٹ ہے، اگر انہیں امت کے انتشار وافتراق کا ذرا بھی خوف ہوتا تو جمہور علمائے امت سے خروج وانحراف نہ کرتے۔

بعض لوگوں نے مجھ سے انتہائی نرم لب ولہجہ میں کہا:’’علمائے مسلمین کہاں ہیں‘‘ اور کچھ لوگوں نے سخت عامی لب ولہجہ میں کہا:’’کیا ابن تیمیہ کے دو طرز ہو گئے ہیں‘‘ اور ابن تیمیہ سے پیشتر اور اس کے بعد کے سارے علما بیوقوف ہیں۔

۷۔ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا جس میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ سے توسل کیا، اور ضعف کی وجہ یہ بتائی کہ وہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی ہے.... ہم کہتے ہیں: ابن تیمیہ نے اپنے مجموع الفتاوی (۱۵/۶۷) میں عبدالرحمٰن بن زید کے بارے میں جو کچھ کہا اسے خود ملاحظہ

فرمایئے اس نے کہا:

''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ایک امام گزرے ہیں، آپ نے اپنے والد زید سے علم تفسیر اخذ کیا، اور زید علم تفسیر کے امام تھے، مالک وغیرہ نے ان سے تفسیر کے علوم اخذ کیے، اور عبداللہ نے ان سے علم تفسیر حاصل کیا''۔

میں کہتا ہوں: اور انجیل برناباس کی اکتالیسویں فصل: ۲۶-۳۴ میں ہے: ''اس وقت اللہ نے کہا: اے لعین! میری بارگاہ سے جا، تو شیطان وہاں سے بھاگا، پھر اللہ نے آدم وحوا سے فرمایا جب کہ وہ دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے: تم دونوں جنت سے باہر جاؤ، اور جسمانی محنت وکوشش کرو، اور تم دونوں کی امید کمزور نہ ہو اس لیے کہ میں تمہارے بیٹے کو اسی کیفیت پر بھیجوں گا جس کے ذریعہ تمہاری ذریت کے لیے نوع انسانی سے شیطان کا قبضہ وتسلط اٹھانا ممکن ہو، اس لیے کہ میں اپنے عنقریب آنے والے رسول کو ہر چیز بخشوں گا، پھر اللہ نے حجاب فرمالیا، اور فرشتہ میکائیل نے ان دونوں کو فردوس سے باہر کر دیا، جب آدم نے نظر التفات فرمایا، تو دروازہ کے اوپر '' **لا إلـه إلا الله محمد رسول الله** '' لکھا ہوا دیکھا، اس وقت آپ نے اشک ریز ہو کر کہا: اے میرے بیٹے! تو جلدی آ، اور ہمیں اس مشکل سے نجات ورستگاری دلا''۔

اور بیالیسویں فصل میں: ۱۲-۱۷ کہا: اور انجیل برناباس فصل ۴۲ آیت نمبر ۱۲-۱۷ میں کہا:

''انھوں نے کہا: اگر تو مسیح نہیں، نہ الیاس، نہ کوئی نبی، تو تو نئی تعلیم کی بشارت کیوں دیتا اور مسیح سے زیادہ اپنا چرچا کراتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا: جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے کراتا ہے، ان سے ظاہر ہے کہ میں وہی کہتا ہوں جو خدا کی مرضی ہے، میں اپنے بارے میں وہ نہیں کہلواتا، جس کا تم ذکر کر رہے ہو، کیوں کہ میں اس لائق نہیں کہ خدا کے اس رسول کی جرابوں کی بند، یا جوتیوں کے تسمے کھول سکوں جسے تم '' مسیح '' کہتے ہو جو مجھ سے پہلے بنایا گیا، اور میرے بعد آئے گا، اور سچائی کا کلام لائے گا کہ اس کے دین کی انتہا نہ ہوگی، اور اس کے

پاس کوئی حد و نہایت نہ ہوگی''۔

۸۔ ہم امت پر یہ روشن کریں گے کہ وہ اس وقت ابن تیمیہ اور اس کے حامیوں کی فکروں میں غائب و پوشیدہ ہے، ابن تیمیہ کی حمایت کرنے والے اللہ عزوجل کی مخلوق کو رسول اللہ ﷺ کے توسل کا خوف دلاتے ہیں خاص کر نئی نسلوں کو ڈراتے اور دھمکاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں:

ہم امت کی خدمت میں ان علما وفقہا ومحدثین وغیرہم کے اسمائے گرامی پیش کریں گے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے توسل کیا، اور کن صیغوں سے کیا، چاہے انھوں نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''**أسألک بمحمد**'' یا ''**بجاهه**'' یا ''**بحقه**'' (اے اللہ میں محمد، یا آپ کے مرتبہ، یا آپ کے حق کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں) یا اس کے علاوہ اور کسی صیغہ سے توسل فرمایا۔

ابن تیمیہ کے کفش بردارو بتاؤ کیا یہ سارے حفاظ ومحدثین کافر ومشرک ہیں؟

جن حفاظ ومحدثین نے توسل کے مسئلہ میں صریح نص فرمایا اجمالا ان میں سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی پیش خدمت ہیں:

امام احمد، محمد بن منکدر، دارمی، ابن ابجر، مروزی، ابراہیم حربی، محاملی، ابوزرعہ رازی، کلاباذی، ابن اسلم طوسی، ابوعلی خلال، ابن حبان، طبرانی، ابن مقری اصفہانی، ابوالشیخ اصفہانی، لالکائی، ابوعبداللہ صفار اسفرائنی، ابن ابوالدنیا، حاکم، خطیب بغدادی، بیہقی، ابن القیسر انی، ابن عساکر، ابن جوزی، نووی، ابوزرعہ عراقی، سلفی، ابن الآبار، ابوالربیع بن سالم، عبدالحق اشبیلی، منذری، عبدالغنی مقدسی، قضاعی، کلائی، محمد بن موسی تلمسانی، ابن کثیر، ابوالمحاسن ابن حمزہ حسینی دمشقی، علائی، ابوالطیب، مکی فاسی، ولی الدین عراقی، ھیثمی، ابن حجر عسقلانی، سخاوی، ابن جزری، سیوطی، ابن فہد، ابن طولون، مناوی، عجلونی، عابد سندی، محمد مرتضی زبیدی، اور ابوالحسنات عبدالحئ لکھنوی رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین۔

جن حفاظ ومحدثین نے نبی پاک ﷺ اور صالحین سے توسل کیا ان کے اسمائے گرامی حروف ابجد کی ترتیب کے لحاظ

سے ذکر کر رہے ہیں:

(۱) حافظ ابراہیم حربی: آپ نے توسل کیا اور یہ فرمایا:''معروف کرخی کی قبر تریاق آزمودہ ہے''۔(تاریخ بغداد(۱/۱۲۲)

(۲) حافظ ابوالربیع بن سالم: آپ نے محمد بن عبید اللہ حجری کی قبر سے توسل کیا۔(**التكملة لكتاب الصلة، الذهبي في سير أعلام النبلاء**)

(۳) حافظ ابوالشیخ اصفہانی نے عرض کیا:''رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھوک کی شکایت پیش ہے''(**سير أعلام النبلاء(١٦/٤٠٠)**)

(۴) حافظ ابوالطیب مکی فاسی: آپ نے اس طرح توسل کیا:''محمد رسولوں کے سردار کے وسیلہ سے''۔(**ذيل التقييد (١/٦٩)**)

(۵) حافظ ابوالمحاسن بن حمزہ حسینی دمشقی: آپ نے یہ عرض کر کے توسل کیا''مصطفیٰ کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(**ذيل تذكرة الحفاظ(١/٣١٥)**)

(۶) حافظ ابوزرعہ رازی: آپ سیدنا حضرت علی رضا سے عرض کر رہے تھے:''آپ کے آبائے کرام کے حق کا وسیلہ آپ ہمیں حدیث سنائیں'' کتاب کے درمیان آیت کا ذکر آچکا۔

(۷) حافظ ابوعبداللہ صفار اسفرائنی: حاکم نے آپ سے اخذ کیا، اکثر صالحین نے آپ سے توسل کیا، درمیان کتاب آپ کا ذکر گزر چکا۔

(۸) محدث ابوعلی خلال: آپ نے فرمایا: میں موسیٰ بن جعفر کی قبر پر حاضر ہوا اور آپ سے توسل کیا۔''(تاریخ بغداد(۱/۱۲۰)

(۹) حافظ ابوزرعہ عراقی: آپ نبی پاک کی بارگاہ میں آپ کے روضۂ اقدس کے سامنے آئے اور عرض کیا:''میں بھوکا ہوں''۔(**المنتظم لابن الجوزی(٩/٧٤،٧٥)**)

(۱۰) حافظ ابن ابوالدنیا: آپ نے توسل کرتے ہوئے فرمایا:''نبی پاک کے حق کے وسیلہ سے''۔(قری

الضیف (۲۲۵/۵)

(۱۱) حافظ ابن اسلم طوسی: آپ سیدنا حضرت علی رضا سے عرض کر رہے تھے: ''آپ کے آبائے کرام کے حق کا وسیلہ آپ ہمیں حدیث سنائیں'' اس سے پہلے کتاب میں آپ کا ذکر گزر چکا۔

(۱۲) حافظ ابن الآبار: آپ نے یوں توسل فرمایا: ''اے مخلوق کی شفاعت فرمانے والے! آپ تمام روحوں کے خالق، اور سارے عالم کے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیں''۔ (الحلہ السیراء (۲۸۴/۲)

(۱۳) حافظ ابن الجزری: آپ نے اپنی کتاب ''عدہ الحصن الحصین باب فضل اٰداب الدعا'' میں توسل کا قول فرمایا۔

(۱۴) حافظ ابن الجوزی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''محمد ﷺ کے حق کے وسیلہ سے''۔ (زاد المسیر (۲۵۳/۴)

(۱۵) حافظ ابن قیسرانی: لوگوں نے اللہ کی بارگاہ میں آپ کو وسیلہ بنایا''۔ (تذکرۃ الحفاظ (۱۳۷۱/۴)

(۱۶) حافظ ابن مقری اصفہانی: آپ نے روضۂ اطہر کے پاس توسل کیا اور رسول پاک سے بھوک کی شکایت کی''۔ (سیر اعلام النبلاء (۴۰۰/۱۶)

(۱۷) حافظ ابن حبان: جب کبھی آپ کو غم لاحق ہوتا حضرت علی رضا کی قبر پر تشریف لے جاتے آپ کا سارا غم کافور ہو جاتا، آپ نے فرمایا یہ میرا بارہا کا آزمودہ ہے، اس سے پہلے اس کی طرف اشارہ گزر چکا۔ (الثقات (۴۵۷/۸)

(۱۸) حافظ ابن حجر عسقلانی: آپ نے فتح الباری میں توسل کے مسئلہ پر خاصا روشنی ڈالی ہے۔

(۱۹) حافظ ابن طولون: آپ نے حافظ عراقی کے شیخ حافظ علائی کے کلام سے ان مسائل اصول و فروع میں استدلال فرمایا جن میں ابن تیمیہ نے جمہور کی مخالفت کی ہے، ذخائر القصر۔ (قارہ میں خزانہ تیموریہ میں اس کا مخطوطہ محفوظ ہے)

(۲۰) حافظ ابن عساکر: آپ نے چہل حدیث لکھی جس میں یہ ہے: "**یامحمد إني أتوجه بک إلی ربي**" آپ کی کتابیں مسئلہ توسل کے ذکر سے مالا مال ہیں، آپ نے جعفر صادق کے مناقب ذکر فرمائے اس لیے کہ ان کی شان میں یہ فرمایا: "اور نبی سے توسل کرتے ہوئے" اور بعض صالحین سے منقول ہے کہ آپ کے مزار پاک سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ (تاریخ دمشق (۴۴۳/۶))

(۲۱) حافظ ابن فہد: آپ نے حافظ عراقی سے توسل وزیارت کے باب میں وہ مسائل پوچھے جن میں ابن تیمیہ نے جمہور کی مخالفت کی، اوران سے انحراف کرکے ایک نئی راہ مقرر کی ہے۔ (**کتاب الأجوبة المرضية عن الأسئلة المكية**)

(۲۲) حافظ ابن کثیر: آپ نے اس طرح توسل کیا "محمد اور آپ کی آل پاک کے وسیلہ سے"۔ (**البداية والنهاية (۱۹۲/۱۳)**)

(۲۳) حافظ امام احمد: آپ نے اپنی منسک میں فرمایا: نبی پاک ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی جائے۔ حد یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

(۲۴) حافظ بیہقی: ابن جوزی نے المنتظم (۲۱۱/۱۱) میں آپ سے روایت کیا کہ احمد بن حرب کے مناقب میں سے یہ ہے کہ دعا کرنے والا جب آپ کے مزار اقدس کو وسیلہ بنا کر دعا کرتا ہے تو دعا مقبول ہوتی ہے۔

(۲۵) حافظ حاکم: آپ نے روایت کیا کہ: امام ابن خزیمہ سیدنا حضرت علی رضا کی قبر کی تعظیم کرتے، اور آپ کے شیوخ یحیی بن یحیی کی قبر سے توسل کرتے، اس کا ذکر گزر چکا۔

(۲۶) حافظ خطیب بغدادی: آپ نے اس طرح توسل کیا "محمد کے حق کے وسیلہ سے"۔ (**الجامع لأخلاق الراوي والسامع (۲۶۱/۲)**)

(۲۷) حافظ دارمی: "**باب ما أكرم اللّٰه به نبيه**" [۱] اس باب میں ان کرامتوں کا بیان ہے جن سے اللہ

(۱) اس باب کے تحت انھوں نے مالک الدار کی حدیث روایت کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مالک الدار کی حدیث صحیح ومعتبر ہے۔

عزوجل نے اپنے نبی کو سرفراز فرمایا۔(سنن دارمی)

(۲۸) حافظ سخاوی: ''اور ہمارے وسیلہ اور ہماری سند''، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للعراقی (۴۱۰/۴)

(۲۹) حافظ سلفی: معجم السفر میں آپ کا توسل مذکور ہے۔

(۳۰) حافظ سیوطی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے'' الإتقان (۵۰۲/۲)

(۳۱) حافظ طبرانی: سیر أعلام النبلاء (۴۰۰/۱۶) میں مذکور ہے کہ آپ نے رسول پاک ﷺ کے روضۂ اطہر پر جاکر آپ سے بھوک کی شکایت کی، اور وہاں توسل کیا، آپ نے نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ سے توسل کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔

(۳۲) حافظ عجلونی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''اور خیر الخلق سے میں توسل کرتا رہا''۔(کشف الخفاء (۵۵/۲)

(۳۳) حافظ علائی: توسل وزیارت کے موضوع پر ابن تیمیہ کے رد میں آپ نے ایک کتاب ہی تالیف فرمائی

(۳۴) حافظ قضاعی: ''لوگوں نے اللہ کے حضور آپ کو وسیلہ بنایا''۔(التکملة لکتاب الصلة (۲۸۱/۲)

(۳۵) محدث کلاباذی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''اور اللہ کے نبی سے میں توسل کرتا ہوں'' (التعرف لمذهب أهل التصوف (۲۱/۱)

(۳۶) حافظ کلاعی: صاحب کتاب مصباح الظلام في المستغيثين بخير الأنام في اليقظة والمنام کشف الظنون (۱۷۰۶/۲)

(۳۷) حافظ ابوالحسنات لکھنوی: آپ نے یوں توسل کیا: ''اپنے نبی سے توسل کرکے'' (الرفع والتکمیل في الجرح والتعدیل (ص ۲۷)

(۳۸) حافظ لالکائی: حمزہ ہاشمی نے ذکر کیا کہ: آپ بار بار اس کلام کے ذریعہ توسل فرماتے ''میں ان میں سے ہوں جن کی درازی عمر کے وسیلہ سے عمر نے استسقا کیا''۔

(۳۹) حافظ محاملی: آپ معروف کرخی کی قبر پر آتے۔(تاریخ بغداد (۱۲۳/۱)

(۴۰) حافظ مروذی: آپ امام احمد کے شاگرد ہیں، منسک امام احمد بن حنبل میں نبی پاک سے توسل کے باب میں آپ کا ذکر گزر چکا۔

(۴۱) حافظ مناوی: آپ نے ذکر فرمایا کہ: ابن تیمیہ تمام اہل اسلام کے درمیان آفت وعذاب ہے اس لیے کہ اس نے توسل واستغاثہ کا انکار کیا۔

(۴۲) حافظ منذری: آپ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام یہ ہے " **زوال الظلماء في ذكر من استغاث برسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من الشدة والعمى** " (اس رسالہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے سختی اور نابینائی کے سبب رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ وفریاد کیا تو ان کی پریشانی دور ہوئی) صاحب ہدیۃ العارفین نے اسے ذکر کیا (۵۸۶/۵)

(۴۳) حافظ ھیثمی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''محمد اور آپ کے وسیلہ سے''، مجمع الزوائد (۴۲۰/۹)

(۴۴) محدث عابد سندی: آپ کے ایک رسالہ کا نام ہے " **الرد على ابن تيمية في التوسل** ''.

(۴۵) حافظ عبدالحق اشبیلی: آپ کی کتاب **العاقبة في علم التذكير** میں ہے: ''اور ان کے جوار میں رہ کر، صالحین کی قبروں سے برکت حاصل کرے اور توسل کرے''۔ **فيض القدير للمناوي** (۲۳۰/۱)

(۴۶) حافظ عبدالغنی مقدسی: ہم ذکر کر چکے کہ ضیاء مقدسی نے ذکر کیا جب آپ کے شکم میں کوئی پھوڑا نکل آیا اور آپ کو کسی دوا سے شفا نہ ملی تو امام احمد بن حنبل کے خاک مزار کو اپنے شکم پر ملا اس کی برکت سے آپ شفایاب ہوئے اور آپ کے شکم کا پھوڑا جاتا رہا، اور ان سے توسل کی ایک دوسری روایت بھی ہے۔

(۴۷) حافظ محمد بن منکدر: اپنا رخسار نبی پاک ﷺ کی قبر پر رکھ کر فرماتے: ''میں روضۂ نبی سے استعانت کرتا ہوں''، ابن عساکر کی روایت کے حوالہ سے ماسبق میں آپ کا ذکر آ چکا، اور ذہبی نے ''سیر أعلام النبلاء'' میں اسے آپ کے مناقب سے شمار کیا۔

(۴۸) حافظ محمد بن موسیٰ تلمسانی: صاحب کتاب مصباح الظلام في المستغيثين بخير الأنام (كشف الظنون (۱۷۰۶/۲)

(۴۹) محدث محمد مرتضیٰ زبیدی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''ہمارے سردار محمد اور آپ کی آل کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(التجريد الصريح لأحاديث الجامع الصحيح ص(۹)

(۵۰) حافظ ابن ماکولا: آپ نے بعض صالح کی قبر کے متعلق فرمایا: ''آپ کی قبر سے برکت حاصل کی جاتی ہے، میں نے آپ کے مزار پاک کی زیارت کی ہے''۔الإكمال (۲٦۷/۱)

(۵۱) حافظ ابن نقطہ: بعض صالح نے ذکر کرتے ہوئے کہا: آپ کا مزار پاک قرافہ میں سرچشمہ فیض و برکت ہے۔(التقييد(۳۷۰/۱)

(۵۲) حافظ ذہبی: بعض صالح نے ذکر کرتے ہوئے کہا: آپ صاحب ورع وتقوی وحیا تھے، آپ کی قبر سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔(سیر اعلام النبلاء(۱۰۱/۱۸)

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! کیا یہ سارے فقہائے اسلام، ائمہ اعلام اور علمائے کرام کافر و مشرک ہیں؟

ائمہ اربعہ اعلام

۱۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ نے ایسی چیز ذکر فرمائی جوطعن سے پاک ہے،اور ابن تیمیہ کو بھی اس کی صحت کا اقرار ہے،وہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اپنے منسک میں یہ فرمایا کہ:استسقا میں نبی پاک ﷺ سے توسل کیا جائے۔

تمام علمائے حنابلہ باب الاستسقاء میں امام احمد بن حنبل کا یہ کلام ذکر کرتے ہیں۔

۲۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ:

باب توسل میں آپ سے مروی کوئی نص صریح میرے ذہن میں نہیں ہے،لیکن آپ سے یہ مروی ہے کہ یہ کہنا مکروہ ہے:''**وأسألک بمقاعدالعزمن عرشک**'' یعنی اے رب!میں تیرے عرش کے باعظمت منازل کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں'' مگر آپ نے امام ابویوسف کو نصیحت فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: ''قبروں،مشائخ عظام اور مقامات مقدسہ کی خوب زیارت کرو اور جولوگ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو بحالت نیند مسجد یا قبرستان میں دیکھنے کا دعوی کریں ان کی تصدیق کرو۔**الطبقات السنية في تراجم الحنفية**.

۳۔امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ:

ابوجعفر منصور اور سیدنا امام مالک کے درمیان مسجد نبوی شریف میں جو مباحثہ ہوا اس میں یہ ہے کہ امام مالک نے ابوجعفر منصور سے فرمایا:آپ حضور اقدس سے اپنا چہرہ کیوں پھیریئے گا جب کہ حضور اللہ تعالی کے حضور بروز حشر آپ،اور آپ کے باپ سیدنا آدم علیہ السلام کے بھی وسیلہ ہیں بلکہ سرکار ہی کی طرف رخ کر کے دعا کیجئے__ **كتاب الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ صلى الله تعالى عليه وسلم(۴۱/۲)**

اس مقام پر ابن تیمیہ کا یہ دعوی کرنا کہ یہ واقعہ باطل ہے یہ خود ہی باطل ہے جس کا ہم دندان شکن جواب دے چکے،اس کے اس دعوی کے بطلان کی روشن دلیل یہ ہے کہ اس کے پیدا ہونے تک امام مالک کے اصحاب

میں سے کسی شخص نے یہ نہ کہا کہ یہ واقعہ ضعیف ہے۔

ابن تیمیہ نے اس واقعہ کے راوی پر یہ تہمت لگائی کہ امام مالک کی طرف یہ جھوٹی نسبت ہے جب کہ سیدنا امام احمد ابن حنبل آپ کی اس لیے تعریف فرماتے کہ وہ سنت میں تصلب رکھتے، کاش ابن تیمیہ اس شخصیت کے بارے میں امام احمد بن حنبل کے ارشادات ملاحظہ کرتا.... خاص اور اہم بات یہ ہے کہ اس شخصیت کے وصال اور ابن تیمیہ کے انتقال کے درمیان تقریباً ۵۰۰ پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور یہ ایک نامعقول بات ہے کہ مالکیہ اس درجہ غبی اور جاہل تھے کہ انھوں نے یہ واقعہ ذکر کیا، اور کامل سکوت اختیار کیا، اور یہ حضرات آٹھویں صدی ہجری میں پیدا ہونے والے ابن تیمیہ کے سراپا منتظر تھے ایسا لگ رہا ہے کہ ابن تیمیہ امام مہدی ہے جن کا انتظار کیا جا رہا تھا، اب وہ آنے کے بعد ان سے یہ کہہ رہا ہے کہ یہ جھوٹا واقعہ ہے، ابن تیمیہ کے عاشق زاروں پر لازم ہے کہ اگر ان کے اندر ذرا بھی حیا ہے تو ابن تیمیہ سے پہلے کسی ایک عالم کا قول دکھا دیں جس نے یہ کہا ہو کہ یہ واقعہ ضعیف ہے؟ ان سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا۔

۴۔امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ نے فرمایا: ''میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور جب مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے دو رکعت نماز ادا کر کے آپ کے مزار اقدس پر حاضر ہوتا ہوں، اور وہاں اللہ تعالی سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں میری حاجت برآتی[1] ہے''۔ (تاریخ بغداد (۱۲۳/۱))

(۱) امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے کتاب مستطاب ''لواقح الأنوار في طبقات الأخيار'' میں حضرت سیدی محمد بن احمد فرغل رضی اللہ تعالی عنہ کے احوال شریفہ میں لکھا:

'' كان رضي الله تعالى عنه يقول أنا من المتصرفين قبورهم فمن كانت له حاجة فليأت إلى قبالة وجهي ويذكرها لي أقضها''

ترجمہ:۔''فرمایا کرتے تھے میں ان میں ہوں جو اپنی قبور میں تصرف فرماتے ہیں جسے کوئی حاجت ہو میرے پاس میرے چہرۂ مبارک کے سامنے حاضر ہو کر مجھ سے اپنی حاجت کہے میں روا فرمادوں گا''۔

(لواقح الانوار في طبقات الأخيار ۱۰۵/۲ مصطفى البابى مصر) (مترجم)

ابن تیمیہ نے اس واقعہ کے بارے میں طعن کیا، لیکن طعن کی وجہ نہ بتائی، انسان کچھ بھی دعوے کرسکتا ہے آخر ابن تیمیہ کی کیا دلیل ہے؟ پھر ابن تیمیہ سے سیکڑوں سال پہلے شافعیہ اور حنفیہ اس توسل کی رائے رکھتے تھے ان میں سے کسی نے اس توسل کا انکار نہ کیا بلکہ وہ لوگ اسے امام شافعی، اور امام ابوحنیفہ کے عمدہ مناقب سے شمار کرتے ہیں، بعض اہل بدعات امام ابوحنیفہ کو ''ابوجیفہ'' کہتے ہیں۔ والعیاذ باللّٰہ تعالی.

بعض توسل کرنے والے مشہور فقہا کے اسمائے گرامی کا بطور دلیل اجماعی ذکر، ان حضرات نے توسل کی کھلی ہوئی تصریح فرمائی

شافعیہ:

قاضی ماوردی، قاضی ابوالطیب ، ابوحامد غزالی، عزبن عبدالسلام، تقی الدین بن دقیق العید، محبّ طبری، ابن الرفعۃ، رافعی، قزوینی، تونوی، ابن الزملکانی، تقی الدین سبکی، بارزی، ابن الملقن، ابن قاضی شھبہ، عزبن جماعۃ، جلال قزوینی، تقی الدین حصنی، تفتازانی، شریف جرجانی، زکریا انصاری اور ابن حجر ھیتمی۔

مالکیہ:

قاضی عیاض، ابن ابوحمزہ، ابن عطاء اللہ سکندری، ابن الحاج، علامہ خلیل، ابن خطیب، ابوالحسن مالکی، ابن جزری، ابن عاشر مالکی، اور ابن میارہ مالکی۔

حنفیہ:

ابواسحاق خجندی کارونی، ابومنصور کرمانی حنفی، کمال ابن ھمام، ابن ابوالوفا قرشی حنفی، خرشی، ابن عابدین شامی، ابوالاخلاص شرنبلالی، ملاعلی قاری، عبدالغنی دہلوی، طحطاوی، اور محمد عمیم الاحسان مجددی۔

حنابلہ:

ابن عقیل، عبدالقادر جیلانی، ابن قدامہ مقدسی حنبلی، ابوعبداللہ سامری حنبلی، ابن مفلح حنبلی، بہوتی، شوکانی، اور صدیق حسن خاں۔[1]

(۱) اس نے فقہ کو جعل سازی اور مکاری اور فقہا و مقلدین کو مشرک و بدعتی و دغاباز لکھا ہے، جیسا کہ صفحہ ۳۵ و ۳۶ ترجمان وہابیہ مطبوعہ مفید عام آگرہ میں یہ عبارت موجود ہے کہ: ''سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبوں اور دغابازیوں کی علم فقہ ورائے ہے اور مہا جال ان سب خرابیوں کا فقہا اور مقلدین کی بول چال ہے اور ساری خرابی ڈالی ہوئی

ان ملاؤں کی ہے جو دام تقلید میں گرفتار ہیں اور نشۂ شرک و بدعت میں سرشار اور تمام عالم کا فساد اور ساری خرابیوں کی بنیاد گروہ مقلدین سے ہے'' اور اسی کتاب کے صفحہ ۹۲ میں لکھا ہے کہ: ''کثرت نوافل نماز و وظائف اور صدقات طعام وغیرہ واسطے ثواب رسانی اموات کے موافق طریقۂ ہنود کے ہے'' اور نصب الذريعه إلى تعديد علوم الشريعة مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۳۰۴ھ کے صفحہ ۸۸ میں لکھا ہے کہ: ''علم شرعی عبارت ہے تفسیر و حدیث و فقہ و سنت و فرائض سے رہی فقہ مصطلح سو یہ علوم دنیا سے ہے نہ علوم آخرت سے''۔ نیز رسالہ الأحتواء على مسائلة الإستواء میں لکھا ہے کہ: ''خدا عرش پر بیٹھا ہے اور عرش اس کا مکان ہے اور دونوں قدم اپنی کرسی پر رکھے ہیں اور کرسی اس کے قدم رکھنے کی جگہ ہے اور ذات خدا کی جہت فوق اور طرف علو میں ہے اور اس کو فوقیت جہت کی ہے نہ فوقیت رتبے کی اور وہ عرش پر رہتا ہے اور اترتا ہے ہر شب کو طرف آسمان دنیا کے اور اس کے لیے داہنا بایاں ہاتھ اور قدم اور ہتھیلی اور انگلیاں اور دو آنکھیں اور منھ اور پنڈلی وغیرہ سب چیزیں بلا کیف ثابت ہیں اور جو آیتیں اس بارے میں ہیں سب محکمات ہیں آیات متشابہات نہیں اور ان آیات و احادیث میں تاویل نہ کرنا چاہیے سب آیتیں اور حدیثیں اپنی ظاہر معنی پر محمول ہوں گی اور اسی ظاہر معنی پر عمل اور اعتقاد رکھنا چاہیے۔

(مترجم)

نبی ﷺ سے توسل کرنے والے بعض فقہا کے اسما کا ذکر حروف ابجد کی ترتیب کے لحاظ سے

۱۔ ابواسحاق خجندی کارونی (حنفی): آپ کا یہ شعر ہے:

”خافت النار إلٰها فانتحت تتشفع لائذة بالرسول“

التحفة اللطيفة (۸۳/۱)

۱۔ آگ کو خدائے واحد کا خوف ہوا تو اس نے کنارہ کش ہو کر رسول اقدس کی بارگاہ کی پناہ حاصل کی اور آپ کو اپنا شفیع بنایا۔

۲۔ ابوالاخلاص شرنبلالی (حنفی): آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ”ہم آپ دونوں کے پاس اس لیے آئے تاکہ اپنے سردار اللہ کے رسول کے حضور آپ دونوں کو وسیلہ بنائیں“۔ (نور الإیضاح (۱۵۶/۱)

۳۔ ابوالحسن مالکی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ”محمد اور آپ کی آل واصحاب کے وسیلہ سے“۔ (کفایة الطالب (۶۷۸/۲)

۴۔ ابوحامد غزالی (شافعی): آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ”اور ہم تیرے نبی کی بارگاہ میں آئے انہیں اور ان کے اس حق کو وسیلہ و شفیع بنا کر جو تیرے ذمۂ کرم پر ہے۔ (إحیاء علوم الدین (۲۶۰/۱)

۵۔ ابوعبداللہ سامری حنبلی: آپ کا ذکر ان لوگوں میں کیا گیا جو یہ کہتے ہیں کہ زیارت کرنے والا زیارت کے وقت رسول اللہ ﷺ سے عرض کرے: ”یامحمد إني أتوجه بک إلی ربي“ اے محمد! ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔

۶۔ ابومنصور کرمانی حنفی: آپ نے ادب الزیارة میں کہا: انسان رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر یوں عرض کرے: اے اللہ کے رسول! فلاں اور فلاں آپ کی شفاعت کے طالب ہیں۔ (المکتوبات (ص ۳)

۷۔ ابن ابوالوفاء قرشی حنفی: آپ نے بایں طورتوسل فرمایا:''رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔طبقات الحنفية(۳۵۴/۱)

۸۔ ابن ابوحمزہ: آپ نے انبیائے کرام کی زیارت کا ذکر کیا، پھراپنی حاجتوں کی تحصیل، اوراپنے گناہوں کی بخشش کی خاطر اللہ تعالی کے حضوران حضرات انبیائے کرام کووسیلہ بنایا۔(مختصر بخاری)

۹۔ ابن الحاج (مالکی): آپ نے توسل کاقول فرمایا۔الشواھد(ص۸۵)

۱۰۔ ابن الخطیب: آپ نے یہ فرما کرتوسل کیا:''اورجس نے محمد کواللہ تعالی کی بارگاہ میں وسیلہ بنایااسے نجات ملی اورنفع حاصل ہوا''۔(وسيلةالإسلام(۳۱/۱)

۱۱۔ ابن الرفعہ (شافعی): آپ نے ابن تیمیہ کاردفرمایا،اورتوسل وزیارت کے مسئلہ میں اس سے مناظرہ فرمایا،اوراس کے قید ہونے کاایک سبب بنے۔

۱۲۔ ابن زملکانی (شافعی): آپ نے اس قول کے ذریعہ توسل فرمایا:''اے جاہ ومرتبہ والے''۔(شواھد الحق (ص۳۸۳)

۱۳۔ ابن الملقن (شافعی): آپ کےتوسل کا کلام یہ ہے:''محمداورآپ کی آل کے وسیلہ سے''۔(خلاصة البدر المنير (۵/۱)

۱۴۔ ابن جزی: آپ کے الفاظ توسل یہ ہیں:''آپ کوشفیع بنایاجائے۔(القوانين الفقهية(۹۵/۱)

۱۵۔ ابن حجرھیتمی (شافعی): آپ نے اپنے حاشیہ''الایضاح''اوراپنی کتاب " الجوهر المنظم في زيارة القبرالشريف النبوي المكرم'' میں توسل کاقول فرمایا۔

۱۶۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفی کے توسل کے کلمات یہ ہیں:''سیدالانبیاء والمرسلین کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ حاشیۃ ابن عابدین شامی (۵۱۱/۸)

۱۷۔ ابن عاشر مالکی: آپ کےتوسل کے الفاظ یہ ہیں:''سیدالانام کے مرتبہ کےوسیلہ سے''۔(المرشد المعين على الضروري من علوم الدين(۳۰۰/۲)

۱۸۔ ابن عجیبہ حسنی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''ہمارے نبی مصطفیٰ کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(إیقاظ الهمم شرح الحکم (ص۴)

۱۹۔ ابن عطاء اللہ سکندری: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''محمد کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(لطائف المنن (ص۱۱،۱۲)

۲۰۔ ابن عقیل (حنبلی): آپ نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کے وقت یہ عرض کرتے تھے: ''یامحمد إني أتوجه بک إلی ربي'' اے محمد میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔(التذکرة ص۸۷) مکتبہ ظاہریہ دمشق

۲۱۔ ابن علان: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''تیرے نبی سید المرسلین کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(شرح الأذکار (۲/۲۹)

۲۲۔ ابن قاضی شھبہ (شافعی): احمد بن علی ہمدانی کے حالات کے تحت کہا: آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہے''۔(طبقات الشافعیة (۲/۱۵۵)

۲۳۔ ابن قدامہ مقدسی حنبلی: آپ نے کہا: ''اور روضۂ رسول کی زیارت مستحب ہے'' پھر عتبی کا واقعہ ذکر کیا۔(المغنی (۳/۲۹۸)

۲۴۔ ابن مفلح حنبلی: آپ نے عتبی کا واقعہ ذکر کرکے اسے برقرار رکھا۔ (المبدع (۳/۲۵۹)

۲۵۔ ابن میارہ مالکی: آپ نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''اے اللہ! ہم تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں''۔(الدر الثمین والمورد المعین (۲/۳۰۲)

۲۶۔ امام قشیری۔

۲۷۔ البارزی: آپ کی کتاب توثیق عری الایمان ہے (اس کے تیسرے باب کا عنوان یہ ہے: '' إغاثته صلی الله تعالی علیه وسلم لمن استغاث به'' یعنی حضور اقدس ﷺ کا اس شخص کی مدد فرمانا جو آپ سے فریاد کرے۔

۲۸۔ البجیرمی (شافعی): آپ نے فرمایا: اس کے باوجود کہ آپ اپنی حیات ووصال میں سب سے بڑے وسیلہ ہیں'' (حاشية البجيرمي)

۲۹۔ بہوتی (حنبلی): عتبی کا واقعہ ذکر کرکے اسے برقرار رکھا۔ کشف القناع (۵۱۶/۲)

۳۰۔ جاوی: انھوں نے اس طرح توسل کیا: ''نبی مختار کے مرتبہ کے وسیلہ سے'' ۔نهاية الزين (۷۷/۱)

۳۱۔ میر سید شریف جرجانی: آپ نے اپنے حاشیۂ مطالع کے شروعات میں توسل کا قول فرمایا۔

۳۲۔ رافعی قزوینی (شافعی): آپ نے اس طرح توسل کیا ''اس ذات پاک کی شفاعت کو وسیلہ بنا کر جن کی شان رفعت ومحبوبیت کے لیے یوم الجزاء ہے''۔ (التدوين في أخبار قزوين (۷۶/۲)

۳۳۔ الخطاب: آپ نے فرمایا: ''ہمیں وسیلہ کے سوال کرنے کا حکم دیا گیا''۔مواهب الجليل (۵۴۵/۲)

۳۴۔ خرشی: آپ نے توسل کی اجازت دی، اور اللہ عزوجل پر نبی پاک ﷺ کی قسم کھانا خاص فرمایا۔(شرح الكبير على متن خليل (الجزء الثالث)

۳۵۔ رملی (شافعی): آپ نے اس طرح عرض توسل کیا: ''اور اللہ کے نبی کو وسیلہ بناتا ہوں''۔(شرح زيدبن رسلان)

۳۶۔ زرقانی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''افضل الانام کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(شرح الزرقاني (۲۹۷/۲)

۳۷۔ زینی مراغی۔: آپ نے ابن تیمیہ کا شدید رد کیا، اور اس کو مبتدع کہا۔

۳۸۔ سمہودی: آپ نے نبی پاک ﷺ، آپ کے مرتبہ، اور آپ کی برکت کو وسیلہ وشفیع بنایا۔(خلاصة الوفا (۴۱۹/۲)

۳۹۔ سید بکری (شافعی): آپ نے اس طرح توسل کیا: ''ہمارے سردار محمد کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(إعانة الطالبين (۳۴۴/۴)

۴۰۔ شربینی (شافعی): آپ نے فرمایا: ''اور آپ کو اپنے حق میں وسیلہ بنایا جائے''۔(الاتناع للشربيني

(۲۵۸/۱)

۴۱۔ شروانی (شافعی): آپ نے اس طرح توسل کیا: ''محمد سید الانام کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(حواشي الشرواني (۳۸۶/۲)

۴۲۔ شہاب خفاجی: نبی ﷺ کی زیارت اور فضیلت کا بیان۔ نسيم الرياض شرح الشفا للقاضی عیاض

۴۳۔ شوکانی: اس نے اس طرح توسل کیا: ''مصطفیٰ کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ البدر الطالع (۴۲۲/۱)

۴۴۔ طحطاوی (حنفی): آپ نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''ہمارے سردار محمد کے مرتبہ کے وسیلہ سے'' (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح (۳۵۷/۱)

۴۵۔ عزبن جماعۃ (شافعی)۔

۴۶۔ عزبن عبدالسلام: آپ نے نبی پاک سے توسل کو جائز کہا اگر حدیث صحیح ہے، اور ابن تیمیہ کے اقرار کے مطابق حدیث صحیح ہے۔(تحفة الأحوذی (۲۵/۱۰)

۴۷۔ علامہ خلیل (مالکی): آپ نے اس طرح توسل کا حکم دیا: ''اور حضور اقدس ﷺ کو وسیلہ بنایا جائے''، زرقانی نے اپنی شرح المواهب اللدنية میں اسے ذکر کیا۔

۴۸۔ غزی: انھوں نے اس طرح توسل کیا: ''سید المرسلین کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(فتح القريب في شرح ألفاظ التقريب (ص ۱۷)

۴۹۔ قاضی ابوالطیب (شافعی): آپ نے عتبی کا قصہ ذکر کر کے اسے برقرار رکھا۔(المجمع شرح المهذب (۲۵۶/۸)

۵۰۔ قاضی تاج الدین ابن بنت الاعز (شافعی): آپ ابن تیمیہ کے رد کرنے والوں میں سے ہیں۔

۵۱۔ قاضی عیاض (مالکی): ابو جعفر منصور کے ساتھ امام مالک کا واقعہ ذکر کیا، اور اسے برقرار رکھا۔(الشفاء في تعريف حقوق المصطفیٰ ﷺ)

۵۲۔ علامہ قسطلانی: آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالی سے آپ کے مرتبہ کے وسیلہ سے سوال کیا جائے'' (المواهب اللدنية (۳۰۸/۸)

۵۳۔ قونوی: آپ ابن تیمیہ کے قید مسلسل کا ایک سبب تھے اس وجہ سے کہ آپ توسل کے قائل تھے۔ (الدرر الكامنة)

۵۴۔ کمال ابن ہمام (حنفی): آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''تیرے نبی کی بارگاہ کے وسیلہ سے'' (شرح فتح القدير (۱۸۱/۳)

۵۵۔ ماوردی (شافعی): آپ نے عتبی کا واقعہ ذکر کر کے اسے برقرار رکھا جیسا کہ ابوطیب نے اسے برقرار رکھا۔ (المجموع شرح المهذب (۲۵۶/۸)

۵۶۔ محبّ طبری: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل واصحاب کے وسیلہ سے'' (ذخائر العقبى في مناقب ذوي القربى (۲۶۱/۱)

۵۷۔ یافعی: آپ نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''اور اس کے رسول کے وسیلہ سے''۔ مراۃ الجنان (۳۶۲/۴)

۵۸۔ تقی الدین ابوالفتح: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''اور نبی مصطفیٰ کے وسیلہ سے اس کی طرف راغب ہو'' (طبقات الشافعيةالكبرى (۱۸۱/۹)

۵۹۔ تقی الدین حصنی (شافعی): توسل وزیارت کے موضوع پر ابن تیمیہ کے مبتدع قرار دینے کے سلسلے میں آپ کی ایک گراں قدر کتاب ہے۔

۶۰۔ تقی الدین سبکی (شافعی): توسل کے مسئلہ میں ابن تیمیہ کے رد میں آپ کی ایک اہم کتاب ہے۔

۶۱۔ تقی الدین ابن دقیق العید (شافعی) آپ نے اس طرح توسل کیا: ''میں اس کے لیے نبی شفیع مشفع کے مرتبہ کو وسیلہ بناتا ہوں''۔ (طبقات الشافعية الكبرى (۲۲۱/۹)

۶۲۔ زکریا انصاری (شافعی): آپ نے فرمایا: ''اپنے حق میں آپ کو وسیلہ بنایا جائے، اور اپنے رب کے حضور آپ کو شفیع لایا جائے''۔ (فتح الوهاب (۲۵۷/۱)

۶۳۔ علامہ سعد الدین تفتازانی: آپ نے کہا: ''اوراسی لیے قبروں کی زیارت اور نیک مردوں کی استعانت سے نفع اٹھایا جاتا ہے''۔(شرح مقاصد(۴۳/۲)

۶۴۔ صدیق حسن خاں: اس نے اس طرح توسل کیا ''خیر البریۃ کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(**ابجد العلوم** (۲۸۰/۳)

۶۵۔ صفی الدین بن منصور۔

۶۶۔ عبدالغنی دہلوی (حنفی): آپ نے توسل کے مسئلہ میں ابن تیمیہ کا جم کر رد کیا۔

۶۷۔ سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (حنبلی): آپ کی کتاب ''غنیۃ'' میں ہے: ''**یارسول الله إني أتوجه بک إلى ربي ليغفرلي**'' (اے اللہ کے رسول میں اپنی بخشش کے لیے آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کے حضور متوجہ ہوا) بحوالہ شواہد الحق ص ۹۸۔ از علامہ نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۶۸۔ عبدالوہاب سبکی (شافعی): آپ نے توسل کے مسئلہ میں ابن تیمیہ کے رد میں ایک وقیع کتاب تحریر فرمائی۔

۶۹۔ عماد الدین بن عطار (نووی کے تلمیذ رحمہما اللہ تعالیٰ) (شافعی): آپ نے فرمایا: ''اور ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ وسیلہ طلب کروں، اور آپ کے مرتبہ کے وسیلہ سے سوال کروں''۔(**مواهب الجليل** (۵۴۵،۵۴۴/۲)

۷۰۔ محمد عمیم احسان مجددی برکتی: ''ہمارے سردار محمد کی حرمت کے وسیلہ سے''۔(**قواعد الفقه** (۲۵۶/۱)

۷۱۔ ملا علی قاری (حنفی): آپ نے فرمایا: خشک سالی کے وقت حضور اقدس ﷺ کی شفاعت طلب کی جائے۔ مرقاۃ المفاتیح (۱۶۷۶/۳) اور آپ نے ابن تیمیہ کو مسئلہ توسل کے انکار کے سبب مبتدع قرار دیا۔

۷۲۔ ابومنصور صباغ: آپ نے توسل کا قول کیا، اور اپنی کتاب ''الشامل'' میں عتبی کے واقعہ سے استشہاد کیا۔

۷۳۔ قرافی: آپ نے توسل کا قول کیا، اور عتبی کا واقعہ برقرار رکھا۔ ذخیرہ (۳۷۶،۳۷۵/۳)

۷۴۔ سہیلی: آپ نے کہا کہ عمر نے اللہ پر عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسم کھائی۔ **الروض الأنف** (۲۰۸/۱)

۷۵۔ ابن نجیم حنفی: آپ نے رحمت و برکت کی تحصیل کے لیے صالحین کی قبروں کی زیارت کی رخصت دی (**البحر الرائق شرح كنز الدقائق**)

۷۶۔ علامہ بیضاوی: آپ نے فرمایا: تبرک کے لیے صالحین کی قبروں کے قرب وجوار میں مسجد بنانے کی رخصت ہے۔ (**فتح الباری** (۲۲۶/۱)

۷۷۔ ابن عماد حنبلی: آپ نے سید احمد بخاری شریف کے حالات میں فرمایا: ''اور آپ کی قبر زیارت گاہ، اور سرچشمۂ فیض و برکت ہے''۔ (**شذرات الذهب** (۱۵۴/۱۰)

۷۸۔ فخر تبریزی: جب آپ کو مشکل مسائل پیش آتے، اپنے شیخ تاج تبریزی کی قبر پر حاضر ہوتے اور وہاں ان مسائل میں غور وفکر فرماتے تو وہ مسائل بہت جلد روشن ہو جاتے۔ (**فيض القدير للمناوي** (۴۸۷/۵)

۷۹۔ احمد دردیر: آپ نے توسل کا قول کیا اور خاتمۃ الکتاب میں بھی آپ کا قول مذکور ہے۔ (**أقرب المسالك** (۵۵۹/٦)

۸۰۔ ابراہیم لقانی (صاحب **جوهرة التوحيد**): آپ نے فرمایا: سختیوں کے وقت حضور اقدس ﷺ کے توسل کی طرح کوئی چیز نفع بخش اور کارآمد نہیں''۔ (**خلاصة الأثر للمحبي** (۸/۱)

۸۱۔ احمد زروق (مالکی): آپ نے توسل واستغاثہ کے مسائل کے انکار میں ابن تیمیہ کا رد فرمایا، اور آپ کی شرح حزب البحر کے مقدمہ میں بھی مذکور ہے۔ (**شواهد الحق** (ص ۴۵۲)

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! مجھے بتاؤ کیا یہ تمام مفسرین کرام کافر ومشرک ہیں؟

۱۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم: آپ نے وہ حدیث روایت کی جس میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے لغزش کے وقت نبی پاک ﷺ کو وسیلہ بنایا، کتاب میں اس کا ذکر گزر چکا۔

۲۔ ثعالبی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''سراپا رحمت (ﷺ) کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ (تفسیر ثعالبی ۴۵۸/۴)

۳۔ قرطبی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''محمد اور آپ کی آل کے حق کے وسیلہ سے''۔ (تفسیر قرطبی ۲۴۰/۸)

۴۔ نسفی: آپ نے (آیت کریمہ ''وابتغوا إليه الوسيلة'' کی تفسیر میں) عتبی کے واقعہ سے توسل کا اثبات فرمایا۔

۵۔ آلوسی: آپ نے اس طرح توسل کیا ''سید الثقلین کی حرمت کے وسیلہ سے''۔ (روح المعانی ۸۲/۱)

۶۔ رازی: آپ نے قبروں کی زیارت کو برقرار رکھا اور اس کے فائدہ کی تفسیر بیان فرمائی۔ ''**المطالب العالية عن سر زيارة القبور**'' میں فرمایا: ''اور میت کے نفس میں جب بھی روشن علوم حاصل ہوتے ہیں تو ان کا نورانی عکس اس زندہ زیارت کرنے والے کی روح پر پڑتا ہے''۔ (**فيض القدير للمناوي** ۴۸۷/۵)

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! کیا توسل کرنے والے قرآن کے تمام علمائے لغت کافر ومشرک ہیں؟

اصحاب معاجم، اور علمائے لغت میں سے بعض حضرات یہ ہیں:

(۱) ابن منظور: صاحب کتاب لسان العرب (۷۸/۱۱)، نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''

(۲) فیروزآبادی: صاحب کتاب **القاموس المحیط**، آپ نے اپنی کتاب ''**الصلات والبشر في الصلاۃ علی خیر البشر**'' میں توسل کا قول فرمایا۔

(۳) فیومی: صاحب کتاب ''**المصباح المنیر**'' (ص۷۱۲)، نے اس طرح توسل کیا ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''۔

(۴) ھورینی: صاحب کتاب اصطلاحات القاموس علی کتاب ترتیب القاموس المحیط (ص:۲۷) آپ کے توسل کے یہ الفاظ ہیں: ''نبی کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔

(۵) اصفہانی: صاحب کتاب **الأغاني** (۳۷۵/۱۰)، نے اس طرح توسل فرمایا: ''اللہ اور اپنے رسول کے حق کا واسطہ و وسیلہ دے کر آپ سے سوال کر رہے ہیں۔

(۶) ابشیھی: صاحب کتاب'' **المستطرف في کل فن مستطرف**'' (۵۰۸/۲)، نے اس طرح توسل کیا: ''محمد کے حق کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں''

(۷) ابن حجہ حموی: صاحب کتاب خزانۃ الادب'' (۲۷۷/۱)، نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''

(۸) قلقشندی: صاحب کتاب '' **صبح الأعشی في صناعة الإنشاء**'' (۳۰۲/۱۱)، نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''۔

(۹) نابغہ جعدی: ابن عبدالبر نے ان کا ایک شعر روایت کیا جو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس سے استغاثہ کے متعلق ہے۔

(۱۰) مقری تلمسانی: صاحب کتاب نفح الطیب (۱/۳۲)، نے اس طرح توسل کیا: ''ہمارے نبی کے مرتبہ کے وسیلہ سے''

(۱۱) بوصیری شرف الدین صاحب قصیدہ بردہ شریف۔

(۱۲) صرصری: علامہ نبہانی کی کتاب ''شواہدالحق'' میں توسل واستغاثہ کے باب میں آپ کے یہ اشعار مذکور ہیں۔(ص:۳۶۰).....مثلا

وسل اللّٰہ عندہ وتوسل فبذاک الضریح تمحی الذنوب

اورآپ کی بارگاہ میں آپ کووسیلہ بناکراللہ سے مانگواس لیے کہ اس تربت اطہر کی برکت سے گنہگاروں کے گناہ مٹادیے جاتے ہیں۔

ابن تیمیہ کے ریزہ خوارو! کیا نبی رحمت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت میں توسل کرنے والے یہ تمام مورخین علما کافر ومشرک ہیں؟

(۱) ابن خلکان: آپ کے توسل کے کلمات یہ ہیں'' محمد نبی اورآپ کے اصحاب وآل کے وسیلہ سے''۔(وفیات الاعیان(۶/۱۳۲)

(۲) ابن الاثیر نے اس طرح توسل کیا:''محمداورآپ کی آل کے وسیلہ سے''۔(الکامل(۱/۴۳۳)

(۳) طاشکبری زادہ: آپ نے اس طرح توسل کیا:''تیرے نبی کی حرمت کے وسیلہ سے''۔(الشقائق النعمانیة (۱/۲۳۳)

(۴) یاقوت حموی: آپ نے یہ کہہ کرتوسل کیا:''اورمحمداورآپ کی آل کے حق کے وسیلہ سے''۔(معجم البلدان(۵/۸۷)

(۵) ابن تغر یدی: آپ نے محمد(ﷺ)اورآپ کی آل سے توسل کیا۔ النجوم الظاهرة(۱۱/۱۰۳)

(۶) عیدروس: آپ نے یہ کہہ کرتوسل کیا:''بے شک میں مصطفٰے کووسیلہ بناتاہوں''۔النورالسافر(۱/۱۵)

(۷) ابن العدیم: نے اس طرح توسل کیا:''سیدالمرسلین (ﷺ)،اورآپ کے اہل بیت کی برکت کے وسیلہ سے''۔ (بغیة الطلب في تاريخ حلب (۷/۳۲۴۲)

(۸) بصروی نے اس طرح توسل کیا:''محمداورآپ کے اصحاب کے وسیلہ سے''۔تاریخ بصری(۱/۱۵۷)

(۹) ابن جبیر نے اس طرح توسل کیا:''نبی کریم اورآپ کے شہرمکرم کی حرمت کے وسیلہ سے''۔(رحلۃ ابن جبیر(۱/۹۸)

(۱۰) ناصرخسرو نے اس طرح توسل کیا:'' محمداورآپ کی پاکیزہ آل کے حق کے وسیلہ سے''۔(سفرنامہ (۱/۶۰)

(۱۱) نظام الملک طوسی: نے اس طرح توسل کیا:''محمداورآپ کی آل کے وسیلہ سے''۔(سیاست نامہ(۱/۴۴)

(۱۲) بریھی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے قبول فرما''۔(طبقات صلحاء اليمن (۲۴۸/۱)

(۱۳) جبرتی نے اس طرح توسل کیا: ''اور اس امر میں اللہ کی طرف محمد ﷺ کو وسیلہ لایا جائے''۔(عجائب الآثار (۳۴۴/۱)

(۱۴) واقدی نے اس طرح توسل کیا: ''میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، اور محمد (ﷺ) کو اس کی بارگاہ میں وسیلہ لاتا ہوں''۔(فتوح الشام (۹۱/۲)

(۱۵) ابوالعباس ناصری نے اس طرح توسل کیا: ''آپ کے جد (کریم) رسول پاک کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(كتاب الاستقصاء لأخبار دول المغرب الأقصى (۲۹/۳)

(۱۶) عبدالرحمٰن بن خلدون: صاحب ''التاریخ المشہور'' نے اپنے شعر میں کہا: ''آپ کے مرتبہ کی فضیلت کے وسیلہ سے''۔

(۱۷) صالحی شامی نے اپنی کتاب ''سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد'' میں حضور اقدس ﷺ سے توسل کے تمام ابواب جمع فرما دیے۔

(۱۸) حاجی حنفیہ نے اس طرح توسل کیا: ''اللہ کی وحی کے امین کی حرمت کا وسیلہ و واسطہ''۔(کشف الظنون (۲۰۵۶/۲)

(۱۹) مرادی نے اس طرح توسل کیا: ''اے اللہ نبی ﷺ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا کر تیری طرف متوجہ ہوا کیوں کہ وہی عظیم ترین وسیلہ ہیں''۔(سلك الدرر في أعيان القرن الثاني عشر (۲/۱)

المستطرف في كل فن مستظرف (۴۹۱/۱-۴۹۳) میں ابشیھی کے مذکورہ کلام پر ہم اس باب کو ختم کر رہے ہیں آپ نے فرمایا: ''جب میں حج و زیارت کے لیے گیا تو آپ کی بارگاہ پر عظمت میں طفلانہ کلام عرض کیا، اور آپ کی نعت میں طویل اشعار کہے اور برہنہ سر اشک بار آنکھوں سے صندوق شریف کے مقابل حجرہ شریفہ کے اندر آپ کے سامنے انہیں پیش کیے وہ نعتیہ اشعار یہ ہیں:

يا سيد السادات جئتك قاصدا أرجو رضاك وأحتمي بحماكا
والله ياخير الخلائق إن لي قلبا مشوقا لا يروم سواكا
وحق جاهك إنني بك مغرم والله يعلم إنني أهواك
أنت الذي لولاك ماخلق امرؤ كلا ولا خلق الورى لولاكا
أنت الذي من نورك البدر اكتسى والشمس مشرقة بنور بهاكا
أنت الذي لمارفعت إلى السما بك قد سمت وتزينت لسراكا
أنت الذي ناداك ربك مرحبا ولقد دعاك لقربه وحباكا
أنت الذي فينا سألت شفاعة ناداك ربك لم يكن لسواكا
أنت الذي لماتوسل آدم من ذنبه بك فاز وهو أباك
وبك الخليل دعا فعادت ناره بردا وقد خمدت بنور سناكا
ودعاك أيوب لضر مسه فأزيل عنه الضر حين دعاكا
وبك المسيح أتي بشيرا مخبرا بصفات حسنك مادحا لعلاكا
وكذاك موسى لم يزل متوسلا بك في القيامة مرتج لنداكا
والأنبياء وكل خلق في الورى والرسل والأملاك تحت لواكا
لك معجزات أعجزت كل الورى وفضائل جلت فليس تحاكى
نطق الذراع بسمة لك معلنا والضب قد لباك حين أتاك
والذئب جاءك والغزالة قد أتت بك تستجير وتحتمي بحماكا
وكذا الوحوش أتت إليك وسلمت وشكا البعير إليك حين رآكا
ودعوت أشجارا أتتك مطيعة وسعت إليك مجيبة لنداكا
والماء فاض براحتيك وسبحت صم الحصى بالفضل في يمناكا

وعليك ظلت الغمامة في الورى والجذع حن إلى كريم لقاكا
وكذاك لا اثر لمشيك في الثرى والصخر قد غاصت به قدماكا
وشفيت ذا العاهات من أمراضه وملأت كل الأرض من جدواكا
ورددت عين قتادة بعد العمى وابن الحصين شفيته بشفاكا
وكذا حبيب وابن عفرا عندما جرحا شفيتهما بلمس يداكا
وعلي من رمد به داويته في خيبر فشفي بطيب لماكا
وسألت ربك في ابن جابر بعدما قد مات أحياه وقد أرضاكا
ومسست شاة لأم معبد بعدما نشفت فدرت من شفا رقياكا
ودعوت عام المحل ربك معلنا فانهل قطر السحب عند دعاكا
ودعوت كل الخلق فانقادوا إلى دعواك طوعا سامعين نداكا
وخفضت دين الكفر يا علم الهدى ورفعت دينك فاستقام هناكا
أعداك عادوا في القليب بجهلهم صرعى وقد حرموا الرضا بجفاكا
في يوم بدر قد أتتك ملائك من عند ربك قاتلت أعداكا
والفتح جاءك يوم فتحك مكة والنصر في الأحزاب قد وافاكا
هود ويونس من بهاك تجملا وجمال يوسف من ضياء سناكا
قد فقت يا طٰهٰ جميع الأنبياء نورا فسبحان الذي سواكا
واللّٰه يا ياسين مثلك لم يكن في العالمين وحق من نباكا
عن وصفك الشعراء يا مدثر عجزوا وكلوا عن صفات علاكا
إنجيل عيسى قد أتى بك مخبرا وأتى الكتاب لنا بمدح حلاكا
ماذا يقول المادحون وما عسى أن يجمع الكتاب من معناكا

واللّٰہ لو إن البحار مدادهم	والعشب أقلام جعلن لذاكا
لم تقدر الثقلان تجمع ذره	أبدا وما استطاعوا له إدراكا
لي فيک قلب مغرم يا سيدي	وحشاشة محشوة بهواكا
فإذا سكت ففيک صمتي كله	وإذا نطقت فمادح علياكا
وإذا سمعت فعنک قولا طيبا	وإذا نظرت فلا أرى إلاكا
يا مالكي كن شافعي من فاقتي	إني فقير في الورى لغناكا
ياأكرم الثقلين يا كنز الورى	جد لي بجودک وارضني برضاكا
أنا طامع في الجواد منک ولم يكن	لابن الخطيب من الأنام سواكا
فعساک تشفع فيه عند حسابه	فلقد غدا مستمسكا بعراكا
ولأنت أكرم شافع ومشفع	ومن التجا لحماک نال وفاكا
فاجعل قراي شفاعة لي في غد	فعسى أرى في الحشر تحت لواكا
صلى عليک اللّٰہ يا خير الورى	ما حن مشتاق إلى مثواكا
وعلى صحابتک الكرام جميعهم	والتابعين وكل من والاک

ترجمہ:

(۱) اے تمام سرداروں کے سردار! میں آپ کی خدمت میں آپ کا قصد کرکے آیا ہوں۔ مجھے آپ کی رضا کی امید وابستہ ہے اور مجھے آپ کے حریم ناز میں پناہ ملے گی۔

(۲) اے تمام مخلوقات میں افضل! خدا کی قسم میرا دل آپ کا مشتاق ہے، آپ کے سوا میرا کوئی مقصود نہیں۔

(۳) اور آپ کے مقام ومرتبہ کے حق کی قسم میں آپ کا عاشق وگرویدہ ہوں، اور اللہ خوب جانتا ہے۔ کہ مجھے آپ سے عشق ومحبت اور شوق ووارفتگی ہے۔

(۴) آپ کی ذات وہ ہے کہ اگر آپ جلوہ گر نہ ہوتے تو کوئی انسان پیدا نہ ہوتا یقیناً اگر آپ ضوفگن نہ ہوتے

تو مخلوق کا وجود نہ[1] ہوتا۔

(۵) آپ وہ نور تاباں ہیں کہ بدر کامل نے جن کے نور کا لبادہ اوڑھا اور خورشید فلک جن کے نور جمال سے فروزاں ہے۔

(۶) آپ وہ بلند ذات ہیں کہ جب آسمان پر جلوہ نشیں ہوئے تو آسمان کو آپ کی بدولت بلندی، اور آپ کے سیر آسمانی کے سبب زینت حاصل ہوئی۔

(۷) آپ وہ مبارک ومحبوب ذات ہیں جسے آپ کے رب نے مرحبا کہہ کر اپنے قرب خاص میں بلایا، اور خاص کمالات سے نوازا۔

(۸) آپ وہ غمگسار امت ہیں جنھوں نے رب تعالی سے ہماری شفاعت کا سوال فرمایا تو آپ کو آپ کے رب نے ندا فرمائی کہ مقام شفاعت کبری آپ کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔

(۹) آپ ہی وہ عظیم وسیلہ ہیں جنھیں آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کے وقت وسیلہ بنایا تو کامیابیوں سے سرفراز ہوئے، حالاں کہ وہ آپ کے باپ ہیں۔

(۱۰) اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے آپ کے وسیلہ سے دعا کی تو ان پر آتش نمرود گلزار بن گئی، اور آپ کے نور ضوفشاں کے سبب بجھ گئی۔

(۱۱) اور حضرت ایوب علیہ السلام نے آپ کو اس تکلیف (بیماری) میں پکارا جو انہیں لاحق ہوئی، جب انھوں نے آپ کو پکارا اُن کی تکلیف (بیماری) دور ہوگئی۔

---

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی ، جان ہے تو جہان ہے
ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منی
لولاک والے صاحبی سب تیرے در کی ہے

(مترجم)

(۱۲) اور حضرت مسیح علیہ السلام آپ ہی کے اوصاف حسن کی بشارت وخوش خبری دیتے، اور آپ کے بلند مقام ومرتبہ کی تعریف کرتے ہوئے آتے۔

(۱۳) اور اسی طرح حضرت موسی بروز قیامت آپ کو وسیلہ بنائیں گے، اور آپ کی ندا کے وقت وہ پر امید ہوں گے۔

(۱۴) اور تمام انبیا، اور ساری خلقت، اور ملائکہ و رسل آپ کے لواء الحمد تلے ہوں گے۔

(۱۵) آپ کے ایسے روشن معجزات ہیں جن سے ساری خلقت عاجز ہے، اور آپ کے ایسے وافر فضائل ہیں جن کی کوئی مثال نہیں۔

(۱۶) دست بُزْ (بکری) آپ کی روشن آیت وعلامت کا اعلان کرتے ہوئے گویا ہوئی، اور گوہ نے آپ کے پاس آ کر آپ سے لبیک کہا۔

(۱۷) اور خوں خوار بھیڑیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ہرنی آپ سے فریاد کرنے اور آپ کی پناہ لینے آپ کے پاس آئی۔

(۱۸) اور اسی طرح وحشی جانور آپ کی خدمت میں آئے، اور سلام کیا، اور اونٹ نے آپ کو دیکھ کر آپ سے اپنے مالک کی شکایت کی۔

(۱۹) آپ نے درختوں کو بلایا تو وہ آپ کی اطاعت کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے، اور آپ کی ندا پر لبیک کہتے ہوئے آپ کے پاس دوڑے آئے۔

(۲۰) اور آپ کی بافیض ہتھیلیوں سے پانی کے چشمے رواں ہوئے، اور بے زبان کنکریوں نے آپ کے دست راست میں آپ کے فضائل بیان کیے۔

(۲۱) اور بادل تمام مخلوق کے درمیان آپ پر سایہ فگن ہوا، اور درخت کا تنہ (استن حنانہ) آپ کی پاکیزہ زیارت کا مشتاق ہوا۔

(۲۲) اور اسی طرح نمناک زمین پر آپ کے چلنے کا کوئی نشان نہ ہوتا اور سخت چٹان میں آپ کے کف پا کے

واضح نشان بن جاتے۔

(۲۳) آپ نے بیماروں کوان کی آفت و بیماری سے شفا بخشی، اور ساری روئے زمین کو اپنی بخشش وعطا سے مالا مال فرما دیا۔

(۲۴) اور قتادہ کی آنکھوں کی بینائی جانے کے بعد واپس فرما دی، اور ابن حصین کو اپنی خاص شفا بخشی۔

(۲۵) اوراسی طرح حبیب اور ابن عفرا کے زخمی ہونے کے وقت ان کے زخم پر دست شفا پھیر کر انہیں شفا بخشی۔

(۲۶) اور خیبر کے موقعہ پر علی کے آشوب چشم کا علاج فرمایا، اور اپنا پاکیزہ لعاب دہن لگا کر شفا بخشی۔

(۲۷) اور آپ نے جابر کے بیٹے کی موت کے بعد ان کے بارے میں اپنے رب سے سوال کیا تو رب قدیر نے اس مردہ بیٹے کو نئی زندگی بخشی، اور آپ کو راضی وخوش فرمایا۔

(۲۸) اور ام معبد کی بکری کا تھن خشک ہو جانے کے بعد اس پر اپنا دست فیض وشفا پھیرا تو آپ کی شفا بخش دعا کی برکت سے اس کے تھن نے وافر دودھ دیا۔

(۲۹) اور آپ نے قحط کے سال (عام المحل) اپنے رب سے علانیہ دعا فرمائی تو آپ کی دعا کے وقت بادل امنڈ پڑے اور موسلا دھار بارش ہوئی۔

(۳۰) اور آپ نے تمام مخلوق کو دعوت حق دی تو انھوں نے خوشی سے آپ کی دعوت پر لبیک کہا، اور آپ کا پیغام حق سنا۔

(۳۱) اے ہدایت کے پرچم! آپ نے دین کفر کو پست و پامال کر کے اپنا دین حق بلند فرمایا تو اسے استقامت حاصل ہوئی۔

(۳۲) آپ کے دشمن اپنی جہالت کے سبب ہلاکت خیز کنویں میں گرے، اور اپنی جفا کے سبب اللہ کی رضا سے محروم ونامراد رہے۔

(۳۳) بدر کے دن آپ کے رب کی بارگاہ سے رحمت کے فرشتے آپ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ کے

دشمن کافروں سے قتال کیا۔

(۳۴) اور فتح مکہ کے دن آپ کے پاس فتح وکامرانی آئی، اور غزوۂ احزاب (خندق) میں آپ کے پاس اللہ کی مدد آئی۔

(۳۵) حضرت ھود، اور یونس علیہما السلام آپ کے حسن و جمال سے پُر جمال ہوئے، اور جمال یوسف آپ کے نور جمال کا ایک حصہ ہے۔

(۳۶) اے طٰہٰ! (علیہ السلام) آپ کا نور تاباں سارے انبیا پر بلند وفائق ہے، تو پاک ہے وہ ذات پاک جس نے آپ کو درست وخوش قامت بنایا۔

(۳۷) خدا کی قسم اے یاسین! (علیہ السلام) سارے عالم میں آپ جیسا کوئی نہیں، اور حق ہے وہ ذات پاک جس نے آپ کو تاج نبوت سے سرفراز فرمایا۔

(۳۸) اے مدثر! (نعت گو) شعرا آپ کی نعت پاک سے عاجز ہیں، اور آپ کے بلند اوصاف کے احاطہ سے درماند(1)ہ ہیں۔

(۳۹) حضرت عیسیٰ کی انجیل آپ کی رسالت کی خبر دیتے ہوئے آئی، اور کتاب اللہ (قرآن) نے آپ کی ایسی مدح سرائی کی جس سے اللہ نے آپ کو مزین وآراستہ کیا۔

(۴۰) نعت گو شعرا آپکی نعت پاک میں کیا کہیں جب کہ اللہ کی روشن کتاب. آپ کے محاسن وکمالات کی جامع ہے۔

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

(مترجم)

(۴۱) خدا کی قسم اگر دنیا کے سارے سمندر خامہ نگاروں کی روشنائی ہو جائیں اور اس روشنائی کے لیے تمام درختوں کو قلم بنا دیا جائے۔

(۴۲) جب بھی جن وانس آپ کے محاسن و کمالات کا ایک ذرہ نہ جمع کر سکیں گے، اور نہ ان کا ادراک کر سکیں گے۔

(۴۳) اے میرے سردار! میرا دل آپ کا عاشق و وارفتہ' اور میرا جگر آپ کی محبت سے لبریز پرشار ہے۔

(۴۴) اگر میں خاموش رہوں تو میرا کامل سکوت آپ ہی کی خاطر ہوتا ہے، اور اگر لب کشا ہوتا ہوں تو وہ بھی آپ کے اعلی اوصاف بیان کرنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔

(۴۵) اگر میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا پاکیزہ کلام ہوتا ہے، اور اگر میں دیکھتا ہوں تو میری نظروں میں آپ کے سوا کوئی جلوہ نظر نہیں آتا۔

(۴۶) اے میرے مالک! آپ میرے فاقہ کے شفیع بن جائیں، میں مخلوق میں آپ کی دولت وغنا کا محتاج ہوں۔

(۴۷) اے جن وانس میں محترم! اے مخلوق کے سرمایہ وخزانہ! آپ مجھے اپنی سخاوت سے نوازیں، اور اپنی رضا سے شادکام فرمائیں۔

(۴۸) آپ ہی میرے منبع سخا اور چشمۂ عطا ہیں، اور خطیب کے بیٹے کا مخلوق میں آپ کے سوا کوئی (مرکز سخا) نہیں۔

(۴۹) آپ ہی سے اپنے حساب محشر کے وقت اپنی شفاعت کی امید ہے، اس لیے کہ اس ناتواں بندہ نے آپ ہی کی رسی کو (آپ کا دامن) مضبوطی سے تھاما ہے۔

(۵۰) آپ ہی محترم شفاعت کرنے والے، اور مقبول شفاعت ہیں، اور جس نے آپ کے حرم ناز کی پناہ حاصل کی اس نے آپ کی وفا کو پالیا۔

(۵۱) آپ کل قیامت کے دن میری ضیافت میری شفاعت فرمائیں، اس لیے کہ مجھے امید ہے کہ

بروز حشر آپ ہی کے لوا (لواء الحمد) تلے رہوں گا۔

(۵۲) اے خیرالوریٰ! آپ پر اللہ کی بے پایاں رحمت ہو، جب تک کوئی مشتاق شوق ومحبت آپ کے قصر بلند کا مشتاق زیارت رہے۔

(۵۳) اور آپ کے تمام معزز اصحاب وتابعین اور آپ کے محبین پر اللہ کی بے پایاں رحمت ہو۔

أقول (مترجم) :

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی **أطیب النغم في مدح سیدالعرب والعجم** میں لکھتے ہیں:

وصلی علیک اللہ یاخیر خلقہ ویاخیر ما مول ویا خیر واھب

ویاخیر من یرجي لکشف رزیة ومن جودہ قد فاق جود السحائب

وأنت مجیري من ھجوم ملمة إذا أنشبت في القلب شر المخالب

(**أطیب النغم في مدح سیدالعرب والعجم** فصل یازدہم مجتبائی دہلی ص۲۲) (مترجم)

(۱۷) صحابہ کرام نے توسل سے بھی سخت تر الفاظ کہے ہیں اس لیے کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ لیتے تھے۔ اور سیدہ عائشہ نے کہا: ''میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توجہ کرتی ہوں'' اور کہا: میں اللہ کے رسول کی پناہ لیتی ہوں''

تو کیا ام المومنین اور صحابہ نے کفر کیا؟

اگر ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کے ساتھ توسل کے کلمات میں تاویل کرے، تو اس کی کیا تاویل کرے گا کہ صحابہ نے نبی پاک ﷺ کی طرف توبہ کیا اور آپ کی پناہ لی؟ توبہ و استعاذہ کے بعض کلمات ملاحظہ فرمائیں:

(ا) رسول اللہ ﷺ کی پناہ لینا:

۱۔ امام مسلم نے ابو مسعود بدری سے تخریج کیا کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے تو غلام کہنے لگا: میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں، پھر وہ اسے مارنے لگے تو اس غلام نے کہنا شروع کیا: میں رسول اللہ ﷺ کی پناہ لیتا ہوں۔ تو ابو مسعود نے اسے مارنا بند کر دیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''واللّٰہ اللّٰہ أقدر علیک منک علیہ قال فأعتقہ'' یعنی خدا کی قسم اللہ تجھ پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنی تمہیں اس غلام پر قدرت ہے، ابو مسعود کہتے ہیں تو میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔(۱)

۲۔ اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے آپ نے فرمایا: صفیہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کھانا بنا کر بھیجا، سرکار میرے پاس تشریف فرما تھے اور میں بھی آپ کے لیے کھانا بنا چکی تھی، جب میں نے لونڈی کو دیکھا مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا وہ لونڈی میرے سامنے آئی اور پیالہ پیش کیا، تو میں نے اسے پھینک دیا، عائشہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف نظر کیا تو آپ کے رخ زیبا میں غضب کے آثار محسوس ہوئے فوراً میں نے عرض کیا: میں اللہ کے رسول ﷺ کی اس سے پناہ لیتی ہوں کہ آج آپ

(۱) ابو مسعود کی حدیث ''أعوذ برسول اللّٰہ'' (اللہ کے رسول کی دہائی) مسلم نے تخریج کی (۱۲۸۱/۳)۔

مجھ پر لعنت فرمائیں۔(۱)

۳۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے شاگرد امام ابو یوسف کی کتاب الآثار (۲۶/۱) میں ہے: حماد بن ابراہیم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، اور آپ کے اصحاب سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے، ایک شخص نبی پاک ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے سلام کیا چوں کہ آپ نماز میں مصروف تھے اس لیے ان کے سلام کا جواب نہ دیا انھوں نے اپنے دل میں کچھ (خدشہ) محسوس کیا، جب نبی پاک ﷺ نماز سے فارغ ہوئے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا: میں اللہ اور اللہ کے رسول کی ان کے غضب سے پناہ لیتا ہوں آپ سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے تھے، اور میں نے آج آپ سے سلام کیا آپ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**إن في الصلاة لشغلا عن رد السلام**"، یعنی "میں نماز میں مشغول تھا اس لیے تمہارے سلام کا جواب نہ دیا"۔

۴۔ اور حرث بن یزید بکری کی طویل حدیث میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسول کی اس سے پناہ لیتا ہوں کہ عاد کے وفد کی طرح بنوں، آپ نے فرمایا: "اور عاد کے وفد کا کیا معاملہ ہے؟" حالاں کہ سرکار کو ان سے زیادہ یہ واقعہ معلوم تھا لیکن آپ ان سے پوری بات کہلانا چاہتے تھے۔(۲)

میں کہتا ہوں:

میں ایسے لوگوں سے کیا کہوں جو نبی پاک ﷺ کی بارگاہ کا اکرام واحترام نہیں کرتے، ذرا اسے دیکھیں جسے حنابلہ کے عظیم الشان امام خلال نے اپنی کتاب "السنۃ" (۲۴۳/۱) میں فرمایا کہ: ابو العباس ہارون بن عباس ہاشمی نے فرمایا: جو مجاہد کی حدیث نہ مانے، وہ میرے نزدیک جہمی ہے، اور جو نبی پاک ﷺ کے فضائل کا انکار کرے

---

(۱) سیدہ عائشہ کی حدیث "أعوذ برسول الله" (اللہ کے رسول کی دہائی) احمد نے تخریج کی (۲۷۷/۶) اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۳۲۱/۴) میں کہا: اور اس کو احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) وفد عاد کی حدیث اس لفظ کے ساتھ امام احمد نے تخریج کی (۴۸۲/۳)، اور طبرانی نے معجم کبیر (۲۵۴/۳) میں تخریج کی، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا: (اس کی اسناد حسن ہے)۔

وہ میرے نزدیک زندیق ہے، اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور اسے قتل کر دیا جائے، اس لیے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو تمام انبیا پر فضیلت بخشی ہے، اور حدیث قدسی میں اللہ عزوجل نے فرمایا: ''ولا أذكر إلا ذكرت معي'' ''اے محبوب! جب بھی میرا ذکر ہو میرے ساتھ تمہارا ذکر بھی ہو'' اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ''لعمرك'' ''تمہاری زندگی کی قسم'' اور فرمایا: ''يامحمد لولاك ماخلقت آدم'' اے محمد! اگر تم نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا۔

میں کہتا ہوں: اے شریف ہاشمی! اللہ عزوجل آپ، اور خلال پر اپنی بے پایاں رحمت وعنایت کے دروازے کھولے۔

(۲) اللہ عزوجل اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تقرب:

سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ ایک روز صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں عورتوں کے پاس تشریف لائے، اور ان کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: ''يامعشر النساء مارأيت من نواقص عقول قط ودين أذهب بقلوب ذوي الألباب منكن، وإني قدرأيت إنكن أكثر أهل النار يوم القيامة، فتقربن إلى الله بمااستطعتن'' ''اے عورتوں کی جماعت! میں نے تم سے زیادہ عقل ودین میں کمی والی، عقلا کے قلوب (عقلوں) کو سلب کرنے والی کسی کو کبھی نہ دیکھا، اور بے شک میں نے دیکھا کہ قیامت کے دن تم سب سے زیادہ جہنم میں جانے والی ہو، اس لیے اپنی طاقت بھر اللہ کا تقرب کرو''۔ ان عورتوں میں عبداللہ بن مسعود کی بیوی تھیں وہ عبداللہ بن مسعود کے پاس واپس آئیں انھوں نے آپ کو وہ سارا معاملہ بتایا جو رسول اللہ ﷺ سے سنا اور اپنے زیورات لیے ابن مسعود نے کہا: یہ زیورات کہاں لے جا رہی ہو؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کے تقرب کے لیے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے لاؤ مجھ پر اور میری اولاد پر اسے صدقہ کر دو، کیوں کہ میں اس کا محل ومصرف ہوں، اس پر آپ نے کہا: نہیں، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی جاؤں گی، ابو ہریرہ فرماتے ہیں: وہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت لینے کے لیے چلی گئیں تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ یہ زینب ہیں، آپ سے سوال کی اجازت مانگ رہی ہیں، آپ نے فرمایا: ''کون زینب ہیں؟ عرض کیا: ابن مسعود کی بیوی، فرمایا: انہیں ''اجازت دے دو'' تو وہ نبی پاک ﷺ کے پاس آئیں، اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کا ارشاد سن کر اپنے

شوہرابن مسعود کے پاس گئی ،اورانہیں آپ کا ارشاد سنایا،اور میں نے اپنے زیورات اللہ عزوجل اور آپ کے تقرب کی خاطر اس امید پر لیے کہ اللہ مجھے جہنمیوں میں سے نہ رکھے،تو ابن مسعود نے مجھ سے فرمایا:تم اسے مجھ پر اور میری اولاد پر صدقہ کردو کیوں کہ میں اس کا مصرف ہوں،تو میں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لوں،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تم اسے ان پر اوران کی اولاد پر صدقہ کردو کیوں کہ وہ اس کے مصرف ہیں''۔(۱)

(۳)رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں توبہ کرنا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے:انھوں نے ایک قالین خریدا جس میں کچھ تصویریں بنی ہوئی تھیں،جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور گھر کے اندر داخل نہ ہوئے،آپ نے حضور اقدس کے چہرۂ زیبا میں ناپسندیدگی کے آثار دیکھ کر عرض کیا:یارسول اللہ!میں اللہ اوراس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں،مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اس تصویردار قالین کا کیا معاملہ ہے؟''آپ نے عرض کیا:میں نے آپ کے لیے اسے خریدا ہے تا کہ آپ اس پر ٹیک لگا کر بیٹھیں،اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**إن أصحاب هذه الصور يعذبون ويقال لهم أحيوا ماخلقتم**'' یعنی''ان تصویر بنانے والوں پر عذاب نازل کیا جائے گا،اوران سے یہ فرمایا جائے گا تم اپنی بنائی ہوئی تصویریں زندہ کرو''۔پھر فرمایا:''**إن البيت الذی فيه الصور لاتدخله الملائكة**'' بے شک جس گھر میں (جان دار کی) تصویریں ہوتی ہیں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے'' (۲)

---

(۱) حدیث '' أتقرب به إلى الله وإليك''امام احمد نے تخریج کی (۳۷۳/۲)اورابن خزیمہ(۱۰۶/۴، ۱۰۷)،اورابونعیم نے حلیہ(۶۹/۲)میں تخریج کی،اورھیثمی نے مجمع الزوائد(۱۱۷/۳، ۱۱۸)میں تخریج کر کے کہا: میں کہتا ہوں: صحیح میں کہا اس حدیث کا ایک حصہ ہے جسے امام احمد،اورابویعلی نے روایت کیا،اورامام احمد کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) حدیث'' أتوب إلى الله وإلى رسوله''، میں اللہ اوراس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں،بخاری(۷۴۲/۲)اورمسلم (۱۶۶۹/۳)نے تخریج کی۔

(۴) صحابہ[۱] فرماتے تھے:"الأمر إلی الله وإلی رسوله معاملہ اللہ اور اس کے رسول کے سپرد ہے"

عکرمہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو الوداع کہا، اور خزاعہ دور جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے اور بنوبکر قریش کے حلیف تھے، تو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کی صلح میں داخل ہو گئے، اور بنوبکر قریش کی صلح

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"چالیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیٹھے مسئلہ قدر و جبر میں بحث کرنے لگے ان میں صدیق و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے روح امین جبریل علیہ الصلاۃ والتسلیم نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! اپنی امت کے پاس تشریف لے جائیں کہ انھوں نے نئی راہ نکالی حضور پرنور ﷺ اسی وقت باہر تشریف لائے جب کہ وہ وقت حضور کی تشریف آوری کا نہ تھا صحابہ سمجھے کہ کوئی نئی بات ہے آگے حدیث کے پیارے الفاظ دل کش و دل نوازیوں ہیں:"وخرج عليهم ملتمعا لونه متوردة وجنتاه كأنما تفقأ بحب الرمان الحامض فنهضوا إلى رسول الله ﷺ حاسرين أذرعهم ترعد أكفهم وأذرعهم فقالوا تبنا إلى الله ورسوله" یعنی حضور پرنور صلوات اللہ تعالیٰ علیہ ان پر اس حالت میں برآمد ہوئے کہ رنگ چہرۂ اقدس کا (شدت جلال سے) دہک رہا ہے دونوں رخسارۂ مبارک گلاب کی طرح سرخ ہیں گویا انار ترش کے دانے پھوٹ نکلے ہیں صحابہ کرام یہ دیکھتے ہی حضور کی طرف (عاجزی کے ساتھ) کلائیاں کھولے، ہاتھ تھرتھراتے کانپتے کھڑے ہوئے اور عرض کی ہم اللہ و رسول کی طرف توبہ کرتے ہیں جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ الطبرانی في الكبير عن ثوبان رضي الله تعالىٰ عنه مولى رسول الله ﷺ۔

ان احادیث سے یہ ثابت کہ صدیقہ و صدیق و فاروق وغیرہم اکتالیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے توبہ کرنے میں اللہ قابل التواب جل جلالہ کے نام پاک کے ساتھ اس کے نائب اکبر نبی التوبہ ﷺ کا نام ملایا اور حضور پرنور خلیفۃ اللہ الاعظم ﷺ نے قبول فرمایا حالاں کہ توبہ بھی اصل حق حضرت عز جلالہ کا ہے ولہٰذا حدیث میں ہے کہ ایک قیدی گرفتار کر کے خدمت اقدس حضور سید عالم ﷺ میں لایا گیا وہ بولا"اللهم إني أتوب إليك ولا أتوب إلى محمد" الٰہی میری توبہ تیری طرف ہے نہ محمد ﷺ کی طرف حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:"عرف الحق لأهله" حق کو حق والے کے لیے پہچان لیا۔ أحمد والحاكم وصححه عن الأسود بن سريع رضي الله تعالى عنه. الأمن والعلى ص ۱۱۹ و ۱۲۰ (قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی شریف) (مترجم)

میں آ گئے، اور خزاعہ اور بنوبکر کے درمیان جنگ ہوئی، تو قریش نے خزاعہ کے خلاف ہتھیاروں سے بنوبکر کی امداد کی جس سے بنوبکر کو خزاعہ پر غلبہ حاصل ہوا، اوران کے بعض افراد کو قتل کیا، اور قریش کو ان کی عہد شکنی کا اندیشہ ہوا تو انھوں نے ابوسفیان سے کہا: محمد کے پاس جا کر حلف جاری کرو، اور لوگوں کے درمیان صلح کرادو، جب ابوسفیان مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''**قد جاء کم أبو سفیان و سیرجع راضیا بغیر حاجته**'' تمہارے پاس ابوسفیان آئے ہیں، اوراپنی حاجت میں ناکام ہوکر واپس جائیں گے''۔

تو ابوسفیان ابوبکر کے پاس آئے اور کہا: اے ابوبکر! ''حلف جاری کریں، اور لوگوں کے درمیان، یا اپنی قوم کے درمیان صلح کرادیں'' ابوبکر نے کہا: اس معاملہ کا حق مجھے نہیں یہ اللہ اوراس کے رسول کا حق ہے، ابوسفیان نے ابوبکر سے دوران کلام کہا: جس قوم نے اپنے ہتھیار اور طعام کے ذریعہ مجھ پر سایہ کیا وہ مجھ سے عہد شکنی نہ کرے گی، تو ابوبکر نے کہا: یہ معاملہ اللہ اوراس کے رسول کے حوالہ ہے، پھر وہ عمرابن خطاب کے پاس آئے اور عمر سے ویسا ہی کہا جیسا کہ ابوبکر سے کہا، تو عمر نے کہا: کیا آپ لوگوں نے عہد شکنی کی ہے؟ اگر یہ ان کی طرف سے نئی چیز ہے تو اللہ اس کا امتحان فرمائے گا، اور اگر اس کی طرف سے سخت یا مضبوط ہے تو اللہ اسے قطع فرمادے گا، تو ابوسفیان نے کہا: میں نے آج کی طرح کسی کنبہ وقبیلہ کا شاہد نہ دیکھا، پھر وہ فاطمہ کے پاس آئے اور کہا: اے فاطمہ! کیا آپ کے لیے وہ معاملہ مناسب ہے جس میں آپ اپنی قوم کی عورتوں کی سردار ہیں پھر فاطمہ سے ذکر کیا جیسا کہ ابوبکر سے ذکر کیا تو فاطمہ نے بھی یہی جواب دیا کہ: اس معاملہ کا حق مجھے نہیں **الأمر إلی اللّٰه و إلی رسوله** '' یہ معاملہ اللہ اوراس کے رسول کے حوالے ہے، پھر وہ علی کے پاس آئے اور آپ سے ویسا ہی کہا جیسا کہ ابوبکر سے کہا... إلی آخر الحدیث[1]

(۵) اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جائے پناہ ہیں:

عمرو بن العاص نے فرمایا: مدینہ منورہ میں ایک خوف انگیز معاملہ پیش آیا، تو میں سالم اور ابوحذیفہ کے آزاد کردہ کے پاس آیا، وہ اپنی تلوار کے پرتلہ سے خود کو چھپائے ہوئے تھے، میں نے اپنی تلوار لی، اوران کے

(۱) ابن ابوشیبہ (۷/۴۰۰-۴۰۱) اور طحاوی نے شرح معانی الآثار (۳/۳۱۲) میں تخریج کیا۔

پرتلہ سے چھپالیا،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"یأیھا الناس ألا کان مفزعکم إلی اللہ وإلی رسولہ" اے لوگو! کیا اللہ اوراس کے رسول تمہاری جائے پناہ نہیں ___ پھر فرمایا:" ألا فعلتم کما فعل ھذان الرجلان المومنان"___ تم نے کیوں ایسا نہ کیا جیسا کہ ان دونوں مومنوں نے کیا"۔(۱)

(۶)صحابہ کرام اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے غضب سے اللہ عزوجل کی پناہ لیتے تھے :

نصر بن عاصم لیثی نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ ان کے والد نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں داخل ہوا،اور دیکھا آپ کے اصحاب یہ کہہ رہے تھے ہم اللہ اوراس کے رسول کے غضب سے اللہ عزوجل کی پناہ لیتے ہیں، میں نے عرض کیا: آپ لوگوں کا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"لعن اللّٰہ القائد والمقود بہ" اللہ قائد پر لعنت فرماتا ہے اوراس پر جس کی قائد قیادت کرے"۔(۲)

ابوالقموص زید بن علی سے تحریم خمر کے واقعہ کے متعلق مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کی تادیب کا ارادہ فرمایا تو اس نے عرض کیا:"میں اللہ اوراس کے رسول کے غضب سے خدا کی پناہ لیتا ہوں خدا کی قسم میں کبھی بھی شراب نہ پیوں گا"، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ﴾ إلی قولہ ﴿فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ﴾ [المائدہ-۵:۹۱،۹۰]

ترجمہ:-"اے ایمان والوشراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام ،اس کے قول،تو کیا تم باز آئے ،تک"

تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:انتھینا انتھینا، ہم باز آئے ہم باز آئے۔(۳)

---

(۱) امام احمد (۲۰۳/۴) اور نسائی نے سنن کبری (۸۱/۵) میں،اور ابن حبان نے (۵۶۶/۱۵) تخریج کی،اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۰۰/۹) میں تخریج کر کے کہا:"اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں"۔

(۲) عاصم لیثی کی حدیث ابن ابو عاصم نے"الآحاد والمثانی"(۱۹۲/۲) میں تخریج کیا۔

(۳) تحریم خمر کا واقعہ طبری نے اپنی تفسیر (۳۶۲/۲) میں تخریج کی۔

(۷) اے ابن تیمیہ کے پیروکارو! ہر تعظیم شرک نہیں ہے:

۱۔ ہشام بن عروہ نے فرمایا: میرے والد نے مجھے خبر دی کہ عائشہ نے ان سے کہا: اے میرے بھانجے! میں نے رسول اللہ ﷺ کی اپنے چچا کی تعظیم کا عجیب معاملہ دیکھا۔ (۱)

۲۔ خلافت کی حدیث میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے درمیان.....تو علی نے ابوبکر سے فرمایا: آپ کے وعدہ کا وقت بیعت کی شام ہے، جب ابوبکر نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو منبر پر رونق افروز ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر علی کا معاملہ ذکر فرمایا کہ وہ بیعت سے باز رہے، اور عذر پیش کیا، تو حضرت علی بن ابوطالب نے استغفار وتشہد پڑھ کر ابوبکر کے حق کی عظمت بیان کی، اور یہ بیان فرمایا کہ ایسا کرنے پر وہ اس لیے آمادہ نہ ہوئے کہ آپ ابوبکر سے بلند وبرتر ہیں، اور نہ ہی آپ کو ابوبکر کی اس فضیلت کا انکار ہے جو اللہ عزوجل نے آپ کو بخشی ہے، لیکن ہمارے رائے یہ تھی کہ امر خلافت میں ہمارا حصہ ہے آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر اس معاملہ میں مستقل اور خود مختار رہے اس معاملہ میں مسلمانوں نے ہمیں درستگی پر پایا، اور یہ کہا کہ: آپ درستگی پر ہیں، تو مسلمان اس وقت علی کے قریب رہے جب آپ نے نیک معاملہ میں مراجعت فرمائی۔ (۲)

۸۔ ایک منکر، مضطرب، ضعیف حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ سے استغاثہ حرام ہے، اس سلسلے میں خود مبتدعین کی مستند کتاب اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

یہ حدیث معجم طبرانی کے حوالہ سے مروی ہے (تنہا طبرانی نے یہ حدیث تخریج کی)

امام احمد نے زید حباب سے تخریج کی کہ ہم سے ابن لہیعہ نے بیان کیا کہ ہم سے حارث بن یزید حضرمی نے علی بن رباح لخمی سے روایت کیا کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جو عبادہ بن صامت کے پاس حاضر تھے کہ: ہم لوگ مسجد میں تھے، اور ہمارے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ قرآن کا کوئی جز تلاوت فرمارہے تھے، عبداللہ

---

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اپنے چچا کی تعظیم کی حدیث امام احمد (۱۱۸/۶) اور ابویعلی (۳۵۳/۸) نے تخریج کی۔

(۲) ابوبکر کی تعظیم کی حدیث بخاری (۱۵۴۹/۴)، مسلم (۱۳۸۰/۳) اور ان کے علاوہ محدثین نے تخریج کیا۔

بن ابی بن سلول آیا،اوراس کے ساتھ ایک چھوٹا تکیہ،اورایک مسند تھا،اس نے اسے رکھ کراس پر ٹیک لگایا، وہ خوبرو، فصیح اللسان اور بہت جھگڑالو شخص تھا،اس نے کہا: اے ابوبکر! محمد سے کہئے ہمارے پاس کوئی آیت ونشانی لائیں جیسا کہ اگلے انبیاورسول لائے ،موسیٰ توریت کی تختیاں،داودزبور،صالح اونٹنی،اورعیسی انجیل اور دسترخوان لائے، یہ سن کر ابوبکررضی اللہ تعالی عنہ اشک آلودہوئے ،جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ابوبکر نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے لیے کھڑے ہوجائیں،ہم اس منافق کے خلاف آپ سے فریادومدد چاہتے ہیں، تورسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" **إنـه لايقام لي،إنمايقام لله عزوجل**" "میرے لیے قیام نہ کیا جائے،صرف اللہ عزوجل کے لیے قیام کیا جائے"۔

یہ حدیث ضعیف منکر ہے،امام احمد(۳۱۷/۵)اورابن سعد نے طبقات(۳۸۷/۱)میں اسے تخریج کیا، جس میں دوعلتیں ہیں:

پہلی علت: اس حدیث میں ایک نامعلوم راوی ہے جس کا نام مذکورنہیں،اوردوسری **علت**: اس حدیث کاراوی ابن لہیعہ ہے،تنہااسی نے یہ حدیث روایت کی۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر(۱۷۴/۳)میں فرمایا: یہ حدیث نہایت غریب ہے۔

اوراس حدیث میں ایک **تیسری علت** یہ بھی ہے،جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ مضطرب ہیں، وہ علت یہ ہے: یہ حدیث دوسرے لفظ سے وارد ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن لہیعہ نے اس حدیث کی روایت میں خلط کیا ہے۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد(۱۵۹/۱۰)میں اسی حدیث کوطبرانی کی طرف منسوب کر کے عبادہ بن صامت سے اس طرح روایت کیا کہ: ابوبکر نے فرمایا: آپ لوگ کھڑے ہوجائیں ہم رسول اللہ ﷺ سے اس منافق کے خلاف فریادومددطلب کریں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" **إنه لا يستغاث بي إنما يستغاث بالله عزوجل** "

ترجمہ:۔"مجھ سے مدد نہ طلب کی جائے،صرف اللہ عزوجل سے مددطلب کی جائے"۔

میں کہتا ہوں:

اس وقت طبرانی (مبتدعین کی مستند کتاب) کے موجودہ نسخوں میں سے کسی نسخے میں یہ حدیث موجود نہیں، گویا طبرانی کے یہ موجودہ نسخے اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس وقت حدیث کا معنی پورے طور پر مختلف ہے، امام احمد کی روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ابوبکر کے اس قول کو برقرار رکھا کہ: رسول اللہ ﷺ کے لیے کھڑے ہو جائیں ہم آپ سے فریاد و استغاثہ کریں' اس لیے کہ حضور اقدس نے ابوبکر سے ان کے اس قول پر یہ فرمایا:

" إنه لايقام لي إنمايقام لله عز وجل"

ترجمہ:۔"میرے لیے قیام نہ کیا جائے صرف اللہ عزوجل کے لیے قیام کیا جائے"۔

اور دوسری روایت یوں ہے:

" إنه لا يستغاث بي إنما يستغاث بالله "

ترجمہ:۔"مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے، صرف اللہ عزوجل سے استغاثہ کیا جائے"۔

دونوں روایتوں کی طرف نظر کرنے سے یہ ظاہر ہے کہ ایک کلمہ دوسرے کلمہ کے قائم مقام ہے۔

اور میں کہتا ہوں:

بعض اہل علم نے کہا اس حدیث کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کا یہ معنی ہے کہ نبی پاک ﷺ ان صحابہ سے یہ فرما رہے ہیں جب تم لوگ مجھ سے استعانت، یا میرے لیے قیام کرتے ہو تو درحقیقت تم اللہ عزوجل کے لیے قیام، اور اسی سے استعانت کرتے ہو جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَمَارَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ [الانفال-۸:۱۷]

ترجمہ:۔"اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی"۔

اور اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَايُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ [الفتح-۴۸:۱۰]

ترجمہ:۔"وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں"۔

اورحضوراقدس سیدعالم ﷺ نے ارشادفرمایا:

" ما أنا قلته وإنما الله قاله".

ترجمہ:-''میں نے اسے نہ کہا،اورصرف اللہ ہی نے اسے فرمایا''۔

میں کہتا ہوں:

اور یہ ایک اچھی توجیہ ہے،لیکن یہ حدیث سرے سے منکر،مضطرب اورحددرجہ ضعیف ہے،استدلال کے لائق نہیں.....اورکیا کفروایمان اورشرک وتوحید کے معاملہ میں ایک حدیث ضعیف،منکر،مفقودالحال لائق استدلال ہے؟اللہ عزوجل کی تقدیر پرمتنبہ رہنا چاہئے۔

یہ حدیث سنداورمعنی دونوں اعتبار سے باطل ہے،اس پردلیل قائم کرنے کے لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی ابن لہیعہ کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کا کلام پیش کردیں،اوریحیی بن حسان کے کلام کی طرف بھی قاری کی توجہ مبذول رہنی چاہئے۔

حافظ عسقلانی نے تہذیب التہذیب (۳۷۷/۵) میں کہا:امام بخاری نے کہا:یحیی بن سعید نے اس کو متروک قراردیا،اورابن مہدی نے کہا:میں اس سے کوئی چیز حاصل نہیں کرتا،اورامام الائمہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں کہا:ابن لہیعہ ان راویوں میں سے نہیں جن کی حدیث اس کے انفراد کے وقت اس کتاب میں تخریج کروں،میں نے اس کی حدیث صرف اس لیے تخریج کی کہ اس کے ساتھ جابر بن اسماعیل ہیں۔

اورعبدالغنی بن سعید ازدی نے کہا:جب عبادلہ ابن لہیعہ سے روایت کریں تو وہ ابن مبارک،اورابن وہب،اورمقری کی صحیح ہے،اورساجی وغیرہ نے اسی طرح ذکرکیا۔

اوریحیی بن حسان نے کہا:میں نے ایک قوم کے ساتھ ایک جزوحدیث دیکھا جسے انھوں نے ابن لہیعہ سے سنا،میں نے دیکھا تو وہ ابن لہیعہ کی حدیث نہ تھی میں ابن لہیعہ کے پاس آیا تو اس نے کہا:میں کیا کروں؟وہ لوگ میرے پاس کوئی کتاب لاتے ہیں تو کہتے ہیں:یہ آپ کی حدیث ہے تو میں اسے ان سے بیان کردیتا ہوں۔

اورابن قتیبہ نے کہا:ابن لہیعہ کے پاس وہ حدیث پڑھی جاتی جواس کی نہ ہوتی ــــ یعنی اسی وجہ سے اسے

ضعیف کہا گیا۔

اورابن المدینی نے کہا: مجھ سے بشر بن سری نے کہا: اگر آپ ابن لھیعہ کو دیکھتے تو اس سے حدیث اخذ نہ کرتے۔اور عبدالکریم بن عبدالرحمٰن نسائی نے کہا: ان کے والد نے روایت کیا: وہ ثقہ نہیں، اور ابن معین نے کہا: وہ ضعیف ہے، اس کی حدیث لائق حجت نہیں، جو چاہتا اس سے یہ کہہ دیتا ''حدثنا'' اس نے ہم سے حدیث بیان کی، اور ابن خراش نے کہا: وہ اپنی حدیث لکھتا تھا، تو اس کی کتابیں جل گئیں، تو جو بھی شخص کوئی چیز لاتا اسے اس کے پاس پڑھ دیتا، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کوئی حدیث وضع کر کے اس کے پاس لے آتا تو اسے بھی اس کے پاس پڑھ دیتا۔

خطیب نے کہا: اس کی اسی تساہلی کے سبب اس کی منکر روایتیں بہت زیادہ ہیں۔

اور ابن شاہین نے کہا: احمد بن صالح نے کہا: ابن لہیعہ ثقہ ہیں، اور ان سے جو حدیثیں مروی ہیں ان میں خلط وآمیزش ہے، اس کی خلط کردہ حدیث ترک کردی جائے۔

اور مسعود نے حاکم سے روایت کر کے کہا: اس نے جھوٹ کا قصد نہ کیا، اپنی کتابوں کے جلنے کے بعد انھوں نے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کی تو خطا کی۔

اور جوز جانی نے کہا: اس کی حدیث پر موقوف نہ رکھا جائے، اور اس سے استدلال نہ کیا جائے، اور نہ اس کی روایت سے دھوکہ میں پڑنا چاہئے۔

اور ابن ابوحاتم نے کہا: میں نے اپنے والد اور ابوزرعہ سے افریقی، اور ابن لہیعہ کے بارے میں پوچھا ان دونوں میں کون آپ کو زیادہ محبوب ہیں؟ تو ان دونوں حضرات نے فرمایا: یہ دونوں ضعیف ہیں، اور ابن لہیعہ کا معاملہ مضطرب ہے، اس کی حدیث اعتبار پر لکھ لی جاتی۔ عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے اپنے والد سے کہا: جب ابن لہیعہ سے روایت کرنے والا ابن مبارک کی طرح ہو تو کیا ابن لہیعہ سے استدلال کیا جائے؟ فرمایا: نہیں، ابوزرعہ نے کہا: انہیں ضبط حدیث حاصل نہ تھا۔ اور ابن عدی نے کہا: اس کی حدیث گویا نسیان پر قائم ہے، اور وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔

اور محمد بن سعد نے کہا: وہ ضعیف تھا، اور جس نے اس سے ابتدا میں حدیث سنی اس کی روایت کا حال اس سے بہتر ہے جس نے اس سے آخری دور میں حدیث سنی''۔

اور مسلم نے ''الکنی'' میں کہا: مہدی، یحیٰ بن سعد، اور وکیع نے اس کو متروک کہا ہے، اور حاکم ابواحمد نے کہا: وہ ذاہب الحدیث ہے۔ اور ابن حبان نے کہا: میں نے اس کے حالات کا جائزہ لیا تو پایا کہ وہ اپنے زمانے کے ثقہ لوگوں کے ساتھ ضعیف راویوں کو ملا کر تدلیس کرتا تھا، پھر اسے اس کی پرواہ نہ تھی جو اس کی طرف پیش کی گئی، اور پڑھی گئی خواہ وہ اس کی حدیث ہو یا نہ ہو، ان کی کتابیں جلنے سے پہلے ان کے متقدمین راویوں کی روایت سے بچنا لازم ہے اس لیے کہ ان میں متروک راویوں سے تدلیس کردہ حدیثیں ہیں، اور ان کی کتابیں جلنے کے بعد متاخرین راویوں کی روایت سے استدلال ترک کرنا واجب ہے اس وجہ سے کہ ان روایتوں میں ایسی حدیثیں ہیں جو ان کی حدیث نہیں۔

ابوجعفر طبری نے ''تہذیب الآثار'' میں کہا: ابن لہیعہ کی عمر کے آخری دور میں ان کی عقل میں اختلاط ہو گیا تھا۔ اور ابن لہیعہ کی سب سے شنیع روایت وہ ہے جسے حاکم نے ''مستدرک'' میں بطریق ابن لہیعہ ابوالاسود سے تخریج کی، کہ عروہ نے عائشہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال مرض ذات الجنب (نمونیہ) میں ہوا، انتهى

یہ روایت قطعی طور پر باطل ہے اس لیے کہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے دوا پینے پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا ''لما فعلتم هذا'' آپ لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟ صحابہ نے عرض کیا: ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ کو نمونیہ نہ ہو جائے، تو آپ نے فرمایا: ''ما كان الله ليسلطها علي'' اللہ عزوجل اس مرض کو مجھ پر مسلط نہ فرمائے گا، اور ابن لہیعہ کی طرف حاکم کی اسناد صحیح ہے، اور اس حدیث میں آفت ومصیبت ابن لہیعہ کے سبب ہے، تو گویا ابن لہیعہ پر ایک حدیث کا دوسری حدیث سے خلط روایت ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا کلام ختم ہوا۔

ابن ابوحاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (۱۴۶/۵) میں کہا: عبدالرحمٰن نے کہا، میں نے اپنے والد سے سنا

آپ حمیدی کے حوالہ سے بیان کررہے تھے کہ حمیدی نے کہا: یحیٰ بن سعید ابن لہیعہ کے بارے میں کوئی رائے نہ رکھتے۔ ہم سے عبدالرحمٰن نے بیان کیا، کہ ہم سے صالح بن احمد بن حنبل نے بیان کیا کہ ہم سے علی ابن مدینی نے بیان کیا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے سنا کہ آپ سے کہا گیا آپ ابن لہیعہ سے حدیث اخذ کرتے ہیں آپ نے فرمایا: نہیں، ان سے تھوڑا یا زیادہ کچھ نہ لو، پھر فرمایا؛ ہم سے عبدالرحمٰن نے بیان کیا: میں نے اپنے والد سے فرماتے سنا: میں نے ابن مریم سے کہتے سنا میں اپنے چچا ابن لہیعہ کے پاس ان کی آخری عمر میں حاضر ہوا اور اہل بربر کی ایک قوم ان کے پاس منصور، اعمش اور عراقیوں کی حدیث قراءت کررہی تھی، تو میں نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن ! یہ آپ کی حدیث کا جز نہیں، تو انھوں نے کہا: کیوں نہیں یہ حدیثیں میری نظر سے گزر چکی ہیں، اس کے بعد میں نے ان کی روایت کردہ حدیث نہ لکھی۔

میں کہتا ہوں:

طبرانی کی اس حدیث کا مدار صرف ابن لہیعہ ہیں اس وجہ سے یہ حدیث سخت منکر وضعیف ومضطرب ہے، اور یہ اس حدیث کے مخالف ہے جو صحیح بخاری ومسلم وغیرہما میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہوکر غنیمت میں چوری کا ذکر فرمایا، اور اسے بڑا گناہ قرار دیا، اور اس کے معاملہ کی شناعت بیان فرمائی، پھر فرمایا: ''میں تم لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص نہ پاؤں جو قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ سوار ہوکر بلبلا رہا ہو وہ شخص عرض کرے: ''یـارسـول الـلـه أغثني'' یارسول اللہ! آپ ہماری مدد فرمائیں، اور میں یہ فرماؤں کہ میں خود سے تمہاری کسی چیز کا مالک نہیں۔ میں نے تم تک پہنچادیا تھا، میں تم میں سے کسی ایسے شخص کو نہ پاؤں جو قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر ایک گھوڑا سوار ہوکر ہنہنائے تو وہ شخص عرض کرے: یارسول اللہ! میری امداد فرمایئے، تو میں کہوں میں خود سے تمہارے نفع کی کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تم تک پہنچادیا تھا۔ میں تم میں کسی شخص کو نہ پاؤں جو قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر ایک بکری سوار ہوکر ممیائے، وہ شخص عرض کرے: یارسول اللہ! میری امداد فرمائیں، تو میں کہوں: میں خود سے تمہارے نفع کی کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تم تک پہنچادیا تھا، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں جو قیامت کے دن آئے

اوراس کی گردن پر ایک مملوک غلام یا ناحق قتل کردہ جان چیخ پکار رہی ہو تو وہ شخص کہے: یارسول اللہ! میری امداد فرمائیں، تو میں کہوں: میں از خود تمہارے نفع کا کچھ بھی مالک نہیں، میں نے تم تک پہنچا دیا تھا، میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں جو قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر کچھ کپڑے لدے ہوئے ہوں تو وہ شخص عرض کرے: یارسول اللہ! میری امداد فرمائیں، تو میں کہوں: میں اپنے سے تمہارے نفع کا کچھ بھی مالک نہیں(1)، میں نے تم تک پہنچا دیا تھا، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں جو قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کی

(۱) بخاری کے تمام شارحین نے بالاتفاق فرمایا کہ: یہ ارشاد ''لا أملک لک'' زجر و توبیخ کے لیے ہے ورنہ رسول اکرم سید عالم ﷺ اپنی گناہ گار امت کی شفاعت فرمائیں گے جیسا کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: **شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي** (ترمذی باب في الشفاعة) میری شفاعت میری امت میں گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔

روز مرہ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ بیٹا کوئی غلط کام کرتا ہے باپ بیٹے کو اس غلط کام سے منع کرتا ہے مگر وہ نہیں مانتا بیٹا باپ سے مدد کے لیے کہتا ہے باپ بیٹے سے کہتا ہے میری نگاہ کے سامنے سے ہٹ جاؤ میں کچھ نہ کروں گا یا میں کیا کرسکتا ہوں رحم دل باپ کو نافرمان بیٹے پر ترس آتا ہے وہ اسے اس مشکل سے چھڑانے کی پوری کوشش کرتا، اور اس کی مدد کرتا ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''لا أملک لک'' یہ ارشاد خاص مال غنیمت میں خیانت کرنے والے یا زکات نہ دینے والے کے بارے میں ہو کہ ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے جیسا کہ اس پر خاص لفظ ''لک'' دلالت کر رہا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی مخصوص جرم کے مرتکب حضور کی شفاعت سے محروم رہیں۔

یا ''لا أملک لک'' کا یہ معنی ہے کہ میں خود سے تمہارا کچھ نہیں کرسکتا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد پاک ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [البقرہ-۲:۲۵۵] کہ اللہ کے اذن کے بغیر اس کے حضور کوئی شفاعت نہ کرے گا اور اللہ عزوجل نے آپ کو اذن شفاعت بخشا ہے جیسا کہ خود حضور اقدس نے ارشاد فرمایا: ''**أعطيت الشفاعة**'' مجھے شفاعت کا اختیار بخشا گیا اس کے علاوہ کثیر آیات و احادیث اس پر شاہد ہیں جیسا کہ اس کے مقام پر مذکور ہیں تو حدیث کا معنی بالکل بے غبار ہے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر مفسرین کرام نے اس طرح کے معانی میں ذاتی کی نفی مراد لی ہے نہ کہ عطائی کی جیسا کہ آیت کریمہ: ﴿قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ﴾ [الاعراف-۷:۱۸۸] میں ذاتی کی نفی مراد ہے۔ (مترجم)

گردن پر درہم و دینار اور مال و دولت لدا ہو تو وہ شخص عرض کرے: یارسول اللہ! میری امداد فرمائیں، تو میں کہوں کہ: میں خود سے تمہارے نفع کا کچھ بھی مالک نہیں میں نے تم تک پہنچادیا تھا''۔(۱) (مشکاۃ المصابیح ص ۳۴۹ باب قسمۃ الغنائم)

میں کہتا ہوں:

اس حدیث کا معنی اچھی طرح واضح ہے، جس سے دعوی شرک کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے، اونٹ، بکریوں اور گھوڑوں کی زکات ادا نہ کرنے والوں کے ''أغثني''(میری امداد فرمائیں) کہنے پر حضور اقدس نے اعتراض نہ فرمایا بلکہ اس کو برقرار رکھا، ہاں سرکار نے یہ فرمایا''**لا أملک لک شیئا**'' کہ میں خود سے تمہارے نفع کا کچھ بھی مالک نہیں، سرکار نے اس وجہ سے ایسا فرمایا کہ زکات کے اونٹ، بکریاں اور گھوڑے جنہیں بیت المال کے لیے جمع کیا جاتا ہے ان کی زکات ادا نہ کر کے انھوں نے خیانت اور چوری کی۔

میں کہتا ہوں:

اس سے یہ بات روشن ہوگئی کہ جن روایتوں میں یہ آیا ہے کہ نبی پاک ﷺ سے استغاثہ نہ کیا جائے یہ روایت سرے سے باطل(۲) ہے، اور بخاری و مسلم وغیرہما میں مروی روایتوں کے خلاف ہے۔

---

(۱) ''یارسول اللہ أغثني'' (اے اللہ کے رسول میری امداد فرمائیں) یہ حدیث امام احمد (۴۲۶/۲)، بخاری (۱۱۸/۳)، مسلم (۱۴۶۱/۳)، ابن حبان (۱۸۴/۱۱)، اور ابوعوانہ (۳۹۶/۴) وغیرہم نے تخریج کی۔

(۲) **أقول**: جس روایت میں ''لا یستغاث بي'' کا لفظ ہے اس میں ایک راوی ابن لہیعہ ہیں جن کا حال اس کتاب میں تفصیل سے گزر چکا اس کے پیش نظر یہ روایت صحیح حدیث کے مقابل ہرگز نہیں ہو سکتی اگر نبی پاک ﷺ سے استغاثہ مطلقا شرک ہے تو بخاری شریف میں ہے:

'**استغاثوا بآدم ثم بموسی ثم بمحمد ﷺ**''

ترجمہ:۔''محشر کے دن لوگ حضرت آدم سے مدد مانگیں گے پھر حضر موسی سے پھر محمد ﷺ سے فریاد کریں گے''۔

آخر بخاری شریف کی اس حدیث کا کیا معنی ہے؟ حدیث پاک میں ہے کہ جب وفد ہوازن حضور اقدس سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اموال واہل وعیال کہ مسلمان مال غنیمت میں لائے تھے حضور سے مانگے اور طالب

احسان والا ہوئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

" إذا صليتم الظهر فقولوا إنا نستعين برسول الله على المومنين والمسلمين في نسائنا وأبنائنا"

ترجمہ:۔''جب ظہر کی نماز پڑھ چکو تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا ہم رسول اللہ ﷺ سے استعانت کرتے ہیں مومنین پر اپنی اپنی عورتوں اور بچوں کے باب میں''۔

النسأی عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبدالله بن عمر رضی الله تعالى عنهما

(الامن والعلی ص ۱۳۸ و ۱۳۹ قادری بک ڈپو نومحلہ مسجد بریلی)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے بنفس نفیس تعلیم فرمائی کہ ہم سے مدد چاہنا نماز کے بعد یوں کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے استعانت کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں حضور اقدس سید عالم ﷺ نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ تعلیم فرمائی کہ بعد نماز یوں عرض کریں:

" اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بك إلى ربي في حاجتي هذه ليقضى لي اللهم فشفعه في".

ترجمہ:۔''الٰہی میں تجھ سے مدد مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے جو مہربانی کے نبی ہیں یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا تاکہ میری حاجت روائی ہو الٰہی! انہیں میرا شفیع کر ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما''۔

نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، طبرانی، حاکم وبیہقی نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی اور امام ترمذی نے بشرط بخاری ومسلم صحیح کہا اور امام حافظ زکی الدین عبدالعظیم منذری وغیرہ ائمہ نقد وتنقیح نے اس کی تصحیح کو مسلم وبرقرار رکھا۔

حصن حصین شریف کی بعض روایت میں بصیغۂ معروف یوں ہے:

" لتقضي لي ". (ترجمہ:۔''یارسول اللہ میری حاجت روائی فرمادیں'')

مولانا فاضل علی قاری علیہ رحمۃ الباری حرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

" وفي نسخة بصيغة الفاعل أي لتقضي الحاجة لي والمعنى تكون سببا لحصول حاجتي

ووصول مرادي فإلاسناد مجازي"۔

ترجمہ: "ایک نسخہ میں بصیغہ فاعل ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ میری حصول حاجت اورحصول مراد کے سبب ہیں یہ اسناد مجازی ہے"۔(ماخوذ از الامن والعلی ص۱۵۳ قادری بک ڈپو نو محلّہ مسجد بریلی شریف)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس کا نام پاک لے کر حضور سے استمد اد والتجا جائز ہے اور زمانۂ حیات وبعد وفات یا قرب وبعد اور غیبت وحضور کا فرق باطل ومردود ہے۔

معجم کبیر طبرانی میں یہ حدیث یوں ہے کہ ایک شخص امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی بارگاہ میں اپنی کسی حاجت کے لیے حاضر ہوا کرتے امیر المومنین ان کی طرف التفات نہ فرماتے نہ ان کی حاجت پر غور فرماتے ایک دن عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے ملے ان سے شکایت کی عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

"ایت المیضاۃ فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللھم إني أسألک وأتوجہ إلیک بنبینامحمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نبي الرحمۃ یا محمد إني أتوجہ بک إلی ربي فیقضي حاجتي وتذکر حاجتک ورح إلي حتی أروح معک"

ترجمہ: "وضو کی جگہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو پھر یوں دعا کرو الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا اور تیرے نبی محمد ﷺ نبی رحمت کے ذریعہ سے متوجہ ہوتا ہوں یا رسول اللہ میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روائی فرمایئے اور اپنی حاجت کا ذکر کرو کہ شام کو پھر میرے پاس آنا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں"۔

صاحب حاجت نے جا کر ایسا ہی کیا پھر امیر المومنین رضی اللہ تعالی عنہ کے دروازے پر حاضر ہوئے دربان آیا ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا اور فرمایا کیسے آئے انھوں نے اپنی حاجت عرض کی امیر المومنین نے فوراً روا فرمائی پھر ارشاد کیا اتنے دنوں میں تم نے اس وقت ہم سے اپنی حاجت کہی، اور فرمایا جب کبھی تمھیں کوئی حاجت پیش آئے ہمارے پاس آنا۔ اب یہ صاحب امیر المومنین کے پاس سے نکل کر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے ملے ان سے کہا اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے امیر المومنین نہ میری حاجت میں غور فرماتے تھے نہ میری طرف التفات لاتے یہاں تک کہ آپ نے میری سفارش ان سے کی عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

"واللہ ماکلمتہ ولکن شھدت رسول اللہ ا وأتاہ رجل ضریر فشکی إلیہ ذھاب بصرہ فقال

لـه الـنبـي ا ايـت الـميـضـاة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات فقال عثمان بن حـنيف فـوالـلـه مـا تـفـرقـنـا وطـال بـنـا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرقط". (الامن والعلی ص۱۵۵تا۱۵۷ قادری بک ڈپونومحلہ مسجد بریلی شریف)

ترجمہ:''خدا کی قسم میں نے تمہارے بارے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا مگر ہے یہ کہ میں نے سید عالم ﷺ کو دیکھا حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت حضور سے عرض کی حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا موضع وضو پر جا کر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعائیں پڑھو عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں خدا کی قسم ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ نابینا ہمارے پاس انکھیارے ہو کر آئے گویا کبھی ان کی آنکھوں میں کچھ نقصان نہ تھا''۔

امام طبرانی اس حدیث کی متعدد اسنادیں ذکر کر کے فرماتے ہیں:''الحدیث صحیح'' یہ حدیث صحیح ہے۔

ابن تیمیہ بتائے اگر حضور اقدس سے استعانت واستغاثہ شرک ہے تو اس حدیث کا کیا معنی ہے کیا اس حدیث سے موت وحیات، قرب وبعد اور غیبت وحضور کا فرق باطل ومردود نہیں ہو جاتا حافظ ابن حجر ہیتمی نے الجوھر المنظم میں فرمایا:

'' وهذاالمعنى حاصل في حياته وبعد موته ومن ثم استعمل السلف هذاالدعاء في حاجاتهم بعدموته ﷺ ''(الجوهرالمنظم ص۱۵۱،دارجوامع الكلم قاهره۱۹۹۲ء)

ترجمہ:''یہ معنی حضور اقدس ﷺ کی حیات اور وفات دونوں حالتوں میں حاصل ہے اسی وجہ سے سلف صالحین نے حضور اقدس کے وصال کے بعد اپنی حاجتوں میں یہ دعا فرمائی''۔

اسی سے اس حدیث کا حال بھی آشکارا ہو گیا جس میں حضور اقدس سید عالم ﷺ نے یہ فرمایا:

''إذا استعنت فاستعن بالله'' (ترجمہ:''جب تم مدد مانگو تو اللہ سے مانگو'')

اولاً تو اس حدیث کی سندوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے ثانیاً اس کا معنی یہ ہے کہ کسی سے بھی استعانت کی جائے تو مستعان حقیقی کو فراموش نہیں کرنا چاہئے اور صاحب ایمان کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ اسباب سے مدد لینے کے وقت مسبب الاسباب کو نہیں بھولتا اگر مطلقا استعانت شرک ہو تو سارے بندگان خدا کو مشرک قرار دینا اور اسباب دنیا کو معطل و بے کار کرنا لازم آئے گا کہ ہر شخص ہزار ہا دنیاوی معاملات میں برابر کسی نہ کسی سے مدد لیا کرتا ہے خود حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:''**إنا لانستعين بمشرك** '' (ترجمہ:''ہم کسی مشرک سے استعانت نہیں کرتے'')

(امام احمد وابوداود وابن ماجہ نے بسند صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا)
اگر مسلمان سے بھی استعانت ناجائز ہوتی تو مشرک کی تخصیص کیوں فرمائی جاتی ولہذا امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ اپنے ایک نصرانی غلام وثیق نامی سے کہ دنیاوی طور کا امانت دار تھا ارشاد فرماتے:
" أسلم أستعن بک علی أمانة المسلمین"
ترجمہ:۔"تو مسلمان ہو جا کہ میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت کروں"۔
وہ نہ مانتا، تو فرماتے:
"ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے"۔
امام بخاری تاریخ میں حبیب بن یساف رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:
"إنا لانستعين بمشركين على المشركين ورواه الإمام أحمد أيضا".
ترجمہ:۔"ہم مشرکوں سے مشرکوں پر استعانت نہیں کرتے"۔
صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن نسائی میں ہے کہ چند قبائل عرب نے حضور اقدس ﷺ سے استعانت کی حضور والا ﷺ نے مدد عطا فرمائی۔
" عن أنس رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ أتاه رعل وذكوان وعصية وبنو لحمان فزعموا أنهم أسلموا واستمدوه على قومهم فأمدهم النبي ﷺ "الحديث"
ترجمہ:۔"انس رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان آئے اور اسلام کا دعوی کرتے ہوئے حضور ﷺ سے اپنی قوم پر مدد چاہی آپ نے ان کی مدد کی"۔(برکات الإمداد لأهل الاستمداد از سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ)
مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ "بركات الإمداد لأهل الاستمداد" میں محققانہ بحث فرما کر ارشاد فرمایا:

"جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے شرک ہی ہوگا، اور ایک کے لیے شرک نہیں تو کسی کے لیے بھی شرک نہیں ہوسکتا، کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہوسکتے زندے ہوسکتے، دور کے نہیں ہوسکتے، پاس کے ہوسکتے ہیں، انبیا نہیں ہوسکتے حکیم ہوسکتے ہیں، انسان نہیں ہوسکتے، فرشتے ہوسکتے ہیں۔ حاشاللہ اللہ تبارک وتعالی کا

میں اخیر میں اس مسئلہ کو بخاری و مسلم کی اس حدیث پر ختم کرتا ہوں جو انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ثلاث من كن فيه وجدطعم الإيمان، من كان يحب المرء لايحبه إلالله، ومن كان الله ورسوله أحب إليه مماسواهما،ومن كان أن يلقى في النار أحب إليه من أن يرجع بعد أن أنقذه الله منه'' ۔''جس شخص کے اندر تین خصلتیں موجود ہوں گی وہ ایمان کا ذائقہ پائے گا، جو شخص کسی انسان

کوئی شریک نہیں ہوسکتا تو مثلا جو بات ندا خواہ کوئی شی جس اعتقاد کے ساتھ کسی پاس بیٹھے ہوئے زندہ آدمی سے شرک نہیں وہ اسی اعتقاد کے ساتھ کسی پاس بیٹھے ہوئے زندہ آدمی سے شرک نہیں وہ اسی اعتقاد سے کسی دور والے، یا مردے بلکہ اینٹ پتھر سے بھی شرک نہیں ہوسکتی۔اور جو ان میں سے کسی سے شرک ٹھہرے وہ قطعا یقیناً تمام عالم سے شرک ہوگی۔اس استعانت ہی کو دیکھیے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی اسے قادر بالذات و مالک مستقل جان کر مدد مانگنا بہ ایں معنی اگر دفع مرض میں طبیب یا دوا سے استمداد کرے، یا حاجت فقر میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے ،یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑے، بلکہ کسی سے روزمرہ کے معمولی کاموں ہی میں مدد لے جو بالیقین تمام مخالفین روزانہ اپنی عورتوں، بچوں، نوکروں سے کرتے کراتے ہیں مثلا یہ کہنا کہ: فلاں چیز اٹھادے، یا کھانا پکادے، یا پانی پلادے سب شرک قطعی ہے کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کردینے پر انھیں خود اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر اور شرک میں کیا شبہ رہا اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی مظہر عون الٰہی و واسطہ وسیلہ وسبب سمجھنا اسی معنی پر حضرات انبیا و اولیا علیہم أفضل الصلاۃ والثنا سے کیوں شرک ہونے لگی مگر حکیم، امیر، جج، اولاد، نوکر جورواں (بیویاں) سب کو مظہر عون وسبب و وسیلہ جاننا جائز ہے۔اور ان حضرات عالیہ کو کہ وہ اعلی مظہر و اعظم سبب و افضل وسائل بلکہ منتہی الاسباب وغایۃ الوسائط ونہایۃ الوسائل ہیں ایسا سمجھنا شرک ہوگیا۔ہزار تف بریں بے عقلی و ناانصافی۔غرض پانی وہیں مرتا ہے کہ جو کچھ غصہ ہے وہ حضرات محبوبان خدا کے بارے میں ہے جورو، یار، بچے مددگار نوکر کارگزار مگر انبیا و اولیا کا نام آیا اور سر پر شرک کا بھوت سوار یہ کیا دین ہے؟ کیسا ایمان ہے ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم'' (برکات الإمداد لأهل الاستمداد، ص۴۴ تا ۴۶)

ناظرین کرام بنظر انصاف ان سطور کا مطالعہ کریں اور فیصلہ کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

سے صرف اللہ ہی کے لیے محبت کرے، اور جسے اللہ و رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں، اور جسے اللہ نے کفر سے بچایا اسے آگ میں ڈالا جانا کفر کی طرف پلٹنے سے زیادہ پسند ہو"۔[1]

(۱) اس حدیث کو امام احمد (۳/۱۰۳، ۲۷۵)، بخاری (۱/۱۴)، مسلم (۱/۶۶)، ترمذی (۵/۱۵)، نسائی نے مجتبیٰ میں (۸/۹۶)، ابن ماجہ (۲/۱۳۳۸)، اور ابن حبان (۳/۴۷۳) وغیرہم نے تخریج کی۔

(۷۲) ابن تیمیہ کے اصحاب کا یہ دعوی ہے کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں اپنا کوئی معاملہ نہیں جانتے، اور نہ کچھ سنتے ہیں، آپ کا عمل منقطع ہو چکا ہے

اس وقت اللہ عزوجل امت مسلمہ کا ان لوگوں سے امتحان لے رہا ہے، جو افضل الخلق ﷺ کی زیارت نہیں کرتے، اور لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ آپ کی زیارت شریفہ نہ کی جائے، یہ لوگ جرأت وجسارت اور نہایت بے باکی سے یہ کہتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ کو اپنے معاملہ کی خبر نہیں، تو بھلا اپنی امت کا معاملہ کیسے جانیں گے؟ **نستغفر الله تعالى من هذاالقول.**

میں تو کہتا ہوں:

خدا کی قسم یہ بولی یا تو کسی زندیق، یا ایسے منافق کی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے باطنی عداوت رکھتا ہے، اور آپ کو کمزور عاجز انسان کی صورت میں دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے، ایسی باتیں وہی کرے گا جو اسرا اور معراج کی حدیث دل میں جھٹلاتا ہے، اور کھلے لفظوں میں کہنے کی ہمت وطاقت نہیں رکھتا ہے، ایسی بے سروپا باتیں کرنے والے مسلمانوں کی کتابوں میں اس لیے کھود کرید کرتے ہیں تا کہ انھیں کوئی دلیل حاصل ہو اگر چہ کمزور ہی سہی۔

بالآخر اس زمانہ کے مبتدعین ایک ایسی چیز پا گئے جسے وہ دلیل گمان کرتے ہیں، وہ یہ حدیث ہے جس میں نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" أصحابي أصحابي ، فيقال إنک لاتدري ما أحد ثوا بعدک ".

ترجمہ:۔"میرے اصحاب میرے اصحاب آپ سے یہ کہا جائے گا کہ آپ کو ان کی وہ بدعتیں معلوم نہیں جنھیں آپ کے بعد انھوں نے ایجاد کیا"۔

علمائے امت میں سے کسی عالم کو ہم نے نہ دیکھا جس نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہو کہ نبی پاک ﷺ اپنی قبر میں کچھ علم نہیں رکھتے، ہاں اس دور جدید میں کچھ لوگ ایسا استدلال کرتے ہیں، **نعوذ بالله تعالى من مثل هذاالاستدلال.**

اس حدیث کی سند بلاشبہ بے غبار ہے، مگر پھر بھی اس کا معنی مشکل ہے جیسا کہ بہت سارے ائمہ وحفاظ نے اس کی تصریح فرمائی کہ یہ حدیث ایسی کثیر دلیلوں کے معارض ہے جواس حدیث سے زیادہ باقوت اور مستحکم ہیں، بعض دلیلیں پیش خدمت ہیں:

(۱) قرآن کریم کی آیتوں سے یہ حقیقت روشن ہے کہ سارے صحابہ عادل ہیں قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح -۲۹:۴۸]

محمد اللہ کے رسول ہیں اوران کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اورآپس میں نرم دل۔

اوراللہ عزوجل کاارشاد ہے:

" رضي الله عنهم ورضوا عنه"(بینہ۸پ۳۰ع۲۳)

ترجمہ:۔''اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی''۔

اوراس طرح کی بہت سی آیتیں اس باب میں وارد ہیں۔

قرآن کریم کی اس نص قطعی کی روشنی میں ساری امت نے اس بات پر اجماع کیا کہ سارے صحابہ عادل ہیں۔

(۲) بزار نے بسند صحیح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

" إن لله ملائكة سياحين يبلغون عن أمتي السلام".

ترجمہ:۔''بے شک اللہ عزوجل کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو سیروسیاحت کرتے، اور میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا:

" حياتي خيرلكم تحدثون وتحدث لكم، ووفاتي خيرلكم تعرض علي أعمالكم فما رأيت من خير حمدت الله عليه ومارأيت من شر استغفرت

الله لكم"(۱)

ترجمہ:۔"میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے،تم لوگ دین کی باتیں پوچھتے ہو اور اس کا جواب دیا جاتا ہے،اور میرا وصال تمہارے لیے بہتر ہے،تمہارے اعمال میرے پاس پیش ہوتے ہیں،تو اگر میں کوئی بھلائی دیکھوں گا اس پر اللہ کی حمد کروں گا،اور اگر کوئی برائی دیکھوں گا تو اللہ سے تمہارے لیے استغفار کروں گا"۔

اس حدیث کی صحت،اور اس کا اس باب کے تحت دخول اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جسے امام احمد، ابوداؤد،نسائی،اور ابن ماجہ وغیرہم نے چند طرق سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة فأكثروا علي من الصلاة فيه فإن صلاتكم معروضة علي".

ترجمہ:۔"بے شک تمہارا سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے،اسی دن آدم پیدا ہوئے،اسی روز ان کی روح قبض ہوئی،اور اسی دن صور پھونکا جائے گا،اور اسی روز ایک خوفناک آواز پیدا ہوگی جس سے زمین وآسمان کے سارے لوگ مر جائیں گے تو اس روز (جمعہ) مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیوں کہ تمہارا درود وسلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے"۔

صحابہ نے عرض کیا ہمارا درود وسلام آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا حالاں کہ آپ اس ظاہری دنیا سے سفر فرما جائیں گے تو آپ نے فرمایا:

(۱) میں کہتا ہوں: یہ حدیث چند طرق سے وارد ہے ان میں سے بعض صحیح ہیں جسے بزار (۳۰۸/۵،۳۰۹) نے تخریج کی،اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۴/۹) میں ان کی اسناد کو صحیح کہا،اور کہا: ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں،اور ایسا ہی حافظ عراقی نے تخریج کیا،اور اسے سیوطی نے صحیح کہا،ایسا ہی خصائص کبری (۴۹۱/۲) میں ہے،بزار نے ابن مسعود سے یہ حدیث روایت کی ہے۔اور زرقانی نے اپنی شرح (۹۷/۱) میں کہا: اس کو بزار نے باسناد جید روایت کیا،اور اس حدیث کے دوسرے بھی طرق ہیں جو انس بن مالک اور بکر بن عبداللہ مزنی سے مروی ہیں،ہم صحیح طریق،اور چار ائمہ اعلام کی تصحیح حدیث کے ذکر پر اکتفا کر رہے ہیں۔

" إن الله عزوجل حرم على الأرض أن تاكل أجسادالأنبياء". [1]

ترجمہ:۔"بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیا کے جسموں کو کھائے"۔

(۴) امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں یہ معاملہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالی عنہم کے نزدیک اس قدر مشہور ومتعارف ہے کہ خود صحابہ کرام لوگوں کو یہ تعلیم فرماتے [2] تھے کہ ان کے اعمال ان کے مردوں اوران کے اقارب پر پیش کیے جاتے ہیں،اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ خود ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۴۴۰/۳) میں مردوں پر زندہ انسانوں کے اعمال پیش کیے جانے کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

اس باب میں صحابہ سے بہت سارے آثار مروی ہیں اور عبداللہ بن رواحہ کے اقارب میں سے بعض انصار کہتے تھے:

(۱) اس حدیث کو امام احمد (۸/۴)،ابوداؤد (۲۷۵/۱)،نسائی (۵۱۹/۱)،ابن ماجہ (۳۴۵/۱)،ابن خزیمہ (۱۱۸/۳)، ابن حبان (۱۹۰/۳،۱۹۱)، حاکم (۴۱۳/۱) اوران کے علاوہ (ابن ابوشیبہ،اوردارمی،اورطبرانی،اوربیہقی نے) تخریج کی، اورابن خزیمہ،ابن حبان،حاکم،دارقطنی اورنووی نے الاذکار میں اس کی اسناد کو صحیح کہا،اورحافظ منذری نے "الترغیب والترھیب" (۳۲۸/۲) میں اس کی بعض سندوں کو جید کہا،اوربیہقی کے نزدیک ابوامامہ کے طریق کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۱۶۷/۱۱) میں کہا:اس کی سند میں کوئی حرج نہیں"۔

(۲) امام احمد نے انس بن مالک سے روایت کیا کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

" إن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم من الأموات فإن كان خيرا استبشروا به وإن كان غيرذلک قالوا اللهم لاتمتهم حتى لاتهديهم كماهديتنا"(مسنداحمدبن حنبل ۱٦٤/۳ موسسه قرطبه قاهره)

ترجمہ:۔"تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اوراگر اعمال برے ہوتے ہیں تو وہ یہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! توانھیں اس وقت تک موت نہ دے جب تک انھیں ہدایت نہ عطا فرمادے"۔ (مترجم)

" اللهم إني أعوذبک من عمل أخزى به عند عبدالله بن رواحة".

ترجمہ:۔''اے اللہ! میں ایسے عمل سے تیری پناہ لیتا ہوں جس کے سبب عبداللہ بن رواحہ کے پاس میری رسوائی ہو''۔

یہاں تک کہ خود ابن تیمیہ اس بات کا قائل ہے کہ زندوں کے اعمال مردوں کے پاس پیش کیے جاتے ہیں جیسا کہ اس نے مجموع الفتاوی (۳٦٨/٢٤) میں کہا:

(اور جب زندہ لوگوں کے اعمال مردوں کے پاس پیش ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ابودرداء یہ کہتے تھے: اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ لیتا ہوں کہ ایسا عمل کروں جس کے سبب عبداللہ بن رواحہ کے پاس رسوا کیا جاؤں)

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ! ابن تیمیہ کے ماننے والے، اوراس کے طریقہ پر چلنے والے یہ تو مانتے ہیں کہ زندوں کے اعمال مردوں کے پاس پیش کیے جاتے ہیں، مگر یہ نہیں مانتے کہ نبی پاک کی بارگاہ میں اس امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں،

یہ امر واضح رہے کہ احادیث وآثار اس باب میں متعدد طرق سے وارد ہیں کہ زندوں کے اعمال مردوں کے پاس پیش کیے جاتے ہیں، ان میں سے بعض احادیث وآثار یہ ہیں:

قیلہ بنت مخرمہ کی حدیث:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" أيغلب أحدكم أن يصاحب صويحبه في الدنيا معروفا،وإذامات استرجع، فوالذي نفس محمد بيده إن أحدكم ليبكي فيستعبر إليه صويحبه، فياعباد الله لاتعذبوا موتاكم"

ترجمہ:۔''کیا تم میں کوئی شخص اس میں غالب ہوگا کہ دنیا میں اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ

بھلائی کرے،

اور جب وہ دنیا سے رخت سفر باندھے تو ''إنا لله وإنا إليه راجعون '' پڑھے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے تم میں سے کوئی شخص روتا ہے تو اپنے چھوٹے بھائی پر اپنے غم کے آنسو بہاتا ہے، تو اے اللہ کے بندو! اپنے مردوں کو تکلیف و عذاب میں نہ ڈالو''۔(۱)

نعمان بن بشیر کی حدیث:

آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:

'' ألا إنه لم يبق من الدنيا إلا مثل الذباب تمور في جوها فالله الله في إخوانكم من أهل القبور فإن أعمالكم تعرض عليهم'' (۲)

ترجمہ:۔''سنو دنیا کے حصوں میں سے صرف مکھی کے مثل باقی ہے جو اپنی فضا میں گشت کرتی ہے، تو اللہ اللہ اپنے قبر والے بھائیوں کے بارے میں اللہ کا خوف رکھو کیوں کہ تمہارے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہیں''۔

ابوایوب انصاری کی حدیث:

ابوایوب(۳) انصاری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) قیلہ بنت مخرمہ کی حدیث کے بارے میں حافظ عسقلانی نے فتح الباری (۳/۱۵۵) میں کہا: اس کی اسناد حسن ہے، ابن ابوخیثمہ، ابن ابوشیبہ اور طبرانی وغیرہم نے اس حدیث کی تخریج کی، اور ابوداؤد اور ترمذی نے اس کے کچھ اجزا تخریج کیے۔ میں کہتا ہوں: اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹۶-۱۲) میں کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) حاکم نے نعمان کی حدیث روایت کی (۳۴۲/۴) اور کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، اور ذہبی نے اس پر تعقب کیا، اور بیہقی نے شعب الایمان (۲۶۱/۷) میں اس کو روایت کیا۔

(۳) امام احمد انس ابن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:
''إن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم من الأموات فإن كان خيرا استبشروا به

" وإن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم ، فإن كان خيرًا فرحوا واستبشروا وقالوا اللهم فضلك ورحمتك فأتمم نعمتك عليه، وأمِتْهُ عليها، ويعرض عليهم عمل المسئى فيقولون اللهم ألهمه عملا صالحا ترضى به عنه وتقربه إليك" .

ترجمہ:۔''بے شک تمہارے اعمال تمہارے اقارب،اور تمہارے کنبہ وقبیلہ کے لوگوں پر پیش کیے جاتے ہیں، اگر اعمال اچھے ہوتے ہیں تو انہیں خوشی ہوتی ہے،اور وہ یہ دعا کرتے ہیں،اے اللہ! یہ تیرا فضل اور تیری رحمت ہے تو اپنی نعمت اس پر مکمل فرما،اور اسی نعمت پر اس کا خاتمہ فرما،اور اگر اعمال برے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں:اے اللہ! تو اسے ایسا عمل صالح، الہام (تعلیم) فرما،جس سے تو راضی ہو اور تو اسے اپنا مقرب بنالے''۔[1]

وإن كان غير ذلك قالوا اللهم لاتمتهم حتى لا تهديهم كماهديتنا" (مسند احمد بن حنبل ۱۶۴/۳ موسسہ قرطبہ قاہرہ)

ترجمہ:۔''تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اعمال برے ہوتے ہیں تو وہ یہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! تو انھیں اس وقت تک موت نہ دے جب تک انھیں ہدایت نہ عطا فرمادے۔ (مترجم)

(۱) ابوایوب انصاری کی حدیث طبرانی نے معجم کبیر (۱۲۹/۴)،اور اوسط (۵۴/۱) میں روایت کیا،اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۳۲۷/۲) میں کہا:اس میں مسلم بن علی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

میں کہتا ہوں: اور انس نے مسند امام احمد (۱۶۴/۳) میں ذکر کیا کہ اس میں ایک ایسا راوی ہے جس کا نام معلوم نہیں جیسا کہ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۲۸/۲، ۳۲۹) میں کہا۔

اور جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ اس کو طیالسی نے روایت کیا (۲۴۸/۱)،تفسیر ابن کثیر (۳۸۸/۲) دیکھیں، اور ابو ہریرہ سے (موقوفا) مروی ہے، جسے حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۱۵۵/۳) میں نقل کیا،اور اس کو صحیح کہا،اور اس کو طبری کی طرف منسوب کیا،اور ابودرداء سے (موقوفا) مروی ہے الزہد لابن المبارک (۴۲/۱) آپ فرماتے تھے کہ:تمہارے اعمال تمہارے مردوں پر پیش ہوتے ہیں تو انہیں خوشی ہوتی ہے اور رنج بھی ہوتا ہے،فرمایا: ابودرداء عرض کرتے اے اللہ! میں اس سے تیری پناہ لیتا ہوں کہ ایسا عمل کروں جس کے سبب عبداللہ بن رواحہ کے پاس میری رسوائی ہو۔

(۵) طبرانی وغیرہ نے محمد بن فضالہ ظفری سے تخریج کی (آپ ان صحابہ میں سے ہیں جو نبی پاک ﷺ کی بافیض صحبت میں رہے) کہ رسول اللہ ﷺ بنوظفر کی مسجد میں ان کے پاس تشریف لائے، (بنوظفر کی مسجد میں موجود چٹان پر جو آثار ونشانات قائم ہیں آج بھی موجود ہیں) اور حضور کے ہمراہ عبداللہ بن مسعود اور معاذ بن جبل اور آپ کے بعض اصحاب کرام تھے، نبی پاک ﷺ نے ایک قاری کو قراءت کا حکم فرمایا تو انھوں نے تلاوت کی یہاں تک کہ اس آیت کریمہ پر پہنچے:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴾ [النساء ۴:۴۱]

ترجمہ:۔ ''تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں''۔

تو رسول اللہ ﷺ اس قدر اشک بار ہوئے کہ آپ کی دونوں داڑھیاں تر ہوگئیں پھر عرض کیا:

''أي رب شهدت على من أنا بين ظهرانيه ،فكيف بمن لم أر''

اے پروردگار! میں ان لوگوں پر گواہ ہوں جن کے درمیان موجود ہوں، تو کیسے ان لوگوں کا گواہ نہ ہوں گا جنہیں میں نے نہ دیکھا''۔[1]

میں کہتا ہوں: اور یہ مدد مانگنے سے بھی زیادہ واضح ہے کہ حضور ان لوگوں کی شہادت دے رہے ہیں جنہیں آپ نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا۔

اور اس کی دلیل وہ بھی ہے جسے امام بغوی نے اپنی تفسیر (۱/۴۲۹) میں فرمایا:

'' (وجئنابک) یامحمد (علی ھؤلاء شھیدا) شاھدا یشھدعلی جمیع الأمة

(۱) طبرانی نے معجم کبیر (۱۹/۲۴۳) میں اس حدیث کی تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۷/۴) میں کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں، اور سیوطی نے درمنثور (۲/۵۴۱) میں اس کی اسناد کو حسن کہا، اور اس کو ابن ابوحاتم کی طرف منسوب کیا اور بغوی نے بھی اس کو اپنی معجم میں ذکر کیا۔

علی من رأه ومن لم یره''.

ترجمہ:۔''اور اے محمد! (ہم نے تمہیں ان لوگوں پر گواہ بنایا) یعنی ایسا گواہ بنایا جو ساری امت کا گواہ ہے جنہیں دیکھا، اور جنہیں نہ دیکھا سب کا''۔

اور طبری (۹۲/۵) اور نسفی نے اپنی تفسیر (۲۲۳/۱) میں اسی معنی کا قول کیا، اور ابن الجوزی نے **زاد المسیر** (۸۵/۲-۸۶) میں کہا:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴾ [النساء-۴:۴۱]

ترجمہ:۔''تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں''۔

حضور اقدس ﷺ کس چیز کی گواہی دیں گے؟ اس بارے میں چار[۴] قول ہیں: **ایک قول** یہ ہے کہ: حضور اس بات کی گواہی دیں گے کہ آپ نے اپنی امت کی تبلیغ فرمادی، اس کے قائل ابن مسعود، ابن جریج، سدی، اور مقاتل ہیں۔ اور **دوسرا قول** یہ ہے کہ: حضور ان کے ایمان کی گواہی دیں گے، اس کے قائل ابوالعالیہ ہیں، اور **تیسرا قول** یہ ہے کہ: ان کے اعمال کی گواہی دیں گے، اس کے قائل مجاہد اور قتادہ ہیں، اور **چوتھا قول** یہ ہے کہ: حضور ان کے موافق (ثواب) اور مخالف (عقاب وعذاب) کی شہادت دیں گے، اس کے قائل زجاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد:''وجئنا بک'' میں کاف خطاب سے حضور اقدس ﷺ مراد ہیں اور ''ھٰؤلاء'' کے بارے میں تین اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ: اس سے آپ کی ساری امت مراد ہے، پھر اس میں بھی دو قول ہیں: ایک[۱] قول یہ ہے کہ: ان کے خلاف شہادت دیں گے، اور دوسرا قول یہ ہے: کہ ان کے موافق شہادت دیں گے۔ تو ''علی حرف جار'' ''لام'' کے معنی میں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ: ''ھٰؤلاء'' سے کفار مراد ہیں، حضور ان پر یہ گواہی دیں گے کہ ان تک پیغام پہنچا دیا، اس کے قائل مقاتل ہیں، اور تیسر[۳] اقول یہ ہے کہ: یہود ونصاریٰ مراد ہیں اس کو ماوردی

نے ذکر کیا۔

﴿يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْتُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَايَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا﴾ [النساء-۴: ۴۲]

ترجمہ:۔''اس دن تمنا کریں گے وہ جنھوں نے کفر کیااوررسول کی نافرمانی کی کاش انہیں مٹی میں دبا کرزمین برابر کردی جائے،اورکوئی بات اللہ سے نہ چھپاسکیں گے''۔(انتہی قول ابن الجوزي)

حافظ ابن حجرعسقلانی نے فتح الباری (۱۴۹/۸) میں فرمایا: خطابی نے کہا: بعض لوگوں نے (جن کا اہل علم میں شمار نہیں) یہ خیال کیا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد:

"لاکرب علی أبیک بعدالیوم (ترجمہ:۔''آج کے بعد تمہارے والدکوکوئی تکلیف نہ ہوگی'')

سے یہ مراد ہے کہ آپ کا کرب اپنی امت پر شفقت کے لیے تھا،اس لیے کہ آپ کومعلوم تھا کہ فتنے اوراختلافات رونما ہوں گے''۔

اس قول کی کوئی حقیقت نہیں اس لیے کہ اس قول پر یہ لازم آرہاہے کہ اپنی امت پرآپ کی شفقت آپ کے وصال کے بعد باقی نہ رہے حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شفقت روز قیامت تک باقی رہے گی،اس لیے کہ آپ کی بعثت ان لوگوں کی طرف بھی ہوئی ہے جوآپ کے بعد آئیں گےاوران کے اعمال آپ پرپیش کیے جائیں گے۔اھ

أحکام القرآن للجصاص (۳۰۵-۳۷۰ھ)(۱۱۰/۱) میں ہے: اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

﴿إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾

[الاحزاب۳۳:۴۶،۴۵]

ترجمہ:۔''بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضروناظراورخوش خبری دیتااورڈرسناتا،اوراللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتااورچمکادینے والاآفتاب''۔

اوراللہ تعالی کاارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَـٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [الانبیاء-۲۱:۱۰۷]

ترجمہ:''اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

کسی مسلمان کے بارے میں میرا یہ گمان نہیں کہ وہ مطلقا اس قول کو جائز رکھے گا کہ نبی پاک ﷺ ساری امت اول وآخر کی طرف مبعوث نہ ہوئے ،اورآپ ان پر حجت وشاہداورساری امت کے لیے رحمت نہیں،انتھی

میں کہتا ہوں:

جب اللہ عزوجل کے رسول تم سب پر شاہد وگواہ ہوں گے تو جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ حضور کے وصال ظاہری کے بعد حضور پر امت کے اعمال پیش نہیں کیے جاتے اس معترض کا کون شاہد وگواہ ہوگا؟

ابن عباس،حسن بن علی،عکرمہ،ضحاک اورعبدالعزیز بن یحی نے اللہ تعالی کے ارشاد:''وشاھد ومشھود'' کے بارے میں فرمایا: شاہد محمد ﷺ ہی کی ذات اقدس ہے۔(۱)

(۲) امام مسلم نے (۱/۳۹۰)ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: **''عرضت علي أعمال أمتي حسنھاوسیٔھافوجدت في أعمالھاالأذی یماط عن الطریق، و وجدت في مساوي أعمالھا النخاعة تکون في المسجد لاتدفن''** مجھے میری امت کے اچھےاور برے اعمال دکھائے گئے تو میں نے اس کے اچھے اعمال میں یہ پایا کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کودور کردیا جائے ،اوراس کے برے اعمال میں یہ پایا کہ کھنکھاراور بلغم مسجد میں

(۱) نسائی نے سنن کبری (۶/۵۱۲) میں اثرابن عباس کی تخریج کی،اورھیثمی نے مجمع الزوائد(۷/۱۳۶) میں کہا:اس کو بزار نے روایت کیا،اوراس کے رجال ثقہ ہیں،زادالمسیر (۹/۷۱،۷۲)،تفسیرابن کثیر(۴/۴۹۳)،تفسیرطبری(۵/۹۲)اوردرمنثور (۸/۴۶۴) دیکھیں، اوراثرحسن بن علی تفسیرطبری (۵/۹۲)، زادالمسیر (۹/۷۱،۷۲)،تفسیر ابن کثیر (۴/۴۹۳)، اور درمنثور(۸/۴۶۴) میں مذکور ہے،اوراثرعکرمہ طبری(۵/۹۲)، اورتفسیرابن کثیر(۴/۴۹۳) میں مروی ہےاوراثرضحاک اورعبدالعزیز بن یحي کوابن الجوزی نے زادالمسیر (۹/۷۱،۷۲) میں نقل کیا۔

کرے تو اسے نہ چھپائے''۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث مقدم ہے تو ہم کہیں گے یہ تمہارے خلاف حجت ہے نہ کہ تمہارے موافق، اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث: ''**إنک لاتدري ماأحدثوا بعدک**'' (یعنی آپ کو ان بدعات کا علم نہیں جو انھوں نے آپ کے بعد ایجاد کیا) مقدم ہے، ہم کہیں گے وہ بھی تمہارے خلاف حجت ہے نہ کہ تمہارے موافق، اور اس کی ایک بسیط وجہ یہ ہے کہ حدیث میں یہ ہے: ''**لاتدري ماأحدثوا بعدک**'' اس ارشاد میں قیامت تک علم کی نفی ثابت کرنا ہے، اور دوسری حدیث میں اس حدیث مذکور کے مضمون کی نفی موجود ہے اس لیے کہ حضور نے فرمایا: ''**عرضت علي أعمال أمتي حسنها وسيئها**'' ''میری امت کے اچھے اور برے اعمال مجھے دکھائے گئے''۔

(۷) طبرانی نے بسند حسن ابو درداء سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**لألفين مانوزعت أحدا منكم عندالحوض فأقول هذا من أصحابي فيقول إنک لاتدري ماأحدثوا بعدک**'' ضرور ضرور میں تمہیں حوض کے پاس نزاع کرتے پاؤں گا تو میں کہوں گا یہ میرے اصحاب سے ہے، تو وہ کہے گا آپ وہ بدعتیں نہیں جانتے جو انھوں نے آپ کے بعد ایجاد کیں' ابو درداء نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان لوگوں میں سے نہ رکھے تو آپ نے فرمایا: ''**لست منهم**'' ''تم ان میں سے نہیں''۔(۱)

اور ابو درداء نے فرمایا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ اپنے ایمان کے بعد عنقریب کفر کریں گے، تو آپ نے فرمایا: ''ہاں اے ابو درداء! اور تم ان

(۱) حوض سے متعلق ابو درداء کی حدیث طبرانی نے معجم اوسط (۱/۱۲۵)، اور مسند الشامیین (۲/۳۱۱) میں اور ابن عبد البر نے التمہید (۲/۳۰۴) میں روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۳۶۷) میں کہا: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا، اور بزار نے اسی طرح روایت کیا، اور ان دونوں کے رجال ثقہ ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۱۱/۳۸۵) میں اس کی اسناد کو حسن کہا۔

میں سے نہیں''۔(۱)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو آپ کے ان اصحاب کا علم عطا فرمادیا جنہیں حوض سے دور کردیا جائے گا تو اس روشن دلالت کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کیوں کر درست ہوگا: ''آپ ان بدعتوں کو نہیں(۲) جانتے جنہیں آپ کے بعد انھوں نے ایجاد کیا''۔

---

(۱) **إن نـاسـا مـن أمتي سيكفـرون**، اس حدیث کو ابن ابوعاصم نے الاحـادوالـمثـاني (۱/۱۲۹) اور طبرانی نے معجم کبیر (۱/۸۹) میں تخریج کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا: اس کو طبرانی نے دوسندوں سے روایت کیا، اور ان دونوں میں ایک کے راوی ابوعبداللہ اشعری صحیح کے راوی ہیں، وہ ثقہ ہیں۔

(۲) **أقول**: مبتدعین کا حدیث پاک: ''**إنک لاتـدري مـاأحدثوا بعدک**'' کہ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیے'' سے حضوراقدس کی نفی علم پر استدلال کسی طرح تام نہیں معاندین خود کو عامل بالحدیث کہتے ہیں اور احادیث پر پختہ ایمان کا دعوی کرتے ہیں مگر ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان کی خواہش نفس کے مطابق کوئی حدیث ہے تو اسے قبول کرتے ہیں اور اگر اس حدیث سے ان کے اختراعی مذہب کی ساری بنیادیں منہدم ہوتی ہیں تو اس کا سرے سے انکار کرتے ہیں یہی حال یہاں بھی ہے دراصل باب الحوض والشفاعۃ میں مذکور اصل حدیث یوں ہے:

" ليـردنّ عـلـي أقوام أعرفهم ويعرفونني ثم يحال بيني وبينهم فأقول إنهم مني فيقال إنک لاتدري ماأحدثوا بعدک فأقول سحقاسحقالمن غيّر بعدي''.

ترجمہ:۔''حوض پر ہمارے پاس کچھ قومیں آئیں گی جنھیں ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں۔ پھر ہمارے اور ان کے درمیان آڑ کردی جائے گی، ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیے تو ہم فرمائیں گے دوری ہو دوری ہو اس کو جو میرے بعد دین بدلے''۔

ذرا غور فرمائیں خود حضور سارا واقعہ بیان فرمارہے ہیں اور یہ فرمارہے ہیں میں انہیں پہچانتا ہوں تو کیا قیامت کے دن بھول جائیں گے حضوراقدس قیامت کے دن اپنے عاشقوں کو کیوں کر نہ پہچانیں گے جب کہ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿يَوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ﴾[آل عمران-۳:۱۰۶]

(۸) ابوبکرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لیردن علی الحوض رجال ممن صحبني، ورآني حتی إذا رفعوا إلي ورأيتهم اختلجوا دوني فلأقولن رب أصحابي أصحابي فيقال إنک لاتدري ما أحدثوا بعدک" حوضِ کوثر کے پاس ایسے لوگ آئیں گے جنہیں میری صحبت نصیب ہوئی، اور مجھے دیکھا، یہاں تک کہ جب وہ میرے سامنے پیش ہوں گے، اور میں انہیں

ترجمہ:۔ "جس دن کچھ منھ اجالے ہوں گے اور کچھ منھ کالے"۔

نیز اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران-۳:۱۰۷]

ترجمہ:۔ "اور وہ جن کے منھ اجالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں"۔

فرمایا: ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمٰهُمْ﴾ [الرحمٰن-۵۵:۴۱]

ترجمہ:۔ "مجرم اپنے چہرے سے پہچانے جائیں گے"۔

فرمایا: ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ [الفتح-۴۸:۲۹]

ترجمہ:۔ "ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے"۔

مشکوۃ باب الحوض میں ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کو نکالنے کے لیے جہنم میں جائیں گے اور ان کی پیشانی کے داغ سجدہ کو دیکھ کر ان کو جل چکنے کے بعد نکالیں گے اور ان سے فرمایا جائے گا:

"فمن وجدتم في قلبه مثقال ذرة من خير فأخرجوه"

ترجمہ:۔ "جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان پاؤ اس کو جہنم سے باہر نکالو"۔

ناظرین کرام ان مبتدعین کی سفاہت وحماقت ملاحظہ فرمائیں رب العالمین مومنوں اور کافروں کے بارے میں ارشاد فرمارہا ہے کہ وہ اپنی علامتوں سے پہچان لیے جائیں گے اور حدیث پاک اس پر شاہد ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمان کو پہچان کر باہر نکال لیں گے تو کیا مالک جنت شفیع روزمحشر ﷺ مومن وکافر کو نہ جانیں گے۔

پھر ذرا غور فرمائیں کہ حدیث کس باب سے متعلق ہے اور اسے کہاں سے جوڑ کر ایک غلط معنی نکالا....جارہا ہے جس سے صاف صاف ان احادیث کا انکار لازم آتا ہے جن میں صاف تصریح ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ اپنی امت کے احوال جانتے ہیں اپنی ظاہری حیات طیبہ میں بھی اور پردہ فرمانے کے بعد بھی کیوں کہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں جس کی تحقیق وتفصیل گزر چکی المواهب اللدنية میں ہے:

اپنے سامنے خلجان میں دیکھوں گا تو میں ضرور ضرور کہوں گا اے رب! یہ میرے اصحاب، میرے اصحاب ہیں، تو کہا جائے گا کہ آپ وہ بدعتیں نہیں جانتے جنہیں آپ کے بعد انھوں نے ایجاد کیا''۔(۱)

اس حدیث سے صحبت و دیدار دونوں چیزیں ثابت ہیں، اور اس میں ان لوگوں کا رد بھی ہے جنھوں نے حدیث کو امت کے کچھ خاص اشخاص کی طرف پھیر دیا ہے۔

(۹) امام شافعی نے امام مالک پر یہ اعتراض فرمایا کہ انھوں نے حدیث حوض تخریج فرمائی، اور امام مالک کو اس حدیث کی تخریج پر ندامت ہوئی جیسا کہ شرح زرقانی (۹۸/۱) میں فرمایا:

ابن شاکر نے کتاب مناقب الشافعی میں یونس بن عبدالاعلی سے روایت کیا انھوں نے فرمایا کہ: امام شافعی نے موطا کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ متقدمین میں سے کسی نے کوئی ایسی کتاب تالیف کی جو امام مالک کی موطا اور اس کے مذکورہ اخبار واحادیث سے بہتر ہو۔ آپ نے ایسی روایت ذکر نہ کی جس سے اعراض کیا جائے جیسا کہ دوسرے محدثین نے ایسی روایتوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دی، مجھے آپ کے بارے میں نہیں معلوم کہ آپ نے کوئی ایسی حدیث ذکر فرمائی جس میں کسی صحابی کا ذکر کیا گیا ہو ہاں آپ نے یہ حدیث ذکر فرمائی:

''لیذادنّ رجال عن حوضي'' میرے حوض سے کچھ لوگوں کو دور کر دیا جائے گا۔

'' ولاشک أن حیاۃ الأنبیاء علیھم الصلاۃ والسلام ثابتة معلومة مستمرۃ نبینا صلی الله تعالی علیه وسلم أفضلھم وإذا کان کذلک فینبغي أن تکون حیاته صلی الله تعالی علیه وسلم أکمل وأتم من حیاۃ سائرھم''

ترجمہ: ''بلاشبہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات دائمی طور پر ثابت ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تمام انبیا سے افضل ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ سب سے افضل، اکمل اور اتم ہو''۔(المواہب اللدنیۃ ۵۸۶/۴ مطبوعہ پور بندر گجرات ۲۰۰۱ء)

(۱) امام احمد نے ابوبکرہ کی حدیث ''أصحابي فیقال إنک لاتدري ما أحدثوا بعدک'' تخریج کی، (۴۸/۵) اور ابن ابوشیبہ (۳۰۷/۶) اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۳۸۵/۱۱) میں اس کی اسناد کو حسن کہا۔

مجھے ایک ایسے شخص نے خبر دی جس نے امام مالک سے یہ سنا کہ آپ نے یہ حدیث ذکر کی کہ امام شافعی کی یہ خواہش تھی کہ آپ موطا میں یہ حدیث تخریج نہ کرتے۔

''نہایہ'' میں ہے: ہم کہیں گے کہ: کہ: یہ مبتدعین، دانستہ یا نادانستہ طور پر، ایسی چیز کی تلاش میں رہتے ہیں جس میں نبی پاک ﷺ کی کسر شان ہو، اور جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ ایک عام مردہ محتاج انسان کی طرح ہیں جو اپنی حاجت کے لیے کسی کو پکارتا ہے، اور جو شخص آپ کی زیارت کرتا ہے وہ آپ کو فائدہ پہنچاتا ہے، جس طرح ایک زندیق نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں یہ ہرزہ سرائی کی کہ: ''آپ مردہ ہیں، نہ کلام کرتے ہیں، اور نہ استغفار کرتے ہیں، آپ کی وفات کے سبب آپ کا عمل منقطع ہو گیا، آپ اپنی رحلت کے سبب کسی کا کلام نہیں سنتے، اگر کوئی شخص آپ کو پکارتا ہے تو آپ اس کی پکار نہیں سنتے کہ اسے جواب دیں''۔ میں اس زندیق کا نام لینا نہیں چاہتا کیوں کہ اس زندیق کا نام ومقام مشہور ومعروف ہے۔

مجھے اس پر حیرت ہے کہ میں نے بعض ایسے احباب کی تحریریں دیکھیں جو علم حدیث سے اشتغال رکھتے ہیں، اور ابن تیمیہ کا ردان کا محبوب مشغلہ ہے، مگر ان احباب نے ان شنیع کلمات مذکورہ کے قائل کا ذکر کر کے رسول اللہ ﷺ کا صرف دفاع کیا، اور اس قائل کی سفاہت ظاہر نہ کی جب کہ یہ احباب اس قائل کو مبتدع اور مشرک قرار دینے سے احتراز نہیں کرتے۔ ہوسکتا ہے اس گستاخ رسول کی تحریر ان تک نہ پہنچی ہو، ہم ان احباب سے یہ ذکر کریں گے کہ آپ حضرات اسرا اور معراج کی حدیث اپنا نصب العین بنائیں اس لیے کہ اس حدیث میں ایسے سربستہ راز ہیں جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی گواہی دی کہ انبیائے کرام زندہ ہیں، وہ اپنی قبروں کے اندر، مسجد اقصیٰ اور بلند آسمانوں میں طاعات وعبادات کرتے ہیں، ان حضرات نے حضور سے سلام وکلام کیا، اور آپ کے لیے دعا کی ___ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے، یہ حضرات اپنی امت کو نصیحت فرماتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے ثابت کے وصال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا اور آپ کی وصیت پوری فرمائی۔ اسی طرح عثمان بن عفان نے بیس ۲۰ مملوک غلام آزاد کیے، اور کچھ پائجامے منگا کر انہیں زیب تن

فرمایا جب کہ دور جاہلیت واسلام میں انہیں نہ پہنا ،اور آپ نے فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، اور عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہما کو گزشتہ رات خواب میں دیکھا وہ حضرات مجھ سے فرما رہے تھے: صبر کیجئے کیوں کہ آئندہ سال تم ہمارے پاس افطار کرو گے۔ پھر مصحف شریف منگایا اور اسے اپنے سامنے کھولا تو آپ اس حالت میں شہید کر دیے گئے کہ قرآن مقدس آپ کے روبرو تھا۔

ہیثمی نے کہا: عبداللہ، اور ابویعلی نے کبیر میں اسے روایت کیا، اوران دونوں کے رجال ثقہ ہیں۔

جولوگ مسلمانوں کی ذلت وزوال کے اسباب ہیں ان سے بس ہم یہی کہہ سکتے ہیں: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

(۳۷) اس زمانہ میں ابن تیمیہ کے بہت سے اعوان وانصار نے تشہد کا صیغہ ہی بدل ڈالا

نبی پاک ﷺ سے شدید بغض رکھنے والے مبتدعین ہمیشہ ایسی دلیلیں تلاش کرتے رہتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ سے خطاب جائز نہیں، ان مبتدعین نے تشہد کا صیغہ ہی بدل ڈالا، یہاں تک کہ یہ لوگ ''السلام علیک أیهاالنبي'' (اے نبی آپ پر سلام نازل ہو) نہیں کہتے، ان مبتدعین نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ایک شاذ روایت سے استدلال کیا، جس میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جب رفیق اعلی کی طرف سفر فرمایا تو صحابہ یہ کہتے تھے:'' السلام علی النبي'' (نبی پر سلام نازل ہو) حالاں کہ یہ صحیح نہیں اس لیے کہ خلیفہ ثانی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے برسر منبر سارے لوگوں کو صحابہ کرام کے عظیم الشان جھرمٹ میں جس تشہد کی تعلیم فرمائی اس کے الفاظ یہ ہیں:''السلام علیک أیهاالنبي'' اس سے یہ معلوم ہوا کہ تشہد کے اس صیغہ پر سارے صحابہ کا اجماع ہے۔

اور امام مالک نے موطا (۹۰/۱، ۹۱) میں روایت فرمایا: باب التشهد في الصلاة (نماز میں تشہد کا باب)

عروہ بن زبیر نے عبدالرحمٰن بن قاری سے روایت کیا کہ آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے برسر منبر سارے لوگوں کو اس تشہد کی تعلیم دیتے ہوئے سنا:

> التحيات لله، الزاكيات لله، الطيبات الصلوات لله، السلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين أشهد أن لاإله إلاالله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. الخ

ترجمہ:۔''تمام تحیتیں اللہ ہی کے لیے خاص ہیں، تمام ستھری چیزیں اللہ ہی کے لیے

زیبا ہیں، تمام پاکیزہ چیزیں تمام صلاۃ اللہ ہی کے لیے ہیں، اے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام نازل ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ الخ

بہت سے صحابہ کرام سے منقول ہے کہ تشہد میں نبی پاک ﷺ پر جب سلام بھیجا جائے تو ''السلام علیک'' کا لفظ کہا جائے ان حضرات صحابہ میں سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر بن خطاب، سیدہ عائشہ، سیدنا ابوموسی اشعری، عبداللہ بن عمر، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہم ہیں، اور صحابہ وتابعین جب مسجد میں داخل ہوتے تو یوں عرض کرتے: ''**السلام عليک أيها النبي ورحمة الله ،وبركاته، صلى الله وملائكته على محمد**'' جیسا کہ کثیر صحابہ وتابعین سے یہی [1] مروی ہے۔

(۱) امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی نے کتاب الشفا میں فرمایا:

''**قال أبوإسحاق بن شعبان وينبغي من دخل المسجدأن يصلي عن النبي صلى الله تعالى عليه وعلى اله**''

ترجمہ:۔''ابواسحاق بن شعبان نے فرمایا کہ: جو شخص مسجد میں داخل ہو اس کے لیے مناسب ہے کہ نبی ﷺ پر درود وسلام پیش کرے''۔(شفا ۴۴/۲ فصل في مواطن التي يستحب فيها الصلاة والسلام مطبوعہ: پوربندر گجرات)

نیز فرمایا:

''**واحتج ابن شعبان لماذكره بحديث فاطمة بنت رسول الله ﷺ أن النبي ﷺ كان يفعله إذادخل المسجد**''(شفا ۶۷/۲ مطبوعہ پوربندر گجرات)

ترجمہ:۔''اور ابواسحاق ابن شعبان نے اس کی دلیل فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پیش کی کہ حضور اقدس مسجد میں داخل ہوتے وقت ایسا ہی فرماتے تھے''۔

امام قاضی عیاض نے مزید فرمایا:

''**عن علقمة إذا دخلت المسجد أقول السلام عليک أيها النبي ورحمة الله وبركاته صلى الله وملائكته على محمد**''(شفا ۶۷/۲ مطبوعہ پوربندر گجرات)

ساری امت اور تمام مذاہب اربعہ کا اس پر اجماع ہے کہ نماز کے اندر تشہد میں ''السلام علیک أیھاالنبي'' پڑھا جائے۔

اب ہم مزید تحقیق وتوضیح کے لیے ائمہ اربعہ کے اقوال پیش کریں گے:

ابومحاسن حنفی نے معتصر المختصر (۱/۵۳،۵۴) میں فرمایا: ابن مسعود نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایسے ہی تشہد سکھایا جیسا کہ آپ مجھے قرآن کی سورت تعلیم فرماتے تھے:

التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته، السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین أشھدأن لا إله إلاالله وأن محمداً عبده ورسوله.

عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: یہ کلمات تشہد اس وقت تھے جب آپ ہمارے درمیان جلوہ بار تھے، جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم نے ''السلام علی النبي'' کہنا شروع کیا عبداللہ ابن مسعود کا یہ فرمانا کہ: ''یہ اس وقت

ترجمہ:۔''اور حضرت علقمہ نے فرمایا جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں: السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته صلی الله وملائکته علی محمدواٰله''۔

اوراسی کتاب الشفا میں یہ بھی ہے:

'' عن عائشة وابن عمر أنھما کانایقولان عندسلامھماالسلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین''(مرجع سابق)

ترجمہ:۔''حضرت عائشہ اور ابن عمر نماز میں سلام کے وقت یہ کہا کرتے تھے: السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین''.

اوراسی شفا میں یہ ہے:

'' استحب أھل العلم أن ینوي الانسان حین سلامه کل عبدصالح في السماء والأرض من الملائکة وبني اٰدم والجن''(مرجع سابق)

ترجمہ:۔''اہل علم نے اس بات کو مستحب فرمایا کہ نماز میں سلام کے وقت نمازی آسمان وزمین کے تمام بندگان نیک ملائکہ وانسان وجنات کی نیت کرے''۔ (مترجم)

تھا جب آپ جلوہ بار تھے جب آپ کا وصال ہوگیا تو ہم نے "السلام علی النبي" کہنا شروع کیا ــــ یہ منکر ہے صحیح نہیں، اس لیے کہ اس ارشاد کا مقتضی یہ ہے کہ حضور اقدس کے وصال کے بعد تشہد کا صیغہ آپ کی حیات طیبہ کے برخلاف ہے اور یہ اس کے برخلاف ہے جس پر عامہ صحابہ و تابعین وغیرہم کا عمل ہے نیز آثار مرویہ صحیحہ کے بھی خلاف ہے، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس کے وصال کے بعد لوگوں کو اپنے عہد خلافت میں وہی تشہد تعلیم فرماتے جو حضور اقدس سید عالم ﷺ کی حیات طیبہ میں تھا یعنی "السلام علیک أیھاالنبي" اور مجاہد وغیرہ سے غلطی [1] ہوئی۔ اور ابوعبید نے فرمایا کہ: اللہ عزوجل نے اپنے رسول کی اس طرح تکریم فرمائی کہ آپ کے وصال کے بعد آپ پر اسی طرح سلام پیش کیا جاتا ہے جس طرح آپ کی حیات میں آپ پر سلام پیش کیا جاتا، یہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کے جملہ خصائص و کمالات سے ہے، اس کا جواز اس سے مستنبط فرمایا کہ نبی پاک ﷺ

---

(۱) ملا علی قاری نے شرح مشکات میں فرمایا:

"وأماقول ابن مسعود کنانقول في حیاة رسول الله ﷺ السلام علیک أیھاالنبي فلما قبض علیه السلام قلناالسلام علی النبي فھورواية أبي عوانة ورواية البخاري الأصح منھا بینت أن ذلک لیس من قول ابن مسعود بل من فھم الراوی عنه ولفظھافلماقبض قلناسلام یعني علی النبي فقوله قلناسلام یحتمل أنه أرادبه استمرربابه علی ماکناعلیه في حیاته، ویحتمل أنه أراد عرضناعن الخطاب وإذا احتمل اللفظ لم یبق فیه دلالة کذا ذکره ابن حجر" (مرقات شرح مشکات ۲/۵۸۱ کتاب الصلاۃ باب التشھد فیصل پریس دیوبند)

ترجمہ:۔"ابن مسعود نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں "السلام علیک أیھاالنبي" کہا کرتے تھے جب حضور کا وصال ہوگیا تو ہم نے کہا "السلام علی النبي"، یہ ابوعوانہ کی روایت ہے جو سنن ابوعوانہ میں مروی ہے، اس سلسلے میں اصح روایت امام بخاری کی ہے جس سے ظاہر ہے کہ "السلام علی النبي" ابن مسعود کا قول نہیں بلکہ راوی نے ایسا سمجھا ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "فلماقبض قلناسلام یعني علی النبي" اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ کی ظاہری حیات مبارکہ میں جس طرح سلام پیش کرتے تھے اسی طرح بعد میں بھی عمل جاری رہا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی یہ مراد ہو کہ ہم نے صیغۂ خطاب سے اعراض کیا جب احتمال موجود ہے تو پھر معنی معین پر دلالت باقی نہ رہی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایسا ہی ذکر کیا"۔ (مترجم)

کے بارے میں مروی ہے کہ آپ قبرستان تشریف لے جاتے تو یہ فرماتے ''السلام علیک دارقوم مومنین'' (اے مومنوں کے گھر تم پر سلام ہو) جب قبرستان کے عامہ مومنین کے بارے میں صیغہ خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا جائز ہے تو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بدرجہ اولی جائز ہوگا، اور یہ قول حسن ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا: لیکن ابوعبید کا قول احسن ہے اس لیے حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے صحابہ کرام کے سامنے قبر والوں پر سلام پیش فرمایا، اور یہ وارد ہے کہ روحیں قبروں کے صحن میں رہتی ہیں''. اھ بحروفه

تشہد کے بارے میں ائمہ کے اقوال وارشادات

حنفیہ:

حنفیہ نے تشہد کا ایسا صیغہ نقل فرمایا جسے مسلمان کے لیے اپنے تشہد میں پڑھنا مناسب ہے، محمد بن حسن تلمیذ امام ابوحنیفہ نے جامع صغیر (۸۳/۱) میں فرمایا: امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ: میں اس میں کوئی حرج نہیں جانتا کہ موذن یہ کہے: ''السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته حيٌّ '' (اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں آپ زندہ ہیں''۔

اور محمد بن حسن شیبانی کی مبسوط (۹/۱) میں ہے: میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں بتائیں جو نماز میں دوسری اور چوتھی رکعت میں بیٹھے کہ وہ کس طرح تشہد پڑھے آپ نے فرمایا اس طرح پڑھے:

''التحیات للہ، والصلوات، والطیبات، السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته، السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین أشھدأن لا إله إلاالله وأشھدأن محمداعبده ورسوله''.

اور امام سرخسی کی مبسوط (۲۷/۱) میں ہے: آپ نے فرمایا: تشہد یہ ہے: **التحیات للّٰہ، والصلوات، والطیبات، السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته، السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین أشھد أن لا إله إلاالله وأشھدأن محمدا عبده ورسوله** ۔یہی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا تشہد ہے، اور امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کا تشہد مختار ہے۔

امام اجل حافظ طحاوی کی شرح معانی الآثار (۲۶۱/۱)، اور ملک العلماء علامہ کاسانی کی بدائع الصنائع (۲۱۱/۱) مطالعہ فرمائیں۔

مالکیہ:

موطاامام مالک (۹۰/۱، ۹۱)

نماز میں تشہد کا باب: عروہ بن زبیر نے عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت کیا کہ آپ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے برسر منبر لوگوں کو اس تشہد کی تعلیم دیتے ہوئے سنا: **التحيات لله ،الزاكيات لله الطيبات الصلوات لله، السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين ، أشهدأن لاإله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله۔**

اور مجھ سے بیان کیا کہ مالک نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے روایت کیا کہ ان کے والد قاسم نے عائشہ نبی پاک ﷺ کی زوجہ طیبہ سے روایت کیا کہ عائشہ صدیقہ یہ تشہد پڑھتیں: **التحيات الطيبات، الصلوات الزاكيات لله، أشهد أن لاإله إلاالله وحده لاشريک، وأن محمداعبده ورسوله، السلام عليک أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين،السلام عليكم.**

قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ انھوں نے آپ کو یہ خبر دی کہ عائشہ نبی پاک کی زوجہ طاہرہ یہ تشہد پڑھتیں: **التحيات الطيبات، الصلوات الزاكيات لله، أشهد أن لاإله إلاالله وحده لاشريک له، و أشهد أن محمدا عبده ورسوله، السلام عليک أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين،السلام عليكم.**

اورابن سحنون نے المدونۃالکبری (۱۴۳/۱) میں فرمایا: **ماجاء في التشهد والسلام**'' اس باب میں ان چیزوں کا بیان ہے جو تشہد اور سلام کے بارے میں وارد ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: امام مالک نے فرمایا: میرے نزدیک تشہد میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں، ہاں التحیات للہ سے شروع کرے، آپ سیدنا عمر بن خطاب کا تشہد پسند فرماتے، میں نے ابن قاسم سے کہا: جب نمازی بیٹھے تو امام مالک کے قول کے مطابق تشہد اور دعا ان دونوں میں سے کون پہلے پڑھے تو آپ نے فرمایا:

دعا سے پہلے تشہد پڑھے، اور حضرت عمر کا تشہد یہ ہے:

التحیات للہ، الزاکیات للہ الطیبات الصلوات للہ، السلام علیک أیھاالنبي، السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین ، أشھدأن لاإلہ إلااللہ وأشھدأن محمداعبدہ ورسولہ.

اورقرطبی نے اپنی تفسیر (۳۶۳/۱) میں کہا: امام مالک نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا تشہد اختیار فرمایا، اوروہ یہ ہے: **التحیات للہ ،الزاکیات للہ الطیبات الصلوات للہ، السلام علیک أیھاالنبي ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین ، أشھدأن لاإلہ إلااللہ وأشھدأن محمداعبدہ ورسولہ** ۔امام شافعی، اور آپ کے اصحاب، اورلیث بن سعد نے ابن عباس کا تشہد اختیار فرمایا آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہمیں اسی طرح تشہد تعلیم فرماتے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے آپ یہ تشہد پڑھتے تھے: **التحیات المبارکات،الصلوات الطیبات.**

اورعلامہ شاطبی کی الموافقات (۲۵۶/۲) میں ہے: اورپچیسواں یہ ہے کہ نماز میں حضوراقدس پرسلام پیش کرنا مشروع فرمایا گیا، اس لیے کہ تشہد میں یہ پڑھاجاتا ہے:" **السلام علیک أیھاالنبي ورحمۃاللہ وبرکاتہ السلام علیناوعلی عباداللہ الصالحین**".

شافعیہ:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالی نے کتاب الام (۱۱۸/۱) میں فرمایا: کوئی شخص تشہد میں اس سے زیادہ نہ پڑھے: **التحیات للہ، أشھدأن لاإلہ إلااللہ ، وأشھدأن محمدارسول اللہ، السلام علیک أیھاالنبي ورحمۃاللہ وبرکاتہ،السلام علیناوعلی عباداللہ الصالحین، وصلی علی رسول اللہ،** میرے نزدیک اس تشہد سے زیادہ مکروہ ہے، اورمیری رائے یہ نہیں کہ وہ دوبارہ پڑھے اس لیے کہ اس نے کلمہ شہادت ذکرکیا، نبی پاک ﷺ پردرودبھیجا، اوررسول اللہ ﷺ اوراللہ کے بندوں پرسلام پیش کیا ہے۔

اورآپ نے الرسالۃ (۲۶۸/۱) میں فرمایا: میں نے کہا: ہم کو مالک نے ابن شہاب سے روایت کرکے خبردی، ابن شہاب نے عروہ سے عروہ نے عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت کی کہ انھوں نے عمر بن خطاب سے

برسرِ منبر یہ فرماتے سنا: آپ لوگوں کو تشہد کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے: پڑھو: التحيات لله، الزاكيات لله، الطيبات الصلوات لله، السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين، أشهدأن لاإله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله.

امام شافعی نے فرمایا: ہمارے فقہائے صغار میں جو حضرات علم میں ہم سے فائق تھے انھوں نے ہمیں یہی تشہد تعلیم فرمایا پھر ہم نے ان سے ایک اسناد سنی، اور اس کے خلاف ایک دوسری اسناد سنی، تو ہم نے تشہد کے باب میں کوئی مخالف اور موافق ایسی اسناد نہ سنی جو ہمارے نزدیک اس اسناد سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہو اگرچہ اس کے علاوہ اسناد بھی ثابت و مستحکم ہے۔

اور شیرازی نے المھذب (۱/۷۸) میں فرمایا: بہتر تشہد یہ ہے کہ اس طرح پڑھے: التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله، سلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، سلام علیناوعلى عبادالله الصالحين أشهدأن لاإله إلاالله وأشهدأن محمدارسول الله.

حنابلہ:

حنابلہ نے تشہد کے بارے میں سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی کے اقوال اس طرح نقل کیے مختصر الخرقی (۱/۲۶) میں ہے:

تشہد میں کلمہ شہادت کے وقت انگشت شہادت کے ذریعہ اشارہ کرے، اور تشہد پڑھے تو یہ کہے: "التحيات للّٰه والصلوات، والطيبات، السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين أشهدأن لا إله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله". نبی پاک ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کو یہی تشہد سکھایا''۔

اور ابن تیمیہ کے دادا نے " المحرر في الفقه (۱/۶۵) میں کہا: تشہد پڑھے تو یہ کہے: "التحيات لله، والصلوات، والطيبات، السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علیناوعلى عبادالله الصالحين أشهدأن لا إله إلاالله وأشهدأن محمداعبده

ورسوله". اورانگشت تسبیح کے ذریعہ اپنے تشہد میں بار بار اشارہ کرے۔

اورابن قدامہ نے المغنی (۳۱۴/۱) میں کہا: مسئلہ: جب تشہد پڑھے تو یہ کہے: "التحيات لله، والصلوات، والطيبات، السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علیناوعلى عبادالله الصالحين أشهدأن لا إله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله" ۔ نبی پاک ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کو یہی تشہد تعلیم فرمایا، ہمارے امام کا تشہد مختار یہی ہے۔ اور نبی پاک ﷺ کے اصحاب، اوران کے بعد کے اکثر اہل علم بھی اسی پر ہیں۔

اورالمبدع لابن المفلح (۴۶۳/۱) میں ہے: جب تشہد پڑھے تو یہ کہے: التحيات لله، والصلوات، والطيبات، السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علیناوعلى عبادالله الصالحين أشهدأن لا إله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله."

اورالفروع (۳۸۴/۱) میں ہے: تشہد آہستہ پڑھے، ابن مسعود کی حدیث[1] میں یہ تشہد ہے:

(۱) تشہد ابن مسعود کے بارے میں بخاری شریف میں بطریق شقیق ابن سلمہ اور صحیح مسلم میں بطریق ابووائل ابن مسعود سے مروی ہے:

"کنـاإذاصلينـاخلف النبي! قلناالسلام على جبريل وميكائيل السلام على فلان و فلان فالتفَتَ إلينـارسول الله فقال إن الله هوالسلام فإذاصلى أحدكم فليقل التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته السلام علیناوعلى عبادالله الصالحين فإنكم إذاقلتموهاأصابت كل عبدلله في السماء والأرض، أشهدأن لاإله إلا الله وأشهدأن محمدا عبده ورسوله" (صحيح بخارى كتاب الأذان: باب التشهد في الأخرة. صحيح مسلم كتاب الصلاة:باب التشهد في الصلاة)

ہم نبی پاک ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو یہ کہتے تھے جبریل ومیکائیل پر سلام ہو، فلاں اور فلاں پر سلام ہو یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا بے شک خود اللہ سلام ہے اس لیے جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو یہ کہے: "التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته السلام علیناوعلى عبادالله الصالحين " جب تم یہ کہو گے تو زمین وآسمان

"التحيات لله، والصلوات، والطيبات، السلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علیناوعلى عبادالله الصالحين أشهدأن لا إله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله."

اور ابن حزم نے المحلی (۴/۶، ۷) میں کہا: ابوسعید بن معلیٰ نے فرمایا: میں نماز پڑھ رہا تھا تو نبی پاک ﷺ نے مجھے دیکھ کر بلایا، میں نماز سے فارغ ہو کر آپ کی خدمت میں آیا آپ نے فرمایا: میرے پاس آنے سے کیا چیز مانع رہی؟ میں نے عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالی نے یہ نہ فرمایا:

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ [الانفال-۸:۲۴]

ترجمہ:۔"اے ایمان والو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں بلائیں"۔

پھر باقی حدیث ذکر فرمائی تو صحیح یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت کا ہے جب نماز کے اندر کلام کرنا حرام فرما دیا گیا، اس لیے کہ ابوسعید نے اس وقت تک جواب نہ دیا جب تک نماز پوری نہ فرمائی، اور صحیح یہ ہے کہ نماز میں نبی پاک ﷺ سے کلام کرنا مباح ہے۔ یہ حکم صرف آپ کے ساتھ خاص ہے، اور اس میں لفظ عموم پر محمول ہے، اور اہل اسلام کا اس پر یقینی اجماع ہے کہ نمازی اپنی نماز میں "**السلام عليك أيهاالنبي**" کہے۔

میں اللہ کے تمام نیک بندوں کو سلام پہنچے گا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہی ہے اور محمد مصطفی ﷺ اللہ عزوجل کے محبوب بندہ اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں۔

یہی تشہد مذکور تشہد ابن مسعود ہے جس پر تمام احناف و حنابلہ کا عمل ہے اکثر صحابہ و تابعین کا عمل اسی تشہد پر رہا اور اس کی تعلیم کا بھی حکم دیا گیا جیسا کہ مسند امام احمد بن حنبل میں مروی ہے:

" عن ابن مسعود قال علمه رسول الله ﷺ التشهد وأمره أن يعلم الناس التحيات لله الخ"

(مسندامام احمدبن حنبل ۱/۳۷۶ موسسه قرطبه قاهره مصر)

ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ تشہد سکھایا اور یہ حکم فرمایا کہ لوگوں کو یہ تشہد سکھائیں۔ (مترجم)

میں کہتا ہوں:

صحابہ اپنے سفر میں رسول اللہ ﷺ سے جسمانی اعتبار سے دور رہتے اور یہ کہتے: **السلام علیک أیھا النبي ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**۔ اور یہ حضرات اپنے اصحاب کو بھی اس کی تعلیم دیتے، یہ حضرات صحابہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد بھی اسی پر قائم رہے کہ دور دراز مقامات سے غائب کو ندا کرتے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ دور جدید کے اکثر مبتدعین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ پردہ فرمانے کے بعد اپنی قبر میں شہدا کی طرح زندہ نہیں ہیں، جو لوگ روضۂ اقدس میں رسول پاک ﷺ کی حیات کو ناپسند کرتے ہیں انہیں اللہ قبیح و ذلیل فرمائے۔

(۷۴) ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ پر سلام پیش کرتا ہے، اور آپ اس کا سلام سن کر جواب دیتے ہیں تو اسے درحقیقت شیطان جواب دیتا ہے، نبی پاک ﷺ جواب نہیں دیتے۔

ابن تیمیہ اس شخص کے بارے میں کیا کہے گا جس نے اسے (خود ابن تیمیہ کو) خواب میں دیکھا، اور اس کے بارے میں کیا کہے گا جسے خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔

عتبی ایک جلیل الشان امام ہیں، جن کا واقعہ گزر چکا کہ انھوں نے خواب میں نبی پاک ﷺ کا جلوہ زیبا اور جمال جہاں آرا دیکھا، اس زیارت خواب کے بارے میں ابن تیمیہ کا یہ خیال ہے کہ ایسی چیزیں اس شخص کو پیش آتی ہیں جو اپنے دین میں کمزور ہوتا، اور اس کے اندر نفاق موجود ہوتا ہے، ایسا شخص مؤلفۃ القلوب سے ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب **قاعدة في المحبة** (۱۹۲،۱۹۱/۱) میں کہا:

بعض فقہا نے اعرابی کے متعلق عتبی کی حکایت ذکر کی کہ اس نے نبی پاک ﷺ کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کیا: اے خیر البریہ! بے شک اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ: ''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں''۔

اور بے شک میں حاضر آیا ہوں، عتبی نے نبی پاک کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے انہیں یہ حکم فرمایا کہ اعرابی کے پاس جا کر اسے بخشش کی خوش خبری دے دیں، اس طرح کے واقعات جو نبی پاک اور دیگر صالحین کی قبر کے متعلق ذکر کیے جاتے ہیں، اس شخص کو پیش آتے ہیں جس کے ایمان میں کمزوری ہوتی ہے اور وہ رسول کے مقام و مرتبہ اور آپ کے حکم سے جاہل ہوتا ہے، اگر اس کی حاجت کے سبب اس طرح کی چیزوں سے اسے روکا نہ

کیا گیا تو اس کا ایمان مضطرب ہو جائے گا، اور اس کا نفاق عظیم ہوگا، یہ شخص اس مؤلفة القلوب کی طرح ہے جسے نبی کی حیات میں صدقہ وغیرہ دیا جاتا''۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص ابن تیمیہ کو خواب میں دیکھے تو وہ صالحین میں سے ہے جیسا کہ خود ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی (۶۴/۲، ۶۵) میں کہا:

''اور اسی لیے ہمارے اصحاب میں سے شیخ صالح یوسف نے مجھ سے بیان کیا کہ انھوں نے مجھے خواب کی حالت میں دیکھا کہ میں ان سے مخاطب ہوں''۔

میں کہتا ہوں: ماشاء اللہ، اس خواب پر کوئی تبصرہ نہیں۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی (۳۸۸/۲۷) میں کہا:

''لوگ صحابہ کے زمانہ میں حجرہ کے اندر دروازہ سے داخل ہوتے اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا حجرہ میں ہوتیں، اور اس کے بعد بھی یہی حال رہا یہاں تک کہ دوسری دیوار بنادی گئی اور یہ حضرات آپ کی قبر تک پہنچنے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی آپ کے پاس نہ جاتے، نہ آپ پر درود وسلام کے لیے، نہ اپنی خاطر دعا کے لیے، نہ کوئی حدیث یا علم دریافت کرنے کے لیے، اور نہ ہی شیطان نے ان کے ساتھ یہ خواہش کی کہ انہیں کوئی کلام یا سلام سنائے جس سے انہیں یہ گمان ہو کہ سرکار (علیہ الصلاۃ والسلام) نے ان سے کلام کیا، انہیں حکم شرع بتایا، اور ان سے حدیثیں بیان کیں، یا ان کے سلام کا جواب ایسی آواز سے دیا جو حجرہ کے باہر سننے میں آئی جیسا کہ شیطان نے دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسا کیا، اور آپ کی قبر، اور دوسروں کی قبروں کے پاس انہیں گمراہ کیا اس لیے کہ انہیں بظاہر یہ گمان ہوا کہ صاحب قبر انہیں حدیث، اور حکم شرع بتاتے، کسی چیز کا حکم دیتے، کسی چیز سے منع کرتے، اور قبر سے باہر آ کر اپنا دیدار کراتے ہیں''۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی (۳۹۱/۲۷، ۳۹۲) میں کہا:

''شیطان نے ان (صحابہ) کے ساتھ یہ خواہش وطمع نہ کی کہ ان کے پاس آ کر یہ کہے: میں اللہ کا رسول ہوں، یا قبر کے پاس ان سے مخاطب ہو، جیسا کہ ان حضرات کے بعد حضور اقدس، اور دوسروں کی قبروں کے پاس بعض لوگوں کو ایسے حالات پیش آئے، جس طرح اکثر و بیشتر مشرکین ومبتدعین کو ان کے ان شیوخ کی موت کے بعد یہ حالات پیش آتے ہیں جن کی وہ تعظیم کرتے ہیں، پھر اس کے ذرا بعد کہا، کچھ لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ حجرہ شق ہوا، نبی پاک (ﷺ) حجرہ سے باہر تشریف لائے، اور آپ اور آپ کے صاحبین نے ان سے معانقہ کیا، اور کچھ لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ حضور نے بآواز بلند ان سے سلام کیا یہاں تک کہ آپ کے سلام کی آواز چند دنوں کی مسافت اور دور دراز مقام تک سنائی دی، اور اس طرح کی باتیں، پھر اس کے ذرا بعد کہا، ابن عمر جب سفر سے آتے روضۂ اقدس پر سلام عرض کرتے مگر آپ نے کبھی یہ نہ کہا کہ آپ نے سلام کا جواب سنا، اور یہی حال تابعین اور تبع تابعین کا تھا، اس طرح (سلام سننے) کی باتیں صرف بعض متأخرین کی طرف سے رونما ہوئیں''۔

اور اپنی کتاب **الجواب الصحیح** (۳/۳۴۸) میں کہا:

''کبھی بیداری میں بعض لوگ کسی شخص کو دیکھتے ہیں جو ان سے یہ کہتا ہے: میں ہی خلیل، یا میں ہی موسی یا میں ہی مسیح، یا میں ہی محمد یا میں ہی فلاں صحابی یا فلاں حواری ہوں، وہ اسے فضا میں پرواز کرتے دیکھتے ہیں، ایسی چیزیں صرف شیاطین کی طرف سے ہوتی ہیں، اور یہ صورت ان مقدس ہستیوں کی صورت جیسی نہیں ہوتی، نبی نے فرمایا: ''**من رآني في المنام فقد رآني حقا فإن الشيطان لايتمثل في صورتي**''، جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے واقعی دیکھا کیوں کہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ خواب میں آپ کا دیدار حق ہے، لیکن بیداری میں چشم سر سے نہ تو آپ کا دیدار ہوسکتا ہے اور نہ ہی اور کسی مردہ کا، حالاں کہ بہت سے لوگ بیداری میں ایک شخص کو دیکھتے

ہیں جسے نبی گمان کرتے ہیں، انہیں یہ دیدار یا تو آپ کی قبر یا کسی اور کی قبر کے پاس ہوتا ہے،
اور کبھی یہ دیکھتے ہیں کہ قبر شق ہوگئی اور اس سے ایک انسان کی صورت نمودار ہوئی، جسے یہ گمان
کر لیتے ہیں کہ خود مردہ اپنی قبر سے ظاہر ہوا ہے یا اس کی روح جسم بن کر قبر سے باہر آتی ہے،
حالاں کہ یہ صرف ایک جن ہے جو اس مردہ کی صورت میں اس لیے آیا تا کہ دیکھنے والے کو
گمراہ کردے''۔

میں کہتا ہوں:

ہم اولاً ابن تیمیہ کے اس کلام سے بیزار ہیں کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ سے سلام کرتا ہے تو شیطان ہی اس سلام کا جواب دیتا ہے، اور زیارت کرنے والا شیطان کے سلام کا جواب سنتا ہے۔

اسی طرح اس کے اس کلام سے بھی بیزار ہیں: ''اور بیداری میں چشم سر سے نہ حضور کا دیدار ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی مردہ کا''، ہم اس کے الفاظ وافکار اور ان گستاخیوں سے بیزار ہیں جن کی طرف وہ اشارہ کررہا ہے۔

اے کاش! ہمارے جلیل الشان علمائے کرام اس گستاخ ودریدہ دہن کا حکم بے نقاب فرماتے!

یہ کہنا کہ ابن تیمیہ کو اس بات کا علم نہیں کہ اللہ اپنے نبی ﷺ کا حافظ ہے، اور اس کا یہ گمان ہے کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں مقید ومحبوس ہیں (مجھے اس کے اس لفظ پر بھی افسوس ہے) یہ ایسا گستاخانہ کلام اور ایسی بے ادبی ہے جو عفو ودرگزر کے لائق نہیں۔

ہم کہتے ہیں:

بحالت بیداری نبی پاک ﷺ کی زیارت کے انکار کی کیا وجہ ہے، کیا ابن تیمیہ کے اس انکار پر کوئی نص ہے جو اس دیدار سے مانع ہے؟

کیا کسی صحابی یا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے یہ فرمایا ہے کہ بحالت بیداری آپ کا دیدار ممکن نہیں؟

آخر ابن تیمیہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کی اس حدیث سے کیوں تجاہل کررہا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

'' من رآني في المنام فسيراني في اليقظة''.

ترجمہ:۔''جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب بیداری میں مجھے دیکھے گا''۔

یہ حدیث صحیح ہے جسے بخاری (۲۵۶۷/۶) ومسلم (۱۷۷۵/۴) نے روایت کیا۔

یہ حدیث اس موضوع پر نص جلی ہے، ائمہ کی ایک عظیم جماعت نے اسی پر افتا فرمایا، ان شاءاللہ تعالی ہم عنقریب ان حضرات کے اسمائے گرامی ذکر کریں گے۔

پھر ابن تیمیہ اس سے کیوں تجاہل کررہا ہے جسے امام احمد وغیرہ نے زہد میں بہت سے صالحین کے متعلق ذکر فرمایا کہ وہ حضرات اپنے وصال کے بعد اپنی قبروں میں قرآن کریم تلاوت فرماتے، اور نمازیں ادا کرتے، ان صالحین میں ثابت بنانی بھی ہیں، جیسا کہ مزی نے تہذیب الکمال میں ان کے حالات ذکر کرتے ہوئے لکھا، جو شخص ان صالحین کی زیارت کرتا ان سے ان کا کلام بھی سماعت کرتا۔ بلکہ ابن عباس کی بھی ایک حدیث ہے (جسے ترمذی ۱۶۴/۵ نے روایت کیا، اور فرمایا: حسن غریب ہے) کہ: نبی پاک ﷺ کے ایک صحابی نے ایک قبر پر اپنا خیمہ لگایا، اور ان کے گمان میں نہ تھا کہ یہاں کوئی قبر ہے، اچانک ایک انسان اس قبر میں سورہ ''**تبارک الذي بيده الملک**'' تلاوت کررہے تھے، انھوں نے پوری سورت تلاوت کی، آپ نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا یارسول اللہ: ایک قبر پر میں نے اپنا خیمہ لگایا اور میرا گمان نہ تھا کہ وہاں کوئی قبر ہے، اچانک اس میں ایک انسان نے پوری سورۂ ''**تبارک الذي بيده الملک**'' تلاوت کی اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**هي المانعة هي المنجية تنجيه من عذاب القبر**''.

ترجمہ:۔''یہ سورت مانع عذاب اور نجات دلانے والی ہے، اس انسان کو قبر کے عذاب سے نجات دلاتی ہے''۔

یہ حدیث اگرچہ لیّن (غریب) ہے لیکن اس کی بہت سی شاہد حدیثیں ہیں، بہر حال یہ حدیث ابن تیمیہ کی بکواس سے بہتر ہے۔

کیا امام احمد دجال اور شعبدہ باز تھے کہ انھوں نے ایک ایسے شخص کے مناقب کا ذکر فرمایا جس نے اپنی رحلت کے بعد اپنی قبر میں قرآن کی سورت تلاوت کی، اور زیارت کرنے والوں نے اس کی تلاوت سنی؟

مقام حیرت یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے سعید بن مسیّب کے اس واقعہ کا اقرار کیا جس میں یہ ہے کہ انھوں نے جنگ حرہ کے ایام میں رسول اللہ ﷺ کی قبر سے اذان کی آواز[1] سنی۔

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۸۰/۱۱، ۲۸۱) میں کہا:

''اور سعید بن مسیّب حرہ کے ایام میں نماز کے اوقات میں رسول اللہ ﷺ کی قبر سے اذان کی آواز سنتے، حالاں کہ مسجد نمازیوں سے خالی ہوتی، اس میں آپ کے سوا کوئی دوسرا شخص نہ ہوتا''۔

ذرا ابن تیمیہ کے اس تناقض پر نظر رکھیں۔

ابن تیمیہ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ بعض امور غیبیہ یا معانی لطیفہ خفیہ کی معرفت جائز ہے، جیسا کہ اس

(۱) امام دارمی نے اپنی سنن میں سعید بن عبدالعزیز سے نقل کیا کہ حرہ کے ایام میں مسجد نبوی شریف میں تین روز تک اذان موقوف رہی، سب لوگ مسجد کے باہر تھے حضرت سعید بن مسیّب مسجد کے اندر تھے حضرت سعید فرماتے ہیں کہ: جب ظہر کا وقت آیا تو میں نے قبر انور سے اذان سنی پھر تو ہر نماز کے وقت قبر انور سے اذان و اقامت کی آواز آنے لگی یہاں تک کہ لوگ واپس آ گئے اور موذن لوٹ آئے۔(سنن دارمی باب ما أكرم الله تعالى به نبيه بعد موته ۵۶/۱ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا کہ ابن مبارک نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا:

" ليس يوم إلا يعرض على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أعمال أمته غدوة وعشية فيعرف بسيماهم وأعمالهم فلذلك يشهدلهم"

ترجمہ:۔''ہر دن صبح وشام نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو ان کے اعمال اور نشانیوں سے آپ انھیں پہچان لیتے ہیں اسی لیے آپ اپنی امت کے شاہد و گواہ ہیں''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" مامن أحديسلم علي إلا ردالله روحي حتى أرد عليه السلام " (سنن ابوداؤد ۲۱۸/۲ باب زیارۃ القبور دارالفکر بیروت)

ترجمہ:۔''جو شخص بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اللہ میری روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں''۔ (مترجم)

نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۸۶/۲۵) میں لیلۃ القدر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''حدیث میں کچھ مشہور علامتیں مذکور ہیں، اور لیلۃ القدر کی علامتوں کے بارے میں مروی ہے کہ وہ سپیدۂ صبح کی طرح روشن رات ہے، نہ بہت گرم اور نہ بہت سرد، کبھی اللہ تعالی خواب ، یا بیداری میں بعض شخصیتوں کو اس کا کشف عطا فرما دیتا ہے، جس سے وہ اس رات کے انوار مشاہدہ فرماتے ہیں، یا ایسے شخص کا دیدار کرتے ہیں جو ان سے یہ کہتے ہیں کہ یہ شب قدر ہے، اور کبھی اس کے قلب پر ایسا مشاہدہ کھول دیتا ہے جس سے معاملہ خوب روشن ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم''

میں کہتا ہوں: کیا انسان بیداری میں لیلۃ القدر دیکھ لیتا ہے، اور نبی پاک ﷺ کا دیدار پر انوار نہیں کر سکتا۔

(۷۵) بحالت بیداری نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار یا آپ کے کلام سننے کی دلیل

ہم ابن تیمیہ کے رد میں کہتے ہیں:

(۱) تمام مخلوق کی موت محض عدم نہیں، بلکہ ان کی موت خلق و وجود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، اللہ عزوجل نے سورۂ تبارک میں فرمایا:

﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ﴾ [الملک-۶۷:۲]

ترجمہ:۔''وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی''۔

جب عام مخلوق کا یہ حال ہے تو شہدا اور انبیا کی حیات کی کیا شان ہوگی، اسرا اور معراج کا واقعہ بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ خدائے رحمٰن کے خلیل ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کی طرف اپنی پشت اقدس کو ٹیک لگائے ہوئے ہیں، آدم و موسیٰ علیہما السلام اشک بار ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں مصروف نماز ہیں، اور مسلم کی روایتوں میں ہے، ہر آسمان پر پوچھنے والے پوچھتے یہ کون ہیں؟ تو کہا جاتا: جبریل، تو پوچھا جاتا: اور ان کے ہمراہ کون ہیں؟ تو کہا جاتا: محمد (ﷺ) ہیں، تو پوچھا جاتا: کیا ان کے پاس بھیجے گئے ہیں، پھر ہر نبی اپنے آسمان پر نبی پاک ﷺ کے لیے دعا کرتا، اور ان میں سے کچھ حضرات امت کو نصیحت کرتے جیسا کہ خلیل علیہ السلام کہ آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ساری جنت پست ہموار ہے، اور اس کی شجرکاری **سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر**۔

نبی پاک ﷺ ان انبیا، فرشتوں، جنوں، مردوں کا کلام اور وہ کلام بھی سنتے ہیں جسے زندہ انسان اپنے جی میں کہتے ہیں، صحابہ کرام کبھی کڑی آواز کی طرح سنتے نبی پاک ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

''**ما وصل قعر جهنم إلا الآن**'' ترجمہ:۔''وہ جہنم کی گہرائی میں اب جا پہنچا۔''

(۲) بخاری (۲۵۶۷/۶) و مسلم (۱۷۷۵/۴) نے ابو ہریرہ سے تخریج کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

" من رآني في المنام فسيراني في اليقظة"

ترجمہ:۔''جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے عنقریب بیداری میں دیکھے گا''۔

ابن تیمیہ نے قرآن وسنت کے حوالہ سے کوئی ایسی دلیل ذکر نہ کی جس سے اس نص یا اس کے روشن معنی کا رد ہو۔

ہم عنقریب ان حضرات کے اقوال ذکر کریں گے جنھوں نے اس حدیث وغیرہ سے یہ استدلال فرمایا کہ بحالت بیداری نبی پاک ﷺ کا دیدار جائز ہے۔

(۳) ضمرہ بن ثعلبہ سے مروی ہے کہ آپ نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا: میرے لیے شہادت کی دعا فرمائیں تو نبی پاک انے یہ دعا فرمائی:

" اللهم حرم دم ابن ثعلبة على المشركين والكفار"

ترجمہ:۔''اے اللہ! کفار ومشرکین پر ابن ثعلبہ کا خون حرام فرما''۔

ضمرہ کہتے ہیں: میں قوم پر حملہ کرتا تو ان کے پیچھے مجھے نبی پاک ﷺ نظر آتے، تو ان سے کہا گیا اے ابن ثعلبہ! تمہیں دھوکہ دیا جاتا ہے، اور تم دشمنوں پر حملہ کر دیتے ہو، تو فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ مجھے ان کے پیچھے نظر آتے ہیں تو میں ان پر حملہ کرتا ہوں یہاں تک کہ آپ (ﷺ) کے پاس پہنچ جاتا ہوں، پھر میرے اصحاب مجھے نظر آتے ہیں تو میں چلتا ہوں یہاں تک کہ اپنے اصحاب کے ساتھ ہو جاتا ہوں، راوی نے کہا: آپ اپنے زمانہ میں ایک عرصہ دراز تک زندہ رہے۔[1]

میں کہتا ہوں: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بحالت بیداری نبی پاک ﷺ کا دیدار جائز ہے، صحابی جلیل ضمرہ بن ثعلبہ کے کلام سے یہ واضح ہے کہ نبی پاک ﷺ دشمن کے پیچھے انہیں نظر آتے تھے۔ **فافهم**

(۱) ضمرہ کی حدیث طبرانی نے معجم کبیر (۳۰۸/۸) میں تخریج کی، اور مسند الشامیین (۲۹۸/۲) میں بھی اس کی تخریج موجود ہے، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۷۹/۹) میں کہا: طبرانی نے اس کو روایت کیا، اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ اور ان کی حدیث ابن حبان نے **الثقات** (۲۰۰/۳) میں ذکر کیا، اور ابن حجر نے **الإصابة** (۴۸۸/۳) میں اس قصہ کو ذکر کیا اور **تعجیل المنفعة** (۱۹۷/۱) میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

(۴) سیدہ عائشہ نے فرمایا: جب لوگوں نے نبی پاک ﷺ کے غسل کا ارادہ کیا تو صحابہ نے باہم ایک دوسرے سے کہا خدا کی قسم ہمیں نہیں معلوم کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے جسم اطہر سے آپ کے لباس کو اتار کر غسل دیں، جیسا کہ ہم اپنے مردوں کو نہلاتے ہیں یا آپ کو آپ کے لباس کے اندر ہی غسل دیں، جب صحابہ میں اختلاف ہوا تو اللہ نے ان پر نیند کو مسلط فرمادیا یہاں تک کہ کوئی شخص نہ تھا مگر اس کی ٹھوڑی اس کے سینہ پر تھی، پھر گھر کے ایک گوشہ سے ایک نامعلوم اجنبی نے انہیں بتایا کہ: نبی ﷺ کو آپ کے لباس کے ساتھ غسل دیں، تو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح غسل دیا کہ آپ کی قمیص آپ کے جسم اقدس پر تھی، لوگ قمیص کے اوپر سے پانی ڈالتے اور اپنے ہاتھوں کے بجائے قمیص سے بدن اقدس کو ملتے۔ عائشہ صدیقہ نے فرمایا: اگر میں پہلے سے اپنا وہ معاملہ کر لیتی جو بعد میں کیا تو آپ کی ازواج ہی آپ کو غسل دیتیں۔ (۱)

میں کہتا ہوں:

ذرا دیکھیں ان صحابہ کبار نے ایک ایسے شخص کی آواز سنی جس کے بارے میں انہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ کون صاحب ہیں، اس شخص نے نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام کو اپنے نبی کی تعظیم بتائی، اور یہ ایک خاص مسئلہ ہے کہ نبی پاک کے جسد اقدس کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے، اور آپ کے جسم اطہر سے آپ کے لباس اقدس کو نہ اتارا جائے۔

ہم اہل سنت و جماعت میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جنھوں نے یہ کہا ہو کہ شیطان نے ان صحابہ کبار کو دھوکا و فریب دیا، یا ان سے تضحیک کی، یا شیطان نے انہیں مضحکہ بنایا جیسا کہ گزشتہ سطور میں ابن تیمیہ کی ناپاک جسارت گزری۔

(۱) نبی پاک ﷺ کے غسل کی حدیث ابوداؤد (۳/۱۹۶)، اسحاق بن راھویہ (۲/۱/۳۷)، ابن سعد نے الطبقات (۲/۲۷۶)، ابن الجارود نے المنتقی (۱/۱۳۶) میں، ابن حبان (۱۴/۵۹۵، ۵۹۶)، حاکم (۴/۶۱)، بیہقی نے سنن کبری (۳/۳۸۷)، اور ابن عبد البر نے تمہید (۲۴/۴۰۰، ۴۰۱) میں ذکر کیا جیسا کہ امام مالک نے (۱/۲۳۱) اسے مرفوعا روایت کیا۔

(۵) صحابہ ملائکہ کی روحانیت دیکھتے تھے۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ صحابہ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں تعلیم امت کے لیے انسانی پیکر میں حاضر ہوئے، عمر بن خطاب نے فرمایا: اسی درمیان ہم صحابہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ایک روز حاضر تھے کہ اچانک ہمارے سامنے ایک شخص نمودار ہوئے جن کا لباس خوب سفید، اور بال سخت سیاہ تھے، ان پر سفر کے آثار دکھائی نہ دیتے، وہ نبی پاک ﷺ کے پاس اس طرح بیٹھے کہ اپنے دونوں گھٹنے حضور اقدس کے دونوں گھٹنوں کی طرف ٹیک دیے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں رانوں پر رکھ کر عرض کیا: اے محمد! (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے......(آخری حدیث تک)

سیدہ ام سلمہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے بھی آپ کو دیکھا۔

اور سورہ مریم میں ہے:

﴿فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ [مریم-۱۹:۱۷]

ترجمہ:۔''تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی (جبریل علیہ السلام) بھیجا''۔

(۶) امام مسلم نے مطرف سے روایت کیا، آپ نے فرمایا: مجھ سے عمران بن حصین نے فرمایا میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں امید کہ اللہ آپ کو اس سے نفع بخشے، اور آپ مجھ سے سلام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ میں نے اپنے آپ کو داغ دیا تو انھوں نے مجھے سلام کرنا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے داغنا چھوڑ دیا تو آپ پھر سلام کرنے لگے۔[۱]

میں کہتا ہوں: کسی صحابی، اور تابعی اور اہل سنت و جماعت کے کسی شخص نے کیا یہ کہا کہ عمران بن حصین مضحکہ خیز تھے، ان پر ہنسا گیا، یا یہ کہ شیطان نے آپ سے یہ خواہش و طمع کی، جیسا کہ ابن تیمیہ نے کہا۔

(۷) نبی پاک ﷺ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ ملائکہ کو آسانی دیکھنا ممکن ہے، بشرطیکہ وہ ہمیشہ

(۱) اس حدیث کو امام احمد (۴/۴۲۷) امام مسلم (۲/۸۹۹) اور ابن حبان (۹/۲۴۵) نے روایت کیا۔

ذکرالٰہی اوراسی حال پر رہیں جس حال میں نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں رہتے ہیں۔
امام مسلم نے حنظلہ اسیدی سے تخریج کی، آپ نے فرمایا: (یہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے) مجھ سے ابوبکر نے ملاقات کی تو فرمایا: اے حنظلہ! آپ کیسے ہیں؟ میں نے کہا: حنظلہ نے نفاق کیا، آپ نے فرمایا: سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہتے ہیں، آپ ہم سے جنت وجہنم کا اس طرح ذکر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ وہ دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، پھر جب ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے نکل کر باہر آئے تو ازواج، واولاد، اور جائدادوں نے ہمیں ایسا گھیر لیا کہ ہم بہت کچھ بھول گئے، ابوبکر نے فرمایا: خدا کی قسم بے شک ہمارے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے، اس کے بعد ہم اور ابوبکر دونوں چلے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حنظلہ نے نفاق کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**وما ذاک**" اور وہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں رہ کر آپ سے جنت وجہنم کا ایسا ذکر سنتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں پھر جب ہم آپ کی خدمت سے جاتے ہیں تو ازواج واولاد وجائداد ہمیں ایسا گھیر لیتے ہیں کہ بہت کچھ بھول جاتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**والذی نفسي بیده لوتدومون علی ماتکونون عندي وفي الذکر لصافحتکم الملائکة علی فرشکم وفي طرقکم ولکن یاحنظلة ساعة وساعة ثلاث مرات**"، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم ہمیشہ اسی حال پر رہو جس حال پر میرے پاس رہتے ہو اور ہمیشہ ذکر میں رہو تو ضرور ملائکہ تمہارے بستروں، اور تمہارے راستوں پر تم سے ملاقات کریں گے اور لیکن اے حنظلہ! تھوڑی دیر اور تھوڑی دیر سرکار نے تین مرتبہ (فرمایا)۔(۱)

(۱) امام احمد (۳۰۴/۲)، مسلم (۲۱۰۶/۴)، ترمذی (۶۶۶/۴)، ابن ماجہ (۱۴۱۶/۲)، ابن حبان (۵۵/۲) اور ضیا مقدسی (۱۴/۵) نے اس کی تخریج کی۔

میں کہتا ہوں:

بعض صالحین نے اس سے یہ استدلال فرمایا کہ سالک، عابد، ناسک، یا مرید کو جو بھی نیکی اور بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ نبی پاک ﷺ کے باب کرم سے ہی ملتی ہے، اس لیے کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ تک رسائی آپ ہی کے وسیلہ سے ہوتی ہے۔

اوران حضرات نے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد: ''**لو تدومون علی ما تکونون عندي**'' (ترجمہ:۔''اگر تم لوگ ہمیشہ اسی حال پر رہو جس حال میں ہمارے پاس رہتے ہو'') سے یہی سمجھا۔

(۸) امام مسلم نے ابو ہریرہ سے تخریج کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے درمیان کے ایک بیابان میں ایک شخص تھے، انھوں نے ایک بادل کے اندر سے یہ آواز سنی ''فلاں کا باغ سیراب کرو'' پھر اس بادل نے دور جا کر اپنا سارا پانی سیاہ پتھروں والی زمین پر انڈیل دیا اور اچانک ان کشادہ وادیوں میں سے ایک کشادہ وادی نے وہ سارا پانی گھیر لیا، پھر اس شخص نے اس پانی کو تلاش کیا تو اچانک ایک شخص اپنے باغ میں کھڑے ہو کر وہ پانی کدال کے ذریعہ باغ میں منتقل کر رہا تھا، تو اس شخص نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! آپ کا نام کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا فلاں جو نام اس نے بادل کی آواز سے سنا تھا تو اس نے اس سے کہا: اے بندۂ خدا آپ مجھ سے میرا نام کیوں پوچھ رہے ہیں تو اس نے کہا: جس بادل کا یہ پانی ہے اس بادل سے میں نے ایک آواز سنی اس نے تمہارا نام لے کر کہا فلاں کا باغ سیراب کرو، اس باغ میں آپ کیا کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: جب آپ نے پوچھ لیا تو سن ہی لیجئے میں باغ کی پیداوار کا حساب لگا کر اس میں سے ایک تہائی حصہ راہ خدا میں صدقہ کرتا ہوں، میں اور میرے بچے ایک تہائی کھاتے ہیں اور ایک تہائی پیداوار باغ میں چھوڑ دیتا ہوں۔[1]

میں کہتا ہوں: رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ نہ فرمایا کہ جس آدمی نے بادل سے ایسی آواز سنی اس سے

---

(۱) امام احمد (۲/۲۹۶)، مسلم (۴/۲۲۸۸)، طیالسی (۱/۳۳۷) اور ابن حبان (۸/۱۴۲) نے اس کی تخریج کی، اور بیہقی نے شعب الایمان (۳/۲۳۱) میں اسے روایت کیا۔

مذاق واستہزا اور ٹھٹھا کیا گیا، یا یہ کہ شیطان نے اس کے ساتھ ایسی خواہش وطمع کی، جیسا کہ ابن تیمیہ نے کہا۔

(۹) عبداللہ ابن عمر نے فرمایا: عمر نے ایک لشکر روانہ فرمایا، اور اس لشکر کا سالار ایک ایسے شخص کو بنایا جسے ساریہ کہا جاتا، عمر نے اپنے خطبہ کے دوران تین بار **یا سارية الجبل** (اے ساریہ! پہاڑ سے ہوشیار) کہہ کر پکارا، پھر لشکر کا قاصد آیا، اور عمر نے اس سے حالات پوچھے تو اس نے کہا: اے امیر المومنین! ہماری شکست ہو رہی تھی کہ اس درمیان ہم نے ایک منادی کی آواز: ''یا سارية الجبل'' تین بار سنی تو ہم نے اپنی پیٹھ پہاڑ کی طرف ٹیک دی اور اللہ نے مشرکین کو شکست دی، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر سے لوگوں نے کہا کہ وہ آواز آپ ہی کی تھی۔[1]

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ اور اس کے اعوان وانصار پر افسوس ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کی آواز چند دنوں اور ہفتوں کی مسافت تک ایک لحظہ میں پہنچ رہی ہے اور ہزار کیلومیٹر کی دوری سے سنائی دیتی ہے لیکن نبی پاک ﷺ کو والعیاذ باللہ تعالیٰ اس بات سے عاجز گمان کرتے ہیں کہ آپ اپنا سلام اپنے اس عاشق کو سنائیں جو آپ کی بارگاہ میں آ کر آپ کو سلام کرتا ہے (**نستغفر الله تعالى من هذا القول**)

(۱۰) ائمہ کرام نے غیبی آوازوں کی سماعت، صالحین کرام کی کرامت، اور ملائکہ وجن کا کلام سننے کے بارے میں کتابیں تالیف فرمائیں، یہاں تک کہ حافظ ابن ابوالدنیا کی مشہور زمانہ کتاب کا نام ''**الهواتف**''

---

(۱) بیہقی نے الاعتقاد (۳۱۴/۱)، اور لالکائی نے کرامات الاولیاء (۱۲۰/۱) میں اس کی تخریج کی، اور حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۶،۵/۳) میں فرمایا: اس کی اسناد حسن ہے۔ اور عجلونی نے کشف الخفاء (۵۱۵/۲) میں اس کو برقرار رکھا، اور کہا: اس کی اسناد حسن ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے حسن فرمایا۔ اور خود ابن تیمیہ کو اس واقعہ کا اقرار ہے کہ کم از کم اس نے آٹھ مرتبہ اسے ذکر کیا جیسا کہ اس کی ان کتابوں سے واضح ہے (دقائق التفسیر ۱۴۰/۲، الرد علی البکری ۹۶/۱، النبوات ۲۹۱/۱، منہاج ۶۴/۶، ۱۹۷/۸، ۲۰۴)۔

اسی باب میں ہے۔

(۱۱) امت کے جن افراد نے نبی پاک ﷺ کا جواب سنا ان کی تعداد کا کوئی شمار نہیں، اور امت محمدیہ گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔

(۱۲) اب ہم ماخذ ومراجع کے ساتھ ان عظیم الشان ائمہ اعلام کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے یہ فرمایا کہ بحالت بیداری نبی اکرم ﷺ کا دیدار جائز ہے۔

ابن ابو جمرہ: مختصر صحیح البخاری

قرطبی: تذکرہ، حديث الصعقة اور حاوی (۲/۲۶۳-۲۶۴)

ابوحامد غزالی: المنقذ من الضلال، اور سیوطی نے الحاوی (۲/۲۵۸) میں ذکر کیا

ابن عربی مالکی: قانون التاویل، اور حاوی میں (۲/۲۵۸)

عز بن عبد السلام: القواعد الکبری، اور حاوی (۲/۲۵۸)

ابن الحاج مالکی: المدخل، اور حاوی (۲/۲۵۸)

بارزی: توثيق عرى الإيمان، اور حاوی (۲/۲۵۸)

اکمل الدین جبرتی حنفی: شرح المشارق، اور حاوی (۲/۲۵۸)

یافعی: روض الریاحین، اور حاوی (۲/۲۵۸)

ابوعبداللہ قرشی: روض الریاحین، اور حاوی (۲/۲۵۹)

ابن الملقن: طبقات الأولياء، اور حاوی (۲/۲۵۹)

عبد القادر جیلانی: طبقات الاولیاء، اور عوارف المعارف، اور جمع الوسائل (۲/۲۹۹)

کال ادفوی: الطالع السعيد في ترجمة أبي عبد الله محمد بن يحيى الاسوانی، اور حاوی (۲/۲۶۰)

برہان الدین بقاعی: معجم الشیوخ، اور حاوی (۲/۲۶۱)

نور الدین ایجی: معجم الشیوخ للبقاعی، اور حاوی (۲/۲۶۱)

ابن النجار: اپنی تاریخ میں (اس کتاب میں ابونصر عبدالواحد بن عبدالملک بن محمد بن ابوسعد صوفی کرخی کی حکایت، اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے سلام اور حضور کے ان کے سلام کے جواب کا واقعہ مذکور ہے) اور حاوی (۲۶۱/۲)

ابن باطیش: مزيل الشبهات في إثبات الكرامات، اور حاوی (۲۶۱/۲)

بدرالدین بن صاحب: تذکرۃ، اور حاوی (۲۶۴/۲، ۲۶۵)

قاضی عیاض: حاوی (۲۶۵/۲) آپ نے انبیا کے وصال کے بعد ان کے حج کے متعلق گفتگو فرمائی۔

سیوطی: حاوی (۲۶۵/۲)، اور الدیباج شرح صحیح مسلم من الحاوی (۲۸۶/۲)

مازری: جمع الوسائل (۲۹۰/۲۰)

باقلانی: جمع الوسائل (۲۹۰/۲)

صدرالدین قونوی: جمع الوسائل (۲۹۲/۲)

قسطلانی: المواہب اللدنیہ، جمع الوسائل (۲۹۹/۲)

شرف الدین مناوی: فیض القدیر (۳۲/۶) اور ان کے حاشیۂ جمع الوسائل

ملا علی قاری: جمع الوسائل فی شرح الشمائل (۲۹۹/۲)

ابن عماد حنبلی: شذرات الذہب (۱۰۲/۱۰)، سیرت عبدالقادر بن محمد بن عمر صفدی۔

اب میں قارئین کی خدمت میں اسے پیش کرنا چاہتا ہوں جسے ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۳۲۳/۱۱) میں ابن سمعون واعظ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

محمد بن احمد بن اسماعیل ابوالحسین بن سمعون واعظ، علما اور صلحا میں سے ایک ہیں، انہیں ناطق حکمت کہا جاتا ہے، ابوبکر بن داؤد، اور ان کے طبقہ سے روایت کیا، وعظ اور معاملات کی دقیقہ سنجی میں ید طولی رکھتے، ان کے بہت سے کرامات ومکاشفات ہیں، ایک روز منبر پر وعظ فرما رہے تھے، منبر کے نیچے مشہور صالح ابوالفتح ابن

القواس تھے،ابن القواس کو اونگھ آئی تو ابن سمعون نے ان کے بیدار ہونے تک وعظ روک دیا،جب آپ بیدار ہوئے تو ابن سمعون نے کہا: آپ نے اس خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے؟ آپ نے کہا: ہاں،آپ نے فرمایا: اسی لیے میں نے اپنا وعظ روک دیا تا کہ آپ کو کسی طرح کا کوئی خلل نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن سمعون واعظ نے بحالت بیداری نبی پاک ﷺ کا دیدار پر جمال کیا اسی لیے آپ نے وعظ بند فرما دیا۔

نہایہ میں ہے کہ میں محجوبین ومقطوعین سے ایک روشن بات کہتا ہوں: جب آپ لوگ خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کرتے ہیں تو آپ کو یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ بحالت بیداری نبی پاک ﷺ کا دیدار کیا جا سکتا ہے۔

قارئین کو یہ جان لینا چاہئے کہ یہ لوگ نبی پاک ﷺ کی زیارت شریف کو کوئی اہمیت نہیں دیتے....آپ ان حضرات سے پوچھیں گے تو کوئی جواب نہ دیں گے،ہاں جب آپ ان کے پیچھے لگ جائیں تو باتیں بنائیں گے۔

وصل اللھم علی سیدنا محمد وعلی اٰله وصحبه وسلم

(۷٦)اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِيْ اسْمُهٗ أَحْمَدُ﴾ [الصّف-٦:٦١]

ترجمہ:۔''اوران رسولوں کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے''۔

اورابن تیمیہ یہ کہتا ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں محمد، یا احمد نام مذکور نہیں،اوران کے پاس جو کتابیں موجود ہیں وہ تحریف سے خالی ہیں جیسا کہ اس کی هداية الحيارى (۴۲/۱) میں ہے:

''فصل: سائل نے کہا: آپ لوگوں کے یہاں کتاب وسنت میں یہ مشہور ہے کہ ان کی توریت وانجیل میں آپ کے نبی کا نام لکھا ہوا تھا،لیکن انھوں نے اپنی ریاست اور ثروت واقتدار اور مال وطعام کی لالچ میں توریت وانجیل سے آپ کا نام مٹادیا جب کہ عقل سے یہ چیز بالاتر ہے، کیا شرق وغرب، اورجنوب وشمال کے سارے لوگ اس پر متفق تھے کہ اپنے رب کی نازل فرمودہ کتابوں سے آپ کا نام مٹادیا جائے ؟ یہ اس سے بھی بعید وبالاتر ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے انکار کریں،اس لیے کہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے کہی ہوئی باتوں سے رجوع کرلیں،مگر اپنے مٹائے ہوئے سے رجوع کرنا بعید تر ہے، جواب: اس سوال کی بنیاد ایک فاسد وہم وخیال پر ہے،وہ یہ کہ مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ نبی پاک ﷺ کا اسم صریح (عربی زبان میں محمد ہے) توریت وانجیل میں مذکور ہے، جو دوشریعتوں کو متضمن اور شامل ہیں،اوران مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہود ونصاری نے زمین کے تمام اطراف میں آپ کے اس صریح نام کو مٹاڈالا،اوران دونوں کتابوں سے بالکلیہ اسے ساقط کردیا،اوردورونزدیک،اورشرق وغرب ہرجگہ اس کے ساقط کرنے کا حکم دے دیا،علمائے مسلمین میں سے کوئی بھی عالم اس فاسد وہم وخیال کا قائل نہیں،اورنہ ہی اللہ سبحانہ نے اہل

کتاب کے متعلق اپنی کتاب میں ایسی خبر دی، اوراس کے رسول(۱) نے نہ ایسا فرمایا اور نہ ہی کسی دن اس معاملہ پران کی زجروسرزنش فرمائی، اور نہ ہی صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اوران کے بعد کے ائمہ وعلمائے مفسرین، اور کسی مورخ اور سیرت وتذکرہ نگار نے ایسا قول کیا۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بعض جاہل مسلمانوں نے ایسا کہا، جس سے ان کا مقصود رسول کی عظمت بڑھانا ہے، تو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نادان دوست، دانا دشمن سے زیادہ ضرررساں ہوتا ہے''۔

---

(۱) ناظرین پر واضح رہے کہ یہ ابن تیمیہ کی بالاخانیاں اور محض زبانی دعوے ہیں اس لیے کہ حضرت کعب احبار سے حضور کی صفات میں توریت شریف کا یہ مضمون بھی منقول ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کی صفت میں فرمایا کہ: میں انھیں ہر خوبی کے قابل کروں گا، اور ہر خلق کریم عطا فرماؤں گا، اور اطمینان قلب ووقار کوان کا لباس بناؤں گا اور طاعات واحسان کوان کا شعار کروں گا، اور تقوی کو ان کا ضمیر اور حکمت کو ان کا راز اور صدق ووفا کوان کی طبیعت اور عفووکرم کوان کی عادت اور عدل کوان کی سیرت، اور اظہار حق کوان کی شریعت، اور ہدایت کوان کا امام، اور اسلام کوان کی ملت بناؤں گا، احمد ان کا نام ہے۔ خلق کوان کی صدقے میں گمراہی کے بعد ہدایت اور جہالت کے بعد علم ومعرفت، اور گمنامی کے بعد رفعت ومنزلت عطا کروں گا، اورانہیں ان کی برکت سے قلت کے بعد کثرت، اور فقر کے بعد دولت، اور تفرقے کے بعد محبت عنایت کروں گا، انہیں کی بدولت مختلف قبائل غیر مجتمع خواہشوں اور اختلاف رکھنے والے دلوں میں الفت پیدا کروں گا، اوران کی امت کوتمام امتوں سے بہتر کروں گا۔

اور ایک حدیث میں توریت شریف سے حضور کے یہ اوصاف منقول ہیں: میرے بندے احمد مختار ان کی جائے ولادت مکہ مکرمہ، اور جائے ہجرت مدینہ منورہ طیبہ ہے۔ ان کی امت ہر حال میں اللہ کی کثیر حمد کرنے والی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان پ۹ الاعراف ع۹ آیت ۱۵۸)

حضرت کعب احبار سے مروی ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسی علیہ السلام سے عرض کیا: یاروح اللہ! کیا ہمارے بعد اور کوئی امت بھی ہے؟ فرمایا: ہاں احمد مجتبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی امت وہ لوگ حکما، علما، ابرار واتقیا ہیں اور فقہ میں نائب انبیا ہیں، اللہ تعالی سے تھوڑے رزق پر راضی، اور اللہ تعالی ان سے تھوڑے عمل پر راضی۔ (تفسیر خزائن العرفان پ۲۸ الصٰفٰت ع۹ آیت ۶)

پھراس کے بعداس شخص نے یہ بھی کہا:

''رب سبحانہ نے تو صرف یہ خبر دی کہ ان کی کتابوں میں اس رسول کا ذکر لکھا ہوا ہے، یعنی اللہ نے رسول، اوران کے اوصاف ونعت، اوران کے ظہور کے وقت کی خبر دی، یہ خبر نہ دی کہ اس کے رسول کا صریح عربی نام ان کی توریت وانجیل میں مذکور ہے، البتہ یہ چیزیں دونوں کتابوں میں موجود ہیں جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ ہم ان دونوں کتابوں کے الفاظ ذکر کریں گے۔ اوران چیزوں (نعت وصفت کا ذکر) کا ذکر محض آپ کے نام کے ذکر سے زیادہ بلیغ ہے(!!!) کیوں کہ کبھی نام مشترک ہوتا ہے، تو محض نام سے مسمی کی تعریف وتمیز حاصل نہیں ہوسکتی، اورجس کسی کا یہ نام رکھا جاتا ہے اس کا مطمح نظر اپنے اوصاف واعمال کے بغیر صرف یہ دعوی نہیں ہوا کرتا کہ یہ وہی شخص ہے، اس لیے کہ حوالہ تو صرف نام کا ہے، اوراس نام سے مسمی کا بیان، اس کی تعریف اوراس کی طرف ہدایت وراہ نمائی حاصل نہیں ہوتی برخلاف اس کے کہ مسمی کی نعت وصفت، اس کی آیت وعلامت، اس کی دعوت، اس کی امت کا حال اوراس کا وقت ظہور بیان کر دیا جائے) الخ

علاوہ ازیں قرآن کریم جو ہرطرح کی تحریف سے پاک ہے جس کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ﴾ [یونس-۱۰:۶۴] ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر-۱۵:۹] اس میں حضرت عیسی علیہ السلام کا یہ کلام منقول ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ﴾ [الصّف-۶۱:۶]

ترجمہ:۔''اور جب عیسی بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہا: بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا فرستادہ ہوں، تصدیق کرتا اپنے پہلے کی توریت اور شہادت سناتا اپنے بعد آنے والے نبی کی جن کا نام احمد ہے''۔

قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن اور مضبوط دلیل ہے کہ کم از کم حضرت عیسی علیہ السلام کے قول وانجیل میں اسم ''احمد''، صلی اللہ تعالی علیہا وسلم ضرور مذکور تھا، مگر بعد کے ''تثلیث خواہوں'' نے اسے مٹا دیا۔ مگر ابن تیمیہ اس بات کا منکر ہے اور کہتا ہے: ''عقل اسے محال قرار دیتی ہے''۔ اس نے دلیل یہ دی کہ شرق وغرب اور شمال وجنوب تمام خطے کے یہود ونصاری کا ایک شئ مکتوب کو مٹانا محال ہے، عقل اس کو ممکن نہیں کہتی ہے۔

میں کہتا ہوں:

اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) ابن تیمیہ نے تو انکار کی حد کردی وہ تو کتب قدیمہ میں آپ کے اسم پاک کے ذکر کا انکار کر رہا ہے!

یہ ایک عجیب مسئلہ ہے جس میں ابن تیمیہ نے ٹھوکر کھائی ہے اس لیے کہ اس کا مذہب یہی ہے کہ توریت وانجیل میں صرف معمولی تحریف ہوئی ہے، اہل کتاب نے تدریجاً از راہ فریب اس سے اس لیے پوچھا تھا تاکہ اپنی کتابوں میں نام محمد کا انکار کردے تو اس نے انہیں کالقمہ تر نگل کر گزشتہ جواب دیا۔ اور اگر کسی سیرت کے عالم، یا محدث، متکلم، یا فقیہ سے نبوت کے دلائل پوچھے جائیں تو وہ حضرات اس سلسلے میں صریح کلام پیش فرمائیں گے،

اب ہم سے سنیں کہ اس کی عقل کن چیزوں کو ممکن قرار دیتی ہے:

آج ہماری نگاہوں کے سامنے دنیا کے مختلف براعظموں سے شائع بائبل کے متعدد نسخے ہیں (۱) پہلا نسخہ: انگریزی ایڈیشن کا جو برطانیہ سے شائع ہے (۲) دوسرا نسخہ: یہ اردو ایڈیشن ہے جو دی بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ ہم آئندہ سطروں میں بائبل کے حوالے سے جو بھی ''عقائد کفریہ ملعونہ'' نقل کریں گے وہ ان تینوں میں مذکور ہیں۔

(۱) ''اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک ساتھ تھیں، تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے، آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں، سو انھوں نے اسی رات باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی، پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی، اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا دیکھ کل رات میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی، آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں، سو اس رات بھی انھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی، پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی، سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں''

(پیدائش ۱۹/۳۰-۳۵ شامل ''کتاب مقدس'' بائبل کا اردو ترجمہ مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور)

قارئین! اس کے ہر ہر لفظ کے بعد کم از کم ایک بار استغفار پڑھیں، اب ہم برطانیہ سے شائع انگریزی ایڈیشن کے الفاظ نقل کر دیتے ہیں، ملاحظہ:

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! جب ''آمین'' کا کلمہ عرب وعجم میں حد شہرت کو پہنچا ہوا ہے، تو کیا نام محمد معروف ومشہور نہ ہوگا؟

And Lot went up out of Zo-ar, and dwelt in the mountain and his two daughters with him,and the firstborn said unto the younger, Our father is old, and there is not a man in the earth to came in unto us after the manner of all the earth, come, let us make our father drink wine, and we will lie with him, that we may preserve seed of our father, and they made their father drink wine that night: and the firstborn went in and lay with her father, and he percieved not when she lay down nor when she arose, and it come to pass on the morrow, that the firstborn said unto the younger, Behold I lay yesternight with my father let us make him drink wine this night also, and thou in and lie with him, that we may preserve seed of our father, and they made their father drink wine that night also and the younger arose and lay with him, and he percieved not when she lay down nor when she arose, thus were both the daughters of Lot with child by their father.(Genesis 19/30-35)

ترجمہ بالکل وہی ہے جو اردو ایڈیشن کا ہے، اب ہم امریکا سے شائع انگریزی ایڈیشن کے الفاظ نقل کر رہے ہیں:

Lot was afraid to stay on in Zoar so he took his two daughters and moved to a cave in the hill country, one day his older daughter said to her sister "Our father is old, and there are no men anywhere for us to marry, let us get our father drunk then we can sleep with him and have children" that night they got their father drunk, and the older daughter got in the bed with him but he was too drunk even to know she was there, the next day the older daughter said to her sister "I slept with my father last night, we will get him drunk again tonight, so you can go to bed with him and we can each have a child" that night they got their father drunk and this time the younger sister slept with him, but once again he was too drunk even to know she was there, that is how Lot's two daughters had their children. (Genesis 19/30-36)

انگریزی میں تھوڑی سی سمجھ بوجھ رکھنے والے اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ طرز تعبیر اور اسلوب بیان کو چھوڑ کر معنی ومفہوم میں کچھ فرق نہیں، امریکا سے شائع انگریزی، برطانیہ سے شائع انگریزی اور ہندوستان سے شائع اردو تمام نسخوں کے معنی مفہوم میں مکمل موافقت وہم آہنگی ہے، اب ہم ابن تیمیہ اور اس کے ریزہ خواروں سے پوچھتے ہیں:

(۱) کیا آپ اور آپ کے نام نہاد پیشوا ابن تیمیہ کی ''عقل رسا'' اس بات کو جائز قرار دیتی ہے کہ تین مختلف براعظموں سے شائع نسخوں میں موجود چیزیں گڑھی ہوئی ہوسکتی ہیں؟

(۲) کیا آپ کے نزدیک تین مختلف گوشۂ عالم سے شائع نسخوں میں موجود اتفاق اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ سب کچھ حقیقی ہے؟ دنیا کے براعظموں کا اتفاق جھوٹ پر ہو، اسے آپ کی ''نکتہ رس عقلیں'' محال قرار دیتی ہیں؟

(۳) جب آپ کے نزدیک ان کا کذب ہونا محال عقلی تو پھر ماننا پڑے گا کہ مذکورہ بالا واقعہ سچا اور حقیقی ہے، مگر افسوس کہ ایسی صورت میں آپ کے ایمان کی سلامتی کی ضمانت دنیا کا کوئی فرد دے سکے گا؟

قارئین کرام! آپ نے غور کیا کہ ابن تیمیہ کا یہ قول: ''مشرق ومغرب، شمال وجنوب دنیا کے ہر خطے کے یہود ونصاری کا نام محمد ﷺ اپنی کتابوں سے مٹانے پر اتفاق عقل کے نزدیک محال ہے'' (ہدایۃ الحیاری ۱/۴۲) اسے کہاں لے جارہا ہے؟ ہر دور کے دنیا کے جس خطے کی بائبل آپ دیکھیں چاہے وہ کسی بھی زبان میں ہو اس میں قصۂ مذکورہ یعنی قصۂ لوط اسی طرح پائیں گے، تو کیا ابن تیمیہ اور اس کی ذریت کی عقل اسے جائز الوقوع اور حقیقی کہانی سمجھتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر ان کا کیا ہی براٹھکانہ ہے، اور اگر ان کی عقل اسلامی نظریے سے دیکھتے ہوئے اسے ناممکن قرار دیتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی عقل نام محمد ﷺ کے اصل توریت وانجیل میں موجود ہونے اور پھر ان سے مٹائے جانے پر تمام یہود ونصاری کے اتفاق کو محال عقلی قرار دے رہی ہے؟

بائبل کا مندرجہ بالا اقتباس مذکور عصمت انبیا کے سخت منافی تھا اب خون آلود آنکھوں سے مندرجہ ذیل اقتباس بھی پڑھیں اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کریں:

(۲) اور خداوند نے کہا دیکھو انسان نیک وبد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا، اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لے کر کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے، اس لیے خداوند نے اس کو باغ عدن سے باہر کر دیا تا کہ وہ اس زمین کی جس میں سے وہ لیا گیا تھا کھیتی کرے'' (پیدائش ۳/ ۲۲، ۲۳)

اب برطانیہ سے شائع انگریزی اقتباس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

And the Lord God said "Behold the man is become as one of us to know good and evil, and now lest he put forth his hand and take also of the tree of life and eat and live for ever" therefor the Lord God sent him forth from the garden of Eden to the ground from where he was taken" (Genesis 3/22,23)

ترجمہ وہی ہے جو ہندوستانی ایڈیشن سے نقل کیا گیا، اب امریکا سے شائع انگریزی ایڈیشن کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

The Lord said "these people now know the diffrence between right and wrong just as we do but they must not be allowed to eat fruit from the tree that lets them live for eve" so the Lord God sent them out of the garden of Eden, where they would have to work the ground from which the man had been made.(Genesis 3/22,23)

پیرایۂ بیان اسلوب اور طرز نگارش کے علاوہ تینوں نسخوں کے معنی ومفہوم میں کوئی اختلاف تناقض اور نہیں ہے۔

''خدانے جب دیکھا کہ انسان قریب ہے کہ جنت کے ''شجر حیات'' سے پھل کھا کر ہمارا حریف بن جائے تو اس نے جھٹ سے اسے نکال کر زمین کا راستہ دکھایا'' شاید ابن تیمیہ جیسے ''ذہین بے وقوف'' افراد کے معبود ایسے ہوتے ہوں گے کہ انہیں انسانوں سے ہمسری کا اندیشہ دامن گیر رہتا ہو، الحمدللہ ہمارا اور سارے جہاں کا خدا یہود ونصاری کے بے بس اور حریفِ انسان معبود'' کے مثل ہونے سے منزہ ہے ''ليس كمثله شئ''

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ توریت وانجیل میں تناقض وتحریف اور تغیر وتبدیل کا ذکر کرتے ہوئے فتاوی رضویہ میں رقم طراز ہیں:

بائبل کی زبان ایسی پیچیدہ ہے کہ اور تو اور خود مصنف محرف کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تواریخ کی دوسری کتاب باب ۲۱ درس ۲۰ اور باب ۲۲ درس ۱و۲ میں لکھا: وہ بتیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا ۸ برس بادشاہت کیا اور جاتا رہا داؤد کے شہر میں گاڑا گیا یروسلم کے باشندوں نے اس کے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اس کی جگہ بادشاہ کیا اخزیاہ ۴۲ برس میں بادشاہ ہوا۔ یعنی باپ ۴۰ برس کی عمر میں مرا اس وقت بیٹا ۴۲ برس کا تھا۔ باپ سے دو برس پہلے پیدا ہولیا تھا۔ متی کی انجیل میں مسیح وداؤد علیہما الصلوٰۃ والسلام کے بیچ میں صرف ۲۶ پشتیں ہیں اور اس میں عود بھی گنا دیا ہے کہ مسیح تا داؤد ۲۸ شخص ہیں لیکن لوقا کی انجیل میں مسیح سے داؤد تک ۴۳ آدمی ہیں ۱۵ پشتیں زائد اور اسما بھی بالکل نامطابق ایضا انجیل متی باب ۵ درس ۱۷۔ ''یہ خیال مت کرو کہ

میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پوری کرنے آیا ہوں''۔ درس ۱۸'' کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا'' یہاں تو نسخ کا اس شدت سے انکار ہے اور جا بجا انجیل ہی میں نسخ احکام توریت کا اظہار ہے۔ اسی انجیل کے اسی باب درس ۳۱و۳۲ میں ہے: یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاق نامہ لکھ دے پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے۔ ایضا درس ۳۳و۳۴: تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کر پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ہرگز قسم نہ کھا۔ ایضا درس ۳۸و۳۹: تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ ایضا باب ۱۹ درس ۸و۹ موسیٰ نے جوروؤں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر میں تم سے کہتا ہوں جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے زنا کرتا ہے۔

یہی مضمون انجیل مرقس باب ۱۰ درس ۳ تا ۱۲ میں ہے ان کے سوا بہت نظائر تناقض و نافہمی کے ہیں تو ثابت ہوا کہ عبری زبان ہی ایسی پیچیدہ ہے کہ اس میں کتاب تصنیف کرنے والا خود اپنی نہیں سمجھتا۔ اور (۱۵) کے بعد یہ نمبر اور اضافہ کیجئے (۱۶) ہر صغیرہ سے صغیرہ کو گناہ کہہ سکتے ہیں اگر چہ قبل ظہور رسالت ہو اور توسعاً خلاف اولی کو بھی جو ہرگز منافی نبوت نہیں لیکن نیک ہونا تو نبی کے لے لازم ہے نہ کہ وہ جو خدا کا بیٹا ٹھہرے مگر یہ انجیلیں کہتی ہیں کہ مسیح ہرگز نیک نہیں۔ دیکھو متی باب ۱۹ درس ۱۶و۱۷: ایک نے اس سے کہا اے نیک استاد اس نے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ یہی مضمون انجیل مرقس باب ۱۰ درس ۱۷و۱۸ و انجیل لوقا باب ۱۸ درس ۱۸و۱۹ میں ہے۔ وہاں اگر بعض مفسرین نے معاذ اللہ گناہ گار ہونا مانا تھا تو یہاں تو خود انجیلیں مسیح کو معاذ اللہ صاف طور سے بد بتا رہی ہیں۔ (۱۷) گناہ نہیں مگر شریعت کی مخالفت لیکن بائیبل تو شریعت کو راْساً باطل کر رہی ہے گلتیوں کو پولس کا خط باب ۳ درس ۱۰ وے سب جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں سو لعنت کے تحت ہیں۔ درس ۱۱: کوئی خدا کے نزدیک شریعت سے راست باز نہیں ٹھہرتا۔ درس ۱۲: شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں اور مسیح علیہ الصلاۃ وسلام پکے راست باز و کامل الایمان ہیں۔ تو ضرور شریعت سے جدا ہیں تو گناہ گار ہیں کتاب یرمیاہ باب ۹ درس ۱۲و۱۳ میں ہے: سرزمین کس لیے ویران ہوئی اور بیابان کے مانند جل گئی خداوند کہتا ہے اسی لیے کہ انھوں نے میری شریعت کو ترک کر دیا اور اس کے موافق نہ چلے۔

نبی پاک ﷺ تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، اور جو بھی نبی آیا اس نے آپ کی آمد آمد کی بشارت دی، تو کیا عقل میں یہ بات آتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب، اور ان کے بعد کے حواریین نبی پاک ﷺ کا نام پاک نہ پوچھیں گے، چاہے وہ ساق عرش پہ لکھا ہو یا عالم ملکوت میں، اور کیا یہ لوگ آپ کو عجمی نام سے جانیں گے جب کہ جلوہ گر ہونے والے نبی ﷺ عربی ہیں۔ میں ایک عمدہ بات ذکر کرتا ہوں: جب رسول اللہ

(۱۸) بلکہ ترک اولی یا کسی صغیرہ کا صدور یا بد ہونا بھی درکنار بائیبل تو مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کو معاذ اللہ صاف ملعون بتاتی ہے خط مذکور باب ۳ درس ۱۳ ''مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے میں لعنت ہوا کیوں کہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے'' والعیاذ باللہ تعالی۔ ایسے پوچ ولچر مذہب کے پابند کیوں دین حق اسلام کے خدام سے او لجھتے ہیں اپنے گریبان میں مونھ ڈالیں اور اپنی پگڑی کہ کبھی نہ سنبھلے گی سنبھالیں واللّٰہ یھدي من یشاء إلی صراط مستقیم ○ واللہ تعالیٰ أعلم

قارئین کرام! مجھے ابن تیمیہ بتائے کہ بائبل میں اس طرح کے بہت سے کفری اقتباسات ہیں جن کی تعداد بے شمار ہے کیا وہ سب حق و درست اور تحریف سے پاک ہیں؟ کیا اسے تحریف نہ کہیں گے؟ آج یہود و نصاری کے مذہب کی بنیاد جن کتابوں پر قائم ہے کیا ان میں تحریف نہیں؟ نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی میں اللہ رب العزت نے یہ ارشاد فرمایا: ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ﴾ [النساء-۴:۴۶] اور اس طرح کی دیگر بہت ساری شنیع حرکتوں کا ذکر کیا اللہ عزوجل کی اس تحریف سے کیا مراد ہے اور تحریف کا معیار کیا ہے، تحریف کسے کہتے ہیں؟ اگر یہ تحریف نہیں تو قرآن میں اسے تحریف کا نام کیوں دیا گیا؟ کیا تحریف کے لیے یہ ضروری ہے کہ عالم کے ہر گوشہ میں ہر ہر خطۂ زمین پر تحریف ہو؟ کیا اصل توریت وانجیل موجود ہے جس پر آج دنیا کے تمام یہود و نصاری عامل ہوں اور ان کے مذہب کی بنیاد اسی پر قائم ہو اور اس طرح کفریات سے بیزار ہوں؟ قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ: حضرت عیسی ایک ایسے رسول کی بشارت دیتے ہوئے آئے جن کا نام احمد ہے کیا یہ دلیل کافی نہیں؟ حدیث پاک میں حضور کے اوصاف مبارکہ میں توریت سے یہ منقول ہے: ''میرے بندے احمد مختار ان کا جائے ولادت مکہ مکرمہ الخ'' ہے کیا یہ جھوٹ ہے؟ گزشتہ اقتباس میں حضرت کعب احبار سے حضور کے مقدس صفات میں توریت شریف کا منقول مضمون ''احمد ان کا نام ہے'' کیا یہ جھوٹ ہے اور تنہا ابن تیمیہ ہی صداقت کا علم بردار ہے اور ساری امت جھوٹ پر قائم ہے؟

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

(مترجم)

ﷺ سے بغض اور قلبی عداوت رکھنے والے، گستاخان بارگاہ کا گستاخانہ کلام حد سے زیادہ بڑھ گیا تو ایک صالح نے ان سے کہا: کیا نام محمد سے آپ لوگوں کو غیظ وغصہ آتا ہے! اس کے بعد وہ بار بار محمد، محمد، محمد کی تکرار کر[1] نے لگے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵۲۴/۱۳-۵۲۶) میں ایسا کلام ذکر فرمایا جس سے ابن تیمیہ کے کلام کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے اور اس کا بطلان اظہر من الشمس ہو جاتا ہے، آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيْلِ﴾ [الاعراف-۷:۱۵۷]

ترجمہ:۔''وہی لوگ تعریف کے لائق ہیں جو اس امی نبی کی اتباع کرتے ہیں جس کا نام اپنی تورات وانجیل میں لکھا دیکھتے ہیں''۔

اور اسی میں سے یہودیوں کے رجم کا واقعہ بھی ہے، اس لیے کہ توریت میں رجم کی آیت موجود تھی، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰةِ فَاتْلُوْهَآ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [آل عمران-۳:۹۳]

ترجم۔''آپ فرمائیں''تم توریت لاکر اس کی تلاوت کرواگر سچے ہو''۔

دوسرے: یہ کہ توریت کے اکثر احکام میں تحریف ہوئی ہے، جس پر بہت سے دلائل قائم ہیں۔ اور اول کو اس پر محمول کرنا مناسب ہے۔

تیسرے: یہ کہ توریت کے بعض احکام میں تحریف ہوئی ہے، لیکن اس کا عظیم حصہ اپنی جگہ تحریف سے پاک وسالم اور محفوظ وباقی ہے، شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے اپنی کتاب''**الرد الصحيح على من بدّل دين**

(۱) مجدد اعظم سیدنا علی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

دشمن احمد پہ شدت کیجیے ملحدوں کی کیا مروت کیجیے
غیظ سے جل جائیں بے دینوں کے دل یارسول اللہ کی کثرت کیجیے (مترجم)

المسیح'' میں اسی کی حمایت کی ہے۔

چوتھے: یہ کہ صرف ان کے معانی میں تبدیل وتغییر ہوئی ہے الفاظ میں نہیں اور یہاں اسی کا ذکر ہے۔

ابن تیمیہ سے محض اس مسئلہ کے متعلق بھی پوچھا گیا تو اس نے اپنے فتاوی میں یہ جواب دیا:

(اس بارے میں علما کے دو قول ہیں) اور دوسرے قول کی تائید میں کثیر طریقوں سے استدلال کیا جن میں سے اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے:

'' **لا مبدل لکلما ته** '' ترجمہ:۔''اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں''۔

حالاں کہ اس کا یہ استدلال اللہ تعالی کے اس ارشاد کے معارض ہے:

﴿فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَآ إِثْمُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهُ﴾ [البقرہ-۲:۱۸۱]

ترجمہ:۔''اور جس نے اللہ کے کلمات کو سن کر بدل دیا تو اسی پر بدلنے کا گناہ ہے''۔

پہلی آیت میں اللہ تعالی کے کلمات میں تحریف کی نفی وارد ہے، اور دوسری آیت سے تحریف وتبدیل کا اثبات ظاہر ہے ان دونوں آیتوں میں نفی واثبات کے درمیان جمع وتطبیق اس طرح متعین نہیں کہ نفی لفظ کی تحریف پر محمول ہو اور اس تحریف لفظی کی نفی کا یہ معنی ہو کہ کلام اللہ کے الفاظ کوئی نہیں بدل سکتا، اور اثبات تحریف معنی کی تبدیلی پر محمول ہو کہ اس کے معانی میں تبدیلی کی۔ مذکورہ تطبیق اس لیے متعین نہیں کہ ہوسکتا ہے کہ نفی تحریف حکم پر محمول ہو، یعنی اللہ کے احکام کوئی بدل نہیں سکتا، اور اثبات تحریف لفظ اور معنی دونوں کو عام ہو یعنی جس نے اللہ کے کلمات کو سن کر اس میں لفظی ومعنوی تحریف کی، لفظ اور معنی دونوں بدل دیا۔

اور ابن تیمیہ کے اقوال میں سے اس کا ایک قول یہ بھی ہے کہ شرق وغرب، اور جنوب وشمال میں توریت کے موجودہ نسخوں میں اختلاف نہیں، اور یہ محال ہے کہ دنیا کے تمام موجودہ نسخوں میں تبدیل وتغیر ہوا اور اسی تبدیلی وتغیر کے مطابق سارے عالم کے نسخے ایک ہی طرز کے رہیں، ابن تیمیہ کا یہ استدلال عجیب وغریب ہے اس لیے کہ جب تبدیل کرنا ممکن ہے تو مبدل کو معدوم کرنا بھی ممکن ہے، اس وقت توریت کے جتنے نسخے پائے جاتے ہیں انھیں پر یہودیوں کا دینی اور مذہبی معاملہ قائم ہے، اور اس میں بلاشبہ تبدیل وتحریف ہوئی ہے جیسا کہ اس کی

خبروں سے کتابیں لبریز ہیں۔

توریت میں تبدیل وتحریف کا معاملہ اس لیے پیش آیا کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس پر فوج کشی کر کے تمام اسرائیل کو ہلاک وبرباد کیا، انہیں قتل وقید کیا، اوران کی کتابوں کونیست ونابود کردیا، یہاں تک کہ عزرا کاہن آیا تو اس نے انہیں توریت کا املا کرایا۔

رہی انجیل تو اس میں بھی تحریف ہوئی اس لیے کہ اہل روم جب دین نصرانیت میں داخل ہوئے تو ان کے بادشاہ اوران کے اکابر کوانہیں احکام پر جمع کیا گیا جواس وقت ان کی موجودہ انجیل میں تھے، اوراس سے انکارنہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے انجیل کے معانی میں تحریف کی، بلکہ معانی کی تحریف ان کے یہاں بکثرت موجود ہے، صرف نزاع اس میں ہے کہ الفاظ میں تحریف ہوئی یانہیں؟ توریت وانجیل دونوں کتابوں میں ایسے الفاظ موجود ہیں جوقطعاً اللہ عزوجل کی طرف سے نہیں ہوسکتے''۔

اورابومحمد بن حزم نے اپنی کتاب ''الفصل في الملل والنحل'' میں اس طرح کی بہت سی چیزیں ذکر کیں ہیں، انہیں میں سے یہ ہے کہ زمین کے شرق وغرب میں آباد یہودیوں کے راہبوں، ان کے قاریوں، ان کے مذہبی ذمہ داران اوران کے عیسوی، کے پاس جوتوریت ہے اس میں کسی ایک صفت پر ان کا اختلاف نہیں، اس توریت کی پہلی فصل کے پہلے ورق پر یہ ہے ''اگر کوئی شخص اس توریت میں کسی لفظ کی کمی یابیشی کرنا چاہتا تو ان کے یہاں اس کی فضیحت کی جاتی، دوسری تباہی سے پیشتر جولاوبین تھے ان کے عہد تک اس توریت پران سب کا اتفاق تھا، یہ لوگ ذکر کرتے کہ یہ توریت عزراہارونی تک انہیں لوگوں سے پہنچا ہے، اوراللہ تعالی نے فرمایا: جب آدم نے درخت سے کھالیا، تو وہ خیروشر کی معرفت میں ہم میں سے ایک انسان کی طرح[۱] ہوگئے، اور جادوگروں نے فرعون کے لیے اسی کے مثل عمل کیا جوان پرخون اورضفادع (مینڈک) بھیجے گئے، اوروہ لوگ مچھر سے عاجز رہے، اورقوم لوط کے ہلاک ہوجانے کے بعدان کی دوبیٹیوں[۲] نے انہیں شراب پلایا

(۱) پیدائش ۳/ ۲۲-۲۴

(۲) پیدائش ۲۰/ ۳۰-۳۲ (مترجم)

اور دونوں بیٹیاں اپنے باپ کے ساتھ ان کے بستر پر لیٹیں، انھوں نے ہر بیٹی سے ہمبستری کی جس سے ان دونوں کو حمل قرار پایا، یہ عجیب وغریب نامعقول چیزیں ہیں۔

اور دوسرے مقامات پر مذکور ہے کہ اس میں اس قدر تبدیل وتحریف ہوئی کہ پوری کتاب صفحۂ عالم سے مٹادی گئی، بعد میں عزرا مذکور نے اس کا املا کرایا جو آج موجود ہے، پھر یہودیوں کے ہاتھوں میں توریت کے جو نسخے موجود تھے اس میں جھوٹ بہت زیادہ ہے۔

پھر کہا: اور مسلمانوں کی ایک قوم کے بارے میں ہمیں خبر ملی کہ وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ یہود ونصاری کے ہاتھوں میں جو توریت وانجیل موجود ہے وہ محرف ہیں، اور اس انکار کا داعی ومحرک قرآن وسنت کے نصوص سے ان کی لاپرواہی ہے، قرآن وسنت کے نصوص اس پر شاہد ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو اس کے مقامات سے تحریف کرتے ہیں، اور دانستہ اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کر کے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی بارگاہ سے ہے، حالاں کہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں، اور یہ لوگ حق کو ناحق سے ملاتے، اور دانستہ حق کو چھپاتے ہیں، جب ان منکرین سے کہا جاتا کہ اللہ تعالی نے صحابہ کی شان میں ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ﴾ [الفتح-۴۸:۲۹]

ترجمہ: ''یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا''۔

اور یہود ونصاری کے ہاتھوں میں توریت وانجیل کے جو نسخے آج موجود ہیں اس کا کچھ بھی حصہ ان میں نہیں، اور جو لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ توریت ان تک بطریق تواتر منقول ہو کر آیا، ان دعویداروں سے یہ کہا جاتا کہ ان لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ دونوں کتابوں میں محمد ﷺ کا کوئی ذکر نہیں، تو اگر تم ان کی موجودہ کتاب کی اس لیے تصدیق کرتے ہو کہ ان کے پاس متواتر طریقہ پر منقول ہو کر آیا تو تم لوگ ان کے اس زعم کی بھی تصدیق کرو کہ محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کا دونوں کتابوں میں کوئی ذکر نہیں، ورنہ بعض کتاب کی تصدیق اور بعض

کی تکذیب جائز نہ ہوگی جب کہ دونوں ایک ہی طرح پر آئے ہیں۔ابن حزم کا کلام ختم ہوااوراس میں کچھ فوائد ہیں۔(فتح الباری ۱۳/۵۲۴-۵۲۶)

ابن حزم (ظاہری) کا کلام اس کی کتاب "**الفصل في الملل والنحل**" (۱/۱۵۹-۱۶۱) میں مذکور ہے۔

(۷۷)ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ نبی پاک ﷺ اہل حق و باطل کے درمیان تمیز نہیں کر سکتے کہ مومن اور منافق میں فرق وامتیاز کریں

رافضی نے اپنے کلام کے دوران یہ ذکر کیا کہ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہ اہل حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہیں اس لیے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:"لایحبک إلا مومن و لایبغضک إلا منافق" تم سے صرف مومن ہی محبت کرے گا، اور صرف منافق ہی بغض رکھے گا" ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۹۰/۴) میں رافضی کے اس کلام کا رد کرتے ہوئے کہا:

"رابعا یہ کہا جائے: دلیل کے ذریعہ معلوم ہے کہ یہ دونوں حدیثیں جھوٹی ہیں، نبی پاک ﷺ کی طرف ان کی نسبت جائز نہیں کیوں کہ یہ کہا جائے گا کہ علی یا غیر علی (امت میں فرق و امتیاز کرنے والے) کے حق و باطل میں فرق وامتیاز کرنے سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اہل حق و باطل کے درمیان تمیز کر لیتے ہیں تو مومن و منافق کے درمیان فرق وامتیاز کر لیں گے، تو یہ ایسی چیز ہے جس پر کوئی انسان قادر نہیں نبی، نہ اور کوئی، اور اللہ تعالی نے اپنے نبی سے فرمایا:

﴿وَمِـمَّـنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لاَ تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۱]

ترجمہ:۔"اور کچھ مدینہ منورہ والے ان کی خو (عادت) ہوگئی ہے نفاق، تم انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں"۔

جب نبی کو اپنے مدینہ منورہ، اور اس کے اردگرد کے منافقوں[1] کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ یہ منافق

(۱) أقول: یہ بھی ابن تیمیہ کا محض زبانی دعوی اور اس کی بالا خانی ہے اس لیے کہ نبی اکرم سید عالم ﷺ نے جمعہ کے روز خطبہ کے

ہے،تو کیوں کر دوسروں کے متعلق یہ علم ہوگا''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کا ادب قابل دید ہے وہ کہہ رہا ہے:

''اس پر کوئی انسان قادر نہیں، نہ نبی، نہ اور کوئی''۔

رسول اللہ ﷺ پر ابن تیمیہ کی تہمت کے مسئلہ میں ہم ذکر کر چکے کہ اس نے حضور اقدس پر یہ تہمت لگائی کہ آپ کو سیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا، ابن تیمیہ کبھی یہ دعوی کرتا ہے کہ اسے لوح محفوظ کا کشف حاصل ہے، جیسا کہ اس کے تلمیذ ابن قیم نے مدارج السالکین (۴۸۹/۲-۴۹۰) میں اس کے متعلق ذکر کرتے ہوئے کہا:

''۷۰۲ء میں جب تاتاری مشتعل ہوئے ،اور انھوں نے شام کا قصد کیا، تو ابن تیمیہ نے لوگوں اور امیروں کو یہ خبر دی کہ ہزیمت وشکست انہیں کی ہوگی، اور نصرت وکامیابی مسلمانوں کو حاصل ہوگی، اور اس نے اس پر ستر بار سے زائد قسمیں کھائیں، ابن تیمیہ سے کہا جاتا کہ ان شاء اللہ کہے، تو وہ انشاء اللہ تحقیق کے لیے کہتا تعلیق کے لیے نہیں، اور میں نے اس سے یہ کہتے سنا: جب لوگوں نے مجھ سے بہت زیادہ اصرار کیا تو میں نے کہا: مجھ سے زیادہ اصرار نہ کیجئے، اللہ تعالی نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ اس مرتبہ انہیں کی شکست ہوگی، اور فتح ونصرت اسلامی لشکروں کو حاصل ہوگی''۔

اور ابن قیم نے یہ بھی ذکر کیا کہ ابن تیمیہ کہتا تھا:

'' میرے پاس میرے اصحاب، اور دوسرے لوگ آتے ہیں تو میں ان کے چہروں، اور

لیے قیام فرما کر نام بنام فرمایا: نکل اے فلاں تو منافق ہے، نکل اے فلاں تو منافق ہے رسول پاک ﷺ نے اس طرح سے چند لوگوں کو مسجد سے رسوا کر کے نکالا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کو منافقوں کے حال کا علم عطا فرمایا گیا اس لیے اس آیت کریمہ کا معنی یا تو یہ ہے کہ تم انہیں اس طرح نہیں جانتے جس کا اثر معلوم ہو کہ وہ ہمارا جاننا ہے کہ ہم انھیں عذاب کریں گے یا ماسبق کے اعتبار سے منافقوں کے حال جاننے کی نفی ہے اس لیے کہ بعد کو اس کا علم ہوا جیسا کہ گزرا اور ایک دوسری آیت میں اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ [محمد-۴۷:۳۰] (مترجم)

آنکھوں میں ایسی چیزیں مشاہدہ کرتا ہوں جنہیں میں ان سے نہیں کہتا''۔

میں نے اس سے کہا اگر میرے علاوہ دوسرے لوگوں کو بتا دیتے تو کتنا اچھا ہوتا تو اس نے کہا:

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں حاکموں کی طرح معروف ومشہور ہو جاؤں'' اور ایک دن میں نے اس سے کہا: اگر آپ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ فرماتے تو استقامت اور صلاح کی طرف زیادہ داعی ہوتا، تو اس نے کہا:

''آپ لوگ میرے ساتھ اس پر ایک جمعہ، یا یہ کہا کہ ایک مہینہ صبر نہیں کر سکتے'' اور بار بار اس نے مجھے ایسی پوشیدہ چیزوں کی خبر دی جو خاص مجھ سے متعلق تھیں، میں نے ان کا عزم کر لیا تھا، اور ابھی اپنی زبان سے انھیں ذکر بھی نہ کیا تھا، اور مجھے مستقبل میں پیش آنے والے بعض عظیم حوادث بھی بتائے، اور ان کے اوقات متعین نہ کیے، میں نے بعض حوادث اپنی نظروں سے دیکھے، اور باقی کا انتظار ہے، اور اس کے عظیم اصحاب کے مشاہدات میرے مشاہدہ سے کئی گونا زیادہ ہیں''۔

اور صاحب **الأعلام العلية** (۱/۵۶، ۵۷) نے اس کے بعض ثناخوانوں سے نقل کیا:

''نویں فصل اس کی بعض کرامتوں اور فراستوں کے بیان میں: بہت سے ثقہ لوگوں نے اس کی چشم دید کرامتیں مجھ سے بیان کیں، میں اختصار کے ساتھ بعض کرامتوں کا ذکر کروں گا، سب سے پہلے میں وہ کرامت بیان کروں گا جسے میں نے خود بچشم سر دیکھا ان میں سے دو کرامتیں یہ ہیں:

پہلی کرامت: میرے اور بعض فضلا کے درمیان چند مسائل میں نزاع ہوا جن میں ہماری گفتگو طویل ہوگئی، اور بحث کا سلسلہ اس پر ختم ہوا کہ شیخ ابن تیمیہ کی طرف رجوع کریں گے، وہ جس قول کو ترجیح دیں گے اسے بسر وچشم قبول کریں گے، پھر شیخ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، ہم نے آپ سے اس مسئلہ میں سوال کرنا چاہا تو ہم سے پہلے ہی آپ نے ایک ایک مسئلہ

کا ذکر شروع کر دیا جیسا کہ ہم لوگوں نے گفتگو کی تھی اور ہر مسئلہ کے بارے میں ہم لوگوں نے جو کچھ پیش کیا ان میں سے اکثر چیزیں آپ نے ازخود بیان کر دیں، اور علما کے اقوال ذکر کیے پھر ازروئے دلیل جو مسئلہ راجح تھا اس کی ترجیح پیش کی، یہاں تک کہ وہ اس آخری مسئلہ پر آئے جسے ہم آپ سے پوچھنا چاہتے تھے، اور انھوں نے ہم سے وہ چیزیں بیان کیں جسے ہم ان سے معلوم کرنا چاہتے تھے تو میں، میرے ساتھی، اور ہمارے پاس جو لوگ موجود تھے آپ کا یہ مکاشفہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ ہمارے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ نے آپ پر سب کچھ ظاہر فرما دیا۔

دوسری کرامت: جن دنوں میں آپ کی صحبت میں تھا جب آپ کسی مسئلہ پر بحث فرماتے میرے دل میں ایک اعتراض پیدا ہوتا، ابھی وہ اعتراض میرے دل ہی میں رہتا کہ آپ ازخود وہ اعتراض شروع کرتے اور چند طریقوں سے اس کا جواب دیتے''۔

صاحب **الأعلام العلية** نے اس طرح کی بہت سی چیزیں ذکر کیں ہیں۔

میں کہتا ہوں:

﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾[القلم-۶۸:۳۶]

اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! رسول اللہ ﷺ کو سیدہ عائشہ صدیقہ کے بارے میں شک تھا، اور آپ کو ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا، مگر تمہارا ابن تیمیہ غیب اور دلوں کی ساری باتیں جانتا ہے، ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾

ابن قیم، اور صاحب **الأعلام العلية** کیوں نہیں کہتے کہ ابن تیمیہ کی یہ ساری باتیں کشف شیطانی کے باب سے ہیں، جیسا کہ ارباب تصوف اہل اللہ وغیرہ کے کشف کے بارے میں یہ دریدہ دہن گستاخ زبان یہی کہتے ہیں۔

ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ کے مقدار علم کی حد متعین کرنا چاہتا ہے، اس کے رد کے لیے ان حقائق کا مطالعہ کریں۔

پہلی حدیث: "أوتيت مفاتيح كل شي إلا الخمس" پانچ چیزوں کے علاوہ ہر چیز کی کنجیاں مجھے عطا کر دی گئیں۔

امام احمد نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تخریج کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

" أوتيت مفاتيح كل شيءٍ إلا الخمس: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ [لقمان-۳۱:۳۴][1]

ترجمہ: "پانچ چیزوں کے سوا مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا کر دی گئیں، بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی مینہ برساتا اور جانتا ہے جو شکم مادر میں ہے، اور کوئی بھی ذی روح نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کہاں موت آئے گی، بے شک اللہ ہی جاننے والا اور بتانے والا ہے"۔

اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

أوتي نبيكم صلى الله عليه وسلم مفاتيح كل شيءٍ إلاالخمس:إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم مافي الأرحام وماتدري نفس ماذا تكسب غدا وماتدري نفس بأي أرض تموت إن الله عليم خبير. (ایضا)

ترجمہ: "تمہارے نبی ﷺ کو پانچ چیزوں کے سوا ہر چیز کی کنجیاں عطا کر دی گئیں، بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہ بارش اُتارتا ہے، اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ

(۱) " أوتيت مفاتيح كل شيءٍ إلاالخمس" یہ حدیث امام احمد (۸۵/۲)، اور طبرانی نے کبیر (۳۶۰/۱۲) میں تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۶۳/۸) میں کہا: امام احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

میں ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا کمائے گا، اور کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے''۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے راوی نے کہا: میں نے پچاس سے زائد بار یہ حدیث سنی۔

میں کہتا ہوں: اور بہت سے ائمہ اسلام نے اس پر نص فرمادیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ان مذکورہ پانچ[1] چیزوں کی بعض قسموں کی بھی خبر دی، آپ نے اگرچہ بعض چیزوں کی خبر دی مگر آپ کی ذات شریفہ کو دوسری چیزیں بھی معلوم ہیں، اس نقطہ کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہئے کیوں کہ اللہ عزوجل نے نبی پاک ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَأَوْحَىٰٓ إِلَىٰ عَبْدِهِۦ مَآ أَوْحَىٰ ﴾ [النجم-۵۳ :۱۰]

---

(۱) علامہ بیجوری شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

" لم يخرج صلى الله تعالى عليه وسلم من الدنيا إلا بعد أن أعلمه الله تعالى بهذه الأمور أي الخمسة" (شرح الباجوری علی البردۃ ص۷۶)

ترجمہ:۔''نبی ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان پانچوں غیبوں کا علم دے دیا''۔

علامہ شنوانی نے "جمع النهاية" میں اسے بطور حدیث بیان کیا:

" قد ورد أن الله تعالى لم يخرج النبي ﷺ حتى اطلعه على كل شيً".

ترجمہ:۔''بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ حضور کو تمام اشیا کا علم عطا نہ فرمایا''۔

حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزماں سید شریف عبد العزیز مسعود حسنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

" هو صلى الله تعالى عليه وسلم لا يخفي عليه شيً من الخمس المذكورة في الاية وكيف يخفى عليه ذلك و الأ قطاب السبعة من أمته الشريفة يعلمونها وهم دون الغوث فكيف بالغوث، فكيف بسيد الأولين والآخرين الذي هو سبب كل شيً ومنه كل شيً ''۔

ترجمہ:۔''اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی''۔

اور حضور اقدس پر یہ لازم نہیں کہ آپ کو جو کچھ معلوم ہے سب کچھ لوگوں کو بتا دیں، ہاں رب عزوجل جس کا حکم فرماتا ہے اس کی خبر دیتے ہیں، آپ نے اس ابر باراں کی خبر دی جس نے یمن میں بارش کی، اور جنگ بدر

ترجمہ:۔''قیامت کب آئے گی، مینہ۲ کب اور کہاں اور کتنا برسے گا، مادہ۳ کے پیٹ میں کیا ہے، کل ۴ کیا ہوگا؛ فلا۵ں کہاں مرے گا یہ پانچوں غیب جو آیت کریمہ میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ پر مخفی نہیں اور کیوں کر یہ چیزیں حضور سے پوشیدہ ہیں حالاں کہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے غوث کا کیا کہنا پھر ان کا کیا پوچھنا جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہان کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر شئ انھیں سے ہے ﷺ''۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو　　　جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

یزابریز عزیز میں فرمایا:

" قلت للشيخ رضي الله تعالى عنه إن علماء الظاهر من المحدثين وغيرهم اختلفوافي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم هل كان يعلم الخمس فقال رضى الله تعالى عنه كيف يخفى أمر الخمس عليه صلى الله تعالى عليه وسلم والواحد من أهل التصرف من أمته الشريفة لايمكنه التصرف إلا بمعرفة هذه الخمس".

ترجمہ:۔''میں نے حضرت شیخ رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کی کہ علمائے ظاہر محدثین مسئلہ خمس میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔علما کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نبی ﷺ کو ان کا علم تھا دوسرا انکار کرتا ہے اس میں حق کیا ہے؟ فرمایا: (جو نبی ﷺ کو پانچوں غیبوں کا علم مانتے ہیں وہ حق پر ہیں) حضور سے یہ غیب کیوں کر چھپے رہیں گے حالاں کہ حضور کی امت شریفہ میں جو اولیائے کرام اہل تصرف ہیں (کہ عالم میں تصرف فرماتے ہیں) وہ جب تک ان پانچوں غیبوں کو نہ جان لیں تصرف نہیں کر سکتے''۔

علامہ حسن بن علی مدابغی حاشیہ فتح المبین، امام ابن حجر مکی، اور فاضل ابن عطیہ فتوحات وہبیہ شرح اربعین امام نووی میں نبی ﷺ کو علم قیامت عطا ہونے کے باب میں فرماتے ہیں:

" الحق كما قال جمع إن الله سبحنه و تعالى لم يقبض نبيناصلى الله تعالى عليه وسلم

میں کفار قریش کے قتل گاہوں کی بھی نشاندہی فرمادی، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے سیدہ عائشہ سے فرمایا: تمہارے دو بھائی اور دو بہن ہیں، جب کہ عائشہ کی صرف ایک ہی بہن موجود تھیں تو سیدہ عائشہ نے جان لیا کہ سیدنا صدیق اکبر کی بیوی کے شکم سے عنقریب بچی پیدا ہوگی، اور آنے والی دوسری حدیثوں سے بھی اس مضمون کی اچھی توضیح ہوتی ہے۔

__دوسری حدیث:__ " حفظه من حفظه" (ترجمہ:۔''یادرکھنے والوں نے اسے یادرکھا'')

حذیفہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان ایک روز کھڑے ہوئے اور اس جگہ قیامت تک ہونے والی ساری چیزیں بیان فرمادیں، یادرکھنے والوں نے اسے یادرکھا اور بھلانے والوں نے اسے بھلادیا، میرے ان اصحاب کو اس کا علم ہے، اور یقیناً آپ سے کوئی چیز ظاہر ہوتی جسے میں بھول جاتا، جب میں اسے دیکھتا تو اسے اس طرح یاد کرلیتا جس طرح کوئی شخص غائب آدمی کا چہرہ یاد آنے پر اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے۔[1]

__تیسری حدیث:__" إنـي لأعـرف لـون خيـولهـم" (ترجمہ:۔''بے شک میں ان کے

حتى اطلعه على كل ماأبهمه عنه إلا أنه أمر بكتم بعض و الإعلام ببعض'' (خالص الاعتقاد ص۴۳تا۴۶)

ترجمہ:۔''حق مذہب وہ ہے جو ایک جماعت علمانے فرمایا کہ اللہ عزوجل ہمارے نبی ﷺ کو دنیا سے نہ لے گیا یہاں تک کہ جو کچھ حضور سے مخفی رہا تھا اس سب کا علم حضور کو عطا فرمادیا ہاں بعض علوم کی نسبت حضور کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتائیں، اور بعض کے بتانے کا حکم کیا''۔

حاصل یہ کہ بارش کا وقت اور حمل میں کیا ہے، اور کل کیا کرے گا اور کہاں مرے گا یہ ساری چیزیں اللہ عزوجل کے بتانے سے حضور اقدس ﷺ کو معلوم ہیں اور یہ کہنا کہ اللہ تعالی کے بتانے سے بھی کوئی نہیں جانتا محض باطل اور صدہا آیات واحادیث کا انکار ہے۔(ماخوذ از خالص الاعتقاد سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ) (مترجم)

(۱) امام بخاری (۱۱۶۶/۳) نے عمر اور امام مسلم (۲۲۱۷/۴) نے حذیفہ سے اس حدیث کی تخریج کی، ان کے علاوہ اور بھی چند صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

گھوڑوں کا رنگ پہچانتا ہوں‘‘)

’’امام مسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک طویل حدیث میں قیامت کی نشانیوں کے بارے میں روایت کیا جس کے آخر میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

’’تو ان لوگوں کے پاس چیخ آتی بے شک دجال نے ان کی اولاد میں انہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے، تو جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے وہ اسے چھوڑتے اور قبول کرتے ہیں پھر وہ لوگ دس گھوڑ سواروں کا دستہ مقدمۃ الجیش بنا کر بھیجتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں ضرور ان کے اور ان کے آبا کا نام، اور ان کے گھوڑوں کا رنگ پہچانتا ہوں، وہ لوگ اس وقت روئے زمین پر بہترین گھوڑ سوار ہیں‘‘۔(۱)

چوتھی حدیث: ’’كتاب أهل الجنة، وكتاب أهل النار‘‘

ترجمہ:۔’’اہل جنت اور اہل جہنم کی کتاب

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھوں میں دو کتابیں لیے ہمارے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: ’’کیا تمہیں معلوم ہے یہ دو کتابیں کیا ہیں؟‘‘ ہم لوگوں نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! مگر آپ کے بتانے سے، تو آپ کے دست راست میں جو کتاب تھی اس کے متعلق فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے جس میں اہل جنت، ان کے آبا، اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں پھر ان کے آخر میں ٹوٹل کر دیا گیا ہے کہ اب ان میں کبھی کمی وبیشی نہیں ہوسکتی، پھر آپ کے بائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی اس کے متعلق فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے جس میں اہل جہنم، ان کے آبا اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں پھر اجمالا ان سب کا ایسا ذکر فرمایا کہ ان میں کبھی کمی وبیشی نہ ہوگی، اس پر آپ کے صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر اس معاملہ سے فراغت ہو چکی تو عمل کس کام کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا:

(۱) امام مسلم نے اپنی صحیح میں (۲۲۲۳/۴)، ابوداؤد طیالسی (۵۱/۱)، ابن حبان (۱۹۳/۱۵) اور حاکم نے مستدرک (۵۲۳/۴) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی۔

”سددوا وقاربوا فإن صاحب الجنة يختم له بعمل أهل الجنة وإن عمل أي عمل ،وإن صاحب النار يختم له بعمل أهل النار وإن عمل أي عمل“

ترجمہ:۔”درستگی اختیار کرو، اوراس کے قریب رہو، کیوں کہ جنتیوں کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا اگر چہ وہ کوئی عمل کرے، اور بے شک اہل جہنم کا خاتمہ جہنمیوں کے عمل پر ہوگا اگر چہ کوئی عمل کرے“۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”فرغ ربكم من العبادفريق في الجنة وفريق في السعير“.

ترجمہ:۔”تمھارے رب نے بندوں کا فیصلہ فرما دیا ہے، ایک گروہ جنت میں رہے گا اور ایک گروہ جہنم میں“ (۱)

پانچویں حدیث: ”عرضت علي الأمم“ امتیں میری سامنے پیش کی گئیں۔

امام مسلم نے اپنی صحیح (۱/۳۹۰) میں ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”ثم عرضت علي أعمال أمتي حسنها وسيئها، فوجدت في محاسن أعمالهاالأذى يماط عن الطريق، ووجدت في مساوي أعمالها النخاعة تكون في المسجد لاتدفن“.

ترجمہ:۔”پھر میری امت کے اچھے اور برے اعمال میرے سامنے پیش کیے گئے تو میں نے ان کے اچھے اعمال میں یہ پایا کہ تکلیف دہ چیز کو راستے سے دور کر دیا جائے، اور ان کے برے اعمال میں یہ پایا کہ مسجد میں کھنکھار آئے تو اسے چھپایا نہ جائے“۔

(۱) دونوں کتاب والی حدیث امام احمد نے اپنی مسند (۲/۱۶۷) میں اور ترمذی نے (۴/۴۴۹) روایت کیا اور کہا: حسن صحیح غریب ہے، اور ابن ابو عاصم نے السنۃ (۱/۱۵۴-۱۵۵) میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما سے تخریج کی اور حافظ نے فتح الباری (۶/۲۹۱) میں اسے حسن کہا، طبرانی نے اوسط (۵/۲۴۷) میں علی رضی اللہ تعالی عنہ سے اسے روایت کیا اور ابونعیم نے حلیہ (۳/۳۰۳) میں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا۔

چھٹی حدیث:

”فوالله لاتسألونني عن شيءٍ إلا أخبرتكم به مادمت في مقامي فقال له رجل: من أبي يارسول الله ؟“

ترجمہ:۔”خدا کی قسم میں جب تک اپنی اس جگہ کھڑا ہوں تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں پوچھوگے میں تمہیں اسے بتادوں گا، اس پر ایک شخص نے آپ سے کہا: یارسول اللہ! میرے باپ کون ہیں؟“

امام بخاری (۲۰۰/۱) ومسلم (۱۸۳۲/۴) (الفاظ مسلم ہیں) نے انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت نکلے جب سورج ڈھل گیا تو نماز ظہر پڑھائی، جب سلام پھیر کر منبر پر رونق افروز ہوئے تو قیامت کا ذکر فرمایا، اور یہ ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے کچھ عظیم چیزیں ہوں گی، پھر فرمایا:” من أحب أن يسألني عن شيءٍ فوالله لاتسألونني عن شيءٍ إلا أخبرتكم به مادمت في مقامي هذا“. ”جوشخص مجھ سے کوئی چیز پوچھنا چاہے پوچھ لے، خدا کی قسم میں جب تک اپنی اس جگہ ہوں تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں پوچھوگے میں تمہیں اسے بتادوں گا“ انس ابن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: صحابہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر خوب روئے، اور رسول اللہ ﷺ کثرت سے فرماتے ”سلوني“ مجھ سے پوچھو، تو عبداللہ بن حذافہ نے کھڑے ہوکر کہا: یارسول اللہ میرے باپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا ”تمہارے باپ حذافہ ہیں“ جب رسول اللہ ﷺ نے کثرت سے فرمایا:”سلوني“ ”تم لوگ مجھ سے پوچھو، تو عمر دوزانو بیٹھ گئے اور عرض کیا: ہم اس پر راضی ہیں کہ اللہ ہمارا رب، اسلام ہمارا دین، اور محمد ہمارے رسول ہیں، راوی کہتے ہیں: جب عمر نے یہ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرمایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:” والذی نفس محمد بيده لقدعرضت علي الجنة والنار انفافي عرض هذاالحائط فلم أر كاليوم في الخير والشر“. ”اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس دیوار کے عرض میں ابھی میرے سامنے جنت وجہنم پیش کیے گئے تو میں نے آج کی طرح خیر وشر کبھی نہ دیکھا۔

ساتویں حدیث:"حديث العنب" شگوفۂ انگور کی حدیث

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج گہن آلود ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ نے نماز ادا فرمائی، آپ نے سورۂ بقرہ کی مقدار طویل قیام فرمایا، پھر طویل رکوع فرمایا، پھر سر اٹھا کر پہلی رکعت کے قیام سے کم طویل قیام فرمایا، پھر لمبا رکوع فرمایا، جو پہلے رکوع سے کم لمبا تھا، پھر سجدہ فرمایا، پھر طویل قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم لمبا تھا، پھر طویل رکوع فرمایا جو پہلے رکوع سے کم لمبا تھا، پھر سر اٹھا کر لمبا قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم لمبا تھا، پھر لمبا رکوع فرمایا، جو پہلے رکوع سے کم لمبا تھا، پھر سجدہ فرمایا اور نماز سے اس حال میں فارغ ہوئے کہ سورج روشن ہو چکا تھا تو آپ نے فرمایا:

"إن الشمس والقمر من اٰيات الله لاينكسفان لموت أحد ولالحياته فإذا رأيتم ذلک فاذكروا الله".

ترجمہ:۔"بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے (دو نشانیاں) ہیں، یہ دونوں کسی کی موت وزیست پر گہن آلود نہیں ہوتے، جب تم لوگ اس کو دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو"۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو اس جگہ کوئی چیز لیتے دیکھا پھر ہم نے آپ کو اس سے باز رہتے دیکھا تو فرمایا:

"إني رأيت الجنة فتناولت منها عنقودا ولو أخذته لأكلتم منه مادامت الدنيا ورأيت النار فلم أر كاليوم منظرا قط ورأيت أكثر أهلها النساء".

ترجمہ:۔"بے شک میں نے جنت دیکھی تو اس سے ایک شگوفۂ انگور لینا چاہا اور اگر میں اس کو لے لیتا تو جب تک دنیا قائم رہتی تم ضرور اس سے کھاتے، اور میں نے جہنم دیکھا تو میں نے آج جیسا منظر کبھی نہ دیکھا، اور میں نے جہنم میں زیادہ عورتوں کو دیکھا"۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ فرمایا:"**بکفرهن**""ان کی ناشکری کے سبب" عرض کیا گیا: کیا اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا:"شوہر کی ناشکری، اور احسان فراموشی کے سبب، اگر زمانہ بھر تم ان کے

ساتھ احسان کرو پھر وہ تم سے کوئی کمی دیکھ لیں تو یہی کہیں گی کہ میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہ دیکھی''۔(۱)

آٹھویں حدیث: ''فیم یختصم الملأ الأعلی'' ملائکہ مقربین کس بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔

امام ترمذی نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ: رسول اللہ ﷺ ایک روز نماز صبح کو اس وقت تیزی سے نکلے جب کہ سورج نکلنے کے قریب تھا، اقامت کہی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے نماز کی امامت فرمائی اور نماز میں اختصار فرمایا، جب سلام پھیر کر دعا فرمائی تو دعا کے بعد ہم سے فرمایا: ''اپنی صفوں میں اپنی جگہ اسی طرح بیٹھے رہیے'' پھر آپ نے ہماری طرف رخ فرما کر فرمایا: ''سنو میں عنقریب تم سے وہ چیز بیان کروں گا جس نے مجھے تم سے صبح کو روک رکھا تھا، میں نے رات میں بیدار ہو کر وضو کیا اور جس قدر مجھ سے ہو سکا نماز پڑھی، پھر مجھے نماز میں اونگھ آئی یہاں تک کہ میں گراں بار ہو گیا اور اچانک اپنے رب تبارک وتعالی کو بہترین صورت (جلوہ) میں دیکھا، اس نے فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کی لبیک اے میرے پروردگار! فرمایا: ملائکہ مقربین کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم. تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپ نے فرمایا: میں نے رب تعالی کو دیکھا کہ اس نے اپنے کف قدرت کو میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اپنے دونوں پستانوں کے درمیان اس کے پوروں کی ٹھنڈک محسوس کی تو میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز پہچان لی، پھر رب عزوجل نے فرمایا: اے محمد! (ﷺ) میں نے عرض کیا: لبیک اے میرے پروردگار! فرمایا: ملائکہ مقربین کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: کفارے کے بارے میں، فرمایا: کفارے کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا: نیکیوں کی طرف پیش قدمی کرنا، نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھے رہنا، اور اس وقت کامل وضو کرنا جب وضو کرنا دشوار و ناگوار ہو۔ فرمایا: کس بارے میں؟ میں نے عرض کیا: لوگوں کو کھانا کھلانا، اور نرمی سے کلام کرنا اور رات میں نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں، رب تعالی نے فرمایا: مانگو، میں نے عرض کیا:

''اللهم إني أسألک فعل الخيرات، ترک المنكرات وحب المساكين وأن تغفرلي وترحمني، وإذا أردت فتنة بقوم فاقبضني إليک غير مفتون،

(۱) انگور کی حدیث بخاری (۲۶۱/۱) ومسلم (۶۱۹/۲) وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے تخریج کی، اور جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ اور ابی ابن کعب سے بھی مروی ہے۔

أسألك حبك وحب من يحبك، وحب عمل يقرب إلى حبك قال رسول الله ﷺ: إنها حق فادرسوها ثم تعلموها". (۱)

ترجمہ:۔"اے اللہ! میں تجھ سے نیکیاں کرنے، برائیاں چھوڑنے، مسکینوں سے محبت کرنے، اور اپنی بخشش ورحمت کا سوال کرتا ہوں، اور جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ کا ارادہ فرمائے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر اپنے جوارِ قدس میں اٹھالے، میں تجھ سے تیری، تیرے محبوبوں کی محبت، اور تیرا قرب ومحبت عطا کرنے والے عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ حق ہے تو تم لوگ اسے خود پڑھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ"۔

امام ابوعیسی ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سنا، آپ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور تعجب اس پر ہے کہ ابن تیمیہ کو اس حدیث کی صحت کا اعتراف ہے۔ اور یہ بھی حیرت انگیز ہے کہ ابن قیم نے زادالمعاد (۱/۱۳۶-۱۳۷) میں کہا کہ:

"ہمارے شیخ ابوالعباس ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ فی الجنۃ زلف (رسالت) کے متعلق ایک بدیع چیز ذکر کرتے تھے، اور وہ یہ ہے کہ نبی نے اسے اس خواب کی صبح اختیار فرمایا جسے مدینہ میں دیکھا کہ رب العزت تبارک وتعالی نے آپ سے فرمایا: "اے محمد! ملأ اعلی کس بارے میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے

(۱) امام احمد (۵/۲۴۳) وترمذی (۵/۳۶۸)، اور طبرانی نے کبیر میں (۲۰/۱۰۹، ۱۴۱) اس حدیث کو حضرت معاذ بن جبل سے تخریج کی، اور طبرانی کی ایک روایت میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "فعلمت من كل شئ وبصرته" "تو میں نے ہر چیز جان لی اور اسے دیکھ لیا"۔ جیسا کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مسند امام احمد (۱/۳۶۸) میں اس لفظ سے مروی ہے: "فعلمت مافي السماوات وما في الأرض" تو میں نے آسمان وزمین کی ہر چیز جان لی۔ اور ثوبان، عبدالرحمٰن بن عائش، ابوامامہ، ابوہریرہ، جابر بن سمرہ، اور رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب سے امام احمد نے (۴/۶۶) اس لفظ سے روایت کیا: "حتى تجلى لي ما في السماوات ومافي الأرض" یہاں تک کہ آسمان وزمین کی ساری چیزیں مجھ پر روشن ہوگئیں۔

کہا: میں نہیں جانتا، تو اس نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمان وزمین کے درمیان کی ساری چیزیں جان لیں'' الحدیث، اور یہ حدیث ترمذی میں ہے اور بخاری سے اس بارے میں پوچھا گیا تو کہا: صحیح ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا: اسی وقت سے آپ نے دونوں شانوں کو اپنی زلفوں سے مزین کیا، یہ وہ علوم ہیں جنہیں جاہلوں کی زبانیں اوران کے دل قبول نہیں کرتے، میری نظر میں دوسروں کے زلف رکھنے میں یہ فائدہ نہیں۔

حافظ مناوی صاحب فیض القدیر نے اپنی شرح شمائل میں اس کا رد کرتے ہوئے کہا کہ:

''ابن قیم نے اپنے شیخ ابن تیمیہ کے بارے میں یہ کہا: مصطفیٰ ﷺ نے جب خواب میں اپنے رب کا دیدار کیا تو رب تعالیٰ نے اپنا ہاتھ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھا اس لیے آپ نے اس مقام کو زلفوں سے مزین فرمایا۔ شارح یعنی ابن حجر مکی نے اس کا اس طرح رد فرمایا کہ: ''یہ ان دونوں کی قبیح گمراہی ہے، جس کی بنیاد ان دونوں کے اس مذہب پر ہے کہ وہ دونوں اللہ عزوجل کے لیے جہت اور سمت ثابت کرتے ہیں''۔ **تعالی اللّٰہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا.**

مناوی نے یہ ذکر کر کے کہا: میں کہتا ہوں: ان دونوں کا مبتدع ہونا ایک مسلم امر ہے، اور رہا یہ کہ اس کی بنیاد خاص عقیدۂ تجسیم پر ہے تو یہ درست نہیں، پھر اس کے رد میں بہت سے دلائل ذکر کیے۔

''**شواهدالحق في الاستغاثة بسيدالخلق للنبهاني**'' (۱۸۸، ۱۸۹) مطالعہ کریں۔

ابن تیمیہ نے ایک عجیب وغریب چیز کا افادہ کیا جسے ابن قیم نے ذکر کیا کہ نبی پاک نے اس مقام کو اپنی زلف سے مزین فرمایا، اس نے نہ اپنی دلیل ذکر کی، اور نہ اپنے شیخ کی، آخر ایسا کیوں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ **لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ** ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۱]

ترجمہ:۔''تم انھیں نہیں جانتے،ہم انھیں جانتے ہیں''

ابن تیمیہ نے اس آیت کریمہ سے ایک فاسداور غلط استدلال یہ کیا کہ نبی کریم ﷺ منافقین کو نہیں جانتے،اس کا یہ استدلال اس لیے فاسد ہے کہ اس آیت کریمہ میں ساعت اور لمحہ مراد ہے یعنی''اے محبوب! آپ انھیں اس وقت نہیں جانتے اور عنقریب ہم تمہیں ان کا علم بخشیں گے''اوراللہ عزوجل نے یہ نہ فرمایا کہ ہم اپنے نبی پاک ﷺ کو آپ کے وصال تک ان کا علم نہ عطا کریں گے، کیوں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ﴾ [التوبہ-۹:۸۴]

ترجمہ:۔''اور نہ اس (ابن ابی منافق) کی قبر پر کھڑے ہونا''

اور فرمایا:

﴿إِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ [المنافقون-۶۳:۱]

ترجمہ:۔''جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں (اپنے ضمیر کے خلاف) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں''۔

اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ ابن جوزی نے زادالمسیر (۴۹۲/۳) میں فرمایا:

اللہ تعالی کے ارشاد''لاتعلمهم'' میں دو وجہیں ہیں: ایک وجہ یہ ہے کہ: کہ: آپ انھیں نہ جانیں گے یہاں تک کہ ہم آپ کو ان کا علم بخشیں گے۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ: آپ کو ان کا انجام معلوم نہیں،اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۱] میں دس اقوال ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ: پہلا عذاب دنیا میں ہوگا،اور وہ اس طرح کہ ان کے نفاق کے سبب انہیں ذلیل وخوار فرمائے گا،اور دوسرا عذاب قبر میں ہوگا،اس کے قائل ابن عباس ہیں،آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایک جمعہ کے دن خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ:

''یا فلان اخرج فإنک منافق ویافلان اخرج''

ترجمہ:۔''اے فلاں! نکل، کیوں کہ تو منافق ہے،اور اے فلاں! نکل،سرکار نے اس طرح انہیں ذلیل

وخوار فرمایا''۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج میں یہ خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو جن منافقوں کا علم تھا، اور حذیفہ بن یمان نے جن کی خبر دی یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہ کی، اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے غزوہ تبوک میں تشریف لے جانے کے وقت آپ کے خلاف باہم مشورہ کیا، اس کا یہ زعم وخیال بھی اسی باب سے ہے کہ نبی پاک ﷺ کو منافقوں کا علم کم تھا۔

مسلمانوں کی کتب تفاسیر اس سے مالا مال ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض منافقوں کے نام ذکر فرمائے، اور بعض صحابہ کرام کو ان کی خبر دی، اور انہیں میں سے مثلا وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ إِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُ وْسَهُمْ ﴾ [المنافقون-٦٣:٥]

ترجمہ:''اور جب ان سے کہا جائے کہ (معافی چاہنے کے لیے) آؤ رسول اللہ تمہارے لیے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں''۔ (اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں)

حدیث پاک میں منافقوں کی ایک خاص جماعت کا ذکر آیا ہوا ہے، امام احمد نے تخریج کی کہ ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک بار خطاب فرمایا، اللہ تعالی کی حمد وثنا فرما کر ارشاد فرمایا:

''**إن منكم منافقين فمن سميت فليقم ثم قال يافلان ثم يافلان**''، (ترجمہ:''بے شک تم میں سے کچھ لوگ منافق ہیں، میں جس کا نام لوں وہ فورا کھڑا ہو جائے، پھر فرمایا: اے فلاں اٹھ، اے فلاں اٹھ'') یہاں تک کہ آپ نے چھتیس منافقوں کے نام لیے پھر فرمایا: ''تم میں اب بھی کچھ منافق باقی ہیں ایسے لوگ اللہ کا خوف کریں''، پھر عمر رضی اللہ تعالی عنہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جسے نام لے کر مسجد سے نکالا گیا، وہ اپنے چہرہ کو چھپائے ہوئے تھا آپ نے فرمایا: تیرا کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے وہ ساری باتیں بتائیں

جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے دن بھر دوری رہے۔[1]

طبری نے اپنی تفسیر (۱۱/۹-۱۱) میں کہا:

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾

[التوبہ-۹:۱۰۱]

ترجمہ:۔''اور کچھ مدینہ منورہ والے ان کی خو (عادت) ہوگئی ہے نفاق، تم انھیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں، جلد ہم انھیں دوبار عذاب کریں گے، پھر بڑے عذاب (عذاب دوزخ) کی طرف پھیرے جائیں گے''۔

اس ارشاد کی تاویل میں علمائے تاویل کا اختلاف ہے کہ دنیا میں ان کا کیا حشر ہوگا، بعض علمائے تاویل نے کہا: دنیا میں ان کی فضیحت و رسوائی ہوگی، اللہ عزوجل نے انھیں اس طرح ذلیل و خوار فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زبان حق بیان سے ان لوگوں کے معاملات اور ان کے پوشیدہ اسرار لوگوں پر واضح اور روشن فرمادیے۔

حسین بن عمرو عنقزی نے بیان کیا، کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، ہم سے اسباط نے سدی سے روایت کیا کہ ابو مالک نے فرمایا کہ: ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے بارے میں

(۱) امام احمد (۵/۲۷۳)، عبد بن حمید (۱/۱۰۶)، اور طبرانی نے کبیر میں (۱۷/۲۴۶) یہ حدیث تخریج کی، میں کہتا ہوں: بخاری نے تاریخ کبیر (۷/۲۲) میں عیاض بن عیاض ابوقیلہ کا جرح و تعدیل کے بغیر ذکر کیا، اور ابن ابوحاتم نے الجرح والتعدیل (۶/۴۰۹) میں کہا: انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ ابومسعود انصاری نے روایت کیا، ان سے سلمہ بن کہیل اور موسی بن قیس حضرمی نے روایت کیا کہ میں نے اپنے والد سے یہ کہتے سنا، اور ابن ابوحاتم (۵/۲۶۷) نے انہیں ثقہ کہا۔ ابن عباس نے بھی یہ حدیث روایت کی، اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چھتیس منافقوں کے نام ذکر فرمائے، طبرانی نے اوسط میں اس کی تخریج کی مگر اس حدیث کے راوی حسین بن عمرو بن محمد عنقزی ضعیف ہیں جیسا کہ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۷/۳۳-۳۴) میں کہا۔

فرمایا:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الأَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿عَـذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ تک۔[ترجمہ:۔''اور کچھ مدینہ منورہ والے ان کی خو(عادت) ہوگئی ہے نفاق'']

کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اخرج یافلان فإنک منافق،اخرج یا فلان فإنک منافق''.

ترجمہ:۔''اے فلاں باہر نکل کہ تو منافق ہے،اے فلاں باہر نکل کہ تو منافق ہے''۔

حضور نے ان منافقین میں سے کچھ لوگوں کو مسجد سے باہر نکال کر انہیں ذلیل وخوار فرمایا، ابھی یہ لوگ مسجد سے باہر نکل ہی رہے تھے کہ حضرت عمر کی ان سے ملاقات ہوگئی،آپ ان لوگوں سے اس حیا کے سبب چھپ گئے کہ جمعہ میں شریک نہ ہو سکے،آپ نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ جمعہ سے واپس ہو رہے ہیں،اور یہ لوگ بھی عمر سے یہ سمجھ کر چھپے کہ آپ کو ان کا حال معلوم ہوگیا ہے،جب عمر مسجد میں آئے تو دیکھا کہ ابھی لوگوں نے نماز نہیں پڑھی ہے تو آپ سے ایک صحابی نے کہا:اے عمر! آپ کو خوش خبری ہو،آج اللہ نے منافقوں کو رسوا فرمادیا،اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ دنیا میں یہ پہلا عذاب ہے جب سرکار نے ان منافقوں کو مسجد سے نکالا۔

اور دوسرا عذاب قبر کا عذاب ہے۔مجھ سے حرث نے بیان کیا،ہم سے عبدالعزیز نے بیان کیا،ہم سے سفیان نے بیان کیا،سدی نے روایت کیا کہ ابو مالک نے ﴿سَـنُـعَـذِّبُهُـمْ مَـرَّتَيْـنِ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۱] کی تفسیر میں فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے منافقوں کا ذکر فرمایا اور اپنی زبان سے انہیں عذاب دیا۔

فرمایا:اور قبر کا عذاب،قتادہ نے فرمایا:﴿سَـنُـعَـذِّبُهُـمْ مَـرَّتَيْـنِ﴾ ہم انہیں دوبار عذاب کریں گے،دنیا اور قبر کا عذاب۔﴿ثُـمَّ يُـرَدُّوْنَ إِلٰـى عَـذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔آپ نے ہم سے ذکر کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حذیفہ سے پوشیدہ طور پر بارہ منافقوں کا ذکر فرمایا تو

فرمایا:''ان میں سے چھ لوگوں کو یہ مصیبت کافی ہوگی کہ جہنم کے آگ کا چراغ دبیلہ ان میں سے ہر ایک کے شانہ میں لگے گی یہاں تک کہ اس کی سوزش اس کے سینہ تک پہنچ جائے گی جس کے سبب ان چھ منافقوں کی یقینی موت ہوجائے گی''۔آپ نے ہم سے ذکر کیا کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوتا جس کے بارے میں یہ دیکھا جاتا کہ یہ انہیں چھ لوگوں میں سے ہے تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ حذیفہ کو دیکھتے اگر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے تو آپ (عمر) بھی اس کی نماز جنازہ پڑھتے ورنہ نہ پڑھتے، اور آپ نے ہم سے ذکر فرمایا کہ عمر نے حذیفہ سے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، آپ مجھے بتائیں کیا میں بھی انہیں میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، خدا کی قسم، اور آپ کے بعد میں ان میں سے کسی کو مامون نہیں جانتا۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۳۸۶/۲) میں کہا:

سعید نے فرمایا کہ: قتادہ نے اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ﴾ (جلد ہم انھیں دوبار عذاب دیں گے) کے بارے میں فرمایا کہ: ہم عنقریب انہیں دوبار عذاب دیں گے، دنیا کا عذاب، اور قبر کا عذاب ﴿ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ﴾ پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے، اور آپ نے ہم سے یہ ذکر فرمایا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حذیفہ سے پوشیدہ طور پر بارہ منافقوں کے نام بتائے اور فرمایا:''ان میں چھ کو یہ مصیبت کافی ہے کہ دبیلہ جہنم کے آگ کی چراغ ان میں سے ہر ایک کے شانہ میں لگے گی یہاں تک کہ ان کے سینہ تک اس کی سوزش پہنچے گی جس کے سبب ان سب کی یقینی موت ہوجائے گی''، اور ہم سے ذکر فرمایا کہ جب ان میں سے کوئی شخص مرجاتا جس کے بارے میں یہ دیکھا جاتا کہ یہ انہیں چھ لوگوں میں سے ہے تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ حذیفہ کی طرف دیکھتے، اگر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے تو آپ بھی اس کی نماز جنازہ پڑھتے، ورنہ نہ پڑھتے، اور ہم سے ذکر فرمایا کہ عمر نے حذیفہ سے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، آپ مجھے بتائیں کیا میں بھی انہیں میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اور آپ کے بعد میں ان میں سے کسی کو مامون نہیں جانتا۔

مزید تحقیق کے لیے تفسیر بغوی (۳۲۳/۲) تفسیر ابن کثیر (۱۸۱/۴) تفسیر ابوالسعود (۹۸/۴)، علامہ سیوطی کی الدر المنثور (۲۷۳/۴)، شوکانی کی فتح القدیر (۴۰۱/۲)، اور علامہ آلوسی کی روح المعانی (۱۱/۱۱) کا مطالعہ

کریں۔

تنبیہات:

۱) ابن تیمیہ نے اپنی چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) صفحات کی کتابوں میں کہیں بھی "**حدیث العنب**" ایک بار بھی ذکر نہ کیا۔

۲) حدیث، **کتاب أهل الجنة و کتاب أهل النار**، (اہل جنت اور اہل جہنم کی حدیث) ابن تیمیہ نے ایک بار بھی ذکر نہ کیا، ہاں ابن قیم نے شفاء العلیل (۹/۱) میں ایک بار ذکر کیا۔

۳) حدیث "**لون خیولهم**" (میں ان کے گھوڑوں کا رنگ پہچانتا ہوں) ابن تیمیہ نے یہ حدیث ایک بار بھی ذکر نہ کیا۔

۴) حدیث "سلوني" (مجھ سے پوچھو) ابن تیمیہ نے یہ حدیث ایک بار بھی ذکر نہ کیا، اور ابن قیم نے اعلام الموقعین (۷/۲/۱) میں ایک بار ذکر کیا۔

۵) حدیث، تعیین المنافقین" ابن تیمیہ نے تعیین منافقین والی حدیث ایک بار بھی نہ ذکر کیا۔

(۷۸) ابن تیمیہ کے نیاز بردارو! نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم بعثت سے پہلے ہی مومن تھے

وہ نبی پاک ﷺ جن کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ نے ایسی روشنی دیکھی جس سے ملک شام نظر آیا، جن کا سینہ اطہر چاک کیا گیا، جن کی شان میں ملائکہ سے کہتے سنا گیا: یہی امت کے نبی ہیں، اور جو قبل اعلان نبوت غار حرا میں عبادت کرتے تھے، ابن تیمیہ اور ابن قیم اسی نبی رحمت پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ وحی سے پہلے آپ کو کچھ بھی معلوم نہ تھا، آپ کو یہ بھی علم نہ تھا کہ کتاب اور ایمان کیا ہے، انہیں یہ توفیق نہ ہوئی کہ ائمہ مسلمین کے ان ارشادات عالیہ میں غور وفکر کریں جو انھوں نے بعض آیات کی روشنی میں فرمایا، ابن تیمیہ اور ابن قیم نے جو کچھ سمجھا ان آیات کا ظاہر بالکل اس کے خلاف ہے، ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۳۰۹/۱۰) میں کہا:

> ''اور اسی سے ان کے شبہ کا جواب ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اسی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے جو نبوت سے پہلے معصوم ہوتا ہے جیسا کہ رافضیوں وغیرہ کی ایک ٹولی یہی کہتی ہے، اور اسی طرح ان کے شبہ کا بھی جواب ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اسی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے جو نبوت سے پہلے صاحب ایمان ہوتا ہے''۔

اور اس نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۸۲/۸) میں مزید کہا:

''اور اسی لیے بہت سے لوگوں کو نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد سے غلط فہمی ہوئی جسے میسرہ نے بسند صحیح روایت کر کے کہا کہ: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو نبوت کب ملی؟ اور ایک روایت میں ہے: آپ کا نبی ہونا کب لکھا گیا؟ تو آپ نے فرمایا: ''كنت نبيا وآدم بين الروح و الجسد'' ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے''۔ اس حدیث سے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ آپ کی ذات، اور آپ کی نبوت اس

وقت موجود تھی، اور یہ جہالت ہے کیوں کہ اللہ نے آپ کو صرف اسی وقت نبی بنایا جب آپ کی عمر چالیس [40] سال کی ہوئی، اور آپ سے فرمایا:

﴿بِمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡءَانَ وَإِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ﴾

[یوسف-۱۲:۳]

ترجمہ:۔''اس لیے ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی اگر چہ اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی''۔

اور فرمایا:

﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ [الضحیٰ -۹۳:۷]

ترجمہ:۔''اور تمہیں ضال پایا تو ہدایت دی''۔

اور صحیحین میں ہے کہ فرشتہ نے جب آپ کے پاس آ کر کہا: پڑھیے، تو آپ نے فرمایا:'' لست بقارئ''، میں نہیں پڑھتا۔

ابن قیم نے ہدایۃ الحیاری (۱؍۶۰) میں کہا:

''محمد ﷺ کو وحی سے پہلے کچھ بھی معلوم نہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ أَمۡرِنَا مَا كُنۡتَ تَدۡرِيۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡإِيۡمٰنُ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۵۲]

ترجمہ:۔''اور یوں ہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جاں فزا چیز اپنے حکم سے، اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے، نہ احکام شرع کی تفصیل''۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ أَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡءَانَ وَإِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ﴾ [یوسف-۱۲:۳]

ترجمہ:۔ ’’ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں، اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی، اگر چہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی‘‘۔

اور ابن قیم نے الصواعق المرسلۃ (۲/۳۴۷) میں بھی اس کو بہ تاکید ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں:

کیا ابن تیمیہ اور ابن قیم میں یہ دم ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کسپناہ میں کھڑے ہو کر یہ کہیں کہ: وحی سے پہلے آپ کو کچھ بھی معلوم نہ تھا، اور نبی کے لیے یہ شرط نہیں کہ اپنی بعثت سے پہلے مومن ہو، یہاں تک کہ اگر اللہ کے نبی یحیی، عیسی، اور ان دونوں حضرات سے پہلے اللہ کے نبی ابراہیم علیہم السلام اپنی عمر کے ابتدائی مرحلہ میں ہدایت یاب ہیں، تو بھی ہم یہی کہیں گے کہ چالیس سال کے بعد ہی آپ کو علم وایمان کی دولت حاصل ہوئی اور اس سے پہلے آپ کو کچھ بھی علم وایمان حاصل نہ تھا‘‘۔

جو لوگ امت کے نوجوانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ہمہ وقت ریشہ دوانیاں کرتے رہتے ہیں، ہم ایسے لوگوں سے بس یہی کہیں گے: **إنالله و إنا إليه راجعون**، اور **حسبنا الله و نعم الوكيل**‘‘۔

ہم قارئین کرام کی خدمت میں چند گوشے پیش کرنا چاہتے ہیں:

(۱) سید الخلق ﷺ جس وقت حلیمہ سعدیہ کے آغوش تربیت میں تھے اس وقت آپ کا سینہ اطہر چاک کیا گیا۔

صحیح مسلم (۱/۱۴۷) میں ہے کہ انس بن مالک نے فرمایا: جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، جبریل نے آپ کو لٹا کر آپ کا شکم اطہر چاک کیا، اس سے آپ کا قلب اطہر نکالا، اور اس سے علقہ (سیاہ لتھڑا) نکالا اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے، پھر زمزم کے پانی سے سونے کے ایک طشت میں اسے دھویا، پھر اسے درست کر کے اپنی جگہ لگا دیا، بچے دوڑتے ہوئے آپ کی ماں حلیمہ سعدیہ کے پاس آئے، اور کہا کہ محمد قتل کر دیے گئے، لوگ آپ کے پاس آئے، آپ کے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا، انس نے کہا: میں آپ کے سینہ میں اس سیون کا اثر دیکھ رہا تھا۔

اور عتبہ بن عبد سے مروی ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے یہ بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے

سوال کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے معاملہ کا آغاز کیسے تھا؟ تو آپ نے فرمایا: بنوسعد بن بکر کی ایک خاتون میری پرورش فرمارہی تھیں، میں اوران کا ایک بیٹا اپنی بکری کے بچوں کو لے کر نکلے تو میں نے کہا: اے بھائی! آپ جا کر ہماری ماں کے پاس سے تھوڑا توشہ لائیں، تو میرے رضاعی بھائی گئے اور میں بکری کے بچوں کے پاس ٹھہرا رہا، اتنے میں دوسفید پرندے آئے ایسا لگ رہا تھا کہ دوگدھ ہیں، ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کیا یہی وہ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، پھر وہ دونوں سبقت کر کے میرے پاس آئے اور مجھے پکڑ کر چت لٹا دیا، اور میرا شکم چاک کیا، پھر میرا دل نکالا اوراس سے دوسیاہ لتھڑے باہر نکالے، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میرے پاس برف کا ٹھنڈا پانی لائیں، پھراس سے میرا شکم دھویا، پھر کہا: میرے پاس ٹھنڈا پانی لائیں اوراس سے میرادل دھویا پھر کہا: میرے پاس سکینہ لایئے تو اسے میرے دل میں ڈال دیا، پھران دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: اس کوسی دیجیے، تو اسے سی دیا اوراس پر مہر نبوت لگادی۔اورایک روایت میں ہے اوراس پر مہر نبوت لگادو، ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ان کوترازو کے ایک پلڑا میں رکھواوران کی امت کے ہزار افراد کوترازو کے ایک دوسرے پلڑے میں رکھو، تواچانک میں ہزار کو دیکھ رہا تھا کہ وہ میرے اوپر ہیں، مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں ان میں سے کہ کوئی میرے اوپر گر نہ جائے، پھر کہا: اگران کی امت کوان سے وزن کیا جائے تو وہ ان سب کو لے کر جھک جائیں گے، (سب پر بھاری رہیں گے) پھروہ دونوں مجھے اس حال میں چھوڑ کر چلے گئے کہ مجھ پر سخت خوف طاری تھا، پھر میں اپنی ماں کے پاس آیا اورآپ کوسارا معاملہ بتایا تو آپ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں مجھے کوئی مصیبت نہ لاحق ہوجائے، آپ نے کہا: میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں، پھرآپ اپنے ایک اونٹ پر سوار ہوئیں، مجھے کجاوہ میں بٹھایا اور میرے پیچھے سوار ہوکر مجھے میری والدہ ماجدہ کے پاس لائیں اور کہا: میں نے اپنی امانت اوراپنا ذمہ ادا کیا، پھر میں نے اپنی ماں کوسارا ماجرا سنایا تو آپ کواس کا کچھ بھی خوف نہ ہوا اورارشادفرمایا: بےشک میں نے (ولادت کے وقت) دیکھا کہ مجھ سے ایسی روشنی نمودار ہوئی جس

سے ملک شام کے محل جگمگا اٹھے''۔(۱)

(۲) ابوذر نے فرمایا: ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں؟ فرمایا: ''مجھے اس وقت اس کا علم ہوا جب کہ میرے پاس دو فرشتے آئے، اور میں مکہ کی ایک سنگلاخ وادی میں تھا، ایک فرشتہ نے کہا کیا یہی وہ ہیں؟ دوسرے نے کہا: ہاں، اس نے کہا انہیں ایک آدمی سے وزن کیجئے تو میرا پلہ اس پر بھاری رہا، پھر کہا: دس آدمی سے وزن کریں، مجھے دس آدمی سے وزن کیا تو بھی میں ان سب پر بھاری رہا، پھر کہا: سوآدمی سے وزن کیجئے تو سو آدمی سے مجھے وزن کیا، اس وقت بھی میں ان سب پر بھاری رہا، پھر کہا: ایک ہزار سے وزن کریں تو میں ان سب پر بھاری رہا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: اگر ان کی امت سے ان کا وزن کریں گے تو بھی ساری امت پر بھاری رہیں گے، پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ان کا شکم چاک کیجئے، تو میرا شکم چاک کرکے اس سے شیطان کا حصہ اور خون کا لتھڑا نکالا اور اسے پھینک دیا، پھر ایک فرشتہ نے دوسرے سے کہا: ان کا شکم پھر ان کا دل دھلیے ....پھر سکینہ منگایا، گویا وہ سفید چمک دار تھا، اسے میرے دل میں ڈالا، پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ان کا شکم سی دیجئے تو میرا شکم سی دیا، اور ان دونوں نے میرے دونوں شانوں کے درمیان مہر لگادی، تو وہ نہ تھا مگر میری طرف سے ایک ولی، گویا میں اپنا سارا معاملہ چشم سر سے معائنہ کررہا ہوں''۔ اور محمد بن معمر نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا: ''تو وہ لوگ ترازو کے پلڑے سے میرے اوپر کچھ نچھاور کرنے لگے''۔(۲)

---

(۱) عقبہ کی حدیث کے بارے میں ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۱/۸، ۲۲۲) میں کہا: امام احمد اور طبرانی نے اس کو روایت کیا اور متن ذکر نہ کیا، اور امام احمد کی اسناد حسن ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کے کچھ شواہد ہیں، ہم نے ماسبق میں ''کنت نبیا'' (میں نبی تھا) کے مسئلہ میں اس کی دلیل ذکر کردی ہے۔

(۲) ابوذر کی حدیث کے بارے میں ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۱/۸، ۲۲۲) میں کہا: اس کو بزار نے روایت کیا، اور اس میں جعفر بن عبداللہ بن عثمان بن کبیر ہیں، ابوحاتم رازی اور ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا اور ان کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، ان کے بقیہ رجال ثقہ، صحیح کے راوی ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کلام رسالت کا معنی یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ ابھی سن نبوت کو نہ پہنچے تھے کہ آپ کو اپنا نبی ہونا معلوم تھا۔

(۳) امام مسلم نے اپنی صحیح (۱۷۸۲/۴) میں جابر بن سمرہ سے تخریج کی کہ رسول ﷺ نے فرمایا: " **إني لأعرف حجرا كان يسلم علي قبل أن أبعث إني لأعرفه الآن** "." بے شک میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا، بے شک میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں"۔

جب نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی پتھروں کا کلام سماعت فرما رہی ہے، تو کیا آپ کو یہ علم نہ ہوگا کہ کتاب وایمان کیا ہے؟

(۴) تعمیر کعبہ کے بارے میں سیدنا طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث (**رواه البخاري أيضافي المجلد الأول**) میں ہے کہ آپ نے فرمایا قریش نے اسے ڈھا کر وادی کے پتھروں سے اس کی تعمیر شروع کی، قریش اپنی گردنوں پر پتھر لاد کر لاتے، انھوں نے اسے بیس گز آسمان کی طرف اونچا کیا، اسی درمیان نبی پاک ﷺ ٹیلوں کے پتھر لاد کر لا رہے تھے جب کہ آپ کے جسم اطہر پر ایک دھاری دار چادر تھی، آپ چادر اطہر اپنی گردن پر رکھنے لگے تو چادر چھوٹی ہونے کے سبب آپ کا ستر نظر آنے لگا، تو آپ سے کہا گیا: اے محمد! اپنے ستر کا مقام چھپالیں اس کے بعد سے کبھی آپ کا ستر دیکھنے میں نہ آیا، اور کعبہ کی تعمیر اور نزول وحی کے درمیان تقریباً پانچ سال کا فاصلہ ہے، اور آپ کے ظہور اور کعبہ کی تعمیر عمارت کے درمیان تقریباً پندرہ سال کا عرصہ ہے، طبرانی نے کبیر میں طویل مضمون کے ساتھ اسے روایت کیا۔[1] اور امام احمد نے اس کا ایک حصہ روایت کیا اور ان دونوں کے تمام راوی صحیح کے راوی (ثقہ) ہیں، اس

(۱) ابو طفیل کی حدیث کے بارے میں ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۸۹/۳) میں کہا: طبرانی نے کبیر میں لمبی حدیث کے ساتھ اسے روایت کیا، اور امام احمد نے اس کا ایک حصہ روایت کیا اور ان دونوں کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ میں کہتا ہوں: اور طبرانی کے پاس اس حدیث کا ایک شاہد ہے جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " مجھے برہنہ چلنے سے روکا گیا " ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۹۰/۳) میں کہا: اس کو طبرانی نے کبیر میں، اور بزار نے اس طرح روایت کیا۔ اور اس میں قیس بن ربیع ہیں جنہیں شعبہ، ثوری، اور طیالسی نے ثقہ قرار دیا، اور ایک جماعت نے ضعیف کہا۔

میں یہ ہے کہ: آپ سے کہا گیا: اے محمد! اپنے ستر کا مقام چھپالیں، یہ سب سے پہلی ندا آپ سے کی گئی، واللہ تعالی أعلم.

(۵) نبی پاک ﷺ کیوں غار میں جا کر عبادت فرماتے تھے۔

جن کے دلوں میں بیماری ہے ان سے ہماری گزارش یہ ہے کہ ان تین آیتوں کے بارے میں تمہارے شبہات ہیں:

(۱) ﴿نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ أَحۡسَنَ ٱلۡقَصَصِ بِمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانَ وَإِن كُنتَ مِن قَبۡلِهِۦ لَمِنَ ٱلۡغَٰفِلِينَ﴾ [یوسف-۱۲:۳]

ترجمہ:۔''ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں، اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی، اگرچہ بےشک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی''۔

(۲) ﴿مَا كُنتَ تَدۡرِي مَا ٱلۡكِتَٰبُ وَلَا ٱلۡإِيمَٰنُ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۵۲]

ترجمہ:۔''اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل''۔

(۳) ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلّٗا فَهَدَىٰ﴾ [الضحیٰ-۹۳:۷]

ترجمہ:۔''اور تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو راہ دی''۔

قارئین کرام پر یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ بہت سی ایسی آیتوں کے بارے میں حبر امت سیدنا عبداللہ بن عباس جیسے بلند پایہ مفسرین علما نے یہ فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ کے نام سے آپ کی امت کو خطاب فرمایا گیا ہے،

میں کہتا ہوں: اور ضیا مقدسی نے بھی ان دونوں کو مختارہ (۸/۲۲۷-۲۳۰) میں تخریج کیا، اور بخاری (۱/۱۴۳) اور صحیح مسلم (۱/۲٦۸) میں بھی اس حدیث کا ایک شاہد ہے جو جابر بن عبداللہ سے مروی ہے، آپ بیان فرمارہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے تعمیر کعبہ کے وقت پتھر اٹھا رہے تھے، آپ کے جسم اقدس پر آپ کا ازار تھا تو آپ کے چچا عباس نے آپ سے کہا: اے برادر زادے! آپ اپنا ازار کھول کر پتھر کی جگہ اپنے مونڈھے پر رکھ لیں، آپ نے اسے کھول کر اپنے مونڈھے پر ڈالا ہی تھا کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی، آپ (جابر بن عبداللہ) فرماتے ہیں اس دن کے بعد سے کبھی آپ کا ستر نہ دیکھا گیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر-۳۹:۶۵]

اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔

اور ایسا اس لیے ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کی ذات اقدس پر شرک محال ہے۔

اور جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنْ كُنتَ فِي شَكٍّ﴾ [یونس-۱۰:۹۴]

ترجمہ:۔"اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو"۔

اور اس کے علاوہ بہت سی آیتیں ہیں جن میں حضور اقدس سید عالم ﷺ کے نام سے آپ کی امت کو مخاطب کیا گیا ہے۔

اب ہم نبی پاک ﷺ کی امت کے جلیل القدر علمائے کرام کے اقوال پیش کریں گے۔

(۷۹) اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَانَ وَإِنْ كُنتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ کے بارے میں ائمہ مسلمین کی تفسیریں

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَانَ وَإِنْ كُنتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ [يوسف-۱۲:۳] ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی، اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔ اس آیت شریفہ کے متعلق ائمہ اسلام کی تفسیریں ملاحظہ ہوں:

ابوجعفر نحاس نے اپنی تفسیر معانی القرآن (۳/۳۹۶، ۳۹۷) میں فرمایا:

﴿وَإِنْ كُنتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ یعنی: یوسف کے قصہ سے ضرور غافل تھے، اس لیے کہ اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھی، صرف بذریعہ وحی وہ قصہ آپ کو سکھایا۔

اور طبری نے اپنی تفسیر (۱۲/۱۵۰) میں کہا: " ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَانَ وَإِنْ كُنتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ [يوسف-۱۲:۳] اللہ عزوجل ثناءہ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے ارشاد فرمایا: اے محمد! ہم اس قرآن کی وحی کے ذریعہ تمہیں بہترین قصے بتا رہے ہیں تا کہ تمہیں گزشتہ خبروں، گزشتہ امتوں کے واقعات، اور گزشتہ زمانوں میں اتری ہوئی کتابوں کے بارے میں بتائیں ﴿وَإِنْ كُنتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اللہ تعالی نے ذکر فرمایا: اے محمد! ہماری وحی سے پہلے یقیناً آپ غافل تھے، آپ نہ اسے جانتے، اور نہ اس میں سے کوئی چیز جانتے۔

ابن جوزی نے زادالمسیر (۴/۱۷۹) میں کہا:

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: "وإن كنت" اس آیت میں مذکور کلمہ "إن" کے بارے میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ "قد" (تحقیق) کے معنی میں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ: ما نافیہ نفی کے معنی میں ہے، اللہ تعالی کے

ارشاد: ''من قبله'' کے متعلق ابن عباس نے فرمایا: قرآن نازل ہونے سے پہلے ''لمن الغافلين'' یوسف کے واقعہ کے علم، اور اس چیز سے غافل تھے جو یوسف کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا، جس وقت یوسف نے اپنے والد سے کہا: اے ابا جی! میں نے خواب میں گیارہ ستارے دیکھے ہیں۔

اور قرطبی نے اپنی تفسیر (۱۲۰/۹) میں کہا: ﴿وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ یعنی اس چیز سے غافل تھے جس کی معرفت ہم نے آپ کو بخشی۔

اور بیضاوی نے اپنی تفسیر (۲۷۲/۳) میں کہا:

﴿وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ یعنی آپ اس واقعہ سے غافل تھے، آپ کے دل پر نہ اس کا خطرا گزرا، اور نہ آپ کے کانوں نے اسے سنا. یہ اس بات کی تعلیل ہے کہ آپ کو وحی فرمائی گئی۔ اس آیت کریمہ میں کلمہ ''إن'' ثقیلہ کا مخفف ہے اس لیے کہ ''إن'' موکدہ اور نافیہ کے درمیان لام تاکید فاصل ہوتا ہے۔

شوکانی نے فتح القدیر (۴/۳) میں کہا:

﴿وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اس آیت پاک میں کلمہ ''إن'' ثقیلہ کا مخفف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ''إن'' موکدہ اور نافیہ کے درمیان لام تاکید فاصل ہوتا ہے، اور ''من قبله'' میں ضمیر مجرور متصل اس وحی کی طرف راجع ہے جو اللہ عزوجل کے ارشاد مذکور ''أوحينا'' سے مفہوم و مستفاد ہوتا ہے، یعنی اس آیت پاک کا معنی یہ ہے کہ آپ ہماری وحی سے پہلے اس واقعہ سے غافل[1] تھے۔

(۱) معاندین ہمیں بتائیں کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ [البقرہ-۲:۳۰]

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

اور فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ﴾ [الفجر-۸۹:۶]

ترجمہ: ''کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا''۔

اور فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيْلِ﴾ [الفیل-۱۰۵:۱]

ترجمہ:۔''اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا''۔
اس طرح کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب پاک عالم ما کان وما یکون ﷺ سے یہ ارشادفرمایا:اے محبوب! یاد کیجئے جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں،حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کاواقعہ کب کا ہے؟رب تعالی فرمارہاہے یاد کیجئے،یہ کب فرمایاجاتاہے''یاد کیجئے''اسی طرح فرمایا:''کیانہ دیکھا تمہارے رب نے قوم عاد،اوراصحاب فیل کے ساتھ کیافرمایا''یہ کب فرمایاجاتاہے''کیانہ دیکھا''منکرین ان آیات کو کیوں نظرانداز کرتے ہیں اوران روشن حقائق سے کیوں چشم پوشی کرتے ہیں؟؟اگرنبی پاک ﷺ بالکل جاہل وغافل اورناواقف تھے تواس ارشادکاکیامعنی ہے؟قرآن کریم کی آیتوں کے بارے میں ائمہ مفسرین کی تفسیریں اورشارحین حدیث کی شرحیں ہمارے لیے حجت ہیں،ابن تیمیہ کی من گڑھت رائے حجت نہیں،ہاں!اس کی من گڑھت رائے اس کے کفش برداروں اور نیازمندوں کے لیے ضرور حجت قاطعہ ہے،اس لیے کہ وہ اس پر بہت اچھلتے کودتے ہیں،مگراچھلنے اورکودنے سے پہلے اس طرح کی آیتوں کے بارے میں ہمیں بتائیں کہ کیاان سے ان کے باطل افکاروخیالات کی ساری دیواریں زمین بوس نہیں ہوجاتیں اس لیے کہ رب عزوجل نے ارشادفرمایا:اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا ناظرین کرام اس پرغورفرمائیں اورابن تیمیہ اوراس کے نیاز برداروں کی ریشہ دوانی سے ہوشیار رہیں علاوہ ازیں یہی معاندین ابن تیمیہ کے کشف کاڈھنڈھوراپیٹتے ہیں اسے کتابوں میں لکھتے اور بیان کرتے ہیں مگرنبی کونین عالم ما کان وما یکون صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے غیبی علوم وروشن حقائق کونظرانداز کرکے من مانی باطل تاویلیں کرتے ہیں یہ کہاں کاانصاف ہے کیاابن تیمیہ کوغیبی علوم اورایمان واسلام کے علم کی بات آتی ہے اس پرکوئی روشن دلیل قائم ہے ہرگزنہیں مگروہ ان کانام نہادشیخ الاسلام ہے اس لیے وہ سب کچھ ماننے کوتیار ہیں۔ (مترجم)

(۸۰) اللہ عزوجل کے ارشاد:

﴿مَا كُنتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمٰنُ﴾ کی تفسیر

اللہ تعالی کے ارشاد ﴿مَا كُنتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمٰنُ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۵۲]''اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل'' (کنزالایمان)) کے بارے میں امام قرطبی کا عنقریب کلام پیش کریں گے، کہ یہ ان انوار کے بارے میں ہے جو آپ پر ظاہر و منکشف ہوتے، امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی تفسیر (۱۶/۵۵-۶۰) میں فرمایا:

''اللہ تعالی نے فرمایا:'' ماكنت تدري ماالكتاب ولاالإيمان ''یعنی آپ ایمان کی طرف راہ نہ جانتے تھے، اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ وحی کیے جانے سے پہلے ایمان سے متصف نہ تھے۔

قشیری نے کہا: یہ ان چیزوں میں سے ہے جنہیں عقلیں جائز رکھتی ہیں اور اس کا عظیم دارومدار یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بعثت سے پہلے جس نبی کو مبعوث فرمایا، وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے، اور اس میں تحکم ہے مگر یہ کہ کسی یقینی توقیفی دلیل سے ثابت ہو۔

قاضی ابوالفضل عیاض نے فرمایا: اعلان نبوت سے قبل انبیا کے معصوم ہونے کے سلسلے میں علما کا اختلاف ہے، اور درست یہ ہے کہ انبیاے کرام اعلان نبوت سے پہلے اس سے معصوم ہوتے ہیں کہ اللہ اور اس کی صفتوں سے جاہل ہوں، اور اس میں انہیں شک ہو۔ قوی اخبار وآثار سے یہی ثابت ہے کہ انبیائے کرام وقت ولادت ہی سے اِس عیب سے پاک وصاف ہوتے ہیں، اور ان کی نشوونما توحید و ایمان، بلکہ انوار معارف کی تابشوں، اور الطاف سعادت کی مشک بار خوشبوؤں پر ہوتی ہے، جس شخص نے ان حضرات کے بچپن سے لے کر ان کی بعثت تک کے احوال وواقعات کا مطالعہ کیا ہے اس پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح وروشن ہے، جیسا کہ حضرت موسی، عیسی، یحیی، اور سلیمان علیہم السلام وغیرہم کے حالات سے ظاہر ہے۔

اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ [مریم-۱۹:۱۲] مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا: یحیی علیہ السلام کو بچپن ہی میں کتاب اللہ کا علم عطا فرما دیا گیا، معمر نے کہا: آپ دو یا تین سال کے تھے تو آپ سے بچوں نے کہا: آپ کیوں نہیں کھیلتے ؟ تو فرمایا: کیا مجھے کھیل ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟؟ یحيٰ علیہ السلام نے تین سال کی عمر میں حضرت عیسی علیہ السلام کی تصدیق کی، آپ نے عیسی کے حق میں گواہی دی کہ آپ اللہ کے کلمہ، اوراس کی روح ہیں، اورایک قول یہ ہے کہ: شکم مادر ہی میں آپ کی تصدیق کی، اس لیے کہ یحيٰ کی ماں مریم سے کہتی تھیں: میرے شکم میں جو کچھ ہے میں اسے اس کا سجدہ تعظیمی کرتے ہوئے پاتی ہوں جو تمہارے شکم میں ہے۔

اور اللہ نے صاف وروشن تصریح فرمادی کہ عیسی نے اپنی ولادت کے وقت اپنی ماں (کی تسکین) کے لیے کلام کیا اور کہا: ''ألا تحزني'' کبیدہ خاطر نہ ہوں، یہ ان کی قراءت پر ہے جن کی قراءت میں ''مَنْ تحتها'' ہے اور جنھوں نے یہ کہا کہ: ''فناداها'' کا فاعل عیسی ہیں یعنی عیسی نے اپنی ماں کو ندا کیا، اور اللہ نے اس پر بھی نص فرمایا کہ عیسی نے اپنے گہوارہ میں کلام فرمایا جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتَانِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا﴾ [مریم-۱۹:۳۰]

ترجمہ:۔''میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی، اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا''۔

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ [الانبیاء-۲۱:۷۹]

ترجمہ:۔''ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا، اور دونوں کو حکومت اور علم عطا کیا''۔

سلیمان علیہ السلام ابھی کھیلتے ہوئے بچے تھے مگر سنگ سار کی جانے والی عورت اور بچے کے واقعہ میں آپ کا حکم ذکر فرمایا جس کی اقتدا آپ کے والد داؤد نے کی۔

طبری نے بیان کیا کہ جس وقت آپ کو بادشاہت عطا کی گئی آپ کی عمر بارہ سال تھی، اوراسی طرح

فرعون کے ساتھ موسی علیہ السلام کا واقعہ کہ آپ نے بچپن میں فرعون کی داڑھی پکڑی۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَآ إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ﴾ [الانبیاء-۲۱:۵۱]

ترجمہ:''اور بے شک ہم نے ابراہیم کو(ان کی ابتدائی عمر میں بالغ ہونے کے) پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کردی''۔

مفسرین نے اس کی تفسیر میں فرمایا: یعنی ہم نے بچپن میں انھیں ہدایت بخشی، مجاہد وغیرہ اسی کے قائل ہیں، اور ابن عطا نے کہا: آپ کی خلقت کے ظہور سے پہلے ہی آپ کو منتخب فرمالیا، اور بعض مفسرین نے فرمایا: جب حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو اللہ نے آپ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا کہ وہ آپ کو اللہ تعالی کے بارے میں یہ حکم دے کہ: اسے اپنے دل سے پہچانیں اور اپنی زبان سے اس کا ذکر کریں، تو آپ نے اس فرشتہ سے فرمایا: بے شک میں نے کیا، یہ نہ فرمایا کہ میں کروں گا، تو یہ آپ کی رشد و ہدایت ہے جس سے اللہ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ: جس وقت ابراہیم کو آتش نمرود میں ڈال کر آپ کا امتحان لیا گیا آپ کی عمر سولہ سال تھی، اور اسماعیل کو سات سال کی عمر میں ذبح کے ذریعہ آزمایا گیا، اور حضرت ابراہیم نے پندرہ سال کی عمر میں چاند و سورج اور سیاروں سے ذات باری پر استدلال کیا، اور یوسف کے بھائیوں نے جب آپ کو گہرے کنویں میں ڈالنے کا قصد کیا اس وقت آپ بچے تھے، اللہ عزوجل نے اس وقت آپ کی طرف وحی فرمائی جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا﴾ [یوسف-۱۲:۱۵]

ترجمہ:''اور ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام جتا دے گا''۔

اس کے علاوہ اور بہت سارے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

ارباب سیر نے بیان فرمایا کہ: آمنہ بنت وہب نے یہ خبر دی کہ ہمارے نبی محمد ﷺ اپنی ولادت شریفہ کے وقت زمین کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے، اور آسمان کی طرف اپنا سر اٹھائے ہوئے تھے، خود حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

" لمانشأت بغضت إلي الأوثان ،وبغض إلي الشعر،ولم أهمم بشيءٍمما كانت الجاهلية تفعله إلامرتين فعصمني الله منهما ثم لم أعد".

ترجمہ:۔"میری نشوونما کے وقت مجھے بت اوراشعارسخت ناپسند تھے،جاہلیت کے لوگ جورسوم وافعال کرتے تھے میں نے صرف دوباران کا قصد کیامگراللہ نے میری حفاظت فرمائی،پھرکبھی میں نے ان چیزوں کا قصد نہ کیا"۔

پھراللہ عزوجل انہیں معاملات پرخاص قدرت عطافرماتاہےاوران کے پاس اللہ کی معرفت کی عطرریز خوشبوپیہم آتی ہے،اوران کے دلوں پرمعارف کے انوارروشن ہوتے ہیں تاکہ منزل مقصودکوپالیں،اورریاضت وممارست کےبغیرعمدہ اوصاف وکمالات واعلیٰ خصلتوں سےمزین ہوجائیں،اس لیےکہ اللہ عزوجل نےانہیں اپنی نبوت کے لیےمنتخب فرمالیاہے،اللہ تعالی کاارشادہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ [القصص-۲۸:۱۴]

ترجمہ:۔"اورجب اپنی جوانی کوپہنچا،اورپورےزورپرآیا،ہم نےاسےحکم اورعلم عطافرمایا"۔

قاضی عیاض نےفرمایا:اہل اخبارمیں سےکسی نےیہ نہ نقل فرمایاکہ کفروشرک میں معروف ومشہورشخص کو اللہ نےاپنابرگزیدہ نبی بنایاہو،اوراس باب میں مستندنقل موجودہے۔

بعض لوگوں کااستدلال یہ ہےکہ:جوشخص برےراستہ پرہوگاانسان کےدل اس کی اطاعت واتباع سے نفرت کریں گے،اس لیےاگرایسےکونبی بنادیاجائےتوبعثت کامقصدہی فوت ہوجائےگا۔

امام قاضی عیاض نےفرمایا:میں کہتاہوں کہ:قریش نےہمارےنبی علیہ السلام کواپنی افترا پردازیوں کا نشانہ بنایا،اوراسی طرح تمام امت کےکافروں نےاپنےانبیاکوساری چیزوں کاعاردلایاجوان کافروں سےممکن تھا اورجس کاانھوں نےاختراع کیا،جیساکہ اللہ عزوجل نےاس کی تصریح فرمائی،یاراویوں کےذریعہ ہم تک پہنچی۔ ہم نےانبیاکی قوموں کواپنےنبی کویہ عاردلاتےنہ دیکھاکہ انھوں نےان کےباطل معبودوں کوچھوڑدیا،اورنہ ہی اس پرمذمت کرتےدیکھاکہ نبی جس چیزپرامتوں کوجمع کررہےتھےخودہی اسےچھوڑبیٹھے،اگرایساہوتاتوانبیاکی

قومیں افترا کے وقت ضرور اس کی طرف سبقت کرتیں، اور اپنے استدلال میں اسے ضرور پیش کرتیں کہ انھوں نے اپنا معبود بدل ڈالا، اور یہ قومیں اس نبی کو اس بات پر ضرور توبیخ وملامت کرتیں کہ وہ انہیں اس عبادت سے روکتے ہیں جسے خود اس سے پہلے کیا کرتے تھے، اور ان لوگوں کی یہ توبیخ وملامت خود اس نبی کی اس توبیخ وملامت سے زیادہ سخت، اور قاطع حجت ہوتی جسے یہ نبی ان باطل پرستوں کو توبیخ وملامت کرتے ہوئے کہتے کہ یہ لوگ اس نبی کو اپنا معبود اور اس عبادت کے چھوڑنے سے روکتے ہیں جو اس سے پہلے ان کے آبا کا معبود تھا، اور ان کے آبا اس سے پہلے جس کی عبادت کیا کرتے تھے، ان لوگوں کا اس بات سے بالکلیہ اعراض وانحراف اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انہیں ان باتوں کی طرف کوئی راہ نہ ملی، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا اور یہ لوگ اس سے ساکت وخاموش نہ رہتے، جیسا کہ تحویل قبلہ پر خاموش نہ رہے بلکہ بول پڑے جیسا کہ اللہ عزوجل نے ان کے بارے میں حکایت فرمایا:

﴿مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾ [البقرہ-۲:۱۴۲]

ترجمہ: ”کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر تھے“۔

تیسری چیز: علمانے ہمارے نبی پاک ﷺ کے بارے میں یہ کلام فرمایا کہ: آپ وحی سے پہلے کسی دین کے عامل ومتبع تھے یا نہیں؟ بعض لوگوں نے مطلقاً اس کا انکار کیا اور اس کو عقلا محال کہا، ان حضرات نے کہا کہ: یہ اس لیے ممنوع اور عقلا محال ہے کہ جس ذات کا عامل ومتبع ہونا معروف ومشہور ہوگا اس کا متبوع اور پیشوا ہونا بعید ہوگا، ان لوگوں نے اس کی بنیاد تحسین وتقبیح پر رکھی۔

اور ایک دوسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ: حضور علیہ السلام کے معاملہ میں توقف کیا جائے، اور اس بارے میں آپ پر کوئی قطعی حکم نہ لگایا جائے، اس لیے کہ ان دونوں وجہوں میں سے کوئی بھی وجہ عقلا محال نہیں، اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بطریق نقل انہیں کچھ معلوم بھی نہیں (کہ آپ کے متعلق کوئی قطعی حکم لگایا جائے) کہ وہ کسی دین کے عامل ومتبع تھے یا نہیں، یہ ابو المعالی کا مذہب ہے۔

اور تیسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ: اس نبی سے پیشتر جو شریعت تھی وہ اس کے عامل ومتبع تھے، اس کی

عبادت کرتے اور اس پر عمل پیرا رہتے، پھر ان لوگوں نے اس تعیین کے بارے میں اختلاف کیا کہ آپ کس خاص دین پر عامل تھے؟ تو ایک جماعت اس طرف گئی کہ آپ دین عیسی کے متبع تھے کیوں کہ دین عیسی اپنے پیشتر تمام ادیان وملل کا ناسخ ہے، اور کسی منسوخ دین پر کسی نبی کا قائم رہنا جائز نہیں۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی کہ: آپ دین ابراہیم پر تھے، اس لیے کہ آپ ان کی اولاد میں سے ہیں اور وہ ابوالانبیاء ہیں۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی کہ آپ دین موسی پر تھے، اس لیے کہ آپ کا دین سب سے قدیم ترین دین ہے۔

اور **معتزلہ** اس طرف گئے کہ آپ کسی دین پر ضرور قائم تھے مگر ہمیں یقین سے کوئی معین دین معلوم نہیں۔

ہمارے ائمہ نے ان تمام اقوال کو اس لیے باطل قرار دیا کہ یہ باہم متعارض ہیں، اور ان کے بارے میں کوئی قطعی دلیل نہیں اگرچہ عقلا ساری چیزیں جائز وممکن ہیں، اور یہ امر قطعی ویقینی ہے کہ کسی نبی کی طرف ہمارے نبی علیہ السلام کی ایسی نسبت نہیں جو اس بات کو مستلزم ہو کہ آپ اس نبی کی امت کے ایک فرد ہوں اور اس کی شریعت کے تمام امور کے مخاطب ہوں، بلکہ آپ کی شریعت بالذات ایک مستقل شریعت ہے، اللہ حاکم عزوجل کی بارگاہ سے اس شریعت کو فتح ونصرت اور غلبہ وحمایت حاصل ہے، آپ نے اللہ عزوجل پر ایمان رکھا، اس کے ساتھ کسی معبود کو شریک نہ ٹھہرایا، نہ کسی بت کو سجدہ کیا، نہ زنا کیا، نہ شراب پی، نہ ہی رات کو باتیں کرنے والوں کی مجلس میں شریک ہوئے، نہ ہی بارش کی قسم اور حلف میں آپ سہیم وشریک رہے، اور نہ ہی خوشبو لگانے والوں کے حلف میں حاضر رہے، بلکہ اللہ عزوجل نے آپ کو ان ساری آلائشوں اور تیرگیوں سے پاک ومحفوظ رکھا۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ عثمان ابن ابوشیبہ نے جابر سے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی کہ نبی پاک ﷺ مشرکوں کے ساتھ ان کے مشاہد ومجالس میں جارہے تھے تو آپ نے اپنے پیچھے دو فرشتوں سے سنا، ان میں سے ایک فرشتہ اپنے ساتھی سے یہ کہہ رہا تھا: جا کر ان کے پیچھے کھڑا رہ، تو دوسرے نے کہا: میں ان کے پیچھے کیسے کھڑا رہوں گا حالاں کہ ان کا عہد یہ ہے کہ بتوں کو بوسہ لیں گے، پھر اس کے بعد سے حضور نے ان مشرکین

کے ساتھ شرکت نہ فرمائی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ: امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کا سخت انکار فرمایا اور کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے۔ اور دارقطنی نے فرمایا: عثمان کو اس حدیث کی اسناد میں وہم ہوا۔ حاصل یہ کہ یہ حدیث مجموعی طور پر منکر ہے، جس کی اسناد متفق علیہ نہیں، اس لیے یہ لائق التفات نہیں۔ اہل علم کے نزدیک اس کے برخلاف یہ مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" **بغضت إلي الأصنام**" ترجمہ:۔"مجھے بتوں سے سخت بغض تھا"۔

بحیری راہب کا واقعہ مشہور ہے کہ جب آپ بچپن میں اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ شام کے سفر پر جا رہے تھے، بحیری نے شام میں آپ سے ملاقات کی، اور آپ میں نبوت کی علامتیں دیکھیں تو اُس نے نبی پاک ﷺ کو لات وعزی کی قسم دے کر آپ کا امتحان لیا تو آپ نے فوراً فرمایا:

"**لاتسألني بهما فو الله ماأبغضت شيئا قط بغضهما**".

ترجمہ:۔"مجھ سے لات وعزی کی قسم دے کر سوال نہ کیجئے، خدا کی قسم میں نے ان دونوں کی طرح کسی چیز کو مبغوض و ناپسند نہ جانا"۔

پھر بحیری نے آپ سے کہا: خدا کی قسم دے کر میں آپ سے پوچھتا ہوں، آپ نے فرمایا:"**سل ما بدالک**"(جو پوچھنا ہے پوچھئے)۔

اسی طرح آپ کی یہ سیرت طیبہ بھی معروف و مشہور ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو یہ توفیق بخشی کہ اپنی نبوت سے پہلے حج میں مشرکین کے وقوف مزدلفہ کی مخالفت فرماتے، آپ وقوف مزدلفہ کے بجائے عرفہ میں وقوف فرماتے اس لیے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا موقف تھا۔

پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ: اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ ﴾ [البقرہ-۲:۱۳۵]

ترجمہ:۔"تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم کا دین لیتے ہیں"۔

اورفرمایا:

﴿أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ﴾ [النحل-١٦:١٢٣]

ترجمہ:۔’’کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو‘‘۔

اورفرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ﴾ [الشوریٰ-٤٢:١٣]

ترجمہ:۔’’تمہارے لیے دین کی وہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو فرمایا‘‘

ان آیات شریفہ کا مقتضی تو یہ ہے کہ آپ کسی دین وشرع کے عامل ومتبع اوراس کی عبادت واطاعت فرماتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم ان امور کے متعلق ہے جن میں کسی شریعت کا کوئی اختلاف نہیں، مثلاً توحید اوراقامت دین، بار بار اس کا ذکر گزرچکا۔اورآیت کریمہ میں اللہ عزوجل کے ارشاد’’ شرع لكم من الدين‘‘ کے تحت آچکا۔ والحمد لله

اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

﴿مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيمٰنُ﴾ میں ایمان کے معنی کا بیان

اس تفصیل وتحقیق کے بعد قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ بھی جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد’’ ما كنت تدري ما الكتاب ولا الإيمان‘‘کی تاویل میں علما کا اختلاف ہے:

(۱) ایک جماعت نے کہا: اس آیت میں ایمان سے ایمان کے شرائع ،اوراس کے معالم(نشانات) مراد ہیں۔ثعلبی نے اسے ذکر کیا۔

(۲) اورایک قول یہ ہے کہ: اس سے شریعت کی تفصیلات مراد ہیں، یعنی آپ ان تفصیلات شرع سے غافل تھے،اورشرع کی تفصیلات پرایمان کا اطلاق جائز ہے، قشیری نے اسے ذکر کیا۔

(۳) اور ایک قول یہ ہے کہ: وحی سے پہلے آپ قرآن پڑھنا نہ جانتے تھے، اور نہ یہ کہ مخلوق کو ایمان وغیرہ کی دعوت کیسے دیں، یہ ابو العالیہ کی روایت ہے۔

(۴) اور بکر قاضی نے کہا: ایمان سے فرائض واحکام مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا: حضور اللہ کی توحید پر ایمان رکھتے تھے، پھر وہ فرائض اترے جنہیں نزول سے پہلے آپ نہ جانتے تھے، تو اس تکلیف کے سبب ایمان میں اضافہ ہوا۔ یہ چاروں اقوال معنی کے لحاظ سے زیادہ قریب ہیں۔

(۵) ابن خزیمہ نے کہا: ایمان سے نماز مراد ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيۡعَ اِيۡمٰنَكُمۡ﴾ [البقرہ-۲:۱۴۳]

ترجمہ: ’’اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے‘‘۔

’’**أي صلاتكم الى بيت المقدس فيكون اللفظ عاما والمراد الخصوص** ‘‘یعنی بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی تمہاری نماز اکارت کر دے، تو ایمان کا لفظ عام ہے جس سے یہاں معنی خاص نماز مراد ہے۔

(۶) حسین ابن الفضل نے کہا: یعنی: آپ نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے، اور اہل ایمان کون ہیں، اور یہ اس باب سے ہے کہ ایمان کا مضاف (اہل) محذوف ہے یعنی یہ نہ جانتے تھے کہ ایمان لانے والے کون ہیں؟ ابو طالب، عباس، یا دوسرے لوگ ہیں۔

(۷) اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کچھ نہ جانتے تھے جب آپ گہوارہ میں، اور بلوغ سے پہلے تھے، اور ماوردی وغیرہ نے بیان کیا کہ علی بن عیسی نے فرمایا: آپ نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے اگر رسالت نہ ہوتی، اور نہ ایمان جانتے اگر بلوغ نہ ہوتا۔ **اهـ قول القرطبي**

قرطبی رحمہ اللہ تعالی نے مزید فرمایا: میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنے نشو ونما کے وقت سے بلوغ تک اللہ عزوجل پر ایمان رکھتے تھے، جیسا کہ گزر چکا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ: آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے، اور نہ ایمان، یعنی آپ امی قوم میں سے تھے جو کتاب اور ایمان نہ جانتی تھی یہاں تک کہ آپ جس دین کو اس

قوم کے پاس لائے اسے ان لوگوں سے اخذ کرتے جو اسے جانتے تھے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهُ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ [العنکبوت-۲۹:۴۸]

ترجمہ:۔''اوراس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے، اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے، یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے''۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی معنی مروی ہے۔ الخ

میں کہتا ہوں: ان تفاسیر مبارکہ کو بغور مطالعہ کریں اور ابن تیمیہ اور ابن قیم کی غلط فہمی، اور ہٹ دھرمی دیکھیں۔

(۸۱) اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ﴾
(اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی)

یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مومن نہ تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ﴾ [الضحی-۹۳:۷] اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی (کنزالایمان) معاندین کے باطل دعوی کی دلیل نہیں۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۰/۹۷،۹۸،۹۹) میں کہا:

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمٰنُ﴾ [الشوری-۴۲:۵۲] (اس سے پہلے تم کتاب نہ جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل) ہم نے سورۂ شوری میں اس آیت کے مقام پر اس کی تفسیر[1] بیان کردی۔

(۱) اور ایک قوم نے کہا: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ﴾ یعنی: تمہیں گمراہ قوموں میں پایا تو اللہ سبحانہ نے تمہارے ذریعہ انھیں ہدایت بخشی، یہ کلبی اور فرا کا قول ہے۔

(۲) اور سدی وغیرہ سے مروی ہے: یعنی تمہاری قوم کو گمراہی میں پایا تو تمہیں ان کی رشد وہدایت کی طرف راہ نمائی کی۔

(۳) اور ایک قول ہے: ''ووجدک ضالا عن الهجرة فهداک اليها ''، تمہیں ہجرت سے غافل پایا

(۱) اس مقام کی تفصیل گزرچکی مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے معتمد تفسیروں کی روشنی میں جو ایمان افروز ترجمہ فرمایا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ایمان سے احکام شرع کی تفصیل مراد ہے جیسا کہ آیت ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيْمٰنَكُمْ﴾ [البقرہ-۲:۱۴۳] ''اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے'' میں ایمان سے حقیقت ایمان تصدیق قلبی مراد نہیں بلکہ ''بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی ہوئی نماز مراد ہے کہ نماز ادا کرنا اور بجماعت پڑھنا دلیل ایمان ہے۔ (مترجم)

توہجرت کی راہ نمائی کی۔

(۴) اور ایک قول ہے: ضالا: یعنی جب اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے بارے میں تم سے پوچھا گیا تو تمہیں "ان شاء الله" کہنا یاد نہ رہا اسے یاد دلایا، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے شہادت کے باب میں فرمایا:

﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا﴾ [البقرہ-۲:۲۸۲]

ترجمہ:۔"دوعورتوں میں سے ایک بھول جائے"۔

(۵) اور ایک قول یہ ہے: اور تمہیں قبلہ کا طالب پایا تو اس کی راہ نمائی فرمائی، اس کا بیان قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾ [البقرہ-۲:۱۴۴]

ترجمہ:۔"ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا"۔

اور لفظ "ضلال" طلب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اس لیے کہ ضال (گم گشتہ راہ) طالب ہوتا ہے۔

(۶) ایک قول یہ ہے: تمہیں اس خبر کے بیان سے متحیر پایا جو تم پر اتری، تو اس کی طرف تمہاری راہ نمائی کی، اس وقت ضلال کا معنی متحیر ہونا ہوگا؛ اس لیے کہ ضال متحیر وحیران ہوتا ہے۔

(۷) اور ایک قول یہ ہے: تمہیں تمہاری قوم میں ضائع پایا تو اس کی طرف تمہاری راہ نمائی کی۔ ضلال ضیاع کے معنی میں بھی آتا ہے۔

(۸) اور ایک قول یہ ہے: "و وجدک محبا للهداية فهداک إليها"، تمہیں ہدایت کا عاشق ووارفتہ پایا تو تمہیں اس کی ہدایت بخشی۔ اس قول کی بنیاد اس پر ہے کہ لفظ ضلال محبت کے معنی میں آتا ہے، اور اسی معنی میں اللہ تعالی کا یہ ارشاد پاک ہے:

﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ إِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴾ [یوسف-۱۲:۹۵]

ترجمہ:۔"یعقوب (علیہ السلام) کے بیٹوں نے کہا آپ اپنی پرانی محبت میں ہیں"۔

شاعر نے کہا:

هذا الضلال أشاب مني المفرقا والعارضين ولم أكن متحققا

عجبا لعزة في اختيار قطيعتي بعد الضلال فحبلها قد أخلقا

اس محبت نے میرے سر (کے بال)، اور دونوں رخسار سفید کر ڈالے اور مجھے یقین نہ آیا۔، مجھے اپنی اس حمیت پر تعجب ہے کہ محبت کے بعد جدائی، اختیار کی اس لیے کہ محبت کی رسی بوسیدہ اور پرانی ہوگئی۔۔

(۹) اور ایک قول یہ ہے کہ: ''ضالا في شعاب مكة فهداك وردك الیٰ جدك عبد المطلب'' مکہ کی گھاٹیوں میں تمہیں سرگشتہ و پریشان پایا تو تمہیں راہ دی اور تمہیں تمہارے دادا عبدالمطلب کی طرف لوٹایا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ اپنے بچپن میں مکہ کی گھاٹیوں میں سرگشتہ و پریشان تھے، ابوجہل نے آپ کو دیکھا جب کہ وہ اپنی بکریاں لے کر واپس آرہا تھا، تو آپ کو آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس لے کر آیا، اللہ عزوجل نے آپ پر یہ احسان فرمایا کہ آپ کو آپ کے دادا کے پاس ایک دشمن کے ہاتھ لوٹایا۔

اور سعید بن جبیر نے فرمایا: نبی پاک ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ایک سفر میں نکلے، ابلیس نے تاریک رات میں اونٹنی کی مہار پکڑ کر راہ راست سے اسے منحرف کر دیا، اتنے میں جبریل علیہ السلام آئے اور ایک ایسی صور پھونکی جس سے ابلیس خاک ہند میں جا گرا، اور حضور اقدس (ﷺ) کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح آپ پر احسان فرمایا۔ اور کعب نے کہا کہ: حلیمہ نے جب حق رضاعت ادا کر دیا تو رسول اللہ ﷺ کو عبدالمطلب کے پاس واپس لوٹانے کے لیے لائیں، تو حلیمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے مکہ کے دروازہ پر یہ صدا سنی:

''اے مکہ کی سنگلاخ وادیو! خوش ہوجاؤ آج تمہاری طرف نور اور دین اور رونق و جمال لوٹایا جارہا ہے، حلیمہ نے کہا: پھر میں نے اپنے کپڑے درست کرنے کے لیے آپ کو گود سے

اتارا،تومیں نے ایک سخت آوازسنی، پھر میں نے مڑکردیکھاتوآپ کونہ پایامیں نے فوراکہا:اے لوگوں کی جماعت!بچہ کہاں ہے؟لوگوں نے کہا:ہم نے کوئی چیز نہ دیکھی،توحلیمہ نے بلندآواز سے کہا:ہائے محمد!پھرآپ نے دیکھاکہ اچانک ایک شیخ فانی اپنے عصا پرٹیک لگائے نمودارہوا اورکہا:صنم اعظم(بڑے بت)کے پاس جاؤاگروہ چاہے گاتولوٹادے گا،پھراس شیخ نے خودصنم اعظم کا چکرلگاکراس کے سرکابوسہ لیااورکہا:اے قریش کے رب !اس قبیلۂ قریش پر ہمیشہ تمہارااحسان رہا،حلیمہ سعدیہ کاخیال ہے کہ ان کابیٹاگم ہوگیاہے تواگرتواسے لوٹاناچاہے لوٹادے،یہ سن کرھبل سمیت سارے بت اوندھے منہ گرپڑے اورکہا:اے شیخ!ہمارے پاس سے جا،اس لیے کہ محمد کے ہاتھ ہماری ہلاکت ہے،تواس شیخ نے اپناعصا زمین پرڈال دیا،اورلرزہ براندام ہوکرکہا:اے حلیمہ!تمہارے بیٹے کاایک رب ہے جو اسے ضائع نہ کرے گا،تم اسے بآسانی طلب کرو،اتنے میں قریش کے سارے لوگ عبدالمطلب کے پاس جمع ہوگئے ،اورسارے مکہ میں آپ کوتلاش کیاگیامگرآپ نہ ملے، توعبدالمطلب نے کعبہ کے پاس جاکراس کے سات چکرلگاے،اوراللہ عزوجل سے گریہ وزاری کےساتھ دعا کی اورعرض کیا:

يــا رب رُدَّ ولــدي مــحــمــدا　　　اردده ربــي واتـخـذ عـنـدي يـدا

يــا ربّ إنْ مـحـمـدا لـم يـوجـدا　　　فشــمــل قــومــي كــلـهـم تبـدّدا

اے پروردگار!میرے فرزندمحمد کولوٹادے اے میرے رب!ان کی بازیابی کے ذریعے میرے دست و بازوکومضبوط فرما۔

اے پروردگار!اگرمحمد نہ ملے،تومیری ساری قوم کاشیرازہ منتشرہوجائے گا۔

اس کے بعدقریش کےلوگوں نے ایک منادی سے سناجوآسمان سے ندا کررہاتھااے لوگو!چیخ وشورنہ مچاؤ کیوں کہ محمد کاایک رب ہے جوانہیں بے یارومددگارنہ چھوڑے گا،اورانہیں ضائع نہ فرمائے گا،اور بے

شک محمد تہامہ کی وادی میں ببول کے درخت کے پاس ہیں، یہ سن کر عبدالمطلب اور ورقہ بن نوفل اس درخت کی طرف چل پڑے، وہاں پہنچ کر اچانک دیکھا کہ نبی پاک ﷺ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر اس کی شاخوں اور پتیوں سے کھیل رہے ہیں''۔

(۱۰) اور ایک قول یہ ہے: ''ووجدک ضالا'' اور تمہیں معراج کی رات اس وقت حیران پایا جب جبریل تمہارے پاس سے واپس ہوگئے اور تمہیں راستہ معلوم نہ تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ساق عرش کی طرف تمہاری راہ نمائی فرمائی۔

(۱۱) اور ابوبکر وراق وغیرہ نے کہا: ''ووجدک ضالا'' کا معنی یہ ہے کہ: ''**تحب أباطالب فهداك الى محبة ربك**''، تمہیں ابوطالب کی محبت میں شیفتہ پایا تو اپنی محبت کی راہ دکھائی۔

(۱۲) اور بسّام بن عبداللہ نے کہا: ''ووجدک ضالا'' ''**بنفسک لا تدري من أنت فعرفک بنفسک و حالک**''، اور تمہیں اپنی ذات سے بے توجہ پایا کہ تم خود کو نہ جانتے تھے کہ کون ہو، تو آپ کو آپ کی ذات وصفات اور مراتب درجات کی معرفت عطا کی۔

(۱۳) اور جنیدی نے کہا: ''**ووجدک**'' اور کتاب کے بیان کے بارے میں تمہیں متحیر پایا تو تمہیں اس بیان کی تعلیم دی جس کا بیان ان دونوں آیتوں میں ہے:

''**لتبين للناس مانزل إليهم الأية**'' (ترجمہ:۔''تا کہ آپ لوگوں کو بتائیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا'')

''**لتبين لهم الذي اختلفوا فيه**'' (ترجمہ:۔''تا کہ آپ ان کے اختلافی مسائل کو واضح طور پر بیان کریں'')

(۱۴) اور بعض متکلمین نے کہا: جب عرب کے لوگ کسی بے آب وگیاہ سرزمین میں کوئی درخت پاتے جہاں کوئی دوسرا درخت نہ ہوتا تو وہ لوگ اس درخت کا نام ''ضالّة'' رکھتے، اس درخت کے ذریعہ انہیں راستہ کی ہدایت ملتی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا: ''ووجدک ضالا'' اور تمہیں تن تنہا

پایا یعنی تمہارے دین پر کوئی نہ تھا، آپ تنہا اپنے دین پر قائم تھے، اور آپ کے ساتھ کوئی دوسرا اس دین پر نہ تھا تو میں نے تمہارے ذریعہ مخلوق کو اپنی طرف راہ نمائی کی۔

میں کہتا ہوں: یہ سارے اقوال بہتر ہیں، ان میں سے بعض اقوال معنوی، اور بعض حسی وظاہری ہیں اور اخیر والا قول مجھے زیادہ پسند[1] ہے اس لیے کہ یہ تمام اقوال معنویہ کا جامع ہے۔

(۱۵) اور ایک قوم نے کہا کہ قوم جن رسوم وعادات پر قائم تھی آپ کا ظاہر حال ان کے مخالف نہ تھا، رہ گیا اس قوم کا شرک تو آپ کے بارے میں اس کا گمان نہیں کیا جا سکتا، مگر چالیس سال تک بظاہر اس قوم کے مراسم پر رہے۔

(۱۶) اور کلبی سدی نے کہا کہ: اس آیت مذکورہ میں کلمہ ''ضال'' اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، یعنی: آپ کو کافر پایا اور قوم کافر تھی تو آپ کو ہدایت دی، یہ قول اور اس کا ردسورۂ شوری کی تفسیر میں گزر چکا۔[2]

---

(۱) مجدد اعظم امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس آیت مبارکہ کا یہ ایمان افروز ترجمہ فرمایا:
﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ﴾ [الضحیٰ -۹۳:۷]
ترجمہ:۔''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی''۔
صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے اس کی روشن تفسیر میں فرمایا:
''اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیے، اور علوم ما کان وما یکون عطا کیے اپنی ذات وصفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عنایت کیا''۔ (مترجم)

(۲) سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ اپنی گراں قدر محققانہ تالیف ''**المعتقد المنتقد**'' میں مقام نبوت ورسالت اور عصمت کی تفصیل فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:
''اور حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے انجان ہونے سے، اور ایسی حالت پر ہونے سے جو ذات وصفات باری میں سے کسی شئ کے علم اجمالی کے منافی ہو، نبوت ملنے کے بعد عقلاً واجماعاً اور قبل نبوت دلیل سمعی ونقلی سے اور جو امور شرع ان انبیا نے مقرر فرمائے اور جو وحی اپنے رب کی طرف سے پہنچائی اس میں کسی شئ کے علم کے منافی حالت پر ہونے سے بھی قطعاً وعقلاً وشرعاً معصوم ہیں اور دانستہ ونادانستہ طور پر خلاف واقعہ بات کہنے سے معصوم ہیں''۔

(۱۷) اور ایک قول یہ ہے کہ: تمہیں مشرکوں میں پوشیدہ اور ڈوبا اور ملا ہوا پایا تو تمہیں ان سے ممتاز کر دیا، بولا جاتا ہے: "ضل الماء في اللبن" اور اسی سے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

﴿أَ إِذَا ضَلَلْنَا فِي الأَرْضِ﴾ [السجدہ-۳۲:۱۰]

کیا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے۔

یعنی دفن کے وقت ہم خاک ہو گئے یہاں تک کہ خاک سے ہمارا امتیاز نہ رہا۔

اور حسن کی قراءت میں ہے: " ووجدک ضالٌّ فهدى""أي وجدک ضال فاهتدى بک" اور ایک گمراہ نے آپ کو پایا تو آپ کی بدولت اسے ہدایت ملی۔

ایک قراءت کے مطابق یہ تفسیر ہے۔

جب سے اللہ تعالی نے انھیں نبی بنا کر بھیجا ان کا جھوٹا ہونا شرعا عقلا اجماع برہانی سے محال ہے اور قبل نبوت وہ اس سے یقیناً منزہ ہیں اور کبیرہ گناہوں سے اجماعا اور صغیرہ گناہوں سے تحقیق کی رو سے منزہ ہیں اور دائمی سہو وغفلت سے وہ اللہ کی توفیق سے منزہ ہیں اور اپنی امت کے لیے جو انھوں نے مشروع فرمایا اس میں غلط ونسیان کے استمرار سے قطعا منزہ ہیں ایسا ہی قاضی نے فرمایا۔

اور شرح مواقف میں ہے کہ: تمام اہل ملل وشرائع اس بات پر متفق ہیں کہ انبیا کے لیے عصمت اس امر میں جس میں ان کے سچے ہونے پر قطعی معجزہ کی دلالت ہوتی ہے واجب ہے جیسے کہ رسول ہونے کا دعوی اور وہ وحی جو اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف پہنچاتے ہیں اس لیے کہ اگر ان کا بات بنانا اور جھوٹ بولنا عقلا اس بارے میں ممکن ہو تو یہ دلالت معجزہ کے باطل ہونے کی طرف مفضی ہوگی اور یہ محال ہے۔ اور مواقف میں ہے: امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیا کفر سے معصوم ہیں ہاں خوارج میں سے "ازارقہ" نے ان کے لیے گناہ کا صدور ممکن مانا اور ان کے نزدیک ہر گناہ کفر ہے۔ اور شرح مواقف میں ہے (جب انھوں نے انبیا کے لیے گناہ ممکن ٹھہرایا تو ان کے طور پر) انھیں کفر کو ممکن ماننا لازم ہوا بلکہ ان سے منقول ہے کہ انھوں نے ایسے نبی کا مبعوث ہونا ممکن مانا اور قاری نے قاضی کے قول: "یہ ملحد کے سوا کوئی درست نہ مانے گا" (اس کی شرح میں) فرمایا یعنی نبی سے کفر صادر ہونے کے امکان، خفاجی نے فرمایا کہ: یہ بات نہ عقل میں صحیح ہے نہ شرع میں درست اور حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالی کے پیغام میں سے کوئی پیغام نہ پہنچایا ہو۔ الـــخ

(المعتقد المنتقد ص ۲۴۸-۲۴۷)۔ (مترجم)

(۱۸) اورایک قول یہ ہے:" ووجدک ضالا" اورتمہیں ضال پایا،یعنی تمہاری قوم تمہاری طرف راہ نہ پارہی تھی اور نہ ہی تمہاری قدر سے آشنا تھی،تو مسلمانوں کوتمہاری طرف ہدایت دی یہاں تک کہ وہ لوگ آپ پرایمان لائے۔الخ

قرطبی کا کلام ختم ہوا

میں کہتا ہوں: مزید تحقیق وتفصیل کے لیے تفسیر بغوی(۴/۴۹۹)،زادالمسیر (۹/۱۵۸،۱۵۹)، تفسیر ثعالبی(۴/۴۲۲،۴۲۳)،تفسیر ابوالسعود(۹/۱۷۰،۱۷۱)،فتح القدیر(۵/۴۵۸)،تفسیر جلالین(۱/۸۱۲)،تفسیر نسفی (۴/۳۴۵)اورروح المعانی(۳۰/۱۶۲)مطالعہ کریں۔

میں یہ بھی کہتا ہوں:

سبحان اللہ یہ تمام اقوال وتفاسیر موجود ہیں،مگرابن تیمیہ اورابن قیم اسی معنی کا اظہار پسند کرتے ہیں جس سے یہ پتہ چلے کہ نبی پاک ﷺ بعثت سے پہلے مومن نہ تھے۔

مزید سنیے!

اورحافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد(۸/۲۲۴) میں کندی بن سعد سے روایت کیا کہ ان کے والد نے کہا کہ: میں دور جاہلیت میں حج کو گیا تو اچانک ایک شخص بیت اللہ شریف کے اردگرد طواف کررہا تھا،اوررجز کے یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

رب رد راكبي محمدا ردہ لي واصطنع عندي يدا

اے رب! میرے سوار محمد کو واپس فرما۔

آپ کو میرے پاس واپس فرما کر مجھے طاقت وقوت اوراحسان سے شادکام فرما۔

کندی بن سعد نے عبدالمطلب بن ہاشم سے کہا: آپ کسے مانگ رہے ہیں؟ تو انھوں نے کہا میرا اونٹ دور چلا گیا جس کی تلاش کی خاطر میں نے اپنے پوتے کو بھیجا ہے انھوں نے آنے میں دیر کردی، جب کہ ان سے

میں جب بھی کچھ کہتا وہ جلدی کرتے، راوی کہتے ہیں: میں نے اتنے میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اونٹ لیے چلے آرہے ہیں، جنہیں دیکھتے ہی عبدالمطلب بول پڑے، اے بیٹے! میں تم پر ایسا کبیدہ اور رنجیدہ ہو گیا تھا جیسے کوئی عورت غم سے نڈھال ہو، تمہارا غم مجھ سے جدا نہیں ہو رہا تھا۔ ابویعلی اور طبرانی نے اسے روایت کیا اور اس کی اسناد حسن ہے۔ انتھیٰ کلام الهيثمي

(۸۲) ابن تیمیہ کے زعم میں نبوت کسبی شئ ہے، اللہ کی عطا نہیں

مقام نبوت میں بھی ابن تیمیہ نے خطا کی، اس نے مجموع الفتاوی (۱۰/۳۱۰) میں کہا:

''کفر اور گناہوں سے توبہ کرنے والا کبھی اس شخص سے افضل ہوتا ہے جس نے کبھی کفر اور گناہ نہ کیا، اور جب کبھی ایسا شخص افضل ہوتا ہے تو یہ افضل انسان اس سے زیادہ نبوت کا حق دار ہوتا ہے جس کی فضیلت اس کی طرح نہیں۔ اللہ نے یوسف کے بھائیوں کے بارے میں ان کے گناہوں کی خبر دی، یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کی وہ اولاد ہیں جن کی اللہ تعالی نے خبر دی، اور اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي﴾ [العنکبوت-۲۹:۲۶]

ترجمہ:۔''تو لوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوط ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے۔اھ

میں کہتا ہوں: یہ ایک خطرناک مشرب ومسلک ہے کیوں کہ نبوت محض اللہ کی عطا اور اس کا فضل ہے جو محض فضیلت اور احقیت کے سبب حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ ابن تیمیہ نے زعم کیا ہے، کیوں کہ ساری امت اس بات پر متفق ہے کہ نبوت کسبی[1] شئ نہیں، بعض گمراہ فرقوں کو چھوڑ کر کسی نے اس کی مخالفت نہ کی۔

(۱) سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ نے ''**المعتقد المنتقد**'' میں فرمایا:

''علامہ تورپشتی نے معتمد میں فرمایا: بذریعۂ کسب نبوت کے حاصل ہونے کا عقیدہ رکھنا کفر ہے، نابلسی نے شرح فوائد میں فرمایا: اور فلسفیوں کے مذہب کا فساد آنکھوں دیکھی گواہی سے ظاہر ہے محتاج بیان نہیں کیوں کر ان کی بات درست ہو حالاں کہ ان کا قول ہمارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ یا ان کے بعد اور نبی کے ممکن ہونے کی طرف پہنچاتا ہے، اور اس سے قرآن کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے اس لیے کہ قرآن نے صاف فرمایا کہ وہ خاتم الانبیا (سب سے پچھلے نبی) اور آخری رسول ہیں۔ اور حدیث میں ہے: ''**أنا العاقب لا نبي بعدي**'' میں عاقب (سب سے پچھلا) ہوں میرے بعد کوئی نبی

ان انبیاے کرام کا ہر معاملہ وہبی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:'' **وھبنا لہ**'' ہم نے ان کو ہبہ فرما دیا ''**فوھبنالہ**''، تو ہم نے ان کو عطا فرمایا۔

نہیں اور امت نے اسی بات پر اجماع کرلیا کہ یہ کلام اپنے ظاہری معنی پر باقی ہے اور یہ ان مشہور مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جن کے سبب ہم نے فلاسفہ کو کافر جانا اللہ عزوجل ان پر لعنت کرے۔'' (المعتقد المنتقد ص ۲۴۳) (مترجم)

(۸۳)ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق انبیا معصوم نہیں

ابن تیمیہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہے کہ نبی پاک ﷺ گناہوں سے آلودہ ہیں۔
اس نے اپنے مجموع الفتاوی (۳۰۹/۱۰) میں کہا:
''انبیا صلوات اللہ علیہم وسلامہ توبہ میں تاخیر نہ کرتے تھے بلکہ توبہ کی طرف مسارعت ومسابقت فرماتے، یہ لوگ توبہ میں نہ تاخیر کرتے اور نہ ہی گناہ پر اصرار کرتے، بلکہ وہ لوگ اس سے معصوم ہیں، اور جس نے اس میں تھوڑی تاخیر کی اللہ نے گناہ کے ذریعہ اس کا امتحان لے کر اسے کافر قرار دیا، جیسا کہ ذوالنون (یونس) صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا''۔
اور مجموع الفتاوی (۳۱۴،۱۳۳/۱۰) میں کہا:
''صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اس قدر قیام لیل فرماتے تھے کہ ان کے دونوں قدم سوج جاتے، ان سے کہا جاتا آپ اس قدر مشقت اٹھائیں گے حالاں کہ اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے، تو آپ فرماتے: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ کتاب وسنت کے نصوص اس باب میں کثیر ووافر ہیں، اور صحابہ وتابعین اور علمائے مسلمین کے آثار بھی اس باب میں بہت زیادہ ہیں، لیکن مخالفین جہمیہ اور باطنیہ کی طرح ان نصوص میں تاویلیں کرتے ہیں جیسا کہ اس باب میں تصنیف کرنے والوں نے یہی کہا، جو شخص ان کی تاویلوں میں غور وفکر کرتا ہے اس پر روشن ہوجاتا ہے کہ یہ تاویلیں فاسد ہیں، اور کلمات کو ان کے مقام سے تحریف کرنا ہے جیسا کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کے اس قول:
﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۸:۲،۳]
ترجمہ: ''تاکہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخشے''۔
میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ گزشتہ گناہ سے آدم کا گناہ اور بعد کے گناہ سے آپ کی امت کے گناہ

مراد ہیں، اس تاویل کا باطل ہونا ظاہر و معلوم ہے''۔ الخ

گویا یہ ابن تیمیہ کا ایک ترانہ ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۴۳۲/۲) میں کہا:

''اسی لیے بعض لوگوں نے کہا کہ: داؤد صلی اللہ علیہ وسلم توبہ کے بعد خطا کے پہلے سے افضل وبہتر تھے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ: اگر اللہ کے نزدیک توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۱۰/۶) میں کہا:

''ایک دوسری حدیث میں ہے کہ: ''**لو لم تكن التوبة أحب الأشياء اليه لما ابتلي بالذنب أكرم الخلق عليه**'' : اگر اللہ کو توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''۔

اور اس نے فتاوی کبری (۳۳۷/۲) میں مزید کہا:

''اگر خدا کو توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''۔

اور ابن قیم نے شفاء الجلیل (۲۲۳/۱) میں اس کی اتباع میں کہا:

''اور اگر اللہ کو توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''۔

اور مدارج السالکین (۲۹۷/۱) میں کہا:

''اگر اسے توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''۔

اور **طریق الهجرتین** (۳۵۷/۱) میں کہا:

''اگر اسے توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: جہمیہ اور باطنیہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ عزوجل کے ارشاد:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۲:۲،۳]

ترجمہ:ـ"تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اورتمہارے پچھلوں کے"۔

میں اگلے گناہ سے آدم کا گناہ، اور پچھلے گناہ سے آپ کی امت کا گناہ مراد ہے۔امام شافعی اورقرآن عظیم کے مفسر مشہور تابعی حضرت عطا کی شان میں صریح دشنام طرازی اوران مفسرین کرام کی بھی سخت توہین ہے جنھوں نے اس قول کوذکر فرما کراس پراعتراض نہ کیا،ان حضرات کی تعدادالحمدللہ بہت زیادہ ہے۔

امام شافعی کی احکام القرآن (۱/۳۸) میں ہے:

"قبل وحی اور بعد وحی گناہوں کی مغفرت کامعنی یہ ہے کہ: اللہ نے آپ کوقبل وحی اور بعد وحی ہمیشہ گناہوں سے معصوم رکھا تو آپ نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا، کیوں کہ اللہ آپ کو وہی کرنے دیتاہے جس سے راضی ہے۔آپ قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت فرمائیں گے،اورآپ کی شفاعت سب سے پہلے مقبول ہوگی،آپ تمام خلائق کے سردار ہیں،اور میں نے ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن عبدان کرمانی سے یہ فرماتے سنا: میں ابوالحسن محمد بن ابواسماعیل علوی سے بخارامیں یہ فرماتے سنا کہ: میں نے احمد بن محمد بن حسان مصری سے مکہ میں یہ فرماتے سنا: میں نے مزنی سے یہ فرماتے سنا کہ: میں نے امام شافعی سے اللہ عزوجل کےاس ارشاد کے بارے میں سنا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۲:۲،۳]

ترجمہ:ـ"بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کےاورتمہارے پچھلوں کے"۔

آپ نے فرمایا:اس آیت کامعنی یہ ہے کہ: تمہارے باپ آدم کے اگلے گناہ جومیں نے

تمہارے سبب بخش دیے، اور آپ کی امت کے پچھلے گناہ، جنہیں تمہاری شفاعت کے سبب جنت عطا کروں گا''۔

بیہقی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: یہ عمدہ اور دل چسپ قول ہے، اور امام شافعی نے اپنی تصنیف میں جسے ذکر فرمایا وہ دو روایتوں میں اصح روایت ہے اور ظاہر الراویۃ کے زیادہ موافق ومناسب ہے، امام بیہقی اس سے امام شافعی کی وہ روایت مراد لیتے ہیں جو مناقب الشافعی (۴۲۴/۱) میں مذکور ہے:

''ہم کو ابو سعید بن ابو عمرو نے خبر دی، انھوں نے فرمایا کہ: ابو العباس اصم نے ہم سے بیان کیا، انھوں نے فرمایا ہم سے ربیع بن سلیمان نے بیان کیا، انھوں نے فرمایا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا:

﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ أَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ﴾ [الاحقاف-۴۶:۹]

ترجمہ: ''تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں، اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ[1] کیا''۔

(۱) حضرت صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے تفاسیر معتمدہ کی روشنی میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

اس کے معنی میں مفسرین کے چند اقوال ہیں: ایک تو یہ کہ: قیامت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا وہ مجھے معلوم نہیں یہ معنی ہوں تو یہ آیت منسوخ ہے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے لات وعزی کی قسم اللہ تعالی کے نزدیک ہمارا اور محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا یکساں حال ہے انھیں ہم پر کچھ بھی فضیلت نہیں اگر یہ قرآن ان کا اپنا بنایا ہوا نہ ہوتا تو ان کا بھیجنے والا انھیں ضرور خبر دیتا کہ ان کے ساتھ کیا کرے گا تو اللہ تعالی نے آیت: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۲: ۲،۳] نازل فرمائی صحابہ نے عرض کیا: یا نبی اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حضور کو مبارک ہو آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا یہ انتظار ہے کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ﴾ [الفتح-۴۸:۵] اور یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِأَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا﴾ [الاحزاب-۳۳:۴۷] تو اللہ تعالی نے بیان فرما دیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا اور مومنین کے ساتھ کیا۔

پھر اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ پر یہ نازل فرمایا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا o لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۲:۲،۳]

ترجمہ: ''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔

یعنی وحی سے پہلے آپ کے اگلے گناہ اور وحی کے بعد آپ کے گناہ جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو گناہوں سے معصوم رکھا تو آپ سے کوئی گناہ ہی سرزد نہ ہوا، تو آپ گناہ گار نہیں اس لیے کہ اللہ عزوجل کو یہ معلوم ہے کہ آپ وہی کریں گے جس سے اللہ راضی ہے۔ اور قیامت کے دن اللہ کے حضور آپ سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے ہوں گے، سب سے پہلے آپ ہی کی شفاعت مقبول ہوگی، اور آپ تمام خلائق کے سردار ہیں''۔

امام شافعی کا کلام حرف بحرف ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں: قریش کے امام، امام شافعی کے کلام پر ہمارا ایمان ہے۔

لیکن ابن تیمیہ دروازہ کے دونوں کواڑ صرف اس لیے کھول رہا ہے تا کہ مریض القلب لوگ رسول اللہ

دوسرا قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ: آخرت کا حال تو حضور کو اپنا بھی معلوم ہے مومنین کا بھی کلابین کا بھی معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کیا کیا جائے گا یہ معلوم نہیں اگر یہ معنی لیے جائیں تو بھی آیت منسوخ ہے اللہ تعالیٰ نے حضور کو یہ بھی بتادیا: ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ کُلِّهِ﴾ [الصف-۶۱:۹] اور ﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الانفال-۸: ۳۳] بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضور کے ساتھ اور حضور کی امت کے ساتھ پیش آنے والے امور پر مطلع فرمایا خواہ وہ دنیا کے ہوں یا آخرت کے اور اگر درایت بمعنی ادراک بالقیاس یعنی عقل سے جاننے کے معنی میں لیا جائے تو مضمون اور بھی زیادہ صاف ہے اور آیت کا اس کے بعد والا جملہ اس کا موید ہے علامہ نیشاپوری نے اس آیت کے تحت یہ فرمایا کہ: اس میں نفی اپنی ذات سے جاننے کی ہے من جہۃ الوحی جاننے کی نفی نہیں'' ۔(تفسیر خزائن العرفان) (مترجم)

ﷺ کے گناہ کے بارے میں غور وفکر کریں، کہ وہ کون سے گناہ ہیں، اور کتنے بار سرزد ہوئے، اللہ عزوجل ایسی اہانتوں سے ہمیں دور رکھے۔

اب ہم امام قرطبی (۲۶۳/۱۶) کے کلام کا کچھ حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں:

عطا خراسانی نے کہا: ﴿ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ ﴾ یعنی تمہارے ماں باپ آدم وحوا کے اگلے گناہ، اور تمہاری امت کے پچھلے گناہ۔ اور ایک قول یہ ہے کہ: تمہارے باپ ابراہیم کے گناہ اور دوسرے انبیا کے پچھلے گناہ، اور ابو علی روذباری نے کہا: اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اگر آپ کے قدیم یا جدید گناہ ہوتے تو ہم ضرور اسے بخش دیتے''۔

قارئین کرام! وہ تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں جسے بغوی نے اپنی تفسیر (۱۸۹/۴)، اور ابن جوزی نے زاد المسیر (۴۲۳/۷) میں فرمایا:

﴿ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ ﴾ ابن عباس نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ: دور جاہلیت میں جو آپ سے پہلے ہوئے اور جو اس کے بعد ہوں گے جس کا آپ کو علم نہیں، یہ ارشاد بطور تاکید ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں فلاں مارتا ہے جسے پاتا ہے اور جسے نہیں پاتا۔ الخ

(۸۴) رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں ابن تیمیہ کی اہانت آمیز باتیں

ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۴۰۱/۲۲) میں کہا:

''صلح حدیبیہ، اور بیعت رضوان کے بعد اللہ تعالی نے اپنے نبی سے فرمایا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرٰطًا مُّسْتَقِيمًا ○ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾ [الفتح-۴۲:۳،۲،۱]

ترجمہ:۔''بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح دی، تا کہ خدا آپ کے گزشتہ اور آئندہ گناہوں کو بخش دے، آپ پر اپنی نعمتیں پوری کرے، آپ کو صراط مستقیم کی راہ دکھائے اور آپ کی مکمل معاونت فرمائے''۔

اللہ نے ان آیات میں یہ خبر دی کہ اس نے ایسا اس لیے فرمایا تا کہ آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت دے، جب نبی کا حال یہ ہے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا''۔ الخ

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کا یہ کلام ساقط الاعتبار ہے، اس سے اس کے دل کی عداوت اور اس کے فہم کا سقم اچھی طرح واضح ہے، اس لیے کہ اس کا یہ خیال ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب اللہ تعالی نے آپ کو روشن فتح بخشی اس وقت آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت عطا کی، اس نے أمراض القلوب (۱۲/۱) میں کہا:

''کیوں کہ محض حق جان لینے سے ہدایت حاصل نہیں ہوتی اگر اپنے علم پر عمل پیرا نہ ہو، اسی لیے صلح حدیبیہ کے بعد اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرٰطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ [الفتح-۴۲:۳،۲،۱]

ترجمہ:۔''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ

بخشے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تمہیں سیدھی راہ کی ہدایت دے''۔

میں کہتا ہوں: یہ حد درجہ خطرناک کلام ہے، آخر اس کے اس کلام کا کیا معنی ہے: ''کیوں کہ محض حق کے جان لینے سے ہدایت حاصل نہیں ہوتی اگر اپنے علم پر عمل پیرا نہ ہو''؟ پھر اس سابقہ جملہ پر اس کلام سے استشہاد واستدلال کس لیے ہے: ''اور اسی لیے صلح حدیبیہ کے بعد اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا جس کا ذکر سورہ فتح کی ابتدائی آیت میں ہے: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ﴾ [الفتح-۴۲:۱،۲،۳]

آپ ابن تیمیہ کا کلام خود بغور پڑھیں، اور فیصلہ کریں میں اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔

(۸۵)ابن تیمیہ نے اپنے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ: ''نبی پاک ﷺ تنہا مقام محمود کے مستحق نہیں''

کہیں گے اور نبی اذھبوا إلی غیری
میرے حضور کے لب پر أنا لھا ہوگا

روز قیامت کی حدیث میں ہے کہ تمام انبیا نفسی نفسی کہیں گے مگر رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے: **أنا لھا، أنا لھا** میں اپنی امت کی شفاعت کے لیے ہوں، میں اپنی امت کی شفاعت کے لیے ہوں، ابن تیمیہ نے اس حدیث کا جائزہ لیتے ہوئے دقائق التفسیر (۱۲۱/۲) میں کہا:

'' اور مسیح مقام محمود سے موخر رہے جو محمد ﷺ کی خصوصیت ہے، مقام محمود سے تأخر و دست برداری مسیح کے فضائل میں سے ہے، اور اس سے آپ کو اللہ کا قرب حاصل ہوگا، صلوات اللہ علیہم أجمعین''۔

میں کہتا ہوں: کیا اللہ کے نبی عیسی مقام محمود سے مقدم و موخر ہو سکتے ہیں، یا آپ مقام محمود میں رسول اللہ ﷺ کے شریک ہیں، ابن تیمیہ کا یہ کلام دو حال سے خالی نہیں: یا تو اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے، یا اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ سے دلی کدورت ہے۔

ذرا اس پر بھی نظر فرمائیں ابن تیمیہ نے مقام محمود سے مسیح کے تأخر کی گفتگو کرتے ہوئے اس طرح اشارہ کیا: ''مقام محمود سے تاخر و دست برداری مسیح کے فضائل سے ہے، اس سے آپ کو اللہ کا قرب حاصل ہوگا'' دراصل اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ آپ (عیسیٰ) کا مقدم ہونا ممکن ہے، پھر اس تاخر کے سبب انہیں قرب الٰہی کیوں نہ حاصل ہوگا!!! مجھے نہیں معلوم کیا ابن تیمیہ اللہ عز وجل کے ساتھ ہے، اور اسے یہ معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ کیا فیصلہ فرما رہا ہے یا عنقریب کیا فیصلہ فرمائے گا؟

(۸۶)ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی اس خصوصیت وفضیلت کونہیں مانتا کہ آپ کی نبوت سارے انبیا علیہم السلام کی نبوت پر مقدم ہے

ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی اس خصوصیت کا انکار کرتا ہے کہ آپ کی نبوت آدم سمیت تمام انبیائے کرام پر مقدم ہے، جب کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد".

ترجمہ:۔''میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے''۔

ابن تیمیہ نے حضور کے اس ارشاد مذکور میں معنوی تحریف کی جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نبوت کی ایسی حقیقت سے متصف تھے جس کے فہم وادراک سے عقلیں عاجز وقاصر ہیں، اللہ عزوجل نے آپ کو ایسی خاص کرامت وفضیلت بخشی جس میں کوئی آپ کا شریک نہیں، مگر ابن تیمیہ اس حدیث پاک کے خصوصیت وفضیلت آمیز معنی کو ایسے معانی کی طرف پھیر رہا ہے جن میں آپ کی نہ کوئی خصوصیت ہے نہ فضیلت، جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آرہا ہے، اور حیرت اس پر ہے کہ ابن تیمیہ، اور ابن قیم حقیقت محمدیہ کا انکار کررہے ہیں جب کہ ابن تیمیہ کے بارے میں خود ابن قیم کا قصیدۂ نونیہ میں یہ دعوی ہے:

(۱) فاقرأ تصانيف الإمام حقيقة شيخ الوجود العالم الرباني

(۲) أعني أبا العباس أحمد ذلک البحر المحيط بسائر الخلجان

امام شیخ الوجود عالم ربانی کی تصانیف کا مطالعہ کریں۔

یعنی ابو العباس احمد جو ایسا بحر محیط ہے جس نے ساری خلیجوں کو اپنے سمندر کے احاطہ میں لے رکھا ہے۔

اگر رسول اللہ ﷺ کا کوئی عاشق صادق یہ جملہ آپ کی شان اقدس میں کہے تو ابن تیمیہ کے نیاز بردار فورا بول پڑیں گے کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ یہ تو مبالغہ ہے، جو شرک کی طرف لے جاتا ہے، **لاحول ولا قوة**

إلا بالله العلي العظيم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حقیقت محمد یہ کے اس مسئلہ میں ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبل سمیت تمام ائمہ اسلام کی مخالفت کی، جب کہ امام احمد خود اس کے بھی امام ہیں، عبداللہ بن امام احمد نے اپنے والد سے پوچھا کہ نبی پاک ﷺ کے ارشاد: ''کنتُ أولَ النبیین'' (میں اول الانبیاء ہوں) کا کیا معنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یعنی خلقًا'' کہ اس کا معنی یہ ہے کہ: ''آپ کی نبوت خلقت کے اعتبار سے تمام انبیا سے پہلے ہے'' عنقریب اس کا تفصیلی ذکر آ رہا ہے۔

نبی پاک ﷺ کی اس خصوصیت کے انکار میں ابن تیمیہ نے اس قدر حد سے تجاوز کیا کہ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ آدم جسم وروح کے درمیان تھے اور اس کا یہ معنی نہ لے کہ: ''آپ کا نبی ہونا اس وقت بھی علم الٰہی میں لکھ دیا گیا تھا'' تو ایسا کہنے والا با تفاق مسلمین کافر ہے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ یہ شخص کہاں سے تمام مسلمانوں کا اتفاق ذکر کر رہا ہے، جب کہ حدیث میں آپ کے ارشاد سے یہی معنی صاف واضح ہے کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

'' کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد''.

ترجمہ:۔''میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے''۔

ابن تیمیہ ان ثابت شدہ حدیثوں سے تجاہل کرتا ہے، اور انہیں بالکل ذکر نہیں کرتا جب کہ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ سے یہ پوچھا گیا: ''آپ کب مبعوث ہوئے؟'' اور ''کب نبی بنائے گئے؟'' اور ''کب آپ کو نبوت حاصل ہوئی؟'' اور ''کب نبوت سے سرفراز کیے گئے؟'' کم از کم تین صحابہ کرام سے اس طرح کے سوالات ثابت ہیں جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

ہم عنقریب ابن تیمیہ کے اقوال، اور ان کے خلاف اپنی بحثیں ذکر کریں گے، پھر ان اقوال کے جائزہ، اور ان کے جزئی معارضہ کے بعد اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے اس کا رد کریں گے، اور آپ کی اس خصوصیت کی گراں قدر توضیح کریں گے۔

سب سے پہلے ابن تیمیہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

ابن تیمیہ نے اس مسئلہ کے بارے میں بہت سے مقامات پر اپنے عجائب کا انکشاف کیا ہے، ہم ان میں سے خاص مقامات کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں:

۱۔اس نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۸۲/۸) میں کہا:

''اسی لیے بہت سے لوگوں کو نبی ﷺ کی اس صحیح حدیث میں مغالطہ ہوتا ہے جسے میسرہ نے اس طرح روایت کیا: میں (میسرہ) نے عرض کیا یارسول اللہ! ''آپ کب نبی ہوئے؟'' اور ایک روایت میں ہے: ''کس وقت آپ کا نبی ہونا لکھا گیا؟'' آپ نے فرمایا: ''وآدم بین الروح والجسد'' جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے'' اس حدیث سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ کی ذات اور نبوت اس وقت موجود تھی، حالاں کہ یہ جہالت ہے، کیوں کہ اللہ نے صرف چالیس ۴۰ سال کی عمر میں آپ کو نبوت دی اور آپ سے یہ فرمایا:

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَانَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴾ [يوسف-۱۲:۳]

ترجمہ:۔''ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں، اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی اگر چہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی''۔

اور یہ فرمایا:

﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ [الضحٰی -۹۳:۷] (اور تمہیں ضال پایا تو ہدایت دی۔)

اھـ ابن تیمیہ کا کلام ختم ہوا

ابن تیمیہ نے یہ نہ ذکر کیا کہ یہ بہت سے لوگ علما، یا عوام ہیں؟ اور ان کی دلیل کیا ہے؟ کیوں کہ علمائے مسلمین کا قول یہ ہے کہ نبی پاک اس وقت بھی نبی تھے، جیسا کہ آگے آئے گا، ان اقوال کے جائزہ اور معارضہ کے بعد آپ دیکھیں گے کہ ابن تیمیہ نے علما سمیت تمام حضرات کی تکفیر کی۔

ہم سر دست اس حدیث کے متعلق یہ واضح کریں گے (آپ کو اللہ ہدایت دے) کہ یہ حدیث آٹھ صحابہ

کرام سے مروی ہے صرف تنہا میسرہ ہی اس حدیث کے راوی نہیں۔

(۱) میسرۃالفجر:

عبداللہ بن شقیق نے روایت کیا کہ میسرۃ الفجر نے فرمایا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو کب نبوت ملی؟ فرمایا:

”کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد“[۱]

ترجمہ:۔”میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے“۔

(۲) ابن ابو الجدعاء:

ضیا مقدسی نے مختارہ میں دو روایتیں تخریج کیں، ایک عبداللہ بن شقیق سے، انھوں نے ابن ابوالجد عاء سے روایت کیا کہ ابن ابوالجد عاء نے کہا: ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ، اور دوسری روایت ابن ابوالجد عاء سے مروی ہے خود آپ نے فرمایا: میں نے عرض کیا یارسول اللہ، پھر پوری حدیث ذکر کی۔[۲]

---

(۱) میں کہتا ہوں: یہ حدیث صحیح ہے جسے حاکم نے صحیح کہا، اور ذہبی، حافظ ابن حجر، ھیثمی، اور سیوطی وغیرہم نے اس تصحیح کو برقرار رکھا۔

امام احمد نے اس کی تخریج کی (۵۹/۵) اور بخاری نے تاریخ کبیر میں (۳۷۴/۷ نمبر ۱۶۰۶)، اور حاکم (۶۶۵/۲ نمبر ۴۲۰۹)، اور ابن سعد نے الطبقات الکبری (۶۰/۷)، اور ابن ابوعاصم نے السنۃ (۱۷۹/۱ نمبر ۴۱۰) میں، اور عبداللہ ابن احمد نے السنۃ (۳۹۸/۲ نمبر ۸۶۴) میں، اور خلال نے السنۃ (۱۸۷/۱، ۱۸۸ نمبر ۲۰۰) میں، اور ابن قانع نے معجم الصحابہ (۱۲۹/۳ نمبر ۱۱۰۳) میں، اور ابونعیم نے حلیہ (۵۳/۹)، اور طبرانی نے کبیر (۳۵۳/۲۰ نمبر ۸۳۳، ۸۳۴)، اور دیلمی نے فردوس (۲۸۴/۳ نمبر ۴۸۴۵)، اور حافظ سہمی نے تاریخ جرجان (۳۹۲/۱ نمبر ۶۵۳)، اور رافعی نے التدوین في أخبار قزوین (۲۴۳/۲، ۲۴۴)، اور فریابی نے کتاب القدر (۳۹/۱ نمبر ۱۷)، اور دقاق نے مجلس إملاء في رویة اللہ تبارک وتعالی (۳۹۱/۱ نمبر ۹۰۵) میں ذکر کیا۔

(۲) ضیاء نے الاحادیث المختارۃ (۱۴۲/۹، ۱۴۳ نمبر ۱۲۳، ۱۲۴)، اور ابن سعد نے الطبقات الکبری (۱۴۸/۱) میں اسے روایت کیا اور ضیاء مقدسی نے کہا: یہ حدیث صحیح، طعن سے پاک وصاف ہے، (ملخصا) اور ضیا نے اسے ”کتبت“ اور صاحب طبقات نے ”کنت“ کے لفظ سے روایت کیا۔

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے سوال کرنے والے دوصحابی تھے جن میں سے ایک خود ابن ابوالجد عاء ہیں جب کہ دوسرے راوی وہ بھی ہیں جن سے ابن ابوالجد عاء روایت کررہے ہیں، ممکن ہے کہ دوسرے راوی جن سے ابوالجد عاء راوی ہیں وہ میسرۃ الفجر ہوں یا کوئی اور، مگر ہماری ترجیح جیسا کہ ہم حدیث ابوہریرہ کے تحت بیان کریں گے یہی ہے کہ وہ صحابی میسرہ نہیں، کوئی اور ہیں۔

تنبیه : حسینی نے الإکمال (۱/۴۲۸ نمبر ۸۹۸) میں نقل کیا کہ ابن الفرح نے کہا: میسرۃ الفجر ہی عبداللہ بن ابوالجد عاء ہیں، اور یہ صحیح نہیں اس لیے کہ امام بخاری، امام مسلم، ابن ابوحاتم، ابن حبان، ابن عبدالبر، اور ابن حجر نے الاصابۃ وغیرہ میں میسرۃ الفجر، اور ابن ابوالجد عاء کے حالات الگ الگ ذکر کیے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک دونوں ایک نہیں، بلکہ دو فرد ہیں، امام مسلم نے کتاب **المنفردات والوحدان** (۱/۴۴-۴۵) میں ان راویان حدیث کی تحدید وتوضیح فرمادی ہے جن کی روایت حدیث میں کبھی غلط یاظن واقع ہوتا ہے، ان حضرات نے صاف تصریح کردی ہے: عبداللہ بن ابوالجد عاء، عبداللہ بن ابوالحمساء، اور میسرۃ الفجر سے صرف عبداللہ بن شقیق نے روایت کیا الخ **بحروفه.**

حافظ خلیفہ بن خیاط نے الطبقات (۱/۵۹) میں ایسا ہی کہا: عبداللہ بن ابوالجد عاء، عبداللہ ابن ابوالحمساء، اور میسرۃ الفجر نے یہ حدیث روایت کی: متی کنت نبیا ''آپ کب نبی ہوئے'' ان حضرات سے عبداللہ بن شقیق نے روایت کیا، اور یہ اضافہ کیا کہ تینوں بنوعامر سے ہیں، اھ اس سے بحمداللہ تعالی یہ ثابت ہوا کہ دونوں دوصحابی ہیں۔

(۳) صحابہ میں سے ایک شخص (ایک صحابی) نے روایت کیا:

عبداللہ بن شقیق نے ایک صحابی سے روایت کی پھر گزشتہ حدیث ذکر کی مگر انھوں نے یہ الفاظ کہے: ''**متی جعلت نبیا** ''آپ کب نبی بنائے گئے؟[1]۔ اور ابن ابوعاصم نے ''**السنة اور الاحادو المثاني**'' میں صرف اس لفظ سے روایت کیا: ''**متی بعثت** ''آپ کب نبی بنا کر بھیجے گئے؟ اور البانی نے اسی آخری لفظ کے

(۱) ابن ابوشیبہ (۷/۳۲۹ نمبر ۳۶۵۵۳)، امام احمد (۴/۶۶، ۵/۵۹، ۳۷۹ نمبر ۲۳۲۶۰)، ابن ابوعاصم نے الاحاد والمثانی (۵/۳۴۷ نمبر ۲۹۱۸) اور السنۃ (۱/۱۷۹ نمبر ۴۱۱)، اور ابن سعد (۱/۱۴۸)، اور رویانی (۲/۴۹۶ نمبر ۱۵۲۷) نے تخریج کیا، یہ حدیث صحیح ہے، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۲۲۳) میں کہا: احمد کی اسناد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ساتھ اس کی تصحیح کی۔

(ہمیں اور آپ کو اللہ ہدایت پر قائم رکھے) ذرا اس روایت: "**متی بعثت**" اور "**متی جعلت**" کو دیکھیں! کیا اس روایت سے صرف یہ انکشاف ہوتا ہے کہ آپ صرف علم الٰہی میں نبی تھے، یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی منکشف ہوتا ہے جس سے آپ کی شرافت وکرامت اور خصوصیت ظاہر ہوتی ہے، یعنی آپ نبی تھے، نبی بنا دیے گئے تھے اور نبی بن کر مبعوث ہو چکے تھے، اور اس معنی کی تقدیر پر آپ کی نبوت ایسی حقیقت سے متصف ہے کہ عقل وفہم اس کے ادراک سے قاصر ہیں؟ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ایسے دلائل پیش کریں گے جن سے یہی انکشاف ہوتا ہے۔

رہا یہ کون سے صحابی ہیں تو ہمارے نزدیک یہی راجح ہے کہ یہ ابن ابوالحمساء ہیں جو ایک تیسرے راوی ہیں ان سے صرف عبداللہ بن شقیق نے روایت کیا جیسا کہ امام مسلم، اور امام خلیفہ بن خیاط نے بیان کیا، اور مزید یہ بھی کہ یہ تینوں قبیلۂ بنو عامر سے ہیں، ان تینوں حضرات نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ سے سوال کیا، ان تینوں میں سے ایک نے یہ کہا: "**متی کنت نبیا**" (نبوت آپ کو کب ملی؟) تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "**کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد**"

(میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے) دوسرے صحابی نے آپ سے یہ سوال کیا: "**متی بعثت**" آپ کب نبی بنا کر بھیجے گئے؟ اور تیسرے صحابی نے پوچھا: "**متی جُعِلْت**" آپ کب نبی بنائے گئے؟۔ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت اور آپ کی بارگاہ کی ہیبت جلال کے لحاظ سے مختلف قسم کے تاکیدی سوالات کیے گئے۔

پھر اس مقام پر میرے ذہن میں ایک نکتہ یہ آ رہا ہے کہ ابن ابوالجدعاء کی روایت میں ہے کہ خود آپ نے ایک مرتبہ اس طرح سوال کیا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور ایک مرتبہ یہ کہا: ایک شخص نے کہا، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ راوی ایک چوتھے صحابی ہیں اس لیے کہ ان کا نام مذکور نہیں، اور گزشتہ تینوں صحابیوں کے بارے میں ہم یہ ثابت کر چکے کہ وہ قبیلہ بنو عامر سے تھے جو بصرہ کے اعرابی تھے اور ان تینوں سے صرف عبداللہ بن شقیق ہی نے

روایت کیا، اس سے اس بات کی ترجیح ہوتی ہے کہ یہ حضرات عموماً ایک دوسرے کے ساتھ آئے۔ احادیث کے سیاق سے یہی راجح ہے۔ اور الفاظ کی کثرت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے، اس لیے کہ کسی کی روایت میں ''کنت'' کسی میں ''کتبت''، کسی میں ''بعثت''، کسی میں ''جعلت''، کسی میں ''وجبت'' آیا ہے، ابوہریرہ کی حدیث میں ''استنبئت'' ہے جسے عامر شعبی نے مرسلاً روایت کیا، ان روایتوں میں اس درجہ اختلاف، اوران کے الفاظ میں غایت تباین کے باوجود ائمہ محدثین نے یہ طعن نہ کیا کہ یہ روایتیں مضطرب ہیں، یا ان میں کوئی راوی سیئ الحافظہ ہے۔

تنبیه: ابن تیمیہ نے ان مروی الفاظ: ''متی بعثت، جعلت، استنبئت'' کو ایک بار بھی ذکر نہ کیا، اگر ان روایات کی سندیں ضعیف ہوتیں تو ساری دنیا سر پر اٹھالیتا اور کسی کو چین سے نہ رہنے دیتا۔ آخر ابن تیمیہ ان مروی الفاظ سے کیوں مکمل تجاہل کر رہا ہے، اس سے آگاہ رہنا چاہئے۔

(۴) ابوھریرہ:

ابوسلمہ سے مروی ہے کہ ابوہریرہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ''**متی وجبت لک النبوة**'' آپ کی نبوت کب واجب ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا: ''**بین خلق اٰدم و نفخ الروح فیه**'' یعنی آدم کی آفرینش اوران (کے جسد خاکی) میں روح پھونکنے کے درمیان''۔(۱)

اس حدیث میں حسب ذیل اہم نکتے ہیں:

(۱) سارے راویوں نے ابوہریرہ سے اسی لفظ: ''**متی وجبت**'' سے روایت کیا یعنی آپ کی نبوت کب واجب ہوئی؟ نہ تو میسرہ کی حدیث میں یہ لفظ ہے، اور نہ ہی ابن ابوالجدعاء کی حدیث میں، اکثر روایتوں میں ''کنت'' اور دوسری روایتوں میں ''کتبت'' کا لفظ ہے، عبداللہ بن شقیق کی حدیث جسے

(۱) د: ترمذی نے اس کو روایت کیا (۵/۵۸۵ نمبر ۳۶۰۹) اور یہ کہا: حسن صحیح غریب ہے، اور ابن حبان نے الثقات (۱/۴۷)، حاکم نے مستدرک (۲/۶۶۵ نمبر ۴۲۱۰)، ابونعیم نے دلائل النبوۃ (۱/۴۸ نمبر ۸)، لالکائی نے اعتقاد اہل السنۃ (۴/۷۵۳) خطیب نے تاریخ بغداد (۳/۷۰ نمبر ۱۰۳۲، ۵/۸۲ نمبر ۲۴۷۲، ۱۰/۱۴۶ نمبر ۵۲۹۲) اور فریابی نے کتاب القدر (۱/۳۸ نمبر ۱۵) میں اس کو روایت کیا۔

انھوں نے ایک صحابی سے روایت کیا اس میں بھی " وجبت" کا لفظ نہیں بلکہ "بعثت، جعلت، کنت" کے الفاظ ہیں۔

(۲) سید الخلق ﷺ نے اس حدیث میں جو جواب ارشاد فرمایا وہ میسرۃ الفجر، ابن ابوالجدعاء یا دوسرے صحابی کے جوابات سے بالکلیہ مختلف ہے کیوں کہ اس حدیث صحیح میں یہ فرمایا:" **بین خلق اٰدم ونفخ الروح فیه**" یعنی آدم کی آفرینش اور ان (کے پتلہ) میں روح پھونکنے کے درمیان" ابن حبان، حاکم، ابونعیم، لالکائی، خطیب، اور فریابی نے اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا، البتہ امام ترمذی نے اس طرح روایت کیا: " **بین الروح والجسد**" یعنی جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اور یہ سابقہ جملہ صرف ابوہریرہ کی روایت میں ہے، ان دونوں حدیثوں کے لفظ اور معنی میں کافی بعد ہے۔ ابن تیمیہ نے باقی جن حدیثوں اور روایتوں کو ذکر نہ کیا ان کے جائزہ کے وقت ہم ان شاء اللہ تعالی اس کی توضیح کریں گے۔

(۳) ابوہریرہ کی اس حدیث صحیح میں "وجبت" کا لفظ وارد ہے جس پر تمام راویوں کا اتفاق ہے، اس لفظ "وجبت" کے درمیان اور نبی پاک ﷺ کے اس جواب (جو میسرۃ الفجر، ابن ابوالجدعاء، یا کسی دوسرے صحابی کے گزشتہ جوابات سے بالکلیہ مختلف ہے) کے درمیان باہم ربط و تعلق ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابن ابوالجدعاء کی حدیث کے صحابی ایک چوتھے شخص ہیں جو ان تینوں صحابیوں کے علاوہ ہیں جن سے عبداللہ بن شقیق نے روایت کیا، بالخصوص ابوہریرہ کی حدیث کی سند کے راویوں میں ان لوگوں کی حدیثوں کی سند کا کوئی بھی راوی موجود نہیں۔

(۵) ابن عباس سے[۱]

(۶) ابی بن کعب سے[۲]

(۱) ابن عباس کی حدیث طبرانی نے اوسط (۲۷۲/۴ نمبر ۴۱۷۵)، اور کبیر (۹۲/۱۲ نمبر ۱۲۵۷۱، ۱۱۹/۱۲ نمبر ۱۲۶۴۶) میں روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۳/۸) میں کہا: اس حدیث میں جابر بن یزید جعفی ضعیف ہیں۔

(۲) ابی بن کعب کی حدیث ابن قانع نے معجم الصحابۃ (۴۳۷/۱) میں تخریج کی۔

(۷) عمر بن خطاب سے (یہ حدیث مرسل ہے)[۱]

(۸) مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے (یہ حدث مرسل ہے)[۲]

اوراس کے الفاظ یہ ہیں مطرف بن عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: "متى كنت نبيا" آپ کب نبی ہوئے؟ فرمایا: " وآدم بين الروح والطين" "جب آدم روح وگل کے درمیان تھے" صرف اسی روایت میں یہ لفظ ہے: "بين الروح والطين" جب آدم روح اور مٹی کے درمیان تھے۔

(۹) عامر شعبی سے مرسلا مروی روایت میں یہ لفظ ہے: " استنبئت"۔

مسند امام احمد میں عرباض بن ساریہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: " إني عندالله مكتوب خاتم النبيين، وإن آدم لمنجدل في طينته، وسأنبئكم بأول أمري، أنادعوة أبي إبراهيم وبشرى عيسى، ورويا أمي، رأت حين ولدتني أنه خرج منهانور أضاء ت له قصور الشام" بےشک میرا خاتم النبیین ہونا اس وقت لکھا ہوا تھا جب کہ آدم کا پتلہ بنایا جارہا تھا، ابھی اس میں روح نہ پھونکی گئی تھی، اور میں تمہیں اپنے آغاز امر کی خبر دیتا ہوں، میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا، عیسی کی بشارت، اوراپنی ماں کا خواب ہوں، میری ماں نے میری ولادت کے وقت یہ دیکھا کہ ان سے ایک روشنی نمودار ہوئی جس سے شام کے محل نظر آئے"۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح (۳۸۱/۳-۳۸۲) میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہا:

> "آپ نے یہ خبر دی کہ آپ اس وقت نبی تھے جب کہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے، اور اللہ کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین لکھے ہوئے تھے جب کہ آدم کا پتلہ بنایا جارہا تھا، اس حدیث سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اللہ نے آپ کا نبی ہونا لکھ دیا تھا، اوراس نبوت کو ظاہر

(۱) سیوطی نے الخصائص الکبری میں عمر بن خطاب کی حدیث کو ابونعیم کی طرف منسوب کیا اور یہ حدیث مرسل ہے، صنابحی کا عمر سے لقا ثابت نہیں۔

(۲) مطرف بن عبداللہ کی حدیث، اور عامر بن شعبی کی مرسل حدیث ابن سعد نے الطبقات الکبری (۱۴۸/۱) میں روایت کیا۔

فرمادیا تھا،اورآپ کا نام ذکر کردیا تھا،اسی لیے آدم کا جسم پیدا کرنے اوراس جسم میں روح ڈالنے کے بعداس وقت ہی ان ساری چیزوں کوفرمادیا۔یہ ایسے ہی ہے جیسے پیدا ہونے والے کا جسم پیدا کرنے ،اوراس جسم میں روح ڈالنے سے پہلے ہی اس کا رزق،اس کی موت کا مقررہ وقت ،اس کا عمل،اوراس کا شقی وسعید ہونا لکھ دیا جاتا ہے۔اورمسیح علیہ السلام کے بارے میں قائل نے جوکچھ کہااس کا بھی یہی معنی ہے،اور یہ سب کچھ دنیا بننے سے پہلے ہوا کیوں کہ دنیا بننے سے پہلے یہ سب کچھ لکھ دیا گیا تھااوراس کا ذکر کردیا گیا تھا''۔اھ

ابن تیمیہ نے یہ کہا:(آپ نے یہ خبردی کہ آپ نبی تھے،اورآپ کا نبی ہونا لکھ دیا گیا تھا) میں کہتا ہوں: تونے ٹھیک کہا،اورکاش لفظ نبی کے پاس ٹھہر کراپنی زبان سے یہ کہتا: آپ نبی تھےاورآپ کا نبی ہونا لکھ دیا گیا تھا۔ ہرشخص جانتا ہے کہ منطوق مفہوم پر راجح اورمقدم ہوتا ہے، خاص کرعقائدنبوت اوران امور کے باب میں جو سمعیات سے ہیں، یہ اصولیین کے مقررہ اصول سے ہے۔

عرباض بن ساریہ کی حدیث میں نبی پاک ﷺ نے یہ نہ فرمایا:''میرا نبی ہونا صرف اسی وقت لکھا گیا جب کہ آدم کا پتلہ بنایا جارہا تھا''اورنہ یہ فرمایا:''اس وقت میرا نبی ہونا لکھ دیا گیا تھا'' بلکہ ''لمکتوب''(ضرورلکھا ہوا تھا) فرمایا جس پرلام تاکید داخل ہےاورکلمہ ''مکتوب''،کا مقتضی یہ ہے کہ کتابت دوسرے واقعہ کے ظہور سے پہلے ہواوردوسراواقعہ آدم کا پتلہ بنایا جانا ہے۔

اورعرباض کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کا نبی ہونااس وقت لکھ دیا گیا تھا جب کہ آدم خاک کے منازل طے فرمارہے تھے،اس حدیث میں کوئی ایسی چیزنہیں جواس حدیث کے مخالف ومعارض ہو جس میں یہ فرمایا گیا:''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد''''میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے،اس لیے کہ آپ جب نبی ہوں گے آپ کا نبی ہونا اللہ کے یہاں مکتوب(لکھا ہوا)ہوگا،جیسا کہ آپ کہتے ہیں میں نمازی ہوں تواس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ آپ نے نمازادا کی اور بلاشبہ لوح محفوظ میں آپ کی یہ نماز لکھی ہوئی ہے،تو پھر کیا وجہ ہے کہ ''کنت نبیا''کا معنی صرف ''کتبت نبیا'' ہی ہو جب کہ آپ کا نبی ہونا اس

بات کو مستلزم ہے کہ آپ کا نبی ہونا مکتوب بھی ہے۔اس مقام پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ روایتوں میں یہ تصریح آئی ہوئی ہے: ''متی کتبت'' (آپ کا نبی ہونا کب لکھا گیا) ہم کہیں گے ٹھیک ہے اس کی تصریح ہے، ہمیں اس تصریح سے انکار نہیں لیکن کم از کم تین [3] صحابہ کرام نے حضور سے جو سوالات کیے ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا، ان حضرات نے سرکار سے عرض کیا:''متی بعثت،متی جعلت،متی استنبئت،متی وجبت'' ''آپ کب نبی بنا کر مبعوث کیے گئے؟ آپ کب نبی بنائے گئے؟ آپ کو کب نبوت عطا کی گئی؟ آپ کی نبوت کب واجب ہوئی؟'' ان صحابہ کرام کے سوالات کا یہی معنی ہے کہ آپ اس وقت نبی تھے،اور آپ کے رب نے آپ کو نبی بنا دیا،اور آپ کو مبعوث فرمایا،آپ کی نبوت واجب ہو چکی تھی ،اور آپ کا نبی ہونا لکھ دیا گیا تھا،ان سب میں کوئی تعارض نہیں بلکہ جس صحابی نے جس لفظ سے سوال کیا حضور اقدس نے بعینہ اس لفظ کو برقرار رکھا،جب کہ بوقت حاجت بیان میں تاخیر جائز نہیں۔

اور اگر ان صحابہ کرام کے سوالات غلط ہوتے تو حضور ضرور ان سے یہ بیان فرما دیتے کہ یہ سوال صحیح نہیں، بلکہ غلط ہے اس طرح سوال کرو۔

اگر کوئی یہ کہے کہ کسی صحابی نے سوال ہی نہ کیا تو ہم اس کے سامنے گزشتہ تخریج کردہ حدیثیں پیش کریں گے،اور اگر کوئی یہ کہے کہ راویوں اور احادیث تخریج کرنے والوں سے غلط واقع ہو گیا تو ہم کہیں گے کہ یہ محض دعوی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ درحقیقت تین شیطانی گروہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے **ایک** مستشرقین کا گروہ جو احادیث نبویہ میں شک کو راہ دیتا ہے،دوسرا جو صرف قرآن ہی سے استدلال کرتا ہے،اور حدیث سے استدلال نہیں کرتا اور یہ کہتا ہے کہ یہ حدیثیں چھوڑیے کیوں کہ ان میں خطا اور غلطی ہے،اگر تم اس کے رد میں یہ کہو: علمائے جرح وتعدیل اور ناقدین حدیث نے خلط کے مقامات ،محدثین کے اوہام واغلاط اور سند ومتن کے اعتبار سے مضطرب حدیثوں کو بیان فرما دیا ہے تو ہم کہیں گے کہ آپ نے خود ہی اپنا رد کر دیا والحمدللہ۔علمائے محدثین نے ان احادیث میں سے کسی حدیث کو ضعیف یا وہن (کمزور) نہ کہا،دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی متعدد روایتیں ہیں،جن کے مختلف الفاظ ہیں تو پھر تمہیں خلط کا حکم لگانے کا کیا حق ہے؟

کیا صرف اس بنا پر اس پر غلط کا حکم لگا رہے ہو کہ منکرین کی خواہش نفس کے خلاف ہے۔

شیطان کا **تیسرا** گروہ وہ ہے جو دین کو اپنی خواہش ورائے کے مطابق اخذ کرنا چاہتا ہے، اس مقام پر ایک **چوتھا** فرقہ ہے جسے ہم نے ذکر نہ کیا اسے رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی نہیں، ہمارے نزدیک ان گروہوں کی کوئی حیثیت نہیں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرہ-۲:۱۳۷]

ترجمہ:۔''تو اے محبوب عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی ہے سنتا جانتا''۔

رہ گیا ابن تیمیہ کا یہ کہنا:''ان احادیث سے حضور کی مراد یہ ہے کہ اس وقت اللہ نے آپ کی نبوت لکھ دی تھی، اور اسے ظاہر فرمادیا تھا اور آپ کا نام ذکر کردیا تھا، اسی لیے آدم کا جسد خاکی پیدا کرنے، اور اس میں روح ڈالنے کے بعد اس وقت ہی ان ساری چیزوں کو فرمادیا''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کے اس کلام میں چند امور قابل غور ہیں:

پہلا امر: کس نے یہ بتایا کہ نبی پاک ﷺ کی مراد صرف یہی ہے؟ آخر نبی پاک ﷺ کی مراد صرف اپنے اپنے فہم کے اعتبار سے کیوں خاص کیا جارہا ہے؟ سنیے! ایک ہے کسی انسان کا نبی پاک ﷺ کے خصائص وکمالات کا جاننا، اور دوسرا ہے اللہ عزوجل کا اپنے رسول اعظم ﷺ کو خصوصیات وکمالات عطا فرمانا جس پر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی، ان دونوں میں کافی فرق ہے۔

جس وقت رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہی سے آگے کے مراحل طے فرمائے اس وقت کہاں انسان تھے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں بے جا جرأت وجسارت کرنے والے کہاں تھے؟

دوسرا امر: یہ ہے کہ ہماری شریعت میں یہ مذکور نہیں کہ دنیا موجود ہونے سے پہلے مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر تھا، اگر تم یہ کہو: لوح محفوظ، یا علم غیب میں تقدیراً آپ کا ذکر لکھا ہوا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے: اس طرح تو سارے انبیا بلکہ ساری تقدیریں لوح محفوظ یا اللہ عزوجل کے علم میں لکھی

ہوئی تھیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

'' **كتب الله مقادير الخلائق قبل أن يخلق السماوات والأرض بخمسين ألف سنة** ''

''اللہ تعالی نے آسمان وزمین پیدا فرمانے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں''پھر جس ذات پاک کی شان یہ ہے کہ وہ خواہش نفس سے کچھ نہیں فرماتے ان کے ارشاد: '' **كنت نبيا** '' (یعنی میں نبی تھا) کا کیا معنی ہے؟ اور پھر آپ سے یہ بھی پوچھا گیا کہ آپ کب مبعوث ہوئے؟ آپ کب نبی بنائے گئے؟ کب آپ کو نبوت ملی؟ آپ کو کب نبوت سے سرفراز فرمایا گیا؟ آپ کا نبی ہونا کب لکھا گیا؟ آپ کی نبوت کب واجب ہوئی؟

اگر تم یہ کہو کہ اسی طرح عیسی علیہ السلام بھی لکھے ہوئے تھے تو ہم کہیں گے کہ تمہارے اس قول پر لازم آئے گا کہ حضور کے اس ارشاد: ''میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے'' میں حضور کی کوئی خصوصیت نہ ہو، تو سوچو تو ذرا! نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک صفت خاص کا انکار تمہیں ہلاکت کے کس گڑھے میں گرا رہا ہے جب کہ معاملہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے آپ کی خصوصیت قرار دی ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ ایک خصوصیت ہے، تو یہ خود تمہارے دعوی کے مناقض ہے۔

پھر اس میں تمہارا کیا نقصان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حقیقت یا فضیلت وخصوصیت ایسی ہو جس کی حقیقت وکنہ ہمیں معلوم نہ ہو لیکن یہ معلوم ہو کہ یہ آپ کی صفت ہے؟ مجھے اس پر سخت حیرت ہے کہ تم اور تمہارے اصحاب، رسول اللہ ﷺ کی تعریف وتوصیف سے روکتے ہیں، اور اس کے برعکس تمہارے نیاز بردار خود تمہارے بارے میں اس درجہ غلو وافراط کرتے ہیں کہ تمہیں شیخ الوجود اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں، تمہارے خاص نیاز بردار ابن قیم کا کیا کہنا ان کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔

تیسرا امر:

'' **كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد** '' ''یعنی میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے'' یہ وہی مرحلہ یا وہی وقت ہے جس میں آدم کا ابھی جسد خاکی بنایا گیا مگر اس میں روح نہ ڈالی گئی، یہ

دوالگ الگ زمانے ہیں جو باہم ایک دوسرے کے لیے لازم نہیں، نہ ان دونوں میں موافقت ومطابقت ہے جیسا کہ چندسطروں کے بعد ہم اس پرمکمل روشنی ڈالیں گے۔

چوتھا امر:

حدیث میں ہے: ''میں اس وقت نبی تھا'' جس کا معنی یہ ہے کہ میرا نبی ہونا اس وقت لکھ دیا گیا تھا جب کہ آدم کا ابھی جسد خاکی بنا تھا مگر اس میں روح ڈالی نہ گئی تھی، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ پیدا ہونے والے انسان کا رزق اور اس کی موت کا وقت اور اس کا شقی وسعید ہونا اس وقت لکھ دیا جاتا ہے جب کہ اس کا جسد خاکی بنا کر ابھی اس میں روح ڈالی نہ گئی۔

میں کہتا ہوں: معاندین کا یہ ایک باطل قیاس ہے کیوں کہ مولود کے لیے خود اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے نہ کہ کسی دوسرے مولود کا، اور اس حدیث میں نبی پاک ﷺ کی نبوت کے واجب ہونے اور آپ کے مبعوث، اور موجود ہونے کی خبر ہے، نہ کہ حضرت آدم کی نبوت کی خبر ہے۔

۳۔ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ نبی پاک کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ: اللہ نے آپ کا نبی ہونا لکھ دیا تھا، اور اپنے اس مکتوب کو ملائکہ پرصرف اسی وقت ظاہر کیا جب کہ آدم کا جسد خاکی تو پیدا فرمادیا مگر اس میں روح ڈالنا باقی تھا۔ابن تیمیہ نے اپنے اس دعوی کے اثبات کے لیے مجموع الفتاوی (۱۲/۷ ۳۸) میں یہ بھی کہا:

> ''اللہ تعالی نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمانے کے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں، اور اس تقدیر کو ابھی ملائکہ پر ظاہر نہ فرمایا، اور جب آدم کا جسد خاکی پیدا فرمایا اور ابھی اس میں روح نہ ڈالی گئی تھی اللہ نے اپنے ملائکہ پر اپنی اس تقدیر کو ظاہر فرمایا''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''اللہ نے ملائکہ پر اپنی اس تقدیر کو ابھی ظاہر نہ فرمایا، اور جب آدم کو پیدا فرمایا اور آپ کے جسم میں ابھی روح نہ ڈالی گئی تھی ملائکہ پر اپنی اس تقدیر کو ظاہر فرمایا'' یہ محض اس کا دعوی اور ظن ہے جس پر

قرآن وسنت اوراقوال صحابہ میں سے کسی صحابی کے قول سے کوئی دلیل نہیں ملتی، اور ہمارے علم میں کسی نے ایسا نہ کہا، اور مجھے معلوم نہیں کہ ابن تیمیہ ان درج ذیل مفروضات پر کیوں مجبور ہوا:

پہلا مفروضہ: یہ ہے کہ ''کنت نبیا'' کا معنی یہ ہے کہ میرا نبی ہونا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا تھا۔

دوسرا مفروضہ: یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے ام الکتاب میں آپ کا نبی ہونا مکتوب ومقدر فرمادیا اور آدم کا جسد خاکی پیدا فرمانے کے بعد ہی ملائکہ پر اس تقدیر کو ظاہر فرمایا۔

تیسرا مفروضہ: یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ملائکہ وآدم کو نبی پاک ﷺ کے متعلق خبر دینے کا ارادہ فرمایا، اور یہ اللہ اور اس کی محبوب ترین مخلوق کے درمیان کوئی خصوصیت نہیں، جب کہ یہ خصوصیت آدم اور ملائکہ کو حاصل تھی اور ان سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھی جسے نبی پاک ﷺ نے خود ہی بیان فرمایا جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ آپ جس وقت زیر عرش رب عزوجل کے حضور سربسجود ہوں گے، اور آپ کی امت آپ سے فریاد کرے گی تو آپ فرمائیں گے: ''أنا لها'' میں اپنی امت کا غم خوار وغم گسار اور اس کا شفیع ہوں۔

چوتھا مفروضہ: یہ ہے کہ آدم کو پیدا فرما کر آپ کے جسم میں روح ڈالنے سے پہلے ہی اللہ عزوجل نے یہ ظاہر فرمادیا کہ آپ کا نام لکھ دیا ہے۔

ہم ابن تیمیہ سے کہتے ہیں:

ان حدیثوں میں سرے سے ملائکہ کا ذکر ہی نہیں تو پھر کیوں ملائکہ کی رٹ لگا رہا ہے؟ کیا آدم کی تخلیق سے پہلے آپ کا نام لکھنا اللہ عزوجل کی ذات پاک سے مستبعد ہے؟ اب تک تو وہ یہ کہہ رہا تھا کہ: ''کنت'' ''کتبت'' کے معنی میں ہے اور اب آدم کی تخلیق سے پہلے آپ کا نام لکھنے ہی کا انکار کر رہا ہے۔

سبحان اللہ العظیم ﴿أَ شَهِدُوْا خَلْقَهُمْ﴾ [الزخرف-۴۳:۱۹] کیا ان کے بناتے وقت یہ حاضر تھے۔

کیا آدم کی تخلیق سے پہلے ملائکہ کا آپ کو جاننا مستبعد ہے؟ آخر یہ تحدید وتنقیص کیوں کی کہ ملائکہ نے آپ کو اسی وقت جانا جب آدم کو پیدا فرمایا مگر آپ کے جسم میں ابھی روح نہ ڈالی گئی تھی یہ ابن تیمیہ کی بے دلیل بات ہے بلکہ دلیل اس کے خلاف قائم ہے، خود ابن تیمیہ نے یہ حدیث شریف ذکر کی جس میں یہ ہے:

" إن الله لماخلق الأرض واستوى إلى السماء فسواهن سبع سمٰوات وخلق العرش، كتب على ساق العرش محمد رسول الله خاتم الأنبياء ".

ترجمہ:۔"بے شک جب اللہ نے زمین کو پیدا فرمایا،اور آسمان کی طرف استوا فرمایا،تو انہیں سات آسمان بنائے، اور عرش کو پیدا فرمایا،ساق عرش پر یہ لکھا کہ محمد اللہ کے رسول خاتم الانبیا(آخری نبی) ہیں"۔

یہ اس کے بھی خلاف ہے جو حدیث شریف میں وارد ہے:

" إني عندالله في أم الكتاب لخاتم النبيين، وإن اٰدم لمنجدل في طينته. "

ترجمہ:۔"بے شک میں اللہ کے نزدیک ام الکتاب میں اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ آدم کا جسد خاکی تیار کیا جا رہا تھا"۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ام الکتاب ملائکہ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں، جب اللہ عزوجل نے فرشتوں کو یہ حکم فرمایا کہ آدم کو سجدہ کریں تو انھوں نے اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں عرض کیا:

﴿أَ تَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ [البقرہ-۲:۳۰]

ترجمہ:۔"کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خون ریزیاں کرے"۔

کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں کہ ساق عرش، یا لوح محفوظ ملائکہ کی نظروں سے اوجھل ہیں۔

۴۔حضور اقدس ﷺ کے ارشاد:" كنت نبيا واٰدم بين الروح الجسد" (میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے) کا دوسرا معنی اختراع کرنے کے لیے ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا:

"اور یہ مروی ہے کہ اللہ نے عرش اور جنت کے دروازوں،قبوں،اور پتوں پر آپ کا نام لکھ دیا تھا،اس سلسلے میں متعدد آثار مروی ہیں جو ان ثابت شدہ حدیثوں کے موافق ہیں جن سے آپ کے نام کی رفعت اور ذکر کی بلندی آشکارا ہوتی ہے، وہ حدیث لفظ بلفظ گزر چکی جو مسند امام احمد میں میسرۃ الفجر سے مروی ہے کہ آپ (ﷺ) سے پوچھا گیا آپ کب نبی

ہوئے تو فرمایا: ''جب کہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے''۔ ابوالحسین بن بشران نے بطریق شیخ ابوالفرج بن جوزی ''الوفاء بفضائل المصطفیٰ'' میں ذکر کیا کہ ہم سے ابوجعفر محمد بن عمرو نے بیان کیا، ہم سے احمد بن اسحاق بن صالح نے بیان کیا، ہم سے محمد بن صالح نے بیان کیا، ہم سے محمد بن سنان عوفی نے بیان کیا، ہم سے ابراہیم بن طہمان نے بیان کیا کہ یزید بن میسرہ نے بروایت عبداللہ بن سفیان میسرہ سے روایت کیا، میسرہ نے فرمایا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کب نبی ہوئے؟ فرمایا: ''جب اللہ نے زمین کو پیدا فرمایا، اور آسمان کی طرف استوا فرما کر انہیں سات آسمان بنایا اور عرش پیدا کیا، تو ساق عرش پر لکھا: ''محمد اللہ کے رسول خاتم الانبیاء ہیں''، اور اللہ نے جنت بنائی جس میں آدم وحوا کو بسایا تو اس کے دروازوں، پتوں، قبوں اور خیموں پر میرا نام اس وقت لکھ دیا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حیات عطا کی تو عرش پر آپ کی نظر پڑی تو میرا نام لکھا ہوا دیکھا، تو اللہ نے آپ کو خبر دی کہ یہ تمہاری اولاد کے سردار ہیں، پھر جب شیطان نے آدم وحوا کو بہکایا، تو ان دونوں نے توبہ کیا، اور اللہ کے حضور میرے نام کے وسیلہ سے شفاعت طلب کی'' اور حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں روایت کیا اور شیخ ابوالفرج نے فرمایا: ہم سے سلیمان بن احمد نے بیان کیا، ہم سے احمد بن رشدین نے بیان کیا، ہم سے احمد بن سعید فہری نے بیان کیا، ہم سے عبداللہ بن اسماعیل مدنی نے بیان کیا، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے روایت کیا کہ ان کے والد نے بیان فرمایا کہ: عمر بن خطاب نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدم سے لغزش ہوئی تو آپ نے اپنا سر اٹھا کر عرض کیا: اے رب! محمد کے وسیلہ سے تو مجھے معاف فرما، تو آپ کے پاس وحی آئی محمد کیا ہیں، اور محمد کون ہیں؟ تو عرض کیا اے رب! جب تو نے میری خلقت کو مکمل فرمایا، میں نے تیرے عرش کی طرف اپنا سر اٹھایا تو اچانک اس پر لکھا ہوا تھا: ''لاإلـه إلا الـلّـه محمدرسول اللّٰه''، جس

سے میں نے جان لیا کہ یہ تیری بارگاہ میں تیری ساری مخلوق سے زیادہ مکرم ہیں، اس لیے کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہے، تو فرمایا ہاں میں نے تمہیں معاف فرمایا، اور وہ تمہاری اولاد میں سب سے آخری نبی ہیں، اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ فرماتا۔'' اس حدیث سے گزشتہ حدیث کی تائید ہوتی ہے، اور یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ کی تفسیر کی طرح ہیں''۔ الخ (مجموع الفتاوی ۱۵۰/۲،۱۵۱)

میں کہتا ہوں:

حضوراقدس کے اسم شریف لکھنے کی نہ تو اس حدیث شریف میں مخالفت ہے اور نہ ہی نبی پاک ﷺ کی اس خصوصیت کا انکار ہے کہ آپ اس وقت نبی تھے جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے، یہ ایک خصوصیت ہے، اور وہ ایک دوسری خصوصیت ہے۔

ابن تیمیہ کی ذکر کردہ دونوں حدیثوں میں چند نقطے ہیں جن کی طرف ابن تیمیہ نے اشارہ نہ کیا:

پہلا نقطہ:

نبی پاک ﷺ کا نام پاک چند بار (کم از کم دو مرتبہ) لکھا گیا، ایک مرتبہ عرش پیدا فرمانے کے بعد، اور دوسری مرتبہ جب اللہ عزوجل نے جنت کو پیدا فرمایا، آپ کا نام جنت کے دروازوں، پتوں، قبوں اور خیموں پر لکھا ہوا تھا، یہی حدیث کا منطوق ومفہوم ہے۔

دوسرا نقطہ:

عرش مخلوق ہے، اور ابن تیمیہ اس کا قائل نہیں کہ عرش مخلوق ہے یہاں تک کہ اس نے ابن حزم ظاہری کا اس وقت رد کیا جب اس نے مسلمانوں کا یہ اجماع نقل کیا کہ اللہ تھا، اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۴۱۰/۱۳) میں کہا:

حضوراقدس کا ارشاد: ''كان الله ولم يكن شئ قبله'' (اللہ ازل سے ہے اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا)، باب بدء الخلق میں یہ حدیث ان الفاظ سے گزری: ''كان الله ولم يكن شئ غيره'' یعنی (اللہ ہے

اوراس کے سوا کچھ نہ تھا)،اورابومعاویہ کی روایت میں ہے:(''کان اللہ قبل کل شيءٔ'' یعنی اللہ ہر چیز سے پہلے ہے)اور یہ اس حدیث کے معنی میں ہے:(''کان اللہ ولاشيءٔ معه'' یعنی اللہ ازل سے ہے،اوراس کے ساتھ کچھ نہ تھا)اس حدیث میں ان لوگوں کا کھلا ہوارد ہے جنھوں نے اس باب کی روایت سے ایسے حوادث ثابت کیے جن کی کوئی ابتدانہیں،ابن تیمیہ کے قبیح مسلمات میں سے ایک یہ مسلمہ بھی ہے کہ وہ ایسے حوادث مانتا ہے جن کی کوئی ابتدانہیں،اوروہ اس حدیث کواس باب کی دیگراحادیث پرترجیح دیتا ہے جب کہ اصول حدیث سے یہ ہے کہ دوروایتوں میں جمع وتطبیق کی صورت نکالی جائے،ورنہ ترجیح دی جائے،اور یہاں اس روایت اور بدءِ خلق والی روایت کے درمیان جمع وتطبیق اس طرح ممکن ہے کہ اس روایت کوبدءالخلق کی روایت'':کان اللہ ولم یکن شیئی غیرہ'' پرمحمول کیا جائے اب جب کہ تطبیق ممکن ہے تو پھرترجیح کا قول کیوں کرصحیح ہوسکتا ہے۔جب کہ بالاتفاق جمع وتطبیق ترجیح حدیث پرراجح اورسابق ومقدم ہے۔الخ

تیسرانقطہ:

ان دونوں حدیثوں سے یہ حقیقت خوب خوب واضح ہے کہ نبی پاک ﷺ سے توسل کرنا مستحب ہے، چاہے آپ کے نام سے توسل کرے،یا آپ کے حق،یا آپ کی ذات کووسیلہ بنائے،یہ ایسا مذہب ہے جس کی مخالفت ابن تیمیہ سے پہلے کسی نے نہ کی،ابن تیمیہ نے اس بارے میں مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ:یہ(توسل) شرک ہے۔اورعجیب بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی،اوراپنی کتابوں میں یہ حدیث ذکر کی:'' لماأصاب اٰدم الخطیئة رفع رأسه فقال یارب بحق محمدإلاغفرت لي'' (یعنی جس وقت آدم سے لغزش ہوئی،تو آپ نے اپنا سراٹھا کرعرض کیا:اے رب! محمد کے حق کی قسم تو مجھے درگذرفرما)،اوراس حدیث پرتبصرہ کرتے ہوئے کہا:(یہ حدیث موضوع ہے)اورعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم پر یہ طعن کیا کہ یہ موضوع روایتیں کرتے ہیں۔ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی اوردیگر کتابوں کی طرح یہاں بھی وہی مسلک(یہ حدیث موضوع ہے) کیوں نہ اختیار کیااور کیوں خاموش رہا؟

ابن تیمیہ جب کوئی ایسا مسئلہ ثابت کرنا چاہتا ہے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے،تواس وقت اس کا عجیب

اسلوب ہوتا ہے، ذرا دیکھیں انھیں عبدالرحمٰن بن زید کے بارے میں دوسرے مقام پر کیا کہتا ہے:

اس نے مجموع الفتاوی (۱۵/۶۷،۶۸) میں استشہاد کرتے ہوئے کہا:

''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ایک امام تھے، آپ نے اپنے والد زید سے علم تفسیر سیکھا، زید تفسیر کے امام تھے، مالک، عبداللہ بن وہب تلمیذ امام مالک اور اصبغ ابن الفرج فقیہ نے آپ سے تفسیر اخذ کیا، آپ نے اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿أَ فَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ [ہود-۱۱:۱۷]

کے بارے میں کہا: رسول اللہ اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھے اور قرآن بھی آپ کو شاہد کہتا ہے، اس لیے کہ آپ اللہ کی طرف سے شاہد تھے''. الخ

۵۔ ابن تیمیہ کے شاذ اقوال میں سے یہ بھی ہے: (جسے اس سے پہلے کسی نے نہ کہا، اس نے اپنے اس عقیدے کے خلاف تمام امت کو کافر کہا)

> ''جس نے یہ کہا کہ نبی ﷺ وحی آنے سے پہلے نبی تھے، ایسا شخص بہ اتفاق مسلمین[1] کافر ہے، اس حدیث کا معنی صرف یہ ہے کہ اللہ نے آپ کا نبی ہونا لکھ دیا تھا اور اسے اس وقت ظاہر فرمایا جب کہ آدم کا صرف جسم پیدا فرمایا اور ابھی اس میں روح نہ ڈالی تھی، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خود آپ نے یہ خبر دی کہ مولود کا رزق، اس کی موت کا وقت، اس کا عمل، اور اس کی شقاوت وسعادت اس وقت لکھ دی جاتی ہے جب کہ ابھی اس کا جسم پیدا کیا گیا اور اس میں روح نہ ڈالی گئی، جیسا کہ عرباض بن ساریہ کی حدیث میں ہے جسے احمد وغیرہ نے روایت کیا۔'' الخ (مجموع الفتاوی ۸/۲۸۳)

---

(۱) أقـول: ابن تیمیہ کا اس عقیدہ کے متعلق تمام امت مسلمہ کو کافر ٹھہرانا ہزار ہا کا برائمہ کے بطور خود اس کے کفر کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

" أيما امرئ قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما إن كان كما قال وإلا رجعت عليه"

(مسلم باب بیان حال إیمان ۱/۵۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ترجمہ:۔"جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے تو ان دونوں میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے گی، اگر وہ حقیقتاً کافر تھا جب تو خیر ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پڑے گا"۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

" إذا قال الرجل لأخيه يا كافر فقد باء به أحدهما"

ترجمہ:۔"جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو" یا کافر" کہے تو ان دونوں میں ایک کا رجوع اس طرف بے شک ہو"۔

(صحیح البخاری کتاب الأدب ،باب من أکفر أخاه الخ ۲/۹۰۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام احمد و بخاری و مسلم حضرت ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

" ليس من دعا رجلا بالكفر أو قال عدو الله وليس كذلك إلا حار عليه [1] ولا يرى رجل رجلا بالفسق ولا يرميه بالكفر الا ارتدت عليه انه لم يكن صاحبه كذالك [2]، هذا مختصر

ترجمہ:۔"جو شخص کسی کو کافر کہے یا دشمن خدا کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کہنا اسی پر پلٹ آئے گا اور کوئی شخص کسی فسق یا کفر کا طعن نہ کرے گا مگر یہ کہ وہ اسی پر الٹا پھرے گا اگر جس پر طعن کیا تھا ایسا نہ ہو۔ یہ اختصاراً ہے"۔

(۱) (صحیح مسلم شریف **باب بیان حال إیمان من قال لأخیه المسلم یا کافر ۱/۵۷** مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

(۲) (صحیح البخاری **کتاب الأدب باب ماینهی عن السباب و اللعن ۲/۸۹۳** مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام ابن حبان اپنی صحیح مسمی بالتقاسیم والانواع میں بسند صحیح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی حضور اقدس سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

" ما أكفر رجل رجلا قط إلا باء بها أحدهما إن كان كافرا وإلا كفر بتكفيره".

ترجمہ:۔"کبھی ایسا نہ ہوا کہ ایک شخص دوسرے کی تکفیر کرے اور وہ دونوں اس سے نجات پا جائیں بلکہ ان میں ایک پر ضرور گرے گی اگر وہ کافر تھا تو یہ بچ گیا ورنہ اسے کافر کہنے سے یہ خود کافر ہوا"۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان من أکفر انسانا الخ حدیث ۲۴۸ ۔ ۱/۴۱۰ مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت)

علامہ فرماتے ہیں یوں ہی کسی کو مشرک یا زندیق یا ملحد یا منافق کہنا۔علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی بن اسمٰعیل نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں زیر حدیث ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

" **من دعا رجلا بالکفر بالله تعالی أو الشرک به و کذلک بالزندیقة و الإلحاد و النفاق الکفري**"الخ ملخصا

ترجمہ:۔"کسی شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے اللہ تعالی کے ساتھ کفر کیا یا شرک کیا اسی طرح زندیق،الحاد اور نفاق کفری کی نسبت کر کے پکارا(تو خود کافر ہو جائے گا)الخ تلخیصا(حدیقۃ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ النوع الرابع من الأنواع الستین الکذب ۲۱۱/۲۸ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اور زیر حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما فرمایا:

کذلک یامشرک ونحوہ (اسی طرح اسے مشرک وغیرہ کہا تو کافر ہو جائے گا ت)

(حدیقۃ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ النوع العاشر من الانواع الستین السب الخ ۲/ ۲۳۶ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

أقول وباللہ التوفیق: یہ معنی خود انہیں احادیث سے ثابت کہ ہر مشرک عدو اللہ ہے اور عدو اللہ کہنے کا حکم خود حدیث میں مصرح،اور حضور اقدس ﷺ نے تصریح فرمائی کہ فاسق کہنا بھی پلٹتا ہے تو مشرک تو بہت بدتر بلکہ اخبث اقسام کفار سے ہے تو عموما یا کافر میں بھی دخول اولی رکھتا ہے والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالی،وجہ اس پلٹنے کی جس طرح ارباب قلوب نے افادہ فرمائی یہ ہے کہ مسلمان کا حال مثل آئینہ کے ہے

ع شرک وہند در من آں بیند کہ اوست (شرک وہند مجھ میں وہی دیکھتا ہے جو اس میں ہے)

المرء یقیس علی نفسه (انسان دوسرے کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے)جب اس نے اسے کافر یا مشرک یا فاسق کہا اور وہ ان عیوب سے پاک تھا تو حقیقۃً یہ اوصاف ذمیمہ اسی کہنے والے میں تھے جن کا عکس اس آئینہ الہی میں نظر آیا اور یہ اپنی سفاہت سے اس کریہ بدنما شکل کو آئینہ تاباں کی صورت سمجھا حالاں کہ دامن آئینہ اس لوث وغبار سے صاف ومنزہ ہے یہ تو حدیث تھی جو بحکم **یقولون من خیر قول البریة** (وہ ساری مخلوق سے بہتر کا قول کہتے ہیں ت)ان کا زبانی وظیفہ ہے اور دل کا وہی حال جو حدیث میں ارشاد فرمایا:"**لایجاوز تراقیھم**"(ان کے حلق سے اسلام تجاوز نہیں کرے گا)۔

اب فقہ کی طرف چلیے بہت اکابر ائمہ مثل امام ابوبکر اعمش وغیرہ عامہ علمائے بلخ وبعض ائمۂ بخارا رحمۃ اللہ تعالی علیہم احادیث مذکورہ پر نظر فرما کر اس حکم کو یوں ہی مطلق رکھتے ہیں اور مسلمان کی تکفیر کو علی الاطلاق موجب کفر جانتے ہیں۔سیدی اسمٰعیل

نابلسی شرح درروغرر مولیٰ خسرو میں فرماتے ہیں:

" لوقال للمسلم كافر كان الفقيه أبو بكر الأعمش يقول كفر وقال غير من مشائخ بلخ لايكفر واتفقت هذه المسئلة ببخارا فأجاب بعض أئمة بخارا أنه يكفر فرجع الجواب إلى بلخ أنه يكفر فمن أفتىٰ بخلاف قول الفقيه أبي بكر رجع إلى قوله الخ. ملخصا

ترجمہ:۔''اگر کسی مسلمان کو کافر کہا تو ابوبکر اعمش اسے کافر قرار دیتے اور مشائخ بلخ میں سے دوسرے علما کافر نہیں کہتے اتفاقاً یہ مسئلہ بخارا میں پیش آیا اور بعض ائمہ بخارا نے ایسے شخص کو کافر قرار دیا تو یہ جواب واپس بلخ گیا (یعنی کافر کہا جائے گا) تو جس جس فقیہ نے ابوبکر اعمش کے خلاف فتویٰ دیا تھا انھوں نے ان کے قول کی طرف رجوع کرلیا''۔الخ ملخصاً

(حدیقہ ندیہ طریقۂ محمدیہ **النوع الرابع من الأنواع الستين الكذب ۲۱۲/۲** مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

رسالہ علامہ بدر رشید پھر شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں ہے:

''فرجع الكل إلى فتاوى أبي بكر البلخي وقالوا كفر الشاتم.

ترجمہ:۔''تمام علما نے ابوبکر بلخی کے اس فتویٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس طرح گالی دینے والے کو کافر قرار دیا''۔

(شرح فقہ اکبر لملاعلي قاري فصل في الكفر صريحا وكناية ص۱۸۱ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

احکام میں بعد عبارت مذکورہ کے ہے:

" وينبغي أن لايكفر على قول أبى الليث وبعض أئمة بخارا''.

ترجمہ:۔''ابواللیث اور بعض ائمہ بخارا کے قول پر مناسب یہ ہے کہ کافر نہ کہا جائے''۔

(حدیقہ ندیہ طریقۂ محمدیہ **النوع الرابع من الأنواع الستين الكذب ۲۱۲/۲** مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اور مذہب صحیح ومعتمد ومرجح فقہائے کرام میں تفصیل ہے کہ اگر بطور سب ودشنام بے اعتقاد تکفیر کہا تو کافر نہ ہوگا جیسے بے باکوں بے قیدوں کو خر بے لجام وسگ بے زنجیر کہیں کہ معنی حقیقی مراد نہیں ورنہ کافر ہو جائے گا۔

فتاوی ذخیرہ فصول عمادی وشرح درروغرر وشرح نقایہ برجندی وشرح نقایہ قہستانی ونہر الفائق وشرح وہبانیہ وعلامہ عبدالبر ودرمختار وحدیقۂ ندیہ وجواہر اخلاطی وفتاوی عالمگیری وردالمحتار وغیرہا کتب معتمدہ میں تصریح فرمائی کہ یہی مذہب مختار

ومختار للفتوی ومفتی بہ ہے۔علما فرماتے ہیں جب اس نے اپنے اعتقاد میں اسے کافر سمجھا اور وہ کافر نہیں بلکہ مسلمان ہے تو اس نے دین اسلام کو کفر ٹھہرایا اور جو ایسا کہے وہ کافر ہے۔

اقول وباللہ التوفیق: توضیح اس دلیل کی علی حسب مرامہم (ان کے مقاصد کے مطابق۔ت) یہ ہے کہ کافر نہیں مگر وہ جس کا دین کفر ہے اور کوئی آدمی دین سے خالی نہیں، نہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو دین ہو سکیں،

"فإن الكفر والإسلام على طرفي النقيض بالنسبة إلى الانسان لايجتمعان أبداً ولا يرتفعان قال تعالى ﴿إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُوْرًا﴾ [الانسان – ٣: ٧٦] وقال تعالیٰ ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ [الاحزاب – ٣٣: ٤]

ترجمہ: "کیوں کہ کفر اور اسلام ایک انسان کی بہ نسبت نقیض کی دو طرفوں پر ہیں، نہ تو یہ کبھی جمع ہو سکتے ہیں اور نہ ہی مرتفع۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "یا وہ شاکر ہوگا یا کافر" دوسرے مقام پر فرمایا: "اور ہم نے ایک آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے"۔

اب جو یہ شخص مثلاً زید مومن کو کافر کہتا ہے اس کے یہ معنی کہ اس کا دین کفر ہے اور زید واقع میں بے شک ایک دین سے متصف ہے جس کے ساتھ دوسرا دین ہو نہیں سکتا تو لاجرم یہ خاص کر اسی دین کو کفر بتا رہا ہے جس سے زید اتصاف رکھتا ہے اور وہ دین نہیں مگر اسلام تو بالضرورہ اس نے دین اسلام کو کفر ٹھہرایا اور جو دین اسلام کو کفر قرار دے قطعاً کافر۔اب عبارات علما سنیے ہندیہ میں ہے:

المختار للفتوى في جنس هذه المسائل ان القائل بمثل هذه المقالات إن كان أراد الشتم ولايعتقده كافراً فخاطبه بهذابناءً على اعتقاده أنه كافريكفر كذا في الذخيرة.انتهى

ترجمہ: "اس قسم کے مسائل میں فتوی کے لیے مختار یہ ہے کہ ان اقوال کا قائل اگر مراد گالی لیتا ہے اور اسے اعتقاداً کافر نہیں گردانتا تو وہ کافر نہیں اور اگر اسے اعتقاداً کافر گردانتے ہوئے اسے کافر کہتا ہے تو پھر یہ کفر ہوگا"۔ كذافي الذخيرة.انتهى

(فتاوی ہندیہ مطلب موجبات الکفر الخ ۲/۲۷۸ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

زادالشامي عن النهر عن الذخيرة لأنه لما اعتقدالمسلم كافرا فقد اعتقد دين الإسلام كفرا (ردالمحتار باب التعزير ۳/۲۰۱)

ترجمہ: ''شامی نے نہر کے حوالے سے ذخیرہ سے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک مسلمان کو کافر مان رہا ہے گویا اس نے دین اسلام کو کفر گردانا ہے''۔

درمختار میں ہے:

عزر الشاتم بیا کافر وهل یکفر إن اعتقد المسلم کافرا نعم وإلا لابه یفتیٰ (درمختار، باب التعزیر، ۱/۳۲۷، مطبع مجتبائی، دہلی)

ترجمہ: ''یا کافر'' کے ساتھ گالی دینے والے پر تعزیر نافذ کی جائے گی، کیا وہ شخص کافر ہوگا جو مسلمان کو کافر گردانتا ہے؟ ہاں وہ کافر ہوگا اور اگر کافر نہیں گردانتا تو کافر نہیں، اسی پر فتویٰ ہے۔''

علامہ ابراہیم اخلاطی نے فرمایا:

المختار للفتوی في جنس هذه المسائل أن القائل إذا أراد به الشتم لایکفر وإذا اعتقد کفر المخاطب یکفر لأنه لما اعتقد المسلم کافرا فقد اعتقد أن دین الاسلام کفر ومن اعتقدهذا فهو کافر

ترجمہ: ''ان مسائل میں مختار اور مفتی بہ یہ ہے کہ اگر قائل نے اس سے گالی مراد لی تو کافر نہیں ہوگا اور جب مخاطب کو کافر جانے گا تو کافر ہو جائے گا کیوں کہ جب اس نے ایک مسلمان کو کافر جانا تو گویا اس نے دین اسلام کو کفر جانا اور جو ایسی بات کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہوتا ہے''۔

(جواہر اخلاطی کتاب السیر فصل في الجهاد (قلمی نسخہ ص ۶۹)

علامہ عبد العلی نے شرح مختصر الوقایہ میں فرمایا:

قد اختلف في کفر من ینسب مسلما إلی الکفرففي الفصول العمادیه إذاقال لغیره یاکافر کان الفقیه أبوبکر الأعمش یقول: یکفر القائل وقال غیره: لایکفروالمختار للفتوی في جنس هذه المسائل الخ. (شرح نقایه برجندی کتاب الحدود ۴/۶۸ مطبوعه نول کشور لکهنؤ) ذکرمثل مامرعن الذخیرة بنقل الهندیة والنهر معاً سواء بسواء

ترجمہ: ''اس شخص کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے جس نے کسی مسلمان کی کفر کی طرف نسبت کی، فصول عمادیہ میں ہے جب کسی نے غیر کو ''یا کافر'' کہا تو فقیہ ابو بکر اعمش ایسے شخص کو کافر جانتے لیکن دیگر علما کافر نہیں

جانتے اور مختار مفتیٰ بہ ایسے مسائل میں یہ ہے الخ گزشتہ عبارت کے مطابق ذخیرہ سے ہندیہ اور نہر دونوں کے حوالے سے ذکر کیا ہے''۔

علامہ شمس الدین محمد نے جامع الرموز میں فرمایا:

المختار انه لو اعتقد هذا الخطاب شتمالم يكفر ولو اعتقد المخاطب كافرا كفر، لأنه اعتقد الإسلام كفرا كما في العمادى وما في المواقف أنه لم يكفر بالإجماع أريد به إجماع المتكلمين.

ترجمہ: ''مختار یہ ہے کہ اگر اس خطاب سے گالی کا اعتقاد رکھتا ہے تو کفر نہیں اور اگر مخاطب کو کافر جانتا ہے تو کفر ہوگا کیوں کہ اس صورت میں اس نے اسلام کو کفر جانا ہے، جیسا کہ عمادی میں ہے اور مواقف میں جو آیا ہے کہ: وہ بالاجماع کافر نہیں تو اس سے اجماع متکلمین مراد ہے۔

(جامع الرموز فصل من قذف ۴/۵۳۵ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران)

مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر میں ہے:

قذف مسلما بيا كافر وأراد الشتم ولا يعتقده كفرا فإنه يعزر ولا يكفر ولو اعتقد المخاطب كافرا كفر لأنه اعتقد الإسلام كفرا (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر فصل في التعزير مطبوعه دار إحياء التراث العربي بيروت ۱/۶۱۰)

اگر کسی نے مسلمان کو ''یا کافر'' کہہ کر تہمت لگائی اور مراد گالی لی اور اسے کافر نہ جانا تو ایسی صورت میں اس پر تعزیر نافذ کی جائے گی مگر کافر نہ ہوگا اور اگر مخاطب کو کافر جانا تو کافر ہو جائے گا کیوں کہ اس نے اسلام کو کفر جانا۔

علامہ عبدالغنی شرح طریقۂ محمدیہ میں احکام سے ناقل:

المختار للفتوى (فذكر عين مامر عن البرجندي وزاد) ومن اعتقد أن دين الإسلام كفر كفر.

ترجمہ: ''مختار للفتوی یہ ہے (پھر بعینہ وہی ذکر کیا جو برجندی سے گزرا ہے اور یہ اضافہ ہے) اور جس کا اعتقاد ہو کہ دین اسلام کفر ہے وہ کافر ہو گیا''۔

(حدیقہ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ النوع الرابع من الأنواع الستین الکذب ۲/۲۱۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اس مذہب مفتیٰ بہ پر بھی اس طائفہ تالفہ کوسخت دقت کہ یہ قطعاً اپنے اعتقاد سے مسلمانوں کو کافر ومشرک کہتے اور اپنی تصانیف میں لکھتے اور اس پر فتوے دیتے ہیں تو بہ اتفاق ہر دو مذہب ان کا کافر ہونا لازم اور ان کے پیچھے نماز ایسی جیسے کسی یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا ہندو کے پیچھے، ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔

سبحان اللہ کہ کرد کہ نیافت چاہ کن را چاہ درراہ، مسلمانوں کو ناحق مشرک کہا تھا۔ احادیث صحیحہ و مذاہب ائمہ کرام وفقہائے عظام پر خود انہیں کے ایمان کے لالے پڑ گئے ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را　　　　چنداں اماں نداد کہ شب راسحر کند

ماذاأخاضک یامغرورفي الخطر　　　　حتی هلکت فلیت النمل لم تطر

(تو نے دیکھا کہ پروانہ کے خون ناحق نے شمع کو اس طرح اماں نہیں دی کہ وہ رات کو سحر کردے)

(اے مغرور! کس چیز نے تجھے خطرے میں ڈال دیا حتی کہ تو ہلاک ہوا کاش چیونٹی نہ اڑتی!)

مگر حاشاللہ ہم پھر بھی دامن[1] **احتیاط ہاتھ سے نہ دیں گے اور یہ ہزار ہمیں جو چاہیں کہیں ہم زنہار ان کو کفار نہ کہیں گے ہاں ہاں یوں کہتے ہیں اور خدا اور سول کے حضور کہیں یہ لوگ آثم ہیں خاطی ہیں ظالم ہیں بدعتی ہیں ضال ہیں مضل ہیں غوی ہیں مبطل ہیں** مگر ہیہات کافر نہیں مشرک نہیں اتنے بدراہ نہیں اپنی جانوں کے دشمن ہیں عدو اللہ نہیں، ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

" کفوا عن أهل لاإله إلاالله لاتکفروهم بذنب، فمن أکفرأهل لاإله إلاالله فهوإلی الکفر أقرب أخرجه الطبراني في الکبیر بسندحسن عن ابن عمررضي الله تعالی عنهما

ترجمہ:۔" لاالہ الااللہ" کہنے والوں کو کسی گناہ پر کافر نہ کہو جو لا الہ الا اللہ کہنے والے کو کافر کہے وہ خود کفر سے نزدیک تر ہے، اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا"۔

(**المعجم الکبیر** مروی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ۱۲/۲/۲۷ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت)

(۱) دنیائے اسلام کے تمام مسلمانان اہل سنت کو کافر ومشرک قرار دینے والے غیر مقلدین زمانہ امام اہل سنت سیدنا اعلی حضرت قدس سرہ کا باب تکفیر میں کمال احتیاط دیکھیں اور بتائیں کہ عامل بالحدیث اور ہوائے نفس میں تارک سنت کون ہے؟ نیز بات بات پر کفر وشرک قرار دینے میں کس کا سنان قلم مطلق العنان اور کس کی زبان بے باک وبے لگام ہے؟ (مترجم)

اورمروی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

ثلاث من أصل الإيمان الكف عمن قال لا إله إلاالله ولاتكفره بذنب ولاتخرجه من الإسلام بعمل الحديث أخرجه أبو داؤد عن أنس رضي الله تعالى عنه.

ترجمہ:۔"اصل ایمان سے ہے یہ بات کہ " لاالـه الاالله" کہنے والے سے زبان روکی جائے اسے کسی گناہ کے سبب کافر نہ کہیں اور کسی عمل پر دائرہ اسلام سے خارج نہ بتائیں الحدیث۔اسے ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا"۔

(سنن ابوداؤد کتاب الجهاد باب في الغزو مع أئمة الجور ۳۴۳/۱ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور)

اورواردکہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

الإسلام يعلو ولايعلى أخرجه الدارقطني والبيهقي والضياء عن عائد بن عمرو المرني رضي الله تعالى عنه.

ترجمہ:۔"اسلام غالب ہے مغلوب نہیں۔اسے دارقطنی ،بیہقی اورضیا مقدسی نے حضرت عائذبن عمروالمزنی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا"۔

(سنن دارقطني باب المهر ۲۵۲/۳ مطبوعه نشر السنة ملتان)

اورمذکورکہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

لاتكفروا أحدا من أهل القبلة. أخرجه العقيلي عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه.

ترجمہ:۔"اہل قبلہ سے کسی کوکافرنہ کہو۔اسے عقیلی نے حضرت ابودرداءرضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا"۔

(کنزالعمال بحوالہ(طس عن عائشۃ) حدیث ۱۰۷۸۔۲۱۵/۱ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی)

ہمیں اپنے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی یہ حدیثیں اوراپنے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ ارشاد:

ولانكفرأحدا من أهل القبلة. اہل قبلہ سے کسی کوہم کافرنہیں کہتے۔

(شرح فقہ اکبرعدم جوازتکفیراہل القبلۃص ۱۵۵ مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

اوراپنے علمائے محققین کافرمانا"لايخرج الإنسان من الإسلام إلاحجود ما أدخله فيه" (انسان کواسلام سے کوئی چیزخارج نہیں کرسکتی مگراس شئ کاانکارجس نے اسے اسلام میں داخل کیا تھا۔(ت) یادہے اورجب تک تاویل

وتوجیہہ کی سب قابل احتمال ضعیف راہیں بھی بند نہ ہوجائیں مدعی اسلام کی تکفیر سے گریز چاہئے، پھران چاروں حدیثوں میں بھی مثل احادیث اربعۂ سابقہ صلاح ودیانت طائفہ کے لیے پورا مرثیہ اورانہیں سے ظاہر کہ یہ مدعیان عمل بالحدیث کہاں تک ہوائے نفس پالتے اوراس کے آگے کیسی کیسی حدیث کوپس پشت ڈالتے ہیں ہذا۔

وأقول: يظهر للعبدالضعيف غفرالله تعالى له أن هٰهنا في كلمات العلماء إطلاقافي موضع التقييد كماهوداب كثيرمن المصنفين في غيرمامقام وإنمامحل الإكفار بإكفارالمسلم إذاكان ذلک لا عن شبهة أوتاويل وإلافلا فإنه مسلم بظاهره ولم نومربشق القلوب والتطلع إلى أماكن الغيوب ولم نعثرمنه على إنكارشئٍ من ضروريات الدين ولم فكيف يهجم على نظيرماهجم عليه ذلک السفيه هذاهو التحقيق عندالفقهاء الكرام أيضا يذعن بذلک من أحاط بكلامهم واطلع على مرامهم رحمه الله تعالى عليهم أجمعين ألا ترى أن الخوارج خذلهم الله تعالى قد أكفروا أميرالمومنين ومولى المسلمين عليارضى الله تعالى عنه ثم هم عندنالا يكفرون كمانص عليه في الدرالمختار والبحرالرائق وردالمحتار وغيرها من معتبرات الأسفاروأمّ اما مر من تقريرالدليل على التكفيرفأنت تعلم أن لازم المذهب ليس بمذهب وأماالأحاديث فمؤولة عند المحققين كماذكره الشراح الكرام.

أقول ومن أدل دليل عليه قوله صلى الله تعالى عليه وسلم في الحديث المارفهو إلى الكفرأقرب فلم يسمه كافرا و إنما قربه إلى الكفر لأن الاجترارعلى الله تعالى أوبمثل ذلک قديكون يريد الكفر والعياذبالله رب العلمين ولاحول ولاقوة إلابالله العلي العظيم.

ترجمہ:''میں کہتا ہوں: اللہ تعالی اس کی بخشش فرمائے، پر یہ بات واضح ہوئی کہ یہاں مقام تقیید میں عبارات علما میں اطلاق ہے جیسا کہ کسی مقام پر اکثر مصنفین کا یہی طریقہ دیکھا گیا ہے کسی کو کسی مسلمان کے کافر قرار دینے پر اس وقت کافر قرار دیا جاسکتا ہے جب اس میں کوئی تاویل وشبہہ نہ ہوورنہ اگر وہاں شبہہ ہوسکتا ہوتو کافر نہیں ہوگا کیوں کہ جب وہ بظاہر مسلمان ہے تو ہم دل پھاڑ کر دیکھنے اورامور غیبیہ پر مطلع ہونے کے

پابند نہیں اور نہ ہی ہم اس کے کسی ایسے عمل پر مطلع ہوئے ہیں جو ضروریات دین کے انکار میں سے ہو اور ہم اس طرح اس پر حملہ آور کیسے ہو سکتے جس طرح وہ بیوقوف دوسرے پر ہوا ہے، فقہائے کرام کی یہی تحقیق ہے نیز ہر اس شخص کو بھی اس بات کا اذعان ہوگا جس نے فقہائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا احاطہ کیا اور ان کے مدعا سے آگاہ ہوا ہو کیا آپ نہیں جانتے کہ خوارج (اللہ انہیں رسوا کرے) نے امیر المومنین مولائے مسلمین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر قرار دیا پھر وہ ہمارے نزدیک کافر نہیں، جیسا کہ اس پر درمختار، بحرالرائق، ردالمحتار اور دیگر معتبر کتب میں تصریح ہے اور جو تکفیر پر تقریر دلیل گزری ہے آپ جانتے ہیں لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا، رہا معاملہ احادیث کا تو وہ محققین کے یہاں مؤول ہیں اپنے ظاہر پر نہیں جیسا کہ شارحین کرام نے ذکر کیا ہے۔

أقول (میں کہتا ہوں) سب سے قوی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ کفر کے زیادہ قریب ہے آپ نے اسے کافر نہیں فرمایا قریب کفر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے جرأت و دلیری ہے کیوں کہ ان جیسے الفاظ سے بعض اوقات کفر مراد ہوتا ہے رب العلمین اپنی پناہ عطا فرمائے''۔

خیر تاہم اس قدر میں کلام نہیں کہ یہ حضرات غیر مقلدین اور سائر اخلاف طوائف نجدیہ مسلمانوں کو کافر و مشرک ٹھہرا کر ہزار ہا کا برائمہ کے طور پر کافر ہو گئے اس قدر مصیبت ان پر کیا کم ہے العیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالیٰ،

علامہ ابن حجر مکی اعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں:

انه يصير مرتدًا على قول جماعة وكفرا بهذا خسارا وتفريطا.

ترجمہ:۔''ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ مرتد ہو گیا اور یہ خسارے اور کمی میں کافی ہے''۔

(إعلام بقواطع الإسلام علامه ابن حجر مكي رحمه الله)

تو بحکم شرع ان پر توبہ فرض اور تجدید ایمان لازم، اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں۔

في الدرالمختار عن شرح الوهبانية للعلامه حسن الشرنبلالي مايكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح فأولاده أولاد زنى ومافيه خلاف يومر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح.

ترجمہ:۔''درمختار میں علامہ حسن شرنبلالی کی شرح الوہبانیہ کے حوالے سے ہے جس میں بالاتفاق کفر لازم آئے اس کی وجہ سے ہر عمل باطل اسی طرح نکاح باطل، اور اس کی اولاد زنا کی اولاد ہو گی اور جس کے کافر ہونے

میں کہتا ہوں:

آخر ایسا قائل کیوں کافر ہے جب کہ اس نے وہی کہا جو اس کے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"**كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد**" میں نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

کہاں سے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو گیا؟ ابن تیمیہ ان لوگوں کا نام کیوں نہیں ذکر کرتا جنھوں نے بالاتفاق تکفیر کے یہ دعوے کیے، اور اس شخص سے پہلے کون علما اس طرف گئے؟ خود یہی پہلا شخص ہے جس کی بے لگام زبان نے بے باک تکفیر کی۔ جب ابن تیمیہ کے بقول ایسے حضرات کافر ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے لیے وہی خصوصیت ثابت کرتے ہیں جسے خود نبی پاک ﷺ نے اللہ کی نعمت پر اظہار فخر کے لیے ذکر فرمایا، تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس خصوصیت وفضیلت کا انکار کیا جو اللہ عزوجل نے آپ کو عطا فرمائی، اور کس مقصد کے پیش نظر انھوں نے اللہ کی عطا کردہ خصوصیت کا انکار کیا؟ قارئین! اس سے آگاہ رہیں کہ کس نے فضیلت نبوی کا انکار کیا۔

اس موضوع سے متعلق بعض خاص امور پر تنبیہ:

(۱) جب ابن سعد نے الطبقات الکبری (۱/۱۴۸) میں حدیث: "**متى كنت نبيا**" (آپ کب نبی ہوے) ذکر کیا تو اس سے پہلے یہ فرمایا: "**ذكر نبوة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم**" (رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا ذکر)

اور حافظ ابن ابوشیبہ نے اپنی مصنف (۷/۳۲۹) میں حدیث: "**متى كنت نبيا**" تخریج کرنے سے پہلے یہ فرمایا: "**ماجاء في مبعث النبي**" نبی پاک کی بعثت کے بارے میں وارد چیزوں کا بیان۔

ابن حبان نے "**الثقات**" (۱/۴۷) میں فرمایا:

"**ذكر تفضل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بالكرامة والنبوة بين خلق آدم ونفخ**

میں اختلاف ہو اس پر استغفار، توبہ اور تجدید نکاح کا حکم کیا جائے"۔ (درمختار باب المرتد ۱/۳۵۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی) (فتاوی رضویہ مترجم ۶/۷۰۹ تا ۷۱۸ رضا اکیڈمی ممبئی) (مترجم)

الــــروح'' نبی پاک ﷺ کی اس کرامت ونبوت کا ذکر جسے اللہ نے آپ کو آدم کے پیدا کرنے ،اور ان میں روح پھونکنے کے درمیان عطا فرمایا۔

میں کہتا ہوں: ابن حبان کا کلام خوب واضح ہے۔

اور حافظ لالکائی نے '' **اعتقاد أهل السنة**''(۷۵۳/۴) میں کہا:

'' **سياق ماروي في نبوة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم متى كانت وبماعرفت من العلامات**'' ان چیزوں کا بیان جو نبی پاک ﷺ کی نبوت کے بارے میں مروی ہیں کہ آپ کب نبی ہوئے ،اور کن علامتوں سے آپ کی نبوت جانی گئی۔

ھیثمی نے مجمع الزوائد(۲۲۳/۸-۲۲۴) میں کہا:''**باب قدم نبوته صلى الله تعالى عليه وسلم** '' اس بات کا بیان کہ نبی ا کی نبوت سب پر مقدم ہے پھر چند روایتیں ذکر کیں جن میں یہ ہے:''**متى كنت نبيا**'' آپ کب نبی ہوئے۔

علامہ سیوطی نے الخصائص الکبری (۷/۱) میں کہا:''**باب خصوصية النبي بكونه أول النبيين في الخلق وتقدم نبوته وأخذ الميثاق عليه** '' نبی پاک کی اس خصوصیت کا بیان کہ آپ ساری مخلوق میں سب سے پہلے نبی ہیں، آپ کی نبوت تمام نبیوں سے پہلے ہے، اور اللہ نے اس پر عہد و میثاق لیا۔

(۲) ابن تیمیہ نے آیت شریفہ: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرٰهِيمَ﴾ [الاحزاب -۳۳ : ۷] (اور اے محبوب یاد کرو! جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم سے) ایک مرتبہ ذکر کیا اور ابن قیم نے چھ مرتبہ ،اور ابن تیمیہ نے ایک بار بھی یہ نہ کہا کہ اس آیت میں ''مــنک'' ''نــوح'' پر کیوں مقدم ہے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں حضرت نوح پر نبی پاک ﷺ کا ذکر اس وجہ سے مقدم ہے کہ آپ نوح سے افضل ہیں۔(اور اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاو مرسلین ، اور اللہ کی ساری مخلوق سے افضل ہیں) تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ ابراہیم خلیل اللہ **عليه الصلاة و السلام وعلى نبينا أفضل الصلاة وأتم**

التسلیم نوح سے افضل ہیں تو نوح سے پہلے آپ کا ذکر کیوں نہ ہوا؟!

(۳) حضرت نوح سے نبی پاک ﷺ کا ذکر کیوں مقدم ہے اس کی وجہ حدیث: " کنت أول النبيين " (میں سب سے پہلا نبی ہوں) سے واضح ہے، ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں تخریج کی کہ ابوہریرہ نے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے اللہ تعالی کے ارشاد ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ﴾ الآیة کے بارے میں فرمایا: " كنت أول النبيين في الخلق وآخرهم في البعث " میں تمام مخلوق میں سب سے پہلا نبی ہوں اور بعثت میں سب سے آخری نبی ہوں۔

اسی وجہ سے اللہ تعالی نے تمام انبیا سے پہلے آپ کا ذکر فرمایا۔ [1]

میں کہتا ہوں: قتادہ کے قول سے بھی یہی ثابت ہے۔

(۴) معراج کی حدیث اس حدیث: " كنت أول النبيين في الخلق " کے موافق ومناسب ہے، معراج کی حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اللہ عزوجل سے عرض کیا: " بے شک تو نے ابراہیم کو خلیل بنایا، انہیں عظیم بادشاہت عطا کی، موسی کو کلام سے مشرف فرمایا، داؤد کو عظیم بادشاہت سے سرفرزا، لوہا ان کے ہاتھوں پر نرم کیا، پہاڑوں کو ان کے لیے مسخر کیا، سلیمان کو بادشاہت دی، جن وانس، اور شیاطین کو ان

(۱) حدیث " كنت أول النبيين في الخلق " طبری نے اپنی تفسیر (۱۲۵/۲۱، ۱۲۶)، ابونعیم نے دلائل النبوۃ (۴۲/۱)، اور بغوی نے اپنی تفسیر (۵۰۸/۳) میں تخریج کی، اور سیوطی نے درمنثور (۵۶۹/۶، ۵۷۰) میں حسن بن سفیان، ابن ابوحاتم اور ابن مردویہ کی طرف منسوب کیا، اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور دیلمی، اور ابن عساکر نے تخریج کی، میں کہتا ہوں: اور امام رازی نے اپنے فوائد میں (۱۵/۲) میں تخریج کی، ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۴۷۰/۳) میں کہا: سعید بن بشیر میں ضعف ہے، اور سعید بن ابی عروبہ نے ان کے سبب قتادہ سے اسے مرسلا روایت کیا، اور وہ اشبہ ہے، اور بعض لوگوں نے قتادہ سے اسے موقوفا روایت کیا واللہ تعالی اعلم۔ میں کہتا ہوں: ذہبی نے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جن کے بارے میں علما وناقدین کا اختلاف ہے، کہا: سعید بن بشیر کے بارے میں شعبہ نے کہا کہ وہ مامون ہیں ان سے حدیث حاصل کرو کہ وہ سچے ہیں، ابوحفص بن شاہین نے کہا کہ: میرے نزدیک شعبہ کا قول معتبر ہے کیوں کہ سعید بن بشیر اور شعبہ دونوں زمانا قریب ہیں۔ میں کہتا ہوں: خلید بن دعلج نے متابعت کی، لیکن وہ بھی ضعیف ہیں، اور یہ حدیث خاص کر اس وقت حسن شمار کی جاتی ہے جب ہم اس کے لیے کوئی معتبر شاہد قرار دیں، اور شاہد اس کے بعد آنے والی حدیث ہے۔

کا تابع فرمان کیا، ہواؤں کو ان کے لیے مسخر کیا، انہیں ایسی بادشاہت دی جو ان کے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں، عیسی کو توریت وانجیل کا علم بخشا، انہیں اپنے حکم سے مادرزاد اندھوں، اور سفید داغ والوں کو شفا دینے والا، اور مردوں کو زندہ کرنے والا بنایا، اور انہیں اور ان کی ماں کو مردود شیطان سے پناہ بخشی، اس لیے شیطان کو ان دونوں پر کوئی راہ نہیں، رب عزوجل نے آپ سے فرمایا: اور میں نے تمہیں خلیل بنایا، توریت میں لکھا ہے کہ تم رحمٰن کے محبوب ہو، ہم نے تمہیں سارے انسانوں کی طرف بشیر ونذیر بنا کر بھیجا، تمہارے لیے تمہارا سینہ روشن کیا، تم سے تمہارا بار اتارا، اور تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند فرمایا اس لیے جب بھی میرا ذکر ہوگا میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر ہوگا، میں نے تمہاری امت کو ساری امتوں سے افضل بنایا جنہیں لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا، تمہاری امت کو افضل امت کیا، تمہاری امت کو اولین وآخرین کیا، اور تمہاری امت کے لیے یہ کیا کہ ان کے لیے اس وقت تک خطبہ جائز نہیں جب تک کہ یہ گواہی نہ دیں کہ تم میرے خاص بندے، اور رسول ہو، میں نے تمہاری امت سے ایسے لوگوں کو بنایا جن کے دل ان کی کتابیں ہیں، میں نے تمہیں خلق میں سب نبیوں سے پہلے بنایا، اور ان سب سے بعد میں مبعوث فرمایا، ان میں سب سے پہلے تمہارے موافق فیصلہ کیا جائے گا، میں نے تمہیں سبع مثانی عطا کی جنہیں تم سے پہلے کسی کو نہ دیا، میں نے تمہیں زیر عرش کے خزانہ سے سورۂ بقرہ کی آخری سورتیں عطا فرمائیں جنہیں تم سے پہلے کسی نبی کو نہ دیا، اور تمہیں حوض کوثر سے نوازا۔الخ (۱)

(۱) حدیث: ''جعلتک أول النبیین خلقا وآخرھم بعثا'' اس حدیث کو طبری نے اپنی تفسیر (۱۰/۱۵) میں روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱/۷۲) میں کہا: اس کو بزار نے روایت کیا، جس کے راوی ثقہ ہیں مگر ربیع بن انس نے ابوالعالیۃ یا ان کے علاوہ سے روایت کر کے کہا: اس کا تابعی مجہول ہے۔ابن کثیر نے ابوجعفر رازی کے سبب اس حدیث کو معلل کہا، رہے ابوجعفر رازی تو حافظ نے میزان (۳۸۵/۵) میں کہا: صالح الحدیث ہیں، اور ابن حاتم نے الجرح والتعدیل (۲۸۰/۶) میں کہا: یحی بن معین سے ابوجعفر رازی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: صالح ہیں، عبدالرحمٰن نے ہم سے بیان کیا کہ میرے والد نے اسحاق بن منصور کے حوالہ سے ذکر کیا کہ یحی بن معین نے فرمایا: ابوجعفر رازی ثقہ

(۵) حدیث: ”أي شيءٔ کان أول أمر نبوتک“ آپ کے امرِ نبوت کا آغاز کس چیز سے ہوا۔

ابومریم سنان نے فرمایا: بہز سے ایک اعرابی نمودار ہوئے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ صحابہ کے ایک حلقہ میں جلوہ آرا تھے، انھوں نے عرض کیا: کیا آپ مجھے کوئی ایسی چیز نہ سکھائیں گے جسے آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا، اور جس میں میرا نفع ہو اور آپ کا نقصان نہ ہو؟ تو صحابہ نے کہا: مَہْ مَہْ چھوڑو چھوڑو، تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”دعوہ وإنما سأل الرجل لیتعلم فأفرجوا له حتی جلس“ تم لوگ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو اس شخص نے صرف تحصیل علم کے لیے سوال کیا ہے، آپ لوگ اسے بیٹھنے کے لیے جگہ دے دیں اس شخص نے عرض کیا: آپ کے امرِ نبوت کا آغاز کس چیز سے ہوا؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھ سے عہد و پیمان لیا جیسا کہ دوسرے انبیا سے عہد و پیمان لیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمِنۡکَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّإِبۡرٰهِیۡمَ وَمُوۡسٰی وَعِیۡسَی بۡنِ مَرۡیَمَ وَأَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا﴾ [الاحزاب-۳۳:۷]

ترجمہ:۔ ”تم سے، نوح سے، ابراہیم سے، موسیٰ سے، عیسیٰ بن مریم سے اور تمام نبیوں سے ہم نے ایک مضبوط میثاق لیا“۔

مسیح عیسیٰ بن مریم نے میری آمد کی بشارت دی، اور رسول اللہ ﷺ کی ماں نے خواب دیکھا کہ آپ کے

ہیں، عبدالرحمٰن نے ہم سے بیان کیا، میں نے اپنے والد سے کہتے ہوئے سنا: ابوجعفر رازی ثقہ ہیں، زیادہ راست گو صالح الحدیث ہیں، اور الکواکب النیرات (۱/۸۸) میں ہے: ”یحيٰ بن معین نے کہا: وہ صالح ہیں اور آپ ہی سے یہ مروی ہے کہ ان کی حدیث لکھی جاتی ہے لیکن وہ خلط کرتے ہیں اور انہیں سے ان کی توثیق کا حکم بھی مروی ہے“ ابن المدینی اور محمد بن عبداللہ بن عمار موصلی نے مطلقا ان کی توثیق کی، اور ابوحاتم نے مطلقا ان کی توثیق کی، اور انہیں صادق کہا، اور یہ کہا ان کی حدیث صالح ہے، محمد بن سعد نے ان کو ثقہ کہا، اور ابن عدی نے کہا: ان کی حدیثیں صالح ہیں، لوگوں نے ان سے روایت کیا اور ان کی عام حدیثیں درست اور ٹھیک ہیں، اور مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں، ابن مدینی نے کہا: وہ ثقہ ہیں، خلط کیا کرتے تھے۔

دونوں قدموں کے درمیان سے ایک نور نمودار ہوا جس سے ملک شام کے محل آپ کے لیے روشن ہو گئے ،اعرابی نے کہا:اور سوال کرنے والے اعرابی نے اپنا سر حضور سے قریب کیا کیوں کہ وہ کچھ بہرے تھے،تو رسول اللہ ﷺ نے دو یا تین بار فرمایا ذرا پیچھے، ذرا پیچھے''۔(۱)

امام شافعی نے فرمایا:'' إذا صح الحديث فهو مذهبي '' حدیث صحیح ہی میرا مذہب ہے،اور ہم اللہ ورسول ﷺ کی طرف سے پہنچنے والی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد'' میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اور ہم کہتے ہیں: اے اللہ کے رسول! آپ پر اللہ عزوجل کی بے پایاں رحمت ہو آپ کتنے عظیم وجمیل

(۱) ابن ابوعاصم نے السنۃ (۱/۱۷۸)،اور طبرانی نے کبیر (۲۲/۳۳۳) میں اسے تخریج کیا،ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۲۲۳) میں کہا کہ: طبرانی نے اس کو روایت کیا،اور ان کے رجال ثقہ ہیں۔اور حجر بن حجر کے سبب البانی نے ان کے بارے میں کلام کیا،اور یہ دعوی کیا کہ ابن حبان کے سوا کسی نے ان کی توثیق نہ کی۔ میں کہتا ہوں: حجر بن حجر مقبول ہیں جیسا کہ حافظ نے التقریب (۱/۱۵۴نمبر۱۱۴۳) میں کہا،اور التہذیب (۲/۱۸۸نمبر۳۹۲) میں حاکم اور ثقات میں ابن حبان کی توثیق نقل کیا،اور ابن القطان نے کہا:''لا يعرف'' وہ غیر معروف ہیں، میں کہتا ہوں: اگر ابن القطان انھیں نہیں جانتے تو دوسرے حضرات انہیں جانتے ہیں۔ابونعیم نے المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم (۱/۳۶) میں عرباض بن ساریہ سے مروی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ :شام کے تین تابعی معروف ومشہور ہیں عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی، حجر بن حجر،اور یحیی بن ابوالمطاع۔ابونعیم نے شام کے معروف ومشہور تابعین میں آپ کا ذکر کیا۔

اور عجب بات یہ ہے کہ البانی نے اس طرف التفات نہ کیا کہ حجر بن حجر تنہا اس کے راوی نہیں، حجر بن مالک نے مسند الشامیین (۲/۹۸) میں ابومریم سے آپ کی متابعت کی، اور حجر بن مالک کو ابن حاتم نے الجرح والتعدیل (۳/۲۶۷) میں ذکر کیا،اور کہا کہ: حجر بن مالک سنان،کبھی انھیں حجر بن مالک بن ابومریم کہا جاتا ہے،شام کے رہنے والے ہیں،انھوں نے نبی پاک ﷺ کے صحابی ابومریم سے روایت کیا،اور قبیصہ بن ذویب سے ابوبکر بن ابومریم شامی نے روایت کیا۔ میں نے اپنے والد سے یہ فرماتے سنا کہ:ابن حبان نے الثقات (۶/۲۳۵) میں انہیں ذکر کیا۔

اور باکمال ہیں۔

وصل اللھم علی سیدنامحمد واٰلہ وصحبہ وسلم

تری خلق کوحق نے عظیم کہا تیری خُلق کوحق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن ادا کی قسم

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا

(از:سیدناامام احمدرضاقدس سرہ) [مترجم]

(۸۷) ابن تیمیہ کے سلبی اختیارات

(ابن تیمیہ صرف منفی پہلو کو ترجیح دیتا ہے)

اس مقام پر سلبی اختیارات سے ہماری مراد وہ مسائل ہیں جن میں ابن تیمیہ نے ہمیشہ ایک پہلو کو ترجیح دی ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ ہر عالم کے پاس کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں جن میں وہ کبھی افراط اور کبھی تفریط کرتا ہے، لیکن یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ابن تیمیہ نے صرف ایک ہی راستہ نفی کا اختیار کیا اگر چہ یہ مسائل بنیادی عقائد وفقہ سے نہیں، لیکن جو لوگ نبی پاک ﷺ کی بقیہ امت کو مبتدع ٹھہراتے ہیں ان کی فکروں میں یہ مسائل خوب راسخ کر دیے گئے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ ان مسائل کے بارے میں ہم ایک مستقل کتاب تالیف کریں گے: (مؤلف)

بعض مسائل:

جو لوگ نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کے اسلام کے قائل ہیں، ابن تیمیہ انہیں سفیہ و بے وقوف کہتا ہے، اور جو لوگ نبی پاک ﷺ کے قرین کے اسلام کے قائل ہیں، انہیں بھی خطا کار قرار دیتا ہے، نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں تلاوت کلام پاک کا ثواب پیش کرنے یا ختم قرآن کا عمل کرنے سے منع کرتا ہے، ابن تیمیہ یہ کہتا ہے کہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر درود وسلام بھیجنا واجب نہیں، نبی پاک ﷺ کے حجرہ اقدس پر نذر پیش کرنے سے روکتا ہے، نبی پاک ﷺ کی جشن ولادت منانے والوں کو سفیہ و جاہل کہتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ شب معراج میں چشم سر سے نبی پاک ﷺ کا اپنے رب کو دیکھنا ممکن نہیں، اسی طرح شب قدر کو شب معراج پر فضیلت دیتا ہے۔

ہم نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین اور آپ کے قرین کے اسلام کے متعلق انتہائی اختصار کے ساتھ چند قابل لحاظ امور ذکر کریں گے، اور یہ واضح کریں گے کہ نبی پاک ﷺ کا قرین اور آپ کے والدین کریمین اسلام کی لازوال دولت سے مشرف تھے۔

(۸۸) نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کا اسلام

کیا نبی پاک ﷺ سے بطریق صحیح یہ مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کے لیے آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا، آپ کے ہاتھوں پر دونوں اسلام لائے، پھر وصال فرما گئے؟ ابن تیمیہ نے اس سوال کا رد کرتے ہوئے اپنے مجموع الفتاوی (۳۲۴/۴) میں جواب دیا:

''یہ بات کسی بھی محدث سے بطریق صحیح ثابت نہیں، اس لیے اس کا کذب ظاہر ہے جو کسی بھی دین دار شخص پر پوشیدہ نہیں''۔

میں کہتا ہوں:

(۱) کیا تدین کی شرط یہی ہے کہ ایک دین دار شخص نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کو کافر کہے؟ یا یہ خوف دلانے کا ایک طریقہ ہے؟ لوگوں کو ڈرانے اور ان کی غلط ذہن سازی کا یہی طریقہ ہے؟ بہر حال بہت سے حضرات[1] اس طرف گئے کہ نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین مومن ہیں، سب سے قوی دلیل یہ

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس قضیہ کی کامل تحقیق فرمائی اور محکم دلائل کے ذریعہ روشن فرمایا کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے والدین کریمین کا ناجی ہونا کالشمس والامس روشن وثابت ہے، بلکہ بالا جماع تمام ائمہ اشاعرہ اور ماتریدیہ سے مشائخ بخارا کا یہی مقتضائے مذہب ہے جیسا کہ فرماتے ہیں: اولا: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّن مُّشۡرِكٍ﴾ [البقرہ-۲:۲۲۱]

بے شک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

'' بعثت من خير قرون بني ادم قرنا حتى كنت في القرن الذي كنت فيه''.

ترجمہ:۔''میں ہر قرن وطبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا، یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا''۔

رواه البخاری في صحيحه عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه.

حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کی حدیث صحیح میں ہے:

ہے کہ: آپ کے والدین کریمین اہل فترت سے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لم يزل على وجه الدهر سبعة مسلمون فصاعدا فلو لاذلک هلكت الأرض ومن عليها".

ترجمہ:۔"روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین واہل زمین سب ہلاک ہوجاتے"۔

أخرجه عبد الرزاق وابن المنذر بسند صحيح على شرط الشيخين.

حضرت عالم القرآن، حبر الامۃ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث صحیح میں ہے:

"ماخلت الأرض من بعد نوح من سبعة يدفع الله بهم عن أهل الأرض".

ترجمہ:۔"نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگان خدا سے خالی نہ ہوئی جن کے سبب اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے"۔

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرون وطبقہ میں روئے زمین پر لااقل سات مسلمان بندگان مقبول ضرور رہے ہیں، اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے ہر قرن میں خیار قرن سے تھے

اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر اگر چہ کیسا ہی شریف القوم، بالا نسب ہو کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہوسکتا تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباوامہات ہر ہر قرن وطبقہ میں انہیں بندگان صالح ومقبول سے ہوں، ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن عظیم میں ارشاد حق جل وعلا کے مخالف ہوگا۔

"أقول: والمعنى أن الكافر لايستاهل شرعاأن يطلق عليه أنه من خيار القرن لاسيماه هناک مسلمون صالحون وإن لم يرد الخيرية إلابحسب النسب فافهم"

ترجمہ:۔"میں کہتا ہوں: اس کا معنی یہ ہے کہ کافر شرعا اس کا اہل نہیں کہ اس پر یہ اطلاق کیا جائے کہ وہ خیار القرن سے ہے خاص کر جب کہ وہاں نیکوکار مسلمان ہوں اگر چہ خیر اور بہتر ہونا نسب ہی کے اعتبار سے کیوں نہ مراد ہو اس لیے اس مقام کو بغور سمجھیں"۔

ثانیا: اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ [التوبہ-۹:۲۸] (ترجمہ:۔"کافر تو ناپاک ہی ہیں")

اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

" لم يزل الله ينقلني من الأصلاب الطيبة الطاهرة مصفي مهذبا لاتتشعب شعبتان إلا كنت في خيرهما"

ترجمہ:۔"ہمیشہ اللہ تعالی مجھے پاک ستھری پشتوں میں نقل فرماتا رہاصاف ستھرا اراستہ،جب دوشاخیں پیدا ہوئیں میں ان میں بہتر شاخ میں تھا"۔

اور ایک لفظ میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

" لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات"

ترجمہ:۔"میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا"۔

رواهماأبونعيم في دلائل النبوة عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

" لم يزل الله ينقلني من الأصلاب الكريمة والأرحام الطاهرة حتى أخرجني من بين أبوي"

ترجمہ:۔"ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں منتقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے باپ سے پیدا کیا"۔رواه ابن أبي عمرو العدني في مسنده عنه رضي الله تعالى عنه

توضرور ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے آبائے کرام طاہرین وامہات کرام طاہرات،سب اہل ایمان وتوحید ہوں کہ نص قرآن عظیم کسی کافرو کافرہ کے لیے کرم وطہارت سے حصہ نہیں،یہ دلیل امام اجل فخر المتکلمین علامۃ الوری فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے افادہ فرمائی،اور امام جلال الدین سیوطی اور علامہ محقق سنوسی اور علامہ تلمسانی شارح شفاوامام ابن حجر مکی وعلامہ محمد زرقانی شارح مواہب وغیرہم اکابر نے اس کی تائید وتصویب کی۔

ثالثا:قال اللہ تبارک وتعالی:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ o الَّذِيْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ o وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ﴾ [الشعراء-۲۶:۱۹،۱۸،۱۷]

ترجمہ:۔"بھروسا کرزبردست مہربان پر جوتجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہواور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں"۔

امام رازی فرماتے ہیں: معنی آیت یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا تھا، تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے۔ امام ابن حجر وعلامہ زرقانی وغیرہم کبرانے اس کی تقریر وتائید وتشہید فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کے موید روایت ابونعیم کے یہاں آئی "**وقد صرحوا أن القرآن محتج به على جميع وجوهه ولا ينفي تاويل، ويشهدله عمل العلماء في الاحتجاج بالآيات على أحد التاويلات قديماو حديثا**"

رابعا: قال المولى تعالى:

﴿وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى﴾ [الضحیٰ-۹۳:۵]

ترجمہ:۔"البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا"۔

اللہ اکبر بارگاہ عزت میں مصطفیٰ ﷺ کی عزت ووجاہت ومحبوبیت کہ امت کے حق میں تو رب العزت جل وعلا نے فرمایا ہی تھا:

"**سنرضيك في أمتك ولا نسوءك به**" **رواه مسلم في صحيحه .**

ترجمہ:۔"قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے باب میں راضی کر دیں گے"۔

مگر اس عطا اور رضا کا مرتبہ یہاں تک پہنچا کہ صحیح حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کی نسبت فرمایا:

"**ووجدته في غمرات من النار فأخرجته إلى ضحضاح**"

ترجمہ:۔"میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کر دیا"۔

رواه البخاري ومسلم عن العباس بن عبدالمطلب رضي الله تعالى عنهما

دوسری روایت صحیح میں فرمایا:

"**ولولا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار**". **رواه أيضا رضي الله تعالى عنهما.**

ترجمہ:۔"اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوتا"۔

دوسری حدیث صحیح میں فرماتے ہیں:

"**أهون أهل النار عذابا أبوطالب**". **رواه عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما.**

ترجمہ:۔"دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے"۔

اور یہ ظاہر کہ حضور اقدس ﷺ سے جو قرب والدین کریمین کو ہے ابوطالب کو اس سے کیا نسبت؟ پھر ان کا عذر بھی واضح کہ نہ انہیں دعوت پہنچی نہ انھوں نے زمانہ اسلام پایا تو اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ ان پر ابوطالب سے بھی کم عذاب ہوتا اور وہی سب سے ہلکے ہوتے، یہ حدیث صحیح کے خلاف ہے تو واجب ہوا کہ والدین کریمین اہل جنت ہیں، وللہ الحمد اس دلیل کی طرف بھی امام خاتم الحفاظ نے اشارہ فرمایا۔

أقول وبالله التوفيق تقریر دلیل یہ ہے کہ صادق مصدوق ﷺ نے خبر دی کہ اہل نار میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے، اب ہم پوچھتے ہیں ابوطالب پر یہ تخفیف کس وجہ سے ہے؟ آیا حضور اقدس ﷺ کی یاری وغم خواری اور پاس داری وخدمت گزاری کے باعث؟ یا اس لیے کہ سید المحبوبین ﷺ کو ان سے طبعی محبت تھی، حضور کو ان کی رعایت منظور تھی، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

"عم الرجل صنو أبيه". (ترجمہ: "آدمی کا چچا اس کے باپ کی بجائے ہوتا ہے)

رواه الترمذي بسند حسن عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه وعن علي والطبراني في الكبير عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهم.

شق اول باطل ہے قال اللہ عزوجل:

﴿وَقَدِمْنَآ إِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰـهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ [الفرقان-۲۵:۲۳]

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں، لاجرم شق ثانی ہی صحیح ہے، اور یہی ان احادیث صحیحہ مذکورہ سے مستفاد، ابوطالب کے عمل کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے سراپا آگ میں سے کھینچ لیا اور فرمایا: میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے طبقۂ زیریں میں ہوتا، لاجرم یہ تخفیف صرف محبوب ﷺ کا پاس خاطر اور حضور کا اکرام ظاہر و باہر ہے، اور بالبداہۃ واضح کہ محبوب ﷺ کی خاطر اقدس پر ابوطالب کا عذاب ہرگز اتنا گراں نہیں ہوسکتا جس قدر معاذ اللہ والدین کریمین کا، معاذ اللہ نہ ان سے تخفیف میں حضور کی آنکھوں کی وہ ٹھنڈک جو حضرات والدین کریمین کے بارے میں نہ ان کی رعایت میں حضور کا وہ اعزاز واکرام جو حضرات والدین کے چھٹکارے میں، تو اگر عیاذ باللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اس رعایت وعنایت کے زیادہ مستحق تھے۔

وبوجه اٰخر فرض کیجئے کہ یہ ابوطالب کے حق پرورش وخدمت ہی کا معاوضہ ہے پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہوسکتی ہے؟ کون سی خدمت حمل ووضع کا مقابلہ کرسکتی ہے؟ کیا کبھی کسی پرورش کنندہ خدمت گزار کا حق حق والدین کے برابر ہوسکتا ہے؟ جسے رب عزوجل نے اپنے حق عظیم کے ساتھ شمار فرمایا:

﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾ [لقمان-۳۱:۱۴]

(ترجمہ:۔''حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا'')

پھر ابوطالب نے جہاں برسوں خدمت کی، چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں، ہر چند حضور اقدس ﷺ نے کلمہ پڑھنے کو فرمایا نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا، جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں عمر بھر معجزات دیکھنا، احوال پر علم تام رکھنا اور زیادہ حجۃ اللہ قائم ہونے کا موجب ہوا، بخلاف ابوین کریمین کہ نہ انہیں دعوت دی گئی، نہ انکار کیا، تو ہر وجہ، ہر لحاظ، ہر حیثیت سے یقیناً انہیں کا پلہ بڑھا ہوا ہے، تو ابوطالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یوں ہی متصور کہ ابوین کریمین اہل نار ہی سے نہ ہوں **وهو المقصود والحمدلله العلي الودود.**

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس طرح دس دلیلیں ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

''یہ بحمد اللہ تعالی دس دلیل جلیل ہیں پہلی چار ارشاد ائمہ کبار اور چھ اخیر فیض قدیر سے حسنہ فقیر **تلك العشرة الكاملة والحمدلله في الأولى والاخرة** (فتاوی رضویہ ۱۱/۱۵۴ تا ۱۵۸ و ۱۶۱ رضا اکیڈمی ممبئی)

اس کے بعد تنبیہات جلیلہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حضرات ابوین کریمین رضي اللہ تعالی عنہما کا انتقال عہد اسلام سے پہلے تھا تو اس وقت صرف اہل توحید و اہل لا الہ الا اللہ تھے، تو نہی از قبیل ''لیس ذالک لک'' ہے، بعدہ رب العزت عز جلالہ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے صدقے میں ان پر اتمام نعمت کے لیے اصحاب کہف رضی اللہ تعالی عنہم کی طرح انہیں زندہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ پر ایمان لا کر شرف صحابیت پا کر آرام فرمایا، ولہذا حکمت الہیہ کہ یہ زندہ کرنا حجۃ الوداع میں واقع ہوا جب کہ قرآن عظیم پورا اتر لیا اور ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ [المائدہ-۵:۳] نے نزول فرما کر دین الہی کو تام و کامل کر دیا تا کہ ان کا ایمان پورے دین کامل شرائع پر واقع ہو حدیث احیا کی غایت ضعف ہے ''**كما حققه خاتم الحفاظ الجلال السيوطي ولاعطر بعد عروس**'' اور حدیث ضعیف در بارۂ فضائل مقبول ''**كما حققناه بمالا مزيد عليه في رسالتنا ''الهاد الكاف في أحكام الضعاف''** بلکہ امام حجر مکی نے فرمایا: متعدد حفاظ نے اس کی تصحیح کی **أفضل القرى لقراء أم القرى** میں فرماتے ہیں:

> **''إن آباء النبي ا غير الأنبياء وأمهاته إلى آدم وحواء ليس فيهم كافر لأن الكافر لايقال في حقه إنه مختار ولا كريم ولا طاهر بل نجس وقد صرحت الأحاديث بأنهم مختارون وأن الاباء الكرام والأمهات طاهرات وأيضا قال تعالى: ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ﴾ على أحد**

التفاسير فيه أن المراد تنقل نوره من ساجد إلى ساجد وحينئذ فهذاصريح في أن أبوي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم آمنة وعبدالله من أهل الجنة لأنهما أقرب المختارين له صلى الله تعالى عليه وسلم وهذا هو الحق بل في حديث صححه غير واحد من الحفاظ ولم يلتفتوا لمن طعن فيه أن الله تعالى أحياهما فآمنابه الخ مختصرا وفيه طول" (فتاویٰ رضویہ۱۱/۱۶۱و۱۶۲، رضا اکیڈمی ممبئی)

یعنی نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سلسلہ نسب کریم میں جتنے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہیں وہ تو انبیا ہی ہیں، ان کے سوا حضور کے جس قدر آباوامہات آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم نہیں کہا جاتا، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آباوامہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی کہ وہ سب پسندیدہ بارگاہ الہی ہیں، آبا سب کرام ہیں، مائیں سب پاکیزہ ہیں، اور آیت کریمہ: "وتقلبک" کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا تو اب اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کے والدین حضرت آمنہ وحضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما اہل جنت ہیں کہ وہ تو ان بندوں میں جنھیں اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے چنا تھا سب سے قریب ترین ہیں یہی قول حق ہے، بلکہ ایک حدیث میں جسے متعدد حافظان حدیث نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے کی بات کو قابل التفات نہ جانا تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے والدین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے

هذاقال والله تعالى أعلم.

رسالة شمؤل الإسلام لأصول الرسول الكرام

۱۵ ھ ۱۳

اس مقام کی کامل تحقیق کے لیے آپ کا محققانہ رسالہ "شمول الإسلام لأصول الرسول الكرام" اور آپ کا گراں قدر حاشیہ "المستند المعتمد في بناء نجاة الأبد" وغیرہ مطالعہ فرمائیں، انشاءاللہ تعالی ابن تیمیہ کی فاسد فکر کے سارے تار و پود بکھرتے نظر آئیں گے۔ (مترجم)

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ [الاسراء-۱۷:۱۵]

ترجمہ:۔ ''ہم لوگوں کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک ان میں رسول نہ بھیج دیں''۔

ہم انشاء اللہ تعالی ایک دوسری کتاب میں اس مسئلہ کا تحقیقی جائزہ پیش کریں گے جس سے ہمارے قول کا صدق روز روشن سے زیادہ ہو جائے گا۔

(۲) حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۲۱/۲۲) میں تخریج کیا کہ علی بن ابو جملہ نے فرمایا: عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان بن سعد سے فرمایا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ہمارے فلاں گورنر کا باپ زندیق تھا، انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! اس سے آپ کا کیا نقصان ہو رہا ہے، نبی پاک کے والد کافر تھے تو اس سے حضور کا کیا نقصان ہوا، یہ سن کر آپ غضب سے بھڑک اٹھے، اور فرمایا: نبی پاک کو چھوڑ کر تمہیں اور کوئی مثال نہ ملی پھر اسے معزول فرما دیا۔

جو بے دین صرف اس طرح کا اعتقاد رکھتے ہیں جس سے نبی پاک ﷺ کی ایذا رسانی اور آپ کی دل آزاری ہو، اور نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد انہیں نظر نہیں آتا: ''لاتوذوا المسلم بشتم الکافر'' کافر کی گالی کے ذریعہ مسلم کو ایذا نہ دو، ایسے لوگوں کو اس طرح کے گستاخانہ کلام سے احتراز چاہئے، والعیاذ باللہ تعالی۔ اگر نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کا حال ویسا ہی ہوتا جیسا کہ ابن تیمیہ اور اس کے کفش بردار کہہ رہے ہیں تو ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں پر لازم تھا کہ نبی پاک ﷺ کے ساتھ حد ادب سے تجاوز نہ کرتے۔

ہم نہیں جانتے جو لوگ نبی پاک ﷺ کے ایمان کا اعتقاد رکھتے ہیں ان سے ان لوگوں کا کیا نقصان ہو رہا ہے۔

ان کے اعتقاد کا نفع انہیں ملے گا، آخر نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا عقیدہ رکھنے والوں کا غم انہیں کیوں ہے؟ اور اس کے خلاف ثابت کرنے کے لیے کیوں آمادہ جنگ ہیں؟

(۳) اللہ تعالی نے نبی پاک ﷺ کے والد کا نام عبداللہ منتخب فرمایا، تو ابن تیمیہ اور اس کے کفش بردار کیوں یہ

گمان کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے بندے نہ رہیں؟ آپ عبداللہ ہی ہیں، رہ گیا آپ کی والدہ طاہرہ سیدہ آمنہ کا معاملہ تو آپ اہل یقین سے تھیں، حلیمہ سعدیہ جب گھبرا کر آپ کے پاس آئیں تو آپ ہی نے یہ فرما کر انھیں اطمینان دلایا، تم دونوں کو ان پر خوف نہ ہو، ہرگز ایسا نہ ہوگا، خدا کی قسم! بے شک میرے اس بیٹے کی شان ہی نرالی ہے، تو ان کا معاملہ مجھ سے سنو، میں جب حمل سے تھی تو کبھی ان سے زیادہ خفیف، اور بابرکت حمل نہ دیکھا، پھر جب نبی کریم ﷺ کا تولد ہوا تو میرے جسم سے ستارے کے مانند ایک چمکتا نور نکلا جس کی روشنی میں میں نے بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں دیکھیں، آپ آسمان کی طرف اپنا سر اٹھائے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے رب سے دعا کر رہے تھے، حضرت آمنہ نے حلیمہ اوران کے ساتھ جو خاتون تھیں ان سے کہا آپ دونوں بے فکر جائیں۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۲/۸) میں اس حدیث کے بارے میں کہا: اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو یہ اشارہ اور سر کا اٹھانا معلوم تھا۔

(۴) نبی پاک ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حنین میں فرمایا:

" أنا النبي لا كذب أنا ابن عبدالمطلب ".

ترجمہ:۔"میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں"۔

مجھے بتایا جائے کیا نبی پاک ﷺ کسی مشرک یا کافر پر فخر کریں گے؟

جن علما کا اذعان واعتقاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین مومن ہیں ان میں سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

حافظ ابن شاہین، حافظ ابوبکر بغدادی، امام رازی، سہیلی، قرطبی، ابن سید الناس، محبّ طبری، حافظ الشام ابن ناصرالدین، حافظ سیوطی، مناوی، عجلونی، ابن عابدین (صاحب حاشیۂ شامی) اوران کے علاوہ دوسرے حضرات۔

عجلونی نے کشف الخفاء (۶۵/۱) اورشہاب الدین خفاجی نے اپنی کتاب "المجالس" کے آخر میں کہا:

خصائص نبوی کے متعلق جب میں نے علمائے محدثین کے یہ ارشادات پڑھے کہ جس شخص کے اندر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے فضلات شریفہ کا ایک قطرہ ہوگا عذاب کی آگ اس پر اثر انداز نہ ہوگی تو فرمایا: ہمارے پاس جو لوگ موجود ہیں جب ان کا یہ عالم ہے تو جن رحموں نے آپ کو اپنے حمل میں لیا، آگ کا عذاب ان پر کیوں کر ہوگا۔

مجھے آپ کا یہ کلام بے حد پسند آیا اور میں نے عربی میں اسے اس طرح نظم کیا:

لوالدي طٰه مقام علی	في جنة الخلد ودار الثواب
فقطرة من فضلات له	في الجوف تنجي من أليم العقاب
فكيف أرحام له قد غدت	حاملة تصلی بنار العذاب

جنت الخلد اور دار الثواب (آخرت کے گھر) میں میرے والد طٰہ کا بلند و بالا مقام اور اعلی مرتبہ ہے۔

اس لیے کہ آپ کے فضلات[1] شریفہ کا ایک قطرہ جس شخص کے اندر ہوگا وہ دردناک عذاب سے محفوظ رہے گا۔ تو جن رحموں کو آپ کے حمل کا شرف حاصل ہوا عذاب کی آگ انھیں کیوں کر جلائے گی۔ (عجلونی کا کلام ختم ہوا)

(۱) نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فضلات شریفہ پاک ہیں جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی نے رد المحتار میں فرمایا:

" صرح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله صلى الله تعالى عليه وسلم وسائر فضلاته وبه قال أبو حنيفة كما نقله في المواهب اللدنية عن شرح البخاري للعيني وصرح به البيري في شرح الأشباه، وقال الحافظ بن حجر تظافرت الأدلة على ذلک وعدّ الائمة ذلک من خصائصه صلى الله تعالى عليه وسلم ونقل بعضهم عن شرح المشكاة لملا علي القاري أنه قال اختاره كثير من أصحابنا وأطال في تحقيقه في شرحه على الشمائل في باب ماجاء في تعطره عليه الصلاة والسلام" (ردالمحتار ۱/ ۵۲۲و ۵۲۳ كتاب الطهارة/باب الأنجاس في طهارة بوله ﷺ)

بعض ائمہ شافعیہ نے یہ تصریح فرمائی کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا بول مبارک اور آپ کے تمام فضلات شریفہ پاک ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ علامہ عینی کی شرح بخاری

کے حوالہ سے ''المواہب اللدنیہ'' میں اسے نقل کیا، اور علامہ بیری نے اشباہ میں یہی تصریح فرمائی، اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: دلائل سے اسی کی تائید وتقویت ہوتی ہے اور ائمہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے اسے شمار فرمایا، اور بعض حضرات نے ملا علی قاری کی شرح مشکات کے حوالہ سے یہ نقل فرمایا کہ آپ نے فرمایا: ہمارے بہت سے اصحاب کا یہی مختار ہے اور اپنی شرح شمائل میں اس کی گراں قدر تحقیق فرمائی۔

احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے یہ انکشاف تام ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے نکلے ہوئے مبارک خون کو پیا، مثلا ابوطیبہ حجام اور قریش کے ایک بچے نے اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے جیسا کہ بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی، اور ابونعیم نے روایت کیا ہے، یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی پیا ہے، نیز ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی بول مبارک پیا جیسا کہ حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابورافع کی زوجہ سلمیٰ نے غسالہ مبارک پیا تو حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے بدن کو آگ پر حرام فرما دیا، حضرت علامہ عینی نے ارشاد فرمایا:

'' إنا نعتقد أنه لا يقاس عليه غيره وإن قالوا غير ذلک فأذني عنه صمّاء''.

ترجمہ:۔ ''ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی اس کے علاوہ کچھ اور کہے تو میرے کان اس کے لیے بہرے ہیں''۔

حضور اقدس کے فضلات مبارکہ کی یہ طہارت امتی کے اعتبار سے ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں طاہر نہیں۔ مجدد اعظم، شیخ الاسلام والمسلمین، آیۃ من آیات رب العالمین، معجزۃ من معجزات سید المرسلین سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''میری نظر میں امام حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری کی وقعت ابتدا امام بدرالدین محمود عینی شارح صحیح بخاری سے زیادہ تھی، فضلات شریفہ کی طہارت کی بحث ان دونوں صاحبوں نے کی ہے، امام ابن حجر نے ابحاث محدثانہ لکھی ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے، اخیر میں لکھا ہے کہ فضلات شریفہ کی طہارت ان کے نزدیک ثابت نہیں، اور امام عینی نے بھی شرح بخاری میں اس بحث کو بہت بسط سے لکھا ہے، آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ ابحاث ہیں جو شخص طہارت کا قائل ہو اس کو میں مانتا ہوں اور جو اس کے خلاف کہے اس کے لیے میرے کان بہرے ہیں میں سنتا نہیں'' یہ لفظ ان کی کمال محبت کو ثابت کرتا ہے اور میرے دل میں ایسا اتر گیا ہے کہ ان کی وقعت بہت ہوگئی۔ (الملفوظ ۴/۲۴) (مترجم)

(۸۹) نبی پاک ﷺ کے قرین کا اسلام لانا

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۸/۲۷۱) میں کہا:

''حدیث صحیح میں ہے کہ عائشہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ فرمایا: ''ہاں'' عرض کیا اور ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے؟ فرمایا: ''ہاں'' پھر عرض کیا اور آپ کے ساتھ اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''ہاں'' لیکن میرے رب نے اس پر میری مدد فرمائی یہاں تک کہ وہ اسلام لے آیا'' اور دو قولوں میں اصح قول یہ ہے کہ اسلام لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ میرا مطیع وفرماں بردار ہو گیا، اور جس شخص نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ: ''یہاں تک کہ میں اس سے محفوظ ہو گیا'' تو اس نے اس حدیث کے معنی میں تحریف کی ، اور جس نے یہ کہا کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان مومن ہو گیا تو اس نے اس حدیث میں لفظی تحریف کی کہ موسیٰ نے قبطی کو قتل کیا تو کہا:

﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [القصص-۲۸:۱۵]

ترجمہ:۔''یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا، بے شک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا''۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی (۱۷/۵۲۳) میں کہا:

''ابن عیینہ یہ حدیث اس طرح روایت کرتے تھے: '' فأُسلِمُ ''ضمہ کے ساتھ یعنی میں اس سے محفوظ ہو گیا۔ اور یہ فرماتے کہ شیطان اسلام نہیں لا سکتا، لیکن دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا: '' فلا يأمرني إلا بخير '' (وہ مجھے صرف نیکی کا حکم دیتا ہے) جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ آپ کو شرک کا حکم نہیں دیتا، اور یہ اس کا اسلام لانا ہے اگرچہ اس امر سے کنایہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ عاجزی اور فروتنی وفرماں برداری سے پیش آتا ہے، مگر ایمان باللہ سے کنایہ نہیں''۔ الخ

میں کہتا ہوں:

امام احمد کا ادب ملاحظہ فرمائیں خلال کی کتاب السنۃ (۱/۱۹۰، ۱۹۱) میں ہے:

ابوبکر مروزی نے ہمیں خبر دی کہ: ابوعبداللہ امام احمد نے کہا کہ: نبی پاک نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان ہے، صحابہ نے عرض کیا: اور آپ کے ساتھ بھی یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اور میرے ساتھ بھی، مگر اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی تو وہ اسلام لے آیا، ابوعبداللہ (یعنی امام احمد بن حنبل) نے کہا: میں نہیں جانتا آپ اس سے محفوظ وسالم رہے، یا ابلیس اسلام لے آیا۔ میں نے کہا: کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ نبی پاک اس سے محفوظ وسالم رہے فرمایا: مجھے نہیں معلوم۔

اور اسی صفحہ پر خلال نے کہا: میں نے احمد بن یحیٰ نحوی ثعلب سے پوچھا کہ حضور نے فرمایا: ''مگر اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی تو وہ اسلام لے آیا'' حضور کے اس ارشاد کا کیا یہ معنی ہے کہ شیطان اسلام لایا، یا نبی پاک نے یہ فرمایا: میں شیطان سے محفوظ وسالم رہتا ہوں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: شیطان اسلام لایا۔

میں کہتا ہوں:

ثعلب مشہور نحوی ہیں اور ان کا یہ قول عجب نہیں اس لیے کہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱۴/۶) میں کہا کہ:

''ابن مجاہد نے کہا کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے مجھ سے فرمایا: ابوالعباس کو میرا اسلام پہنچانا اور ان سے کہنا کہ آپ بحر علم کے عظیم غواص (غوطہ زن) ہیں۔

خطابی نے **إصلاح غلط المحدثين** (۱/۱۳۵، ۱۳۶) میں کہا: عام راویوں نے کہا کہ یہ روایت فعل ماضی کے صیغہ کے ساتھ وارد ہے، ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ شیطان اسلام لایا، مگر سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ: حضور شیطان کے شر سے سالم ومحفوظ رہے، نہ کہ شیطان اسلام لایا۔

اور **تحفة الأحوذی**[1] (۴/۲۸۲) میں ہے: سفیان نے کہا: شیطان اسلام نہ لایا یعنی یہ روایت ماضی

---

(۱) ناظرین غور فرمائیں! صاحب تحفۃ الاحوذی ابن تیمیہ کے بڑے نیازمند ہیں مگر انھوں نے اس مسئلہ میں اس مقام پر ابن تیمیہ کی موافقت نہ کی۔

کے صیغہ کے ساتھ نہیں کہ شیطان کا اسلام لانا ثابت ہو کیوں کہ شیطان اسلام نہیں لاتا، مجمع میں کہا: یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے، اللہ عزوجل کی ذات سے کوئی بعید نہیں کہ اپنے خاص فضل سے آپ ﷺ کے قرین کو اسلام کی دولت سے مشرف فرمائے۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے یہ تو ذکر کیا کہ شیطان نے اللہ کے نبی موسی کے ساتھ آپ کی بعثت سے پہلے کیا عمل کیا اور شیطان نے موسی کے غلام کے ساتھ کیا کیا، مگر اس شخص کے دل میں یہ مبارک خیال نہ آیا کہ یہ نبی پاک ﷺ کی خصوصیت ہے۔(۱)

---

(۱) یہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اعلی درجہ کی خصوصیت ہے کہ آپ کا شیطان جس کی فطرت میں کفر داخل ہے وہ آپ کی نگاہ عنایت سے ایمان لے آیا، مرقاۃ المفاتیح میں ہے کہ ہامہ ابن ابلیس نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ قتل ہابیل کے وقت میں موجود تھا، سارے انبیا کے ساتھ رہا ہوں، آپ مجھے قرآن سکھائیں، حضور اقدس نے اسے سورۂ واقعہ ،مرسلات ،نبأ ،اخلاص ،فلق اور ناس سکھائیں، جنات کا حضور پر ایمان لانا قرآن کی سورۂ جن میں مذکور ہے حالاں کہ سارے جن ابلیس کی اولاد ہیں، رب تعالی فرماتا ہے: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾[الکہف-۱۸:۵۰] اس لیے یہ کہنا کہ شیطان سے اسلام اس لیے متصور نہیں کہ اس کی فطرت میں کفر داخل ہے، لائق اعتبار نہیں اس لیے کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس سید عالم ﷺ کو ایسی خصوصیتیں عطا فرمائی ہیں جو آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں، انھیں خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اقدس کا قرین اسلام لے آیا۔ ابن تیمیہ مجھے بتائے کہ جب حضور اقدس کے قرین کا اسلام لانا حضور کے خصائص سے ہے تو اس کا یہ کہنا کیوں کر درست ہوگا:

''جس شخص نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ: ''یہاں تک کہ میں اس سے محفوظ ہو گیا'' تو اس نے حدیث کے معنی میں تحریف کی، اور جس نے یہ کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان مومن ہو گیا تو اس نے اس حدیث میں لفظی تحریف کی کہ موسی نے قبطی کو قتل کیا تو کہا:

﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [القصص-۲۸:۱۵]

ترجمہ: ''یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا، بے شک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا''۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا خود اس حدیث کے معنی میں تحریف کرنا ہے اس کے پاس اس امر پر کیا دلیل ہے کہ حضور کا قرین اسلام نہیں لا سکتا؟ جب اللہ عزوجل نے حضور کو یہ خصوصیت بخشی تو پھر قیاس کیوں کر روا ہوگا۔ پھر ابن تیمیہ کا آیت مذکورہ سے

اگر کوئی کہے کہ ابن تیمیہ نے تو دوسرے علما کا قول پیش کیا ہے تو اس پر کیوں چراغ پا ہو رہے ہیں؟ میں اس سے کہتا ہوں میں اس پر چراغ پا نہیں ہوتا، آپ اس کا استدلال بغور پڑھئے اور میری بات سمجھئے۔ پھر ہر عالم مثبت و منفی دونوں پہلو رکھتا ہے مگر ہم ابن تیمیہ کو دیکھتے ہیں کہ مثبت پہلو کی طرف بالکل ہی توجہ نہیں کرتا، ہاں ایسے امور کی طرف ضرور سبقت کرتا ہے جن کا کوئی قائل نظر نہیں آتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۱/۴۳۹) میں کہا:

''گزشتہ خصلتوں میں سے دو خصلتوں کا ذکر کیا، اور ابن عباس کی حدیث مرفوع میں ہے کہ حضور نے فرمایا: ''فضلت على الأنبياء بخصلتين كان شيطاني كافرا فأعانني الله عليه'' ''دو خصلتوں کے ذریعہ سارے انبیاء پر مجھے فضیلت عطا کی گئی، میرا شیطان کافر تھا اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی، راوی نے کہا کہ دوسری خصلت مجھے یاد نہ رہی، میں کہتا ہوں: اس طرح سے سترہ خصوصیتیں ہو جاتی ہیں اور تلاش و جستجو کرنے والا اس سے بھی زیادہ پا سکتا ہے، ان روایتوں کے درمیان جمع و تطبیق کا طریقہ گزر چکا، اور یہ واضح ہو چکا کہ ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، اور ابوسعید نیشاپوری نے ایک کتاب میں ذکر کیا کہ: نبی پاک ﷺ کے خصائص کی تعداد ساٹھ ہے'' الخ

میں کہتا ہوں: اس سے بزار کی حدیث مراد ہے، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۲۲۵) میں کہا: اس کو بزار نے روایت کیا، اور اس حدیث کے ایک راوی ابراہیم بن صرمہ ضعیف ہیں۔

استدلال کیوں کر درست ہوگا جب کہ حضرت موسی علیہ السلام نے بطریق تواضع یہ فرمایا تھا کیوں کہ آپ سے کوئی معصیت سرزد نہیں ہوئی اور انبیا معصوم ہیں، ان سے گناہ نہیں ہوتے، قبطی کا مارنا آپ کا دفع ظلم اور امداد مظلوم تھی، یہ کسی ملت میں بھی گناہ نہیں پھر بھی اپنی طرف تقصیر کی نسبت کرنا اور استغفار چاہنا یہ مقربین کا دستور ہی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں تاخیر اولی تھی اس لیے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے ترک اولی کو زیادتی فرمایا اور اس پر حق تعالی سے مغفرت طلب کی۔ ذرا ابن تیمیہ کا اسلوب دیکھیں! وہ صرف حضور اقدس کے قرین کے اسلام ہی کا منکر نہیں بلکہ ساتھ ہی عصمت انبیا پر بھی حملہ کر رہا ہے، جب کہ عصمت انبیا قرآن کریم کی آیتوں اور صحیح حدیثوں اور اجماع امت سے ثابت ہے جس کی تفصیل اس کے مقام پر مذکور ہے۔ (مترجم)

اہم بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ یہ حدیث کم از کم شدید ضعیف نہیں ہے۔

(۹۰) امام احمد اور آپ کے اصحاب کے نزدیک صحابہ کی تنقیص شان کرنے والا زندیق ہے۔ اے ابن تیمیہ کے نیاز بردارو! تمہارے نزدیک صحابہ کرام کی تنقیص شان کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۳۳۵/۸) میں کہا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ امامت میں جس اجماع کا اعتبار ہے اس میں ایک، دو اور معمولی جماعت وافراد کے قبول نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اگر اس کا اعتبار ہو تو کسی کی امامت پر اجماع ہی نہ ہو سکے گا، کیوں کہ امامت ایک معین چیز ہے، کبھی کوئی شخص نامعلوم خواہش کے سبب امامت تسلیم نہیں کرتا جیسا کہ سعد نے امامت قبول نہ کی کیوں کہ ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ وہ خود انصار کی طرف سے امیر بنیں، حالاں کہ انہیں یہ منصب حاصل نہ ہو سکا، تو ان کے دل میں ان کی یہ ہوی (خواہش) برقرار رہی''۔

میں کہتا ہوں: عنقریب آئے گا کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے اصحاب کی غیبت، اور ان کی گستاخی و بدگوئی سے منع فرمایا۔ ہم بطور تبصرہ امام مالک، امام احمد، اور اہل سنت و جماعت کے ارشادات پیش کر رہے ہیں جنہیں اس سے پہلے بھی ذکر کر چکے۔

حسینی نے الکمال (۶۵۰/۱) میں کہا: ثابت بن عبداللہ بن زبیر نے فرمایا، مہدی نے مجھ سے کہا: صحابہ کی تنقیص شان کرنے والے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: یہ لوگ زندیق ہیں اس لیے کہ ان لوگوں سے کھلم کھلا رسول اللہ ﷺ کی صریح تنقیص نہ بن پڑی تو انھوں نے آپ کے صحابہ کرام کی تنقیص کی، گویا یہ زندیق یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے ہم نشین اچھے نہ تھے۔ ابونعیم نے حلیۃ (۳۲۷/۶) میں کہا: ابوعروہ نے کہا: ہم لوگ مالک بن انس کے پاس تھے کہ لوگوں نے آپ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تنقیص کرتا تھا، تو امام مالک نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ...﴾ ﴿...يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ [الفتح-۴۸:۲۹]

ترجمہ:۔''محمد اللہ کے رسول ہیں اوران کے اصحاب کافروں پر سخت ہیں'' ''کسانوں کو بھلی لگتی تا کہ ان سے کافروں کے دل جل اٹھیں''۔

پھر فرمایا: جو شخص اپنے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے ذرا بھی غیظ وغضب رکھتا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

خلال نے السنۃ (۲/۴۴۸) میں ذکر کر کے کہا کہ: ایک شخص نے امام احمد بن حنبل سے کہا: میرا ایک ماموں امیر معاویہ کی شان میں گستاخی اوران کی بدگوئی کرتا ہے، تو امام احمد نے فورا ارشاد فرمایا: اس کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ۔ اور آپ نے السنۃ (۲/۴۷۷) میں یہ بھی ذکر کیا کہ امام احمد نے یہ بھی فرمایا: جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی گستاخی اور توہین کرے وہ بلاؤں میں گھرا رہے گا، اوراس کا انجام برا ہوگا۔ اوراسی السنۃ (۳/۵۱۱-۵۱۲) میں مزید یہ ہے کہ:''امام احمد سے کہا گیا: آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی شان میں گستاخیاں کرنا مباح ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ بری اور گھٹیا بات ہے، ایسے لوگوں سے احتراز واجتناب چاہئے، ان کے پاس نہ بیٹھا جائے، اوران کا معاملہ لوگوں پر روشن کر دیا جائے''۔الخ

خطیب نے الکفایۃ (۱/۴۹) میں ذکر کیا:''ابوزرعہ نے کہا: جب کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی گستاخی و بے ادبی کرتے دیکھو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے''۔

حافظ لالکائی نے ''اعتقاد أهل السنة'' میں کہا کہ:''جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرے، ان سے صادر ہونے والے کسی امر کے سبب ان سے بغض رکھے، یا ان کی برائیاں کرے وہ اس وقت تک مبتدع ہے جب تک کہ ان حضرات صحابہ کے لیے دعائے رحمت نہ کرے، اوراس کا دل ان کے لیے صاف وشفاف نہ ہو جائے''۔

(۹۱) ابن تیمیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ، اوران تمام حضرات پر تہمت لگاتا ہے جو نبی پاک ﷺ کے آثار وتبرکات سے فیض وبرکت حاصل کرتے ہیں اورآپ کے نماز کے مقامات پر نماز پڑھتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ: ''ایسا شخص بظاہر نبی سے تشبہ کرتا ہے، اوراس کا دلی مقصود یہود ونصاری سے تشبہ ہوتا ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، آپ کے اصحاب، اورآپ کی امت کی شان میں ابن تیمیہ کی ایک گستاخی یہ بھی ہے کہ اس نے صحابی جلیل عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ پر یہ فتوی جڑ دیا کہ آپ بدعتی ہیں، اور یہ صرف اس وجہ سے کہ آپ نبی پاک کے سخت متبع تھے، آپ وہاں نماز ادا فرماتے جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی اس شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں بیک حرف یہ جسارت کی: ''(بلکہ وہ بدعتیوں میں سے ہیں) صحابہ اس طرح کے آثار کی طرف التفات نہ فرماتے اور نبی پاک ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہوں پر نماز نہ پڑھتے کہ یہ جدید بدعتوں میں سے ہے''۔

ابن تیمیہ نے یہ جرأت وجسارت کرکے اجماع امت کی مخالفت کی (جیسا کہ امام نووی نے اجماع امت نقل فرمایا) اورایک ایسے شاذ ونادر فہم کا اختراع کیا جواس کے پہلے کسی نے نہ کیا۔

اگرابن تیمیہ اپنے امام احمد بن حنبل کے مذہب پر ہوتا تو وہ سکون وآرام میں رہتا، لیکن صحابہ کی شان میں گستاخی کرنا، ایسی بات کرنا جسے اس سے پہلے کسی نے نہ کہا، دلیلوں کو الٹ پھیر کرنا، حقائق کی پردہ دری کرنا، اورکھلم کھلا تحریف کرنا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالی دلیل سے ہم اسے واضح کریں گے۔

ابن تیمیہ کی نظروں میں نبی پاک ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہوں کی کوئی اہمیت نہیں، یہاں تک کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے کنواں کی طرح بھی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی، کہ نبی پاک نے صحابہ کو یہ حکم فرمایا کہ وہاں جاکر اس کنویں کا پانی حاصل کرکے اسے نوش جاں کریں، اوراس سے اپنا آٹا گوندھیں جیسا کہ صحیح

بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔

اس کے نزدیک نبی پاک کے مقامات نماز اس بڑے درخت کی طرح بھی نہیں جس کے نیچے ستر انبیائے کرام کے ناف کاٹے گئے، نبی پاک ﷺ عبداللہ ابن عمر کو اس درخت کی جگہ بتاتے، اس کی فضیلت بیان فرماتے اور انہیں وہاں آنے کا حکم دیتے''۔

ابن تیمیہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ پر اس مسئلے میں بہت سی افترا پردازیاں کیں، اور اس کے ضمن میں کعب احبار کو بھی برا بھلا کہا، اس نے حضرت عمر پر یہ تہمت لگائی کہ انھوں نے وہ درخت کاٹ ڈالا جس کے نیچے صحابہ کرام نے نبی پاک سے بیعت کی، اور اللہ جس درخت کے نیچے مومنوں سے راضی ہوا'' یہ امت کی یادگار کی تحریف ہے، صحابہ وتابعین کے متعلق صحیح بخاری میں جو کچھ ثابت ہے یہ اس کے مخالف ہے جیسا کہ ان شاء اللہ تعالی آئے گا۔ **وحسبنا الله ونعم الوكيل**

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط'' (۳۹۰/۱) میں صحابی جلیل عبداللہ ابن عمر کی شان میں آپ کا نام لے کر کہا کہ وہ ایسے مقامات پر نماز کا قصد کرتے جہاں نبی پاک ﷺ نماز ادا فرماتے، جیسا کہ کہتا ہے:

''اور ان مقامات کا قصد کرنا خلفائے راشدین کی سنت نہیں، بلکہ از قبیل بدعات ہے، خود صحابی کے قول وفعل کے خلاف جب اس کی نظیر قائم ہو تو اس کا قول وفعل حجت نہیں، تو اس وقت کیوں کر حجت ہوگا جب کہ اس کا تنہا عمل جمہور صحابہ کے عمل کے خلاف ہو''. الخ

اور اسی کتاب (۴۲۶/۱) میں تاکید کے ساتھ اسے اس طرح ذکر کیا:

> ''صحابہ ان چیزوں کی طرف بالکل توجہ نہ فرماتے جس سے یہ پتہ چلا کہ یہ نئی بدعتوں سے ہے جنہیں صحابہ عبادت وقربت وطاعت شمار نہ فرماتے، اس لیے جو شخص اسے عبادت، وقربت وطاعت ٹھہرائے وہ صحابہ کی راہ پر نہ چلا، اور دین میں ایسے امر کو مشروع جانا جس کا اللہ نے حکم نہ دیا''۔ الخ بحروفہ

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۸۱/۱) میں مزید کہا کہ:

''اس مقام کو نماز کے لیے خاص کرنا اہل کتاب کی بدعات سے ہے جن کے سبب وہ لوگ ہلاک ہوئے، اور مسلمانوں کو ایسی مشابہت سے روکا گیا، اس لیے ایسا کرنے والا بظاہر نبی سے تشبہ کرتا ہے، اوراس کا مقصود یہود ونصاری سے تشبہ کرنا ہے''۔

صحابی جلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کو بدعتی ٹھہرانے کے لیے ابن تیمیہ نے بعض ایسے شبہات سے استدلال کیا جو بخاری، مسلم اوراحادیث کی کتب معتمدہ ومشہورہ میں وارد روایتوں کے بالکل خلاف ہے۔

اس کی کتاب اقتضاء الصراط (۳۸٦/۱)، اور مجموع الفتاوی (۱۵۳/۱۵) میں اس کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ:

''عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے ثابت ہے کہ آپ ایک سفر میں تھے، آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ایک مقام پر آ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے یہاں نماز ادا فرمائی، آپ نے فرمایا: کیا اپنے انبیا کے آثار کو مساجد بنانا چاہتے ہو، تم سے پیشتر لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے، ایسی جگہوں پر جسے نماز کا وقت آ جائے پڑھ لے ورنہ وہاں سے گزر جائے۔ جب آپ بیت المقدس پہنچے اور مسلمانوں کے لیے وہاں عبادت گاہ بنانا چاہا تو کعب سے فرمایا: کہاں اس کی تعمیر کروں؟ کعب نے کہا: چٹان کے پیچھے اسے تعمیر فرمادیں، آپ نے کعب سے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! یہودیت سے تمہارا تعلق رہا ہے۔ میں اسے چٹان کے سامنے تعمیر کروں گا''۔ الخ

اب مجھ سے اسی کے لب ولہجہ میں اس کا رد سنئے:

(۱) پہلی حدیث جسے اس نے سعید بن منصور کی طرف منسوب کیا (___ جیسا کہ اقتضاء الصراط (۳۸٦/۱) میں ہے اگر چہ مسند امام احمد میں عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کے خلاف وارد ہے جیسا کہ چند سطروں کے بعد ہم اسے بیان کریں گے) ارباب سنن معروفہ جیسا کہ سنن ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، اور ارباب مسانید معروفہ جیسا کہ مسند امام احمد وغیرہ، اور ارباب مصنفات جیسا کہ موطا امام مالک وغیرہ نے

اسے روایت نہ کیا۔

تنبیہ:

''ارباب سنن نے اسے روایت نہ کیا امام مالک وغیرہ کے کلمہ تک'' ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۳۵۶/۲۴) میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی حدیث کی تضعیف کے تحت اس پورے جملہ کو ذکر کیا ہے۔

دوسری تنبیہ:

ابن تیمیہ نے پندرہ بار اس حدیث کو ذکر کیا، جن میں سے سات مرتبہ اس لفظ سے ذکر کیا (اٰثار أنبیائھم) یعنی ''اپنے انبیا کے آثار''، اور آٹھ مرتبہ اس لفظ سے ذکر کیا (اٰثــار أنبیــائـکـم) ''تمہارے انبیا کے آثار'' ذرا دیکھیں کہ اس نے نبی پاک ﷺ، یا آپ کے اہل بیت کے خصائص کے بارے میں کتنی حدیثیں ذکر کی ہیں... اس پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔

(۲) امام بخاری نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فعل کے لیے ایک باب قائم کیا، اور اس سے استدلال کیا جیسا کہ آپ نے صحیح بخاری (۱۸۳/۱ نمبر ۴۶۹-۴۷۰) میں فرمایا:

"بـاب الـمسـاجـدالتي عـلـى طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ".

ترجمہ:۔ ''اس باب میں ان مسجدوں کا ذکر ہے جو مدینہ منورہ کے راستے میں واقع ہیں، اور ان مقامات کا بیان جہاں نبی پاک ﷺ نے نماز ادا فرمائی''۔

کیا ابن تیمیہ امام بخاری کے اس استدلال کو چھوڑ کر صرف اس حدیث سے استدلال کرے گا جو سعید بن منصور کی طرف منسوب ہے، اور اگر سنن سعید بن منصور یا بعض کتب سنن غیر مشہورہ جیسا کہ مصنف عبدالرزاق اور ابن ابوشیبہ ضائع ہو جائیں تو کیا شریعت ناقص رہے گی؟ محققین خوب جانتے ہیں کہ

اسلامی لائبریریوں سے کتنے مصنفات غائب ہو گئے جیسا کہ مسند بقی بن مخلد۔

(۳) سنن سعید بن منصور میں یہ حدیث ہم نے نہ دیکھی، لیکن مصنف ابن ابوشیبہ (۱۵۱/۲-نمبر ۷۵۵۰) اور مصنف عبدالرزاق (۱۱۸/۲-نمبر ۲۷۳۴) میں اسے پایا:

(۴) ابن تیمیہ اس حدیث سے امت کو جو سمجھانا چاہتا ہے یہ حدیث اس پر دلالت ہی نہیں کرتی، اس کو واضح کرنے کے لیے ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی توضیح پیش کریں گے جسے آپ نے اپنی کتاب فتح الباری شرح صحیح البخاری (۵۶۹/۱) میں اس باب کے تحت ذکر فرمایا:

قوله: باب المساجد التي على طرق المدينة ان مسجدوں کا باب جو مدینہ منورہ کے راستوں پر واقع ہیں۔ یعنی مدینہ منورہ نبوی اور مکہ کے راستوں پر جو مسجدیں ہیں، اور امام بخاری کا قول: ''اور وہ مقامات''، یعنی وہ مکانات جنہیں عبادت وسجدہ گاہ بنایا جاتا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عمران مقامات سے برکت حاصل کرتے۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ حضور کے آثار کا شدت سے اتباع فرماتے۔ اس کے معارض وہ روایت نہیں جو آپ کے والد عمر بن خطاب سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک سفر میں لوگوں کو دیکھا کہ ایک مقام کا قصد کر رہے ہیں تو اس بارے میں آپ نے پوچھا تو لوگوں نے عرض کیا: یہاں نبی پاک ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے، تو آپ نے فرمایا: جسے یہاں نماز درپیش ہو وہ پڑھ لے ورنہ گزر جائے، کیوں کہ اہل کتاب صرف اس لیے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اپنے انبیا کے آثار کو تلاش کر کے انہیں کلیسا اور چرچ بنا ڈالا۔ اس لیے حضرت عمر کے اس حکم کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ نماز کے بغیر ان لوگوں کا اس طرح کی چیزوں کی زیارت کرنا مکروہ ہے، یا آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ حقیقت سے ناآشنا لوگوں پر یہ معاملہ مشتبہ ہو جائے گا، وہ اسے واجب سمجھ بیٹھیں گے، اور عبداللہ ابن عمر میں یہ دونوں باتیں موجود نہیں، اور عتبان کی حدیث گزر چکی کہ انھوں نے نبی پاک ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ان کے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ اسے جائے نماز بنالیں، نبی پاک ﷺ نے عتبان کے اس عریضہ کو قبول فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ آثار صالحین سے

اکتساب برکت کے سلسلے میں یہ اثر بھی حجت ہے الخ۔ (۱)

(۵) کیا ابن تیمیہ کو معلوم نہیں کہ پانچویں خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ نے مدینہ منورہ کے ان مقامات میں مسجدیں تعمیر فرمائی جہاں نبی پاک ﷺ نے نماز ادا فرمائی (جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱/۵۷۱) میں اس کو نقل فرمایا) اور عمر بن عبدالعزیز نے جس وقت مدینہ منورہ کی مسجد کو تعمیر فرمایا آپ نے لوگوں کی ایک وافر تعداد سے اس بارے میں سوال فرمایا (جس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا اس امر پر اجماع سکوتی ہے) پھر خوبصورت پتھروں سے آپ نے انہیں تعمیر بھی فرمایا، عمر بن شیبہ نے ان میں سے بہتوں کو بیان فرمایا ہے لیکن اس وقت (ابن حجر متوفی ۸۵۱ھ کے زمانہ میں) ان میں سے اکثر مٹ چکے ہیں۔

جب ابن تیمیہ نے صحابی جلیل عبداللہ بن عمر کو بدعتی ٹھہرایا تو کیا پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کو بدعتی ٹھہرانے سے باز رہے گا؟

ابن تیمیہ کے استدلال کی بنیاد ایک دوسری حدیث بھی ہے جس کے بارے میں ہم کہتے ہیں:

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن تیمیہ نے دلیلوں میں الٹ پھیر کیا ہے، اوران کی پردہ پوشی کر کے ان میں تحریف کی ہے، اس لیے کہ ابن تیمیہ نے امیر المومنین عمر بن خطاب، اور کعب احبار کے درمیان جاری شدہ کلام کو اپنی چند کتابوں میں ذکر کیا، اس نے فتاوی کبری (۴/۳۷۲) میں کہا:

(اور عمر بن خطاب نے جب شہر کو فتح فرمایا تو کعب احبار سے کہا: آپ بتائیں میں مسلمانوں کی مسجد کہاں تعمیر کروں؟ آپ نے کہا: چٹان کے پیچھے اسے تعمیر فرمائیں، آپ نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! کسی یہودیہ سے تمہارا تعلق ہو گیا ہے؟ بلکہ میں تو اسے چٹان کے سامنے تعمیر کروں گا، کیوں کہ ہمارے لیے مسجدوں کے آگے کے حصے ہیں، اس کے بعد آپ نے

(۱) اور مسجد قباء کو کون بھول سکتا ہے کہ اس میں اصحاب رسول (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) نے آپ سے نماز پڑھنے کی استدعا کی جسے آپ نے قبول فرمالیا۔ (تفسیر النسفی زیر آیت مسجد ضرار) (مترجم)

اسی جگہ مسجد تعمیر فرمائی جسے عوام " الأقصی " کہتے ہیں)

اور اس نے مجموع الفتاوی (۱۵/۱۵۳) میں کہا:

(جب حضرت عمر بیت المقدس میں داخل ہوئے، اور مسلمانوں کے لیے مسجد بنانا چاہا تو کعب سے کہا: میں اسے کہاں تعمیر کروں؟ تو انھوں نے کہا چٹان کے پیچھے اسے تعمیر فرمائیں، عمر نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! یہودیت سے تمہارا تعلق رہا ہے؟ میں تو اسے اس کے سامنے تعمیر کروں گا۔)

اور مجموع الفتاوی (۲۷/۱۲) میں کہا:

(اور کعب احبار سے کہا: مسلمانوں کی مسجد کہاں بنائی جائے؟ انھوں نے کہا: چٹان کے پیچھے، تو آپ نے کہا: اے یہودیہ کے بیٹے! یہودیت سے تمہارا تعلق رہا ہے، بلکہ میں اسے اس کے سامنے تعمیر کروں گا کیوں کہ ہمارے لیے مسجدوں کے آگے کے حصے ہیں۔)

اور مجموع الفتاوی (۲۷/۱۳۶) میں کہا:

'' عمر بن خطاب نے جب شہر کو فتح فرمالیا تو کعب احبار سے کہا: مسلمانوں کی مسجد کہاں بنائی جائے؟ انھوں نے کہا: چٹان کے پیچھے تعمیر کرائیں، آپ نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! یہودیت سے تمہارا تعلق رہا ہے، بلکہ میں اس کے سامنے تعمیر کروں گا کیوں کہ ہمارے لیے مسجدوں کے آگے کے حصے ہیں، اس کے بعد یہ مسجد تعمیر ہوئی''۔

اور اقتضاء الصراط (۱/۴۳۳-۴۳۴) میں کہا:

'' پھر کعب احبار سے کہا: مسلمانوں کی مسجد کہاں بنائی جائے؟ تو انھوں نے کہا: چٹان کے پیچھے اسے تعمیر کریں، تو آپ نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! یہودیت سے تمہارا تعلق رہا ہے؟ پھر عمر نے فرمایا: میں اسے آگے کے حصہ میں تعمیر کروں گا کیوں کہ ہمارے لیے مسجدوں کے آگے کے حصے ہیں، اس کے بعد آپ نے مسجد کے آگے والے حصہ میں تعمیر فرمایا''۔

اوراس کے تلمیذ ابن قیم جوزی نے بھی اس کی اتباع میں نقد المنقول (۱/۹۷) میں کہا:

''جب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے مسجد اقصی بنانا چاہا تو لوگوں سے مشورہ طلب کیا گیا کہ چٹان کے سامنے یا اس کے پیچھے بنائیں، کعب نے آپ سے کہا: اے امیر المومنین! چٹان کے پیچھے تعمیر کریں، تو آپ نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! کسی یہودیہ سے تمہارا تعلق رہا ہے؟ بلکہ میں اسے چٹان کے سامنے بناؤں گا تا کہ نمازی اس کی طرف رخ نہ کریں، اس کے بعد آپ نے اسے اس جگہ تعمیر فرمایا جہاں آج ہے''۔

ابن قیم نے مزید المنار المنیف (۱/۸۸-نمبر ۱۵۸) میں کہا:

''جب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے مسجد اقصی بنانا چاہا تو لوگوں سے مشورہ طلب فرمایا کیا اسے چٹان کے سامنے یا اس کے پیچھے بنائیں؟ تو کعب نے آپ سے کہا: اے امیر المومنین! چٹان کے پیچھے اسے بنائیں تو آپ نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! کسی یہودیہ سے تمہارا تعلق رہا ہے، بلکہ میں چٹان کے سامنے اسے بناؤں گا تا کہ نمازی اس کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھیں''۔ تو آپ نے اسے اس جگہ بنایا جہاں آج ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ایک ناگہانی مصیبت ہے، اور اگر چاہیں تو دو یا اس سے زائد مصیبتیں کہیں۔

پہلی مصیبت:

ابن تیمیہ نے پورے اصرار کے ساتھ اس واقعہ کو اس سیاق کے ساتھ پانچ مرتبہ، اور ابن قیم نے دو مرتبہ نقل کیا۔

ابن تیمیہ نے اس اثر کو جس سیاق کے ساتھ تحریف کر کے ذکر کیا کتب حدیث میں یہ اثر دوسرے سیاق سے مذکور ہے جو ابن تیمیہ کے ذکر کردہ سیاق کے بالکل خلاف ہے، کیوں کہ امام احمد نے اپنی مسند (۱/۳۸ نمبر ۲۶۱)، ضیاء مقدسی نے المختارۃ (۱/۳۵۰، ۳۵۱ نمبر ۲۴۱)، ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۲۶/۲۸۵-۲۸۶)، اور ابن قدامہ نے فضائل بیت المقدس (۱/۸۷ نمبر ۵۷) میں اس اثر کو روایت کیا، اور ابن حجر نے

الإصابۃ (۲۱۲/۷) میں ابی ابن کعب صحابی کے حالات میں اسے یعقوب بن شیبہ کی طرف منسوب کیا، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۵۸/۷) میں کہا: اس کی اسناد جید ہے، اس اثر کا اصل مضمون یہ ہے:

" عن أبي سنان، عن عبيد بن آدم وأبي مريم، وأبي شعيب أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه كان بالجابية فذكر فتح بيت المقدس، قال فقال أبو سلمة: فحدثني أبو سنان عن عبيد بن آدم قال سمعت عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه يقول لكعب: أين ترى أن أصلي فقال: إن أخذت عني صليت خلف الصخرة فكانت القدس كلها بين يديك، فقال عمر رضي الله تعالى عنه: ضاهيت اليهودية، لا ولكن أصلي حيث صلى رسول الله ﷺ، فتقدم إلى القبلة فصلى، ثم جاء فبسط رداءه فكنس الكناسة في رداءه وكنس الناس". (انتهى لفظ الحديث عند جميع الرواة).

ترجمہ:۔" ابوسنان سے مروی ہے وہ عبید بن آدم، اور ابومریم، اور ابوشعیب سے راوی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ مقام جابیہ میں تھے تو بیت المقدس کی فتح کا ذکر ہوا، ابوسلمہ نے کہا: مجھ سے ابوسنان نے بیان کیا کہ عبید بن آدم نے کہا: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے سنا، آپ نے کعب سے فرمایا کہ: کہاں نماز پڑھنے کی رائے ہے؟ تو کعب نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ چٹان کے پیچھے نماز پڑھی جائے تا کہ پورا بیت المقدس آپ کے سامنے ہو جائے، تو عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: تم نے یہودیت سے مشابہت اختیار کی؟ نہیں میں وہاں نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی، پھر قبلہ رو ہو کر نماز ادا کی، پھر آ کر اپنی چادر بچھائی، اور اپنی چادر میں کوڑا جھاڑا اور لوگوں نے بھی جھاڑا"۔ (تمام راویوں کے نزدیک الفاظ حدیث یہی ہیں)۔

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ ﷺ جب وجہ معلوم ہوگئی تو حیرت بھی جاتی رہی، ابن تیمیہ کو امام احمد، اور ضیاء مقدسی کی روایت میں امیر المومنین کا یہ کلمہ نظر نہ آیا:

" أصلي حيث صلى رسول الله ﷺ " "میں وہاں نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی"

اس سے اس کے کلام، اور استدلال کی ساری بنیادیں زمین بوس ہورہی ہیں اس لیے کہ سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہی کررہے ہیں جو ان کے فرزند عبداللہ بن عمر نے فرمایا، جنہیں ابن تیمیہ نے بدعتی کہا اور یہ کہا کہ ان کے والد اور سارے صحابہ ان کے خلاف ہیں، اور حق صحابہ ہی کے ساتھ ہے۔ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ کو اس طرح پیش کیا جس سے یہ محسوس ہو کہ گویا اس میں اختلاف ہے، حالاں کہ اس مسئلہ میں سرے سے کوئی اختلاف ہی نہیں، صرف ابن تیمیہ اور اس کے نیاز برداروں کے ذہن میں اختلاف ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب نے وہاں نماز ادا فرمائی جہاں رسول اکرم ﷺ نے نماز ادا فرمائی، ابن تیمیہ نے اس مسئلہ میں اپنی کوتاہی اور نبی پاک کے ثابت شدہ آثار کے مٹانے کی کوشش کا اعتراف کرنے کے بجائے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف یہ جملہ منسوب کیا:

" بل أبنيه أمامها. فإن لناصدور المساجد".

ترجمہ:۔ "بلکہ میں چٹان کے سامنے مسجد تعمیر کروں گا کیوں کہ ہمارے لیے مسجدوں کے آگے والے حصے ہیں"۔

ابن تیمیہ نے پانچ بار اس جملہ کی رٹ لگائی، اور اس نے جس آخری جملہ کو ذکر کیا احادیث معتمدہ صحاح وسنن ومعاجم وغیرہا کسی کتاب میں مذکور نہیں۔

میں ابن تیمیہ کے تمام نیاز برداروں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ابن تیمیہ نے سیدنا عمر بن خطاب کے اس کلام حقیقت بیان کی کیوں پردہ پوشی کی؟

" أصلي حيث صلى رسول الله ﷺ ". میں وہاں نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی"۔

فلاحول ولاقوة إلاباللّٰه العلي العظيم.

دوسری مصیبت:

ابن تیمیہ نے امیرالمومنین عمر بن خطاب کی طرف یہ کلام منسوب کیا کہ آپ نے بیت المقدس کی فتح کے دن کعب سے فرمایا:"یاابن الیهودیة" (اے یہودیہ کے بیٹے!) ابن تیمیہ نے یہ جملہ کہاں سے ذکر کیا؟ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے سات مرتبہ جس لفظ کو دہرایا حدیث کی جن کتابوں میں یہ روایت ملتی ہے ان میں سے کسی بھی کتاب میں یہ جملہ موجود نہیں، امام احمد نے اپنی مسند اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں اس لفظ کو روایت نہ کیا۔

عمر بن خطاب جو تمام مسلمانوں کے امیر و والی تھے ابن تیمیہ کیوں ان کی طرف غلط جملے منسوب کررہا ہے کہ آپ نے کعب احبار کو یہودیت کے نام سے گالی دی جب کہ آپ نے کھلم کھلا اسلام قبول فرمایا؟

ہمارا چیلنج ہے کہ ابن تیمیہ کے کفش بردار، اس کا یہ اختراعی جملہ :" یاابن الیهودیة" کبھی نہ دکھا سکیں گے، اور نہ ہی یہ بتاسکیں گے کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے عمر بن خطاب کے اس کلام حقیقت بیان کی کیوں پردہ پوشی کی:

" أصلي حيث صلى رسول الله ﷺ " (ترجمہ:۔"میں اسی جگہ نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی")

تنبیه:

ابن تیمیہ کی کتاب اقتضاء الصراط (۱/۴۳۳-۴۳۴) کی اس عبارت سے اس کا تناقض ملاحظہ فرمائیں ،اس نے یہ تصریح کی:

"مسجد اقصیٰ کی تمام زمینوں میں سے کوئی زمین کسی زمین سے افضل نہیں مگر عمر رضی اللہ تعالی

عنہ نے مسلمانوں کی عبادت کے لیے جس کی تعمیر فرمائی اسے فضیلت حاصل ہے''. الخ

کیا سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے مسلمانوں کی عبادت کے لیے جو مسجد تعمیر فرمائی وہ مسجد اقصی کی ساری زمینوں سے افضل ہے اور نبی پاک ﷺ نے جس جگہ نماز ادا فرمائی اسے کوئی فضیلت نہیں؟

﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ [القلم-٦٨:٣٦]

(ترجمہ:۔ابن تیمیہ کے نیاز بردارو! تمہارا کیا فیصلہ ہے؟)

ابن تیمیہ نے ایسی دو چیزوں سے بھی استدلال کیا جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔

پہلی چیز: عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے نبی پاک ﷺ نے بیعت رضوان فرمائی اور جس کے نیچے اللہ عزوجل نے صحابہ کو اپنی رضائے خاص کی بشارت دی اس واقعہ کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے جیسا کہ عنقریب ہم اسے واضح کریں گے۔

دوسری چیز: اس نے بعض علمائے مالکیہ کے حوالہ سے یہ نقل کیا کہ علمائے مدینہ منورہ کے نزدیک قبا اور احد کے علاوہ مدینہ منورہ کے آثار و مساجد کی حاضری مکروہ ہے۔

اس نے اقتضاء الصراط (۳۸۶/۱) میں کہا:

''محمد بن وضاح وغیرہ نے روایت کیا کہ عمر بن خطاب نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے نبی ﷺ سے بیعت رضوان لی گئی اس لیے کہ لوگ اس درخت کے نیچے جاتے تھے جس کے سبب حضرت عمر کو ان پر فتنہ کا اندیشہ ہوا''۔

اور اسی صفحہ میں یہ بھی ہے:

''ان زیارت گاہوں کی حاضری میں علما کا اختلاف ہے، محمد بن وضاح نے کہا: مالک وغیرہ علمائے مدینہ منورہ قبا اور احد کے علاوہ مدینہ منورہ کے ان تمام آثار و مساجد کی حاضری کو مکروہ جانتے تھے''۔

میں کہتا ہوں:

اللہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالی عنہ پر رحم فرمائے، آپ پر ابن تیمیہ کا کس قدر ظلم وستم ہے، کبھی تو وہ یہ کہتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے آثار، جانمازوں، اور یادگاروں کو مٹانا چاہتے ہیں، جیسا کہ ابن ابوشیبہ اور عبدالرزاق کی روایت کردہ اثر میں تحریف کیا، اور کبھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بالمقابل اپنے بیٹے کے افعال کی موافقت نہ کی، مشرق ومغرب میں ابن تیمیہ کے سارے کفش بردار اگر مل کر جدوجہد کریں تو بھی اس بارے میں ایک جملہ انھیں نہ ملے گا، اور کبھی آپ کو ان لوگوں کی شکل میں پیش کرتا ہے جو ابوالہول اور اہرام مصر (جو دنیا کے سات عجوبوں میں شامل ہیں) کو باقی رکھتے اور رسول اللہ ﷺ کے آثار کو مٹاتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے نبی پاک ﷺ سے بیعت رضوان لی گئی، اور جس کے نیچے صحابہ کو رضائے الہی کی بشارت ملی، اور کبھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے کعب احبار کو گالی ودشنام دیا، اور کبھی یہ دکھاتا ہے کہ آپ نے طلاق کے مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف اجتہاد کیا، اور عمر بن خطاب کی طرف ایسی بات بھی منسوب کی جسے مستشرقین ثابت نہیں کر سکتے، وہ یہ کہ عمر بن خطاب ہی نے مکتبۂ اسکندریہ جلانے کا حکم دیا (مجموع الفتاوی ۱۷/۱۴۱) تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کا بیٹا محبت کا ایک پہلو حاصل کرے۔

ابن تیمیہ عام طور پر محمد بن وضاح مالکی سے استدلال کرتا ہے، اور ان کے علاوہ بعض کو چھوڑ کر دوسرے علمائے مالکیہ کا نام نہیں لیتا، آخر محمد بن وضاح کون ہیں؟

میں کہتا ہوں:

محمد بن وضاح علمائے مالکیہ وعلمائے حدیث سے ہیں مگر علمائے امت نے ان پر پانچ عظیم طعن فرمائے ہیں:

(۱) کثیر حدیثوں کا بہ کثرت انکار کیا۔

ابن الفرضی نے کہا: وہ اکثر یہی کہتا ہے کہ: یہ نبی ﷺ کا کلام نہیں، حالاں کہ وہ حضور اقدس ﷺ کا کلام ہوتا ہے۔

ابن الفرضی کا یہ کلمہ درج ذیل کتابوں میں ملے گا:

قیسرانی کی **تذکرة الحفاظ** (۶۴۶/۲-۶۴۷)، ذہبی کی **سیر أعلام النبلاء** (۴۴۶/۱۳)، ابن حجر کی **لسان المیزان** (۴۱۶/۵ نمبر ۱۳۷۲) اور ابن فرحون مالکی کی **الدیباج المذهب** (۲۴۱/۱)

(۲) ان کو عربی زبان کا علم نہیں۔

(۳) انھیں فقہ پر دسترس نہیں۔

(۴) ان کی بہت سی خطائیں محفوظ ہیں، وہ تغلیط وتصحیف کرتے ہیں۔

درج ذیل کتابوں میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

قیسرانی کی **تذکرة الحفاظ** (۶۴۶/۲-۶۴۷)، ذہبی کی **سیر أعلام النبلاء** (۴۴۶/۱۳)، **المغني في الضعفاء** (۶۴۱/۲ نمبر ۶۰۶۴)، ابن حجر کی **میزان الاعتدال في نقدالرجال** (۳۵۹/۶-۳۶۰ نمبر ۸۲۹۶)، **لسان المیزان** (۴۱۶/۵ نمبر ۱۳۷۲)، **تهذیب التهذیب** (۲۷/۹)، **الدیباج المذهب** (۲۴۱/۱)، ابن عبدالبر اور نووی اور **ابن التین** کی کتابوں میں ان باتوں میں سے بہت سی چیزیں موجود ہیں۔

(۵) علما سے یہ ثابت ہے کہ یہ شخص جھوٹ بولتا تھا، اور یہ کہتا تھا کہ یحي بن معین نے کہا: امام شافعی ثقہ نہیں، حالاں کہ یحي بن معین نے کبھی یہ نہ کہا، امام شافعی کو مجروح کرنے کے لیے خود اس نے ایسی حرکت کی تا کہ اس حرکت کی وجہ سے مالکی مذہب کے متبعین خاص کر عراق ومصر اور مکہ مکرمہ میں زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوں، یہ بات معروف ومشہور ہے کہ بعض مالکیہ کی شدید ایذاؤں کے سبب امام شافعی نے ان کے لیے بددعا فرمائی۔

اہم بات یہ ہے کہ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب **جامع بیان العلم** میں کہا:

''امیر عبداللہ بن امیر عبدالرحمٰن بن محمد ناصر نے کہا: ابن وضاح نے یحي بن معین کی طرف جھوٹی بات منسوب کی اس لیے کہ اس نے یحي بن معین کے بارے میں یہ حکایت کیا کہ اس

نے آپ سے امام شافعی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ ثقہ نہیں ہیں، عبداللہ نے کہا: میں نے ابن وضاح کی اصل دیکھی جسے اس نے مشرق میں لکھا، اس اصل میں یہ ہے: میں نے یحيٰ بن معین سے شافعی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: "**دعنا لو كان الكذب حلالا لمنعته مروته أن يكذب**"، یعنی چھوڑو، اگر جھوٹ حلال ہوتا تو بھی ان کی مروت وشرافت انھیں دروغ گوئی سے روکتی۔

ابن عبدالبر نے بھی کہا کہ محمد بن وضاح نے کہا: میں نے یحيٰ بن معین سے شافعی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: وہ ثقہ نہیں، پھر ابن عبدالبر نے کہا: ابن وضاح ثقہ نہیں۔

امام حاکم نے ابن وضاح کے بارے میں کہا: اس نے یحيٰ بن معین کی طرف جھوٹی بات منسوب کی اور یہ جھوٹا دعوی کیا کہ امام شافعی مجروح ہیں آپ کی تصریح یہ ہے:

''ہم نے یحيٰ بن معین کے بارے میں تواریخ وحکایات تلاش کیے تو کسی روایت میں امام شافعی پر طعن نہ پایا، اور جس نے یہ کہا کہ یحيٰ بن معین نے شافعی پر طعن فرمایا اسے یحيٰ بن معین کی طرف گڑھی ہوئی بات منسوب کرنے میں کوئی پرواہ نہیں''۔

ان حقائق کی تحقیق کے لیے ان کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

حافظ ذہبی کی کتاب **الرواۃ الثقات** (۲۹/۱)، حافظ ابن حجر کی **لسان المیزان** (۴۱۶/۵ نمبر ۱۳۷۲)، **تہذیب التہذیب** (۲۷/۹)، سیوطی کی **طبقات الحفاظ** (۲۸۷/۱ نمبر ۶۴۶)۔ اوران کے علاوہ دوسری کتابوں میں روشن تصریحات ملیں گی۔

ان حقائق کے مطالعہ سے آپ پر یہ منکشف ہو گیا ہو گا کہ ابن تیمیہ ابن وضاح کو کیوں استدلال میں پیش کرتا ہے، اور کبار مالکیہ کو کیوں نظر انداز کرتا ہے، جب کہ ان حضرات کا پایہ اس سے کہیں زیادہ بلند وبالا ہے، بلکہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ النبویۃ (۴۲۷/۷) میں اسے امام بخاری، مسلم اور ابوداؤد کی صف میں شمار کیا ہے، اگر ہزاروں عوام سے بخاری ومسلم کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ انھیں بتائے گی، مگر ابن وضاح کو جاننے والا

کوئی نظر نہ آئے گا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ ابن وضاح کی وہی باتیں نقل کرتا ہے جو اس کی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں، حافظ ھیثمی کے قول کے مطابق امام احمد وحاکم نے ثقہ راویوں کی سند سے روایت کیا کہ: جابر بن عتیک نے کہا: عبداللہ بن عمر بنو معاویہ کے انصار کی ایک بستی میں آئے اور پوچھا: کیا تمھیں یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری اس مسجد میں کہاں نماز ادا فرمائی؟ میں نے کہا: ہاں، اور مسجد کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا پھر فرمایا: کیا تمھیں یہ معلوم ہے کہ آپ نے اس جگہ کون سی تین دعا فرمائی؟ میں نے کہا: ہاں، فرمایا: انھیں مجھے بتائیے، تو میں نے کہا: آپ نے یہ دعا فرمائی کہ ان لوگوں پر ان کے علاوہ کسی دشمن کو غالب نہ فرما، اور انہیں خشک سالوں کے ذریعہ ہلاک نہ فرما، اللہ نے آپ کی ان دونوں دعاؤں کو قبولیت سے مشرف فرمایا، اور آپ نے یہ دعا فرمائی کہ ان کے درمیان اختلاف وافتراق نہ فرما، تو اللہ نے اسے قبول نہ فرمایا، عبداللہ بن عمر نے فرمایا: آپ نے سچ کہا "فلایزال الهرج إلى یوم القیامة" قیامت کے دن تک مسلسل فتنہ رہے گا۔

زرقانی نے اپنی شرح (۲/۷۵) میں یہ اضافہ فرمایا: میرے پاس ابن وضاح کی روایت میں اتنا اور زائد ہے: کیا تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری اس مسجد میں کہاں نماز ادا فرمائی تا کہ میں وہاں نماز ادا کروں اور اس مقام کی برکت حاصل کروں؟ اس لیے کہ آپ حضور کے آثار کی اتباع کے سخت حریص تھے۔ الخ

یہ امر واضح رہے کہ کسی عالم، یا نبی پاک ﷺ کی امت کے کسی فرد پر جرح وطعن کرنا میرا مطمح نظر نہیں، بلکہ ہمارا مقصود صرف (اصلی) حقائق کو واشگاف کرنا اور حقائق کے چہرہ سے پردہ اٹھانا ہے، نہ کہ کسی امر کو کمزور دکھانا یا اس کی تحریف کرنا خاص کر بنیادی مسائل کو۔

ہم کہتے ہیں:

رہ گیا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے درخت کاٹنے کا واقعہ تو درحقیقت آپ نے ایسا نہ کیا، ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کا کوئی ماخذ نہ پیش کیا، اس کے نیاز برداروں پر لازم ہے کہ اس کی کتابوں سے اس واقعہ کی سند پیش کریں، ابن تیمیہ نے اس واقعہ کی کوئی سند کیوں نہ پیش کی اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) احادیث کی کتب مشہورہ میں یہ روایت موجود نہیں، البتہ طبقات ابن سعد میں مروی ہے، مگر وہ روایت ضعیف ہے، اس لیے کہ ابن عمر کے آزادکردہ نافع، اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہما کے درمیان انقطاع ہے، نافع نے عمر بن خطاب کو دیکھا اور نہ ہی آپ سے کچھ سنا۔

(۲) یہ واقعہ بخاری و مسلم کی اس روایت کے خلاف ہے کہ صحابہ پر اس درخت کا مقام پوشیدہ ہو گیا اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے وصال کے ایک طویل زمانہ کے بعد تابعین اس درخت کی تلاش فرمارہے تھے، بخاری نے اپنی صحیح (۱۵۲۸/۴) میں اور مسلم (۱۴۸۵/۳) نے تخریج کیا کہ طارق بن عبداللہ نے فرمایا: میں حج کو گیا تو راستے میں کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا، میں نے کہا: یہ کیا مسجد ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ وہ درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضواں فرمائی، تو میں سعید بن مسیّب کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی تو سعید نے فرمایا: میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والوں میں میں خود بھی تھا، مگر جب آئندہ سال ہم لوگ نکلے تو وہ درخت ہمیں بھلا دیا گیا ہم اسے نہ جان سکے، سعید بن مسیّب نے فرمایا: بے شک محمد ﷺ کے اصحاب کو اس درخت کا علم نہیں، اور تم لوگوں کو اس کا علم ہے، تم لوگ زیادہ علم والے ہو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک میں نے درخت دیکھا پھر اس کے بعد میں اس کے پاس آیا تو اسے نہ جان سکا، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم پر اس درخت کی جگہ پوشیدہ و مخفی ہوگئی، اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے وصال کے طویل زمانہ کے بعد صحابہ و تابعین وہ درخت تلاش فرمارہے تھے، جس پر کسی نے نکیر نہ فرمائی، اور سید التابعین سعید بن مسیّب نے سائل کے سوال پر انکار نہ فرمایا، نہ ہی یہ فرمایا کہ یہ بدعت ہے، البتہ اس سوال کو اس طرح برقرار رکھا کہ اس درخت کی تلاش جائز و مشروع ہے اور آپ نے یہ بھی بتایا کہ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم پر اس درخت کا مقام مخفی و پوشیدہ رہا۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا استدلال اس سے بالکل ساقط ہو جاتا ہے، اور خود اس کے خلاف پلٹ جاتا ہے، اور یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ اس نے امت کی تاریخ کا صحیح رخ پیش نہ کیا، ابن تیمیہ کے کتنے پیروکار، اور اس کی تحریریں پڑھنے والے زندہ ہیں، اور کتنے دنیا سے رخصت ہو گئے، انھوں نے دانستہ یا نادانستہ ابن تیمیہ کے غلط خطوط راہ کی اتباع کی اور بخاری و مسلم کی ان حدیثوں کو یکسر بالائے طاق رکھ دیا جن سے صاف صاف ظاہر ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے درخت نہ کاٹا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نبی پاک ﷺ کے آثار تلاش فرماتے، جس کی دلیل یہ چند حدیثیں ہیں:

(۱) ایک صحیح روایت یہ ہے: (ابن تیمیہ نے طعن و تشنیع کے لیے اس صحیح روایت کی جگہ موضوع حدیث وضع کی اور صحیح حدیث کو چھوڑ دیا) امام نسائی نے عمدہ سند سے (جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا) تخریج کی کہ انس ابن مالک نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے پست تھا، اس کا منتہائے قدم اس کی حدنگاہ تھا، میں اس پر سوار ہوا، اور میرے ساتھ جبریل علیہ السلام بھی تھے، پھر میں چلا تو جبریل نے کہا: اتر کر نماز پڑھئے تو میں نے نماز ادا کی، پھر جبریل نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ کہاں نماز ادا کی؟ آپ نے خاک طیبہ میں نماز پڑھی جو دارالھجرت ہے، پھر کہا: اتر کر نماز پڑھئے، میں نے نماز ادا کی، پھر کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ کہاں نماز ادا کی؟ آپ نے طور سینا میں نماز پڑھی جہاں اللہ عزوجل نے موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا: پھر کہا: اتر کر نماز ادا فرمائیں تو میں سواری سے اترا اور نماز پڑھی پھر کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہاں نماز پڑھی؟ آپ نے بیت اللحم میں نماز پڑھی جہاں عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے۔[۱]

(۱) حدیث ''انزل فصل'' (اتر کر نماز پڑھیں) نسائی نے مجتبی (۲۲۱/۱، ۲۲۲)، طبرانی نے مسند الشامیین (۱۹۴/۱)، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۲۸۱/۶۵) میں تخریج کی، حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۶۴/۴ ۷) میں کہا: ''نسائی نے مرفوعا انس کی حدیث ایسی سند سے تخریج کی جس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور بیہقی کے پاس شداد بن اوس کی حدیث اس کا ایک شاہد بھی ہے، ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۱۵/۳) میں اس کو منکر کہنے کے بعد اس کی اسناد کو حسن کہا، اور ابن کثیر نے البدایۃ

یہ حدیث صحیح اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مقامات مقدسہ پر نماز پڑھنا اور انبیا کے آثار کو تلاش کرنا جائز ہے۔

ابن تیمیہ کا بس ایک ہی فلسفہ ہے حدیث کا انکار کرنا، اسے تو یہ کہنا چاہیے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، مگر یہ کہنے کے بجائے اقتضاء الصراط (۴۳۹/۱) میں یہ کہا:

''اس سے زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ آپ کے بارے میں مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ سے یہ کہا گیا: آپ اتر کر یہاں نماز ادا فرمائیں، یہ واقعہ آپ کی مسجد کی تعمیر سے پہلے کا ہے، اس جگہ صرف مشرکین کی قبر تھی اور ہجرت کے بعد نبی ﷺ صرف وہاں اس لیے اترے کہ آپ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی، اس طرح کی دیگر باتیں اختراع کردہ اور جھوٹ ہیں جس پر تمام اہل

والنہایۃ (۶۶/۲) میں اپنے آخری قول میں یہ کہا: نسائی نے انس سے مرفوعا اسے ایسی سند سے روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں، اور بیہقی نے ایک سند سے روایت کیا اور اس کو صحیح کہا۔

ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۷۵/۲) میں یہ بھی کہا: یہ گزر چکا کہ آپ بیت اللحم میں بیت المقدس سے قریب پیدا ہوئے، اور وہب بن منبہ نے یہ زعم کیا کہ آپ مصر میں پیدا ہوئے، اور مریم اور یوسف بن یعقوب نجار نے ایک ساتھ سفر کیا آپ ایک دراز گوش پر سوار تھیں ان دونوں کے درمیان اور پالان کی لکڑی کے درمیان کچھ نہ تھا[1] اور یہ صحیح نہیں، اور گزشتہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی ولادت بیت اللحم میں ہوئی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور اس کے معارض حدیث باطل ہے، رہی شداد بن اوس کی حدیث تو بیہقی نے اسے صحیح کہا جیسا کہ ابن کثیر نے ذکر کیا کہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۴۷،۳۷/۱) میں کہا: بزار نے ۹/۴ (۴۰۹/۸، ۴۱۰) میں اسے روایت کیا، اور طبرانی نے کبیر (۲۸۳/۷) میں، اور اس میں ایک راوی اسحاق بن ابراہیم بن علاء ہیں جنہیں یحیی بن معین نے ثقہ کہا، اور نسائی نے اسے ضعیف کہا۔ میں کہتا ہوں: ابن حبان (۱۱۳/۸) نے بھی انھیں ثقہ کہا، اور ابوحاتم نے کہا: وہ ایسے شخص ہیں جن میں کوئی حرج نہیں (الجرح والتعدیل ۲۰۹/۲) حافظ نے التقریب (۹۹/۱) میں کہا: وہ زیادہ راست گو ہیں انھیں اکثر وہم ہوتا ہے۔

---

(۱) وہب بن منبہ کا قول بہت حد تک نصرانیوں سے مشابہ ہے (جیسا کہ اناجیل اربعہ کے مطالعہ سے ظاہر ہے) جو یوسف بن یعقوب نجار کو زوج مریم کہتے ہیں، اور یہ قرآن وحدیث اور اجماع امت کے سخت خلاف ہے، میرے نزدیک یہ اسرائیلی روایت ہے۔ (مترجم)

معرفت کا اتفاق ہے، بیت لحم نصرانیوں کا کلیسا ہے، مسلمانوں کے نزدیک وہاں آنے میں کوئی فضیلت نہیں چاہے وہ عیسی کی جائے ولادت ہو یا نہ ہو"۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا یہ قول جس سے وہ اظہار تعجب کر رہا ہے: "اس سے زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ آپ کے بارے میں یہ مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ سے یہ کہا گیا کہ یہاں اتر کر نماز ادا فرمائیں، یہ واقعہ آپ کی مسجد کی تعمیر سے پہلے کا ہے اس جگہ تو صرف مشرکین کی قبر تھی، اور ہجرت کے بعد نبی ﷺ وہاں صرف اس لیے اترے کہ آپ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی"، یہ خود ہی تعجب خیز ہے، کیا کوئی عاقل یہ گمان کرے گا کہ سارا مدینہ منورہ مشرکین کا مقبرہ تھا؟ آخر اوس وخزرج وغیرہ کہاں گزر بسر کر رہے تھے؟ کیا اس کا کوئی ثبوت ہے کہ مسجد کی پوری مساحت میں ازابتدا تا انتہا صرف مشرکین ہی کی قبریں ہیں؟، کیا اللہ اس پر قادر نہیں کہ آپ کے لیے پاک جگہ منتخب فرمائے، یا آپ کے لیے وہ جگہ پاک فرمادے جہاں آپ نماز ادا فرمائیں۔ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے درختوں کو یہ قوت بخشی کہ اپنی جگہ چھوڑ کر زمین کا سینہ چیرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں آپ کے قضائے حاجت تک آپ پر سایہ فگن رہیں، پھر دوبارہ اپنی جگہ واپس جائیں، تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ آپ کے لیے ناپاک جگہ پاک فرمادے۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے یہ کہا "اس طرح کی باتیں اختراعی اور جھوٹ ہیں جس پر تمام اہل معرفت کا اتفاق ہے"، اگلی صدیوں کے تمام ائمہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد اور ان کے عظیم اصحاب کی کتابوں میں ہم نے تلاش کیا تا کہ دیکھیں کہ کس نے یہ کہا، اور یہ اہل معرفت کون لوگ ہیں جن کا اس پر اتفاق ہے کہ جبریل نے نبی پاک ﷺ سے یہ نہ کہا: "اتر کر نماز ادا فرمائیں، تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: میں نے کیا" پھر جبریل نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ کہاں نماز ادا فرمائی؟ آپ نے طیبہ میں نماز ادا فرمائی، یہ دارالہجرت ہے، پھر کہا: اتر کر نماز ادا فرمائیں، "تو میں نے نماز ادا کی" تو جبریل نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ کہاں نماز ادا فرمائی؟ آپ نے طور سینا میں نماز ادا فرمائی جہاں اللہ عزوجل نے موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا، پھر جبریل نے کہا: اتر کر نماز ادا فرمائیں "تو میں نے اتر کر نماز ادا کی" پھر جبریل نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہاں نماز ادا فرمائی؟ آپ نے بیت

لحم میں نماز ادا فرمائی جہاں عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے''۔ یہ ابن تیمیہ کی سراسر تدلیس ہے، اس کے تمام کفش برداروں کو ہمارا چیلنج ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے تمام اہل معرفت یا ان میں سے کسی تین کا اس پر اتفاق پیش کریں۔

جب ابن تیمیہ کا مقصود یہ ہے کہ جبریل نے نبی پاک ﷺ سے کہا: یہ آپ کے باپ ابراہیم کی قبر ہے آپ یہاں اتر کر نماز ادا فرمائیں۔ اور وہ اس جزئیہ کو اس پر عام کر رہا ہے کہ آپ نے درخت کے پاس نماز ادا کی جہاں اللہ نے موسی سے کلام فرمایا، اور وہاں بھی نماز ادا فرمائی جہاں عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے، ہم کہیں گے: یہ ایک دوسری مصیبت ہے کیوں کہ ایک روایت میں یہ ہے: یہ آپ کے باپ ابراہیم کی قبر ہے یہاں اتر کر نماز ادا فرمائیں۔ اس روایت کا راوی بکر بن زیاد باہلی دجال ہے، جو جھوٹی حدیثیں بیان کرتا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے میزان الاعتدال (۵۰/۲) میں کہا: بکر بن زیاد باہلی کے متعلق عبداللہ ابن مبارک سے مروی ہے کہ ابن حبان نے کہا: یہ دجال ہے حدیث وضع کرتا تھا، پھر آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا اپنی سند ذکر کر کے کہا: ''جبرئیل بیت لحم کے پاس سے گزرے تو کہا: یہاں اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائیں کیوں کہ یہاں آپ کے بھائی عیسی کی ولادت ہوئی، پھر مجھے ابراہیم کی قبر کے پاس لائے تو کہا: یہاں نماز ادا فرمائیں، پھر مجھے چٹان کے پاس لائے تو کہا: آپ کے رب نے اسی جگہ سے آپ کو آسمان کی معراج کرائی۔ (الحدیث)

یہ ایسی چیز ہے جس کے موضوع ہونے کے بارے میں عامہ اصحاب حدیث کو کوئی شک نہیں، تو پھر اس معاملہ پر کیسے اتفاق ہوسکتا ہے۔ میں کہتا ہوں: ابن حبان نے سچ کہا''۔ انتھــی اس حدیث کا موضوع حصہ یہ قول ہے: ''ثـم أتـي بـي الصخرة'' (پھر مجھے چٹان کے پاس لائے) رہ گئے حدیث کے باقی اجزا تو دوسرے طرق میں وارد ہیں جن میں یہ ہے کہ بیت لحم میں نماز ادا کی، شداد بن اوس نے یہ حدیث روایت کی، اور حافظ ابن حجر نے بھی الاصابۃ (۷۶۴/۴) میں کہا: نسائی نے انس سے مرفوعا اسے ایسی سند سے تخریج کیا جس میں کوئی حرج نہیں، اور بیہقی کے پاس شداد بن اوس کی حدیث اس کا شاہد بھی موجود ہے۔ الخ

گزشتہ سطور سے یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ یہ روایت: ''جبریل نے نبی پاک ﷺ سے فرمایا: اتر کر نماز ادا فرمائیں ''تو میں نے نماز ادا کی'' پھر یہ کہا: کیا آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز ادا کی؟ آپ نے

طور سینا میں نماز ادا کی جہاں اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، پھر کہا: اتر کر نماز ادا کریں ''تو میں نے اتر کر نماز ادا کی'' پھر اس کے بعد کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہاں نماز ادا کی؟ آپ نے بیت لحم میں نماز ادا فرمائی جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، صحیح ہے، اور باہلی کذاب کے طریق سے مروی نہیں۔ تو پھر ابن تیمیہ تدلیس و تلبیس پر کیوں آمادہ ہے؟

(۹۲) نبی پاک ﷺ نے بیت اللحم کے پاس نماز ادا فرمائی جو عیسی علیہ السلام کی جائے ولادت ہے، اور ابن تیمیہ کہتا ہے کہ بیت اللحم کی زیارت کرنے اور وہاں نماز پڑھنے والا گمراہ اور اسلامی شریعت سے خارج ہے۔

گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے ابن تیمیہ کی بیہودہ گوئی آپ پر منکشف تام ہوگئی ہوگی، اس لیے کہ اس نے مجموع الفتاوی (۱۴/۲۷) میں مزید کہا:

> ''کفار کی عبادت گاہوں مثلاً قمامہ، بیت اللحم، صہیون یا اس کے علاوہ نصرانیوں کے کلیساؤں کی زیارت کرنا ممنوع ہے۔ جو شخص ان مقامات مذکورہ میں سے کسی مقام کی زیارت کرے، اور یہ اعتقاد رکھے کہ ان مقامات کی زیارت کرنا مستحب ہے اور وہاں عبادت کرنا گھر میں عبادت کرنے سے بہتر ہے، ایسا شخص گمراہ اور اسلامی شریعت سے خارج ہے اس سے توبہ طلب کی جائے، اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کردیا جائے''۔

میں کہتا ہوں:

گزشتہ سطور میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے، تو کیا ابن تیمیہ رسول اکرم ﷺ پر اعتراض یا تعریض کر رہا ہے؟ اس کے زمانہ کے اکثر علما نے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا تو اس نے دستی تحریر لکھ کر دی کہ میں نے توبہ کرلیا ہے، پھر اس نے اپنی ان تمام باتوں سے رجوع کرلیا، اور اس کے اصحاب واحباب نے یہ کہا کہ: ابن تیمیہ نے صرف از راہ تقیہ ایسا کیا۔

اے نادان نوجوان! عبرت حاصل کر کہیں تو بھی ابن تیمیہ اور اس کے اصحاب کی طرح گمراہ و برباد نہ ہو جائے، عالم کی شان تو یہ ہے کہ وہ اس قسم کے گستاخانہ الفاظ وکلمات سے سخت اجتناب کرے۔ اگر ابن تیمیہ کے نزدیک کوئی حدیث ضعیف ہے تو وہ دوسری سند سے بھی مروی ہے جیسا کہ آپ نے خود ملاحظہ فرمایا، تو پھر ابن تیمیہ

کی بیہودہ گوئی اور اس کا جوش غضب کیوں؟

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط (۱/۳۸۵) میں سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی سے یہ نقل کیا کہ نبی پاک ﷺ جن مقامات پر تشریف لے گئے وہاں کا قصد کرنا جائز ہے:

''خواتیمی نے کہا: ہم نے ابوعبداللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو ان زیارت گاہوں کے پاس آتا جاتا ہے، تو آپ نے فرمایا: ابن ام مکتوم کی حدیث اور عبداللہ بن عمر کے افعال کے مطابق کوئی حرج نہیں، حدیث پاک میں ہے کہ عبداللہ بن ام مکتوم نے نبی پاک ﷺ سے عرض کیا کہ حضور اقدس ان کے گھر تشریف لاکر گھر کے ایک گوشہ میں نماز ادا فرما دیں تاکہ وہ اسے اپنے لیے جانماز بنالیں، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے افعال سے یہ ثابت ہے کہ آپ رسول اکرم ﷺ کے خاص مقامات وآثار کو تلاش فرماتے، ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ ان زیارت گاہوں کی زیارت و حاضری میں کوئی حرج نہیں ہاں اس میں بہت زیادہ افراط وغلو سے اجتناب کرے۔ اوراسی طرح احمد بن قاسم نے آپ سے نقل کیا کہ مدینہ منورہ وغیرہ میں ان زیارت گاہوں کے پاس آنے جانے کے متعلق آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ: صحابی رسول ابن ام مکتوم نے نبی پاک ﷺ سے یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ حضور اقدس ان کے گھر قدم رنجہ فرما کر گھر کے ایک گوشہ میں نماز ادا فرما دیں تاکہ اسے اپنے لیے جانماز بنالیں، اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ان مقامات مقدسہ پر تشریف لے جاتے جہاں نبی پاک ﷺ تشریف لے گئے، یہاں تک کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر کو ایک مقام پر (بغیر کسی سبب ظاہر کے پانی) انڈیلتے دیکھا گیا، اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: نبی پاک ﷺ یہاں پانی انڈیل رہے تھے۔ آپ (امام احمد) نے فرمایا: ان احادیث وآثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس بارے میں رخصت کا حکم وارد ہے۔ مزید آپ نے فرمایا: مگر اس سلسلے

میں کچھ لوگ بہت زیادہ افراط وغلو کرتے ہیں، پھر آپ نے سید الشہد اسیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضۂ مبارک اور وہاں پر لوگوں کے اعمال وافعال کا ذکر فرمایا، خلال نے کتاب الأدب میں ان دونوں کو ذکر فرمایا''۔الخ

میں کہتا ہوں:

بغور ملاحظہ فرمائیں! آپ کے سامنے یہ کیسا روشن کلام ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج(۱) نہیں، ہاں! اس میں افراط وغلو سے احتراز لازم ہے جیسا کہ کربلا میں سیدنا امام حسین کے روضۂ مبارک کے پاس

(۱) أقول وبالله التوفیق: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ملک الموت حضرت موسی علیہ السلام کے پاس قبض روح کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے ملک الموت کو ایسا سخت طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ جاتی رہی، آپ رب عزوجل کی بارگاہ میں تشریف لائے اور عرض کیا: خداوندا تونے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا ہی نہیں چاہتے، اللہ عزوجل نے ملک الموت کی آنکھ درست فرمادی اور ارشاد فرمایا: جاکر موسی (علیہ السلام) سے کہو کہ اپنا ہاتھ اس بیل کی پشت پر رکھیں، ان کے ہاتھ میں جتنے بال آئیں گے ہر ایک بال کے عوض ایک سال عمر مزید عطا کی جائے گی، ملک الموت حضرت موسی علیہ السلام کے پاس پھر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: موت، تب موسی علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر ابھی آجائے، اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے بیت المقدس سے ایک پتھر پھینکنے کے برابر قریب فرمادے، راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **فلو کنت ثم لأریتکم قبره إلی جانب الطور عندالکثیب الأحمر** ''اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ضرور ان کا مزار دکھاتا جو طور کے پاس سرخ تودۂ ریگ کے قریب ہے۔'' اس حدیث کو بخاری (۱/۴۴۹، ۱۲۷۴)، مسلم (۱۸۴۲/۴، ۲۳۸۲) اور نسائی (۱۱۸/۴، ۲۰۸۹) نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے محبوبہ محبوب رب العالمین ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نبی اکرم ﷺ کے پہلوئے اقدس میں دفن ہونے کی اجازت مانگی، جب آپ نے اجازت دے دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: **ما کالشيء أهم إلي من ذلک المضجع** '' مجھے کوئی چیز اس خواب گاہ سے زیادہ محبوب نہیں۔

ابن تیمیہ اور اس کے نیاز بردار ہوش میں آئیں اور مجھے بتائیں کہ اللہ کے نبی حضرت موسی کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے کیوں بیت المقدس کے قریب دفن ہونے کی دعا کی؟ اور حضور اقدس سید عالم ﷺ نے کیوں یہ فرمایا کہ: اگر میں وہاں

ہو رہا ہے۔ آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ شیعہ وہاں کیا کرتے ہیں وہ خود کو زنجیروں سے وہاں باندھتے ہیں، اپنے اوپر تلواریں چلاتے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے افعال کرتے ہیں جنہیں ہر شخص جانتا ہے، تو پھر ابن تیمیہ سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی کے اس روشن کلام سے کیوں عبرت حاصل نہیں کرتا۔

ہوتا تو ضرور تمہیں آپ کا مزار دکھاتا؟ اور امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پہلوئے محبوب میں دفن ہونے کی اجازت مانگی اور اجازت حاصل ہونے پر کیوں یہ فرمایا کہ اس خواب گاہ سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہیں؟ کیا یہ ساری چیزیں شرک وبدعت اور ناجائز وحرام ہیں، اور یہ حضرات مبتدع، مشرک اور ناجائز وحرام کے مرتکب ہیں؟! دیدۂ انصاف سے ان حقائق کا مطالعہ کریں، یہ حقائق اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ جن مقامات کو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت حاصل ہے وہ برکت وفیض کا سرچشمہ ہیں، ان کی زیارت وقصد جائز ومشروع ہے، جو لوگ عمل بالحدیث کا دعوی کرتے ہیں اور دوسروں پر ترک حدیث کا الزام عائد کرتے ہیں وہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں اور انصاف کریں کہ وہ عمل بالحدیث کے دعوی اور دوسروں پر ترک حدیث کے الزام میں سچے ہیں؟ اور ان کا نام نہاد پیشوا انھیں کس چاہ عمیق میں لے جارہا ہے ذرا اس پر بھی غور کریں۔

إذا كان الغراب دليل قوم

سيهديهم طريق الهالكين.

(مترجم)

(۹۳) نبی پاک ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کو یہ تعلیم فرمایا کہ انبیاے کرام کے آثار کا قصد کریں

(۲) نبی پاک ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کو یہ تعلیم فرمایا کہ انبیائے کرام کے آثار تلاش کریں: محمد بن عمران انصاری نے فرمایا کہ میرے والد عمران نے فرمایا: عبداللہ بن عمر میرے پاس آئے میں مکہ کے راستہ میں ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اس درخت کے نیچے اترنے کا سبب کیا ہے؟ میں نے کہا: سائے کے لیے، آپ نے فرمایا: خیر یہ تو ہے ہی، میں نے کہا: پھر اس کے علاوہ کیا چیز ہے؟ عبداللہ بن عمر نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**إذا كنت بين الأخشبين من منى**'' یعنی جب تم منی کی ان وادیوں کے درمیان ہو، اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا، یہاں ایک وادی ہے جسے سرر کہا جاتا ہے، وہاں ایک درخت ہے جس کے نیچے ستر انبیائے کرام کی ولادت کے وقت ان کے ناف کاٹے گئے یا اس کے نیچے ان میں سے ہر ایک کو یکے بعد دیگرے نبوت ملی جس سے وہ خوش ہوئے۔(۱)

---

(۱) امام مالک نے موطا میں اسے روایت کیا (۴۲۳/۱) - اور یہ معلوم ہے کہ موطا کے تمام آثار واخبار صحیح ہیں، اور امام احمد نے اپنی مسند (۱۳۸/۲)، حافظ نسائی نے (مجتبی) (۲۴۸/۵)، ابن حبان نے اپنی صحیح (۱۳۷/۱۴)، بیہقی نے سنن کبری (۱۳۹/۵ اور ۴۱۷/۲)، اور امام بخاری نے صحیح بخاری (۱۸۳/۱، ۱۸۴) میں **باب المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي** ﷺ (ان مسجدوں کا باب جو مدینہ منورہ کے راستوں پر واقع ہیں اور جن مقامات پر نبی پاک ﷺ نے نماز ادا فرمائی) میں نافع سے ایک طویل حدیث روایت کی، کہ عبداللہ بن عمر نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ راستہ کے بائیں طرف کچھ بڑے درختوں کے پاس پانی کے ایک نالہ کے پاس اترے۔
عبداللہ ابن عمر ایک بڑے درخت کے قریب نماز پڑھتے جو راستہ کے بڑے درختوں میں سب سے زیادہ قریب اور لمبا تھا۔
حافظ نے فتح الباری (۵۷۱/۱) میں فرمایا: ترمذی میں عمرو بن عوف کی حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے وادی روحاء میں نماز

یہ ایک نص قطعی ہے جس میں اس بات کی روشن ترغیب ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ان دونوں وادیوں کے درمیان ہوتے تو وہاں انبیائے کرام کے مبارک آثار کی زیارت کرتے۔

علامہ سیوطی نے **تنویر الحوالک** (۱/۲۹۳) میں کہا: ستر انبیائے کرام کی پیدائش کے وقت اس درخت کے نیچے ان کے ناف کاٹے گئے، اور ایک قول یہ ہے کہ: اس روایت میں "**سُـــــــرّ**" کا لفظ سرور سے ماخوذ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ان ستر انبیائے کرام کو اس درخت کے نیچے یکے بعد دیگرے نبوت عطا کی گئی جس سے انہیں فرح وسرور حاصل ہوا۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱/۵۷۱) میں کہا: ترمذی میں عمرو بن عوف کی یہ حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے وادی روحاء میں نماز ادا فرمائی، اور فرمایا: "**لقد صلى في هذا المسجد سبعون نبيا**" "اس مسجد میں ستر انبیائے کرام نے نماز ادا فرمائی"، تیسرے یہ کہ ابن عمر کے اس عمل سے یہ معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ کے آثار تلاش کرنا، اور ان سے اکتساب برکت کرنا مستحب ہے، اور شافعیہ میں سے امام بغوی شافعی نے فرمایا کہ: جن مسجدوں کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی، اگر کسی نے وہاں نماز ادا کرنے کی نذر مانی تو ایفائے نذر متعین ہے جیسا کہ تینوں مسجدیں (مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ) متعین ہیں۔

(۳) نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو یہ تعلیم فرمایا کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے کنویں پر آ کر اس کنویں کا پانی نوش جاں کریں۔

(۴) امام بخاری نے بخاری (۱/۱۸۹) میں تخریج کیا کہ یزید بن ابو عبید نے فرمایا: میں سلمہ بن اکوع کے ساتھ آتا تو وہ مصحف سے متصل ستون کے قریب نماز ادا کرتے، میں نے کہا: اے ابو مسلم! میں آپ کو اس

ادا کی اور فرمایا: "اس مسجد میں ستر انبیائے کرام نے نماز ادا فرمائی"، تیسرے یہ کہ ابن عمر کے عمل سے معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ کے آثار تلاش کرنا اور ان سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے۔ اور شافعیہ میں سے بغوی نے کہا کہ: جن مسجدوں کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی ہے، اگر کسی نے وہاں کوئی نماز پڑھنے کی نذر مانی تو وہاں نماز پڑھنا ایسا ہی متعین ہے جیسا کہ تینوں مسجدیں متعین ہیں۔

ستون کے پاس نماز ادا کرتے دیکھتا ہوں، آپ نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کو وہاں نماز ادا کرتے دیکھا اس لیے میں بھی وہیں نماز ادا کرتا ہوں۔

اس حدیث کے متعلق ابن تیمیہ کا خیال یہ ہے کہ صحابی جلیل سلمہ بن اکوع اس مقام کی فضیلت کے سبب وہاں نماز ادا فرماتے، اس لیے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی۔ مسلمانو! تمہارے لیے بس اتنا کافی ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے تمام شارحین حدیث نے یہ فرمایا کہ: یہ حدیث پاک انبیائے کرام کے آثار مقدسہ متبرک مقامات اور ان کی جانمازوں سے اکتساب برکت کی روشن دلیل ہے۔ اگر معاندین کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل ہے تو پیش کریں؟ ہم بطور اختصار امت کے مشہور علمائے کرام کے بعض اقوال ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

(۹۴)انبیائے کرام صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے آثار مقدس اوران کی نمازوں کے مقامات کا قصد وارادہ اور علمائے امت کے اقوال

ابن حزم [1] نے **المحلی** (۴۴۱/۴) میں کہا:

''وہ تمام عبادت گاہیں ڈھادی جائیں جنھیں اس لیے بنایا گیا کہ وہاں لوگ تن تنہا رہیں، مثلاً راہبوں کے چرچ، اسی طرح وہ مقامات جہاں جہلا فضیلت حاصل کرنے کے لیے جائیں اور وہاں انبیا علیہم الصلاۃ والسلام میں سے کسی نبی کے آثار نہ ہوں''۔

اور اسی کتاب مذکور (۱۸/۸) میں یہ بھی کہا:

''کسی نے مدینہ منورہ پیادہ یا سوار ہو کر جانے ، یا وہاں قیام کرنے کی نذر مانی تو اس پر ایفائے نذر لازم

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا: ابن حزم، فاقد الجزم، ظاہری المذہب، ردی المشرب غیر مقلد خبیث اللسان، لامذہب ہے اس نے سیدنا ابوطفیل صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقدوح و مجروح بتایا جیسا کہ فرماتے ہیں: ''ہاں! یہ دفتر توثیق اپنے پیشوا ابن حزم غیر مقلد، لامذہب کو سنائیے جس خبیث اللسان نے آپ کی اس روایت کے رد میں سیدنا ابو الطفیل صحابی رضی اللہ تعالیٰ کو عیاذ باللہ تعالیٰ مقدوح و مجروح بتایا جسے دوسرے غیر مقلد شوکانی نے نقل کیا، غیر مقلدوں کی عادت ہے کہ جب حدیث کے رد پر آتے ہیں خوف خدا و شرم دنیا سب بالائے طاق رکھ جاتے ہیں، اسی ابن حزم نے باجے حلال کرنے کے لیے صحیح بخاری شریف کی صحیح و متصل حدیث کو بزعم تعلیق رد کیا جس کا بیان امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح صحیح مسلم شریف میں فرمایا''۔ (فتاوی رضویہ مترجم ۲۰۶/۵، رسالہ حاجز البحرین)

اسی پیشوائے غیر مقلد نے کتاب الفصل في الملل والأهواء والنحل ۱۸۳/۲ میں کہا:

''وكذلك من سأل هل الله تعالى قادر على أن يتخذ ولدا فالجواب أنه تعالى قادر على ذلك، وقد نص عزوجل على ذلك في القرآن قال الله تعالى :'' ولو أراد الله أن يتخذ ولدا لاصطفىٰ ممايخلق مايشاء'' وكذلك قال تعالى: ''لو أردنا أن نتخذ لهوا لاتخذناه من لدنا إن كنا فاعلين''

کوئی شخص یہ پوچھے کہ کیا اللہ تعالیٰ ولد اختیار کرنے پر قادر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے، قرآن پاک

ہے اوراسی طرح انبیاے کرام علیہم السلام کے آ ثار میں سے کسی اثر یا بیت المقدس پیدل یا سوار ہوکر جانے یا وہاں اعتکاف وقیام کی نذر مانی تو بھی ایفائے نذر لازم ہے''۔

میں اللہ عزوجل نے اس کی تصریح فرمادی ہے جیسا کہ فرمایا: اللہ اپنے لیے بچہ بنا تا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا، اور اگر ہم کوئی بہلا وا اختیار کرنا چاہتے تو اپنے پاس سے اختیار کرتے اگر ہمیں کرنا ہوتا۔

سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی قدس سرہ العزیز نے **المعتقد المنتقد** میں فرمایا:

اہل بدعت میں سے بعض اشقیا نے اس عقیدہ سے اندھے پن کے سبب اس کی تنقیص کی تو ابن حزم سے نقل کیا کہ اس نے ''الملل والنحل'' میں کہا کہ اللہ تعالی اس پر قادر ہے کہ اپنے لیے اولاد بنائے اس لیے کہ اگر قادر نہ ہو تو ضرور عاجز ہوگا، تو اس بدعتی کا اندھا پن دیکھو اسے وہ کچھ کیوں کر نہ سوجھا جو اس قول شنیع پر لازم آتا ہے یعنی وہ لوازم جن کی طرف وہم کو راہ نہیں، **اوراس کے ذہن سے یہ کیسے جاتا رہا کہ عجز تو صرف اس صورت میں ہے جب قصور جانب قدرت سے ہو، اور اگر یہ عجز اس وجہ سے ہو کہ ان امور سے قدرت کا تعلق صحیح نہیں تو کسی عاقل کو یہ وہم نہ ہوگا کہ یہ عجز ہے۔**

علامہ نابلسی کی مطالب وفیہ میں ہے:

''اس مقام پر ابن حزم سے ہذیان صادر ہوا جس کا بطلان ظاہر ہے اس کے لیے اس میں کوئی راہ نما ورئیس نہیں مگر شیخ ضلالت ابلیس، اوراسی میں ہے مختصر یہ کہ تقدیر فاسد بڑے گھال میل تک پہنچاتی ہے جس کے ساتھ نہ کچھ ایمان باقی رہتا ہے، نہ ہی معقولات میں سے اصلا کچھ رہ جاتا ہے اور اہل بدعت میں سے بعض ناسمجھوں پر یہ معنی پوشیدہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے اس عقیدہ کے مناقض تصریح کی تو ابن حزم سے حکایت کی کہ اس نے ''ملل ونحل'' میں کہا کہ: اللہ تبارک وتعالی اپنے لیے بیٹا بنانے پر قادر ہے، اس لیے کہ اگر اس پر قادر نہ ہو تو ضرور عاجز ہوگا، اب اس بدعتی کی خبط الحواسی دیکھو کہ وہ ان لوازم سے کیسے غافل رہا جو اس کے مقالہ شنیعہ سے لازم آتے ہیں جن کی گنجائش کسی وہم میں نہیں، **اوراس کے خیال سے یہ کیسے دور ہوگیا کہ عجز تو جبھی ہے کہ قصور قدرت کی جانب سے آ تا مگر جب کہ قصور اس وجہ سے ہو کہ محال اس کے قابل نہیں کہ قدرت الہیہ اس سے متعلق ہو تو کوئی عاقل یہ وہم نہ کرے گا کہ یہ عجز ہے**''۔ **المعتقد المنتقد** ص۱۲۹-۱۳۱، ترجمہ از تاج الشریعہ۔

نیز فرمایا:

''اوراس میں سوائے ابن حزم کے کسی نے اختلاف نہ کیا کہ وہی حضور ﷺ کے استخفاف کے مرتکب کے عدم کفر کا قائل

اور اسی کتاب مذکور (۱۸/۸) میں یہ بھی کہا:

''کسی نے مدینہ منورہ پیادہ یا سوار ہو کر جانے، یا وہاں قیام کرنے کی نذر مانی تو اس پر ایفائے نذر لازم ہے اور اسی طرح انبیاے کرام علیہم السلام کے آثار میں سے کسی اثر یا بیت المقدس پیدل یا سوار ہو کر جانے یا وہاں اعتکاف و قیام کی نذر مانی تو بھی ایفائے نذر لازم ہے''۔

حافظ ابن عبدالبر نے التمہید (۶/۲۲۸) میں کہا:

''وہاں ان مقامات کی برکت حاصل کی جائے جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی، اور اپنے پائے اقدس رکھے اور قیام فرمایا''۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی شرح صحیح مسلم (۵/۱۶۱) میں فرمایا:

''اور انہیں میں سے یہ امور ہیں: صالحین اور ان کے آثار سے برکت حاصل کرنا، ان مقامات پر نماز ادا کرنا جہاں انھوں نے نماز ادا کی، ان حضرات سے برکت حاصل کرنا، فاضل کا مفضول کی زیارت کرنا، اس کی فضیلت میں شریک ہونا، اور عذر کے سبب جماعت کا ساقط ہونا''۔

اور اسی شرح صحیح مسلم (۱۳/۱۷۸) میں اس پیالہ کے متعلق جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دہن اقدس سے نوش فرمایا، یہ ارشاد فرمایا: سہل نے ہمارے لیے وہ پیالہ نکالا ہم نے اس سے پیا پھر سیدنا عمر بن

ہے، اور اس مسئلہ میں کسی نے اس کی پیروی نہ کی اور اس کا اعتبار نہیں اور ابن حزم نے اس قول سے حضور اقدس ﷺ کی شان میں تنقیص کرنے والے کی تکفیر میں اختلاف کی طرف جو اشارہ کیا وہ مردود ہے یوں ہی خفاجی نے شرح شفا میں فرمایا''۔ (المعتقد المنتقد ص ۳۰۱و۳۰۲)

اس غیر مقلد لامذہب کی ضلالت و گمراہی دیکھنے کے لیے فتاوی رضویہ رسالہ سبحان السبوح، اور الرفع و التکمیل مطالعہ کریں مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ ہم ابن حزم کی عبارت بطور تایید نہیں بلکہ غیر مقلدین زمانہ کے خلاف بطور حجت پیش کرتے ہیں کہ غیر مقلدین زمانہ جس کے نقش پا پر چلتے ہیں ان کا قائد و راہ نما ایسا کہہ رہا ہے وہ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں کافر، مشرک، مبتدع یا اور کچھ؟ ﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ (مترجم)

عبدالعزیز نے بطور ہبہ اس پیالہ کو طلب فرمایا تو آپ کو وہ کاسئہ مبارک ہبہ کر دیا گیا،اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی پاک ﷺ کے آثاروتبرکات ،آپ سے وابستہ ،آپ کی مس فرمودہ،آپ کی پہنی ہوئی چیزوں سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔ان چیزوں کے جائز ہونے پر ساری امت کا اجماع اور سلف وخلف کا اتفاق ہے۔یعنی روضۂ اقدس کے پاس رسول اللہ ﷺ کے مقامات نماز پر نماز کی برکت حاصل کرنا اور رسول پاک جس غار میں تشریف لے گئے وہاں جا کر اس مقام کی برکت حاصل کرنا وغیرہ جائز ومشروع ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۵۲۲/۱) میں فرمایا:

''اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ نے جن مقامات پر نماز ادا فرمائی، یا اپنے قدم پاک رکھے ان سے برکت حاصل کرنا جائز ہے،اوراس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہواور برکت کے لیے صالحین کو پکارا جائے اس لیے کہ وہ پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتے ہیں اوراس کی درخواست قبول فرماتے ہیں۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ عتبان نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو صرف اس لیے پکارا ہوتا کہ قبلہ کی صحیح سمت معلوم ہو''۔

(۵) صرف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ ہی نبی پاک کے آثار ومقامات کے عاشق ودیوانہ نہ تھے، بلکہ عبدالرحمٰن بن صفوان بھی شمع نبوت کے ان پروانوں میں سے ہیں جو نبی پاک ﷺ کے نقش پا پر پروانہ وار نثار ہوئے ،فتح مکہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح فرمایا تو میں نے اپنے کپڑے بدلے کیوں کہ میرا گھر راستہ ہی میں تھا، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام مسجد حرام شریف سے باہر تشریف لائے تو میں (عبدالرحمٰن بن صفوان) نے صحابہ سے پوچھا: حضور اقدس سید عالم ﷺ نے کہاں نماز ادا فرمائی؟ ایک شخص نے کہا: ''بیچ والے ستون کے پاس داہنی طرف دو رکعت نماز ادا فرمائی ہے''۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۹۵/۳) میں کہا: بزار نے اسے روایت کیا،اوراس میں یہ حدیث بھی مروی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔اس حدیث کے رجال صحیح کے

رجال ہیں۔

مسند امام احمد (۲/۵۷) میں عبداللہ ابن ابوملیکہ سے مروی ہے کہ معاویہ مکہ تشریف لائے تو کعبہ مقدسہ میں داخل ہوئے اور آپ نے سیدنا عبداللہ بن عمر کی خدمت میں ایک شخص کو اس لیے بھیجا تا کہ وہ آپ سے یہ دریافت کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز ادا فرمائی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''دونوں ستونوں کے درمیان دروازہ کے سامنے'' اتنے میں ابن زبیر آئے اور دروازہ کو خوب زور سے ہلانے لگے تو اسے کھول دیا گیا، آپ نے آ کر معاویہ سے کہا: سنئے آپ کو یقین سے یہ معلوم تھا کہ میں بھی جانتا ہوں جیسا کہ عبداللہ بن عمر جانتے تھے لیکن آپ نے مجھ سے حسد کیا (اور مجھ سے نہ پوچھا)۔

(۶) تابعین کرام کے اعمال وافعال:

عبدالصمد علی بن عبداللہ بن حبر امت حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے دوسری صدی میں اس بیر کے درخت کے پاس ایک مسجد تعمیر فرمائی۔

طبری نے اپنی تفسیر (۲۳/۱۱)، ابن عبدالبر نے التمہید (۶۵/۱۳) اور صاحب معجم البلدان نے معجم البلدان (۲۱۰/۳) میں ذکر کیا۔ عز مجد الاسلام میں ہے کہ کسی نے اس تعمیر پر اعتراض نہ کیا بلکہ اس کو برقرار رکھا، جس سے ثابت ہوا کہ اس پر سلف صالح کا اجماع ہے۔

ابن تیمیہ کے ریزہ خوار مجھے بتائیں کیا ان کے پاس اس کے خلاف کوئی روشن دلیل ہے؟

(۹۵) ابن تیمیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اور نبی پاک ا کی امت کے کسی عالم کے لیے یہ پسند نہیں کرتا کہ رسول اللہ ا کے آثار کا قصد کریں، بلکہ ان پر تشبہ بالیہود کی تہمت لگاتا ہے

ابن تیمیہ نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۸۰/۱) میں کہا:

''اسی طرح ابن عمر اس تلاش میں رہتے کہ ان مقامات پر جائیں اور اتریں جہاں نبی پاک ﷺ تشریف لے گئے اور نزول فرمایا، اور سفر میں وہاں وضو فرماتے جہاں آپ کو وضو کرتے دیکھا، اور اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اس درخت پر ڈالتے جس درخت پر نبی پاک ﷺ نے اپنے وضو کا پانی ڈالا، اور اس طرح کی دیگر چیزیں جنہیں علما کی ایک جماعت نے مستحب قرار دیا، اور جمہور علما نے اسے مستحب قرار نہ دیا جیسا کہ اکابر صحابہ مثلاً ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود اور معاذ ابن جبل وغیرہم کہ ان حضرات صحابہ نے اسے نہ مستحب ٹھہرایا، اور نہ ہی ابن عمر کی طرح عمل کیا، اگر یہ حضرات اسے مستحب جانتے تو ضرور ابن عمر جیسا عمل کرتے جیسا کہ یہ حضرات حضور کی اتباع واقتدا کا قصد فرماتے''۔

ابن تیمیہ نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۸۱/۱) میں مزید کہا:

''اس جگہ کو نماز کے لیے خاص کر لینا اہل کتاب کی ان بدعات سے ہے جن کے سبب وہ ہلاک ہوئے، اور مسلمانوں کو اس بارے میں ان کی مشابہت سے روکا گیا، اس لیے کہ ایسا کرنے والا بظاہر نبی کی مشابہت اختیار کرتا ہے لیکن اس کا دلی مقصود یہود ونصاری کی مشابہت اختیار کرنا ہے''۔

میں کہتا ہوں:

خدا کی قسم! ابن تیمیہ جھوٹا ہے، ابن تیمیہ کے تمام کفش برداروں کو میرا چیلنج ہے کہ وہ جمہور علما کے اقوال

پیش کریں، ابن تیمیہ کا یہ مکمل جھوٹا دعوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما جو کرتے تھے جمہور علما نے اسے مستحب نہ کہا، کیا ابن تیمیہ اس گمان میں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم نبی پاک ﷺ کے آثار تلاش نہ فرماتے۔

ذرا دیکھیں! ان حضرات کا یہ حال تھا کہ آپ کے موئے مبارک شریف(۱) پر دل وجان سے ٹوٹ پڑتے، آپ جس مقام پر اپنی انگشت مبارک رکھ دیتے صحابہ اس کے آثار تلاش کرتے، جابر بن سمرہ سے مروی

(۱) بخاری نے روایت کیا کہ ابن سیرین نے فرمایا: میں نے عبیدہ سے کہا کہ: ہمارے پاس نبی ﷺ کا ایک موئے مبارک ہے جو ہمیں حضرت انس یا ان کے گھر والوں سے دستیاب ہوا ہے عبیدہ نے فرمایا کہ: میرے پاس نبی پاک ﷺ کا ایک موئے مبارک ہونا میرے نزدیک دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کی ٹوپی میں نبی پاک ﷺ کے چند موہائے مبارک تھے، ضائع ہونے کے اندیشے سے وہ ان کی نگہداشت فرماتے اور برکت کے لیے ان کا پورا اہتمام کرتے۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ایک جبہ تھا جسے مریضوں کے لیے دھوتیں اور اس کا دھوون مریضوں کو پلاتیں جس سے انھیں شفا ملتی۔

حضرت ام عمارہ کے پاس نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چند موہائے مبارک تھے وہ انھیں دھلتیں اور ان کا غسالہ بیماروں کو پلاتیں بیمار شفایاب ہوتے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ترکہ کی بعض چیزیں موجود تھیں ان میں دو موزے، ایک خم دار چادر اور ترکش وغیرہ تھے وہ پورے اہتمام کے ساتھ ان کی نگہداشت فرماتے اور روزانہ ایک بار ان کی زیارت کرتے اور جب کوئی مقتدر شخص ان کی خدمت میں آتا تو آپ اس کو وہاں لے جاتے جہاں یہ تبرکات تھے اور یہ فرماتے یہ اس ذات پاک کی میراث ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت وتکریم سے نوازا ہے۔ (شیخ دہلوی)

حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور لٹکی ہوئی مشک کے منھ سے کھڑے ہوکر پانی پیا میں مشک کے منھ کی طرف بڑھی اور اس کا منھ کاٹ لیا۔

محدثین نے اس کی شرح میں فرمایا کہ: کبشہ کے منھ کاٹنے کا مقصد یہ تھا کہ اس سے برکت حاصل کریں اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا دہن مبارک اس حصہ سے لگا تھا۔

ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب کھانا پیش کیا جاتا آپ اس سے تناول فرماتے اور بچا ہوا کھانا ابوایوب کے پاس بھیج دیتے، ابوایوب اپنی انگلیاں اسی مقام پر رکھتے جہاں رسول اللہ ﷺ کی مقدس انگلیوں کے نشانات دیکھتے، ایک بار نبی پاک کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے اس میں لہسن کی بو محسوس فرمائی اس لیے اسے تناول نہ فرمایا اور ابوایوب کے پاس واپس بھیج دیا، جب ابوایوب نے پیالہ دیکھا تو نبی پاک ﷺ کی مبارک انگلیوں کے نشانات اس میں نظر نہ آئے، تو آپ نے بھی اسے تناول نہ فرمایا۔ اور حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے پیالہ میں آپ کے انگشتان اقدس کے نشانات نظر نہ آئے، آپ نے فرمایا "إني وجدت منها ريح ثوم" "مجھے اس پیالہ سے لہسن کی بو محسوس ہوئی" انھوں نے عرض کیا: آپ میرے پاس وہ کھانا بھیجتے ہیں جسے آپ خود تناول نہیں فرماتے، آپ نے فرمایا: "إني ياتيني الملک" "بے شک میرے پاس فرشتہ آتا ہے"۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۶۵/۸) میں کہا: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا، اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس حدیث کو امام احمد (۹۴/۵)، ابوعوانہ (۱۹۹/۵)، ابن حبان (۵۱۰/۱۱)، طبرانی نے

مکہ مکرمہ کی گلی زقاق الحجر میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا کے مکان کے راستے میں ایک پتھر واقع ہے جو ایک دیوار میں لگا ہوا ہے لوگ اس کی زیارت کرتے اور اس کے چھونے سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ ابن حجر مکی ہیتمی نے فرمایا کہ: اہل مکہ سے بہ تسلسل یہ منقول ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جو نبوت سے قبل نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرتا تھا اس پتھر پر یہ دو اشعار لکھے ہوئے ہیں:

أنا الحجر المسلّم كل حين — على خير الورىٰ فلي البشارة

ونلت فضيلة من ذى المعالي — خُصصت بها وإني من حجارة

یعنی میں وہ پتھر ہوں جو ہر وقت خیر الوریٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتا رہتا ہوں اس وجہ سے میرے لیے مژدہ ہے۔

اور میں نے بلندیوں والے نبی سے ایسی فضیلت پائی ہے جو صرف میرا حصہ ہے حالاں کہ میں ایک پتھر ہوں۔

(نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن ﷺ از مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی قدس سرہ (م ۱۲۸۵)) (مترجم)

کبیر (۲/۲۱۷)، اور حاکم نے مستدرک (۳/۵۲۱) میں روایت کیا۔ اور ہم ان شاء اللہ حضور اقدس سید عالم ﷺ سے اکتساب برکت کے سلسلے میں ایک مستقل کتاب شائع کریں گے تاکہ بد مذہب جہلا کا بلیغ رد ہو جائے۔

ہم گزشتہ سطور میں واضح کر چکے کہ ابن تیمیہ کی یہ بات بے دلیل ہے کہ کبار صحابہ عبداللہ بن عمر کے فعل پر عمل پیرا نہ تھے، بلکہ اس کے خلاف دلیل شاہد ہے، اللہ عزوجل نے اسے اس پر مطلع نہ فرمایا اور ہر انسان کو اختیار ہے جو جی میں آئے بکے، ابن تیمیہ پر لازم ہے کہ عبداللہ بن عمر کے مخالفین کے اقوال پیش کرے (گزشتہ اوراق مطالعہ کریں)

اب ان علماے امت کو ملاحظہ فرمائیں جنھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما پر زندیقیت اور نفاق کی تہمت نہ لگائی بلکہ ان کی تعریف وتوصیف کی، ابن تیمیہ آپ پر یہ تہمت لگاتا ہے کہ آپ کا عمل بظاہر نبی پاک کے عمل جیسا ہے اور آپ کا دلی مقصود یہود ونصاری کے افعال جیسا کرنا ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

ابن عبدالبر نے التمہید (۵/۱۱۹) میں کہا:

''نافع نے فرمایا: میں نے ابن عمر کو دیکھا جب اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر شہدا کی قبروں کی طرف جاتے تو اونٹنی کو عجب طرح سے واپس لاتے، آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس راستہ میں اپنی اونٹنی پر دیکھا تو شاید میرا موزہ آپ کے موزہ سے لگ جاتا جس کے سبب آپ اسی طرح واپس آئے، میں اسی کی یادگار میں اس طرح آتا ہوں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کی کمال اقتدا اور غایت اتباع میں تھا۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۱/۱۶۵) میں روایت کیا:

مالک بن انس نے فرمایا: عمر کے بعد ہم سب کے امام زید بن ثابت تھے اور زید کے بعد لوگوں کے امام عبداللہ بن عمر تھے۔

اور امام نووی نے تهذيب الأسماء (۱/۲۶۲) میں عبداللہ بن عمر کے حالات میں فرمایا: آپ رسول اللہ ﷺ کے آثار کی سخت اتباع فرماتے، آپ کے مناقب کافی معروف ومشہور ہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع

کے سلسلے میں آپ کی نظیر بہت ہی کم ہے، آپ ہر ہر چیز میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع فرماتے، آپ اقوال وافعال، اور دنیا اوراس کے مقاصد اور ریاست وغیرہ سے بے رغبتی میں رسول اللہ ﷺ کے روشن آئینہ دار تھے، آپ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار چھ سو تیس (۱۶۳۰) حدیثیں روایت کیں جن میں سے ایک سو ستر (۱۷۰) احادیث پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے، اور امام بخاری نے اکیاسی (۸۱)، اور امام مسلم نے اکتیس (۳۱) حدیثیں منفرداً روایت کیں، ہم تک زہری کا یہ قول پہنچا کہ زہری نے فرمایا: میری رائے ابن عمر کی رائے کے برابر نہیں کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ساٹھ سال تک بقید حیات رہے، اس لیے آپ پر نہ حضور کا کوئی معاملہ پوشیدہ رہا اور نہ ہی صحابہ کا، اور امام مالک نے فرمایا: ابن عمر ساٹھ سال تک مقیم رہے، آپ کے پاس لوگوں کے وفد آتے، اور امام بخاری سے "بخاری کتاب رفع اليدين في الصلاة" میں مروی ہے کہ جابر بن عبداللہ نے فرمایا: صحابہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو ابن عمر سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کا التزام اوراس کی اتباع کرتا۔

ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۳۸-۲۳۷/۳) میں ذکر کیا: ابن حزم نے کتاب الاحکام میں اٹھائیسویں باب میں کہا: صحابہ میں یہ حضرات سب سے زیادہ صاحب فتوی تھے: عمر، آپ کے بیٹے عبداللہ، علی، عائشہ، ابن مسعود، ابن عباس اور زید بن ثابت، یہ سات حضرات صرف ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک کے فتاوی جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، اور ابوبکر محمد بن موسی بن یعقوب بن امیر المومنین مامون نے ابن عباس کے فتاوی بیس جلدوں میں جمع کیے، یہ ابوبکر ائمہ اسلام میں سے ایک عظیم امام ہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے التہذیب (۲۸۸/۵) میں ذکر کیا: حفصہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: "إن عبدالله رجل صالح" "بے شک عبداللہ ایک نیک آدمی ہیں" اور جابر نے فرمایا: ابن عمر کے سوا ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جس نے دنیا حاصل کیا مگر دنیا نے اسے مائل کرلیا، اوراس نے دنیا کو مائل کرلیا، اور سعید بن مسیّب نے ان کی وفات کے روز فرمایا: روئے زمین پر آپ سے زیادہ محبوب میری نظروں میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس نے آپ کے عمل کے برابر عمل لے کر اپنے رب سے ملاقات کی ہو، اور زہری نے فرمایا: ہم کسی رائے کو آپ کی رائے کے برابر نہیں ٹھہراتے، اور مالک نے فرمایا: آپ ساٹھ سال تک مسند

آرائے افتار ہے، اور زبیر نے کہا: آپ نے دس سال کی عمر میں ہجرت فرمائی، اور رجاء بن حیوہ نے فرمایا: جس وقت ہمارے پاس ابن عمر کے وصال کی خبر آئی، ہم ابن محیریز کی مجلس میں تھے تو ابن محیریز نے کہا: خدا کی قسم! میں ابن عمر کا وجود زمین والوں کے لیے باعث امان شمار کرتا تھا۔ آپ کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں۔ میں کہتا ہوں: ابن یونس نے کہا: آپ مصر کی فتح میں شریک رہے، اور حافظ ابونعیم نے کہا: ابن عمر کو جہاد، عبادت، آخرت کی معرفت اور ایثار کی قوت عطا کی گئی، آپ نبی پاک ﷺ کے آثار پر مضبوطی سے قائم تھے۔ اھ

ہم اخیر میں ابن تیمیہ کے احباب اور مدح خوانوں کو ابن تیمیہ کی بعض گمراہیاں بطور تحفہ پیش کر رہے ہیں، اور اس کی ان گمراہیوں کے بارے میں ہم ان کے سامنے اس بات پر ایک دلیل پیش کریں گے کہ اس کی عقل میں کچھ ہے، جیسا کہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں کہا، اور جیسا کہ صلاح صفدی نے کہا: اس کا علم حد درجہ وسیع ہے، مگر اس کی عقل ناقص ہے جو اسے ورطۂ ہلاکت اور تنگ مقامات میں ڈھکیل دیتی۔

(۹۶) غار حرا میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کون عبادت کرتا تھا؟

ابن تیمیہ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ وہ نبی پاک ﷺ کے آثار کو مٹانا چاہتا ہے یہاں تک کہ غار حرا جسے قرآن اور نزول وحی کا شرف حاصل ہے وہ بھی ابن تیمیہ کی دریدہ ذہنی سے نہ بچ سکا۔

ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط (۱/۴۳۹) میں کہا:

"مسلمانوں کے دین کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ مخصوص مسجدوں کو چھوڑ کر کوئی بھی جگہ قصد عبادت کے لیے خاص نہیں، مشرکین اور اہل کتاب مسجدوں کے علاوہ بعض مقامات کو تعظیم عبادت کے لیے خاص کر لیا کرتے تھے جیسا کہ دور جاہلیت میں حراء، اور اس طرح کے دیگر مقامات کی تعظیم کرتے، اسلام نے آنے کے بعد ان ساری چیزوں کو یکسر مٹایا، ان کا خاتمہ کیا اور انہیں منسوخ فرمایا"۔ الخ

میں کہتا ہوں:

کیا رسول اللہ ﷺ انہیں چیزوں کی تعظیم فرماتے تھے جن کی مشرکین تعظیم کیا کرتے تھے؟

کیا غار حرا میں رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کوئی عبادت کرتا تھا، یا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین بھی اس غار میں عبادت کرتے تھے؟

پھر مشرکین کیوں حرا کی تعظیم کرتے؟ صرف اس وجہ سے کہ انھوں نے اہل کتاب سے یہ سن رکھا تھا کہ عنقریب اس غار میں ایک عظیم معاملہ ہوگا، یہاں تک کہ جس شخص نے یہ کہا کہ عبدالمطلب غار حرا میں خلوت نشین ہوتے تھے تو اس نے یہ کہا: یہ ان باقی امور میں سے ہے جس پر لوگ پہلے قائم تھے گویا یہ شریعت کے ان باقی امور سے ہے جسے لوگ اس سے پہلے اعتکاف کے طریقہ پر کیا کرتے تھے، یہ گزر چکا کہ آپ جس زمانہ میں خلوت نشیں ہوتے تھے وہ رمضان کا مہینہ ہوتا تھا، اور قریش اسے اسی طریقہ پر کرتے تھے جیسا کہ وہ عاشورا کا روزہ رکھتے تھے۔ (فتح الباری ۱۲/۳۵۵)

کیا جبریل نبی پاک ﷺ کے پاس مقامات مقدسہ کے علاوہ ایسی سرزمین پر آئے جہاں عموماً لوگ شرک کیا کرتے تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا: ’’أحد جبل یحبنا ونحبه‘‘ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، تو کیا آپ غار حرا کو ناپسند فرمائیں گے جب کہ وہاں آپ پر قرآن نازل ہوا؟

ہم قارئین کرام سے گزارش کریں گے کہ امام نووی کے گزشتہ اقوال یاد کریں یہ امام نووی وہ ہیں جن کی امامت پر سب کا اتفاق ہے۔آپ زندیقیت، نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت اطہار کی بارگاہ کی اہانت، اور کج عقیدگی کی تہمت سے پاک ہیں۔آپ نے فرمایا: تمام لوگوں کا اس پر اجماع اور سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ روضۂ شریفہ میں رسول اللہ ﷺ نے جہاں نماز ادا فرمائی وہاں نماز کی برکت حاصل کی جائے، اور رسول اللہ ﷺ جس غار میں تشریف لے گئے وہاں حاضری دی جائے اور اس کے علاوہ بہت سے امور کیے جائیں۔

ابن جزی غرناطی مالکی کی القوانین الفقهية (۶۹۳-۷۴۱)(۹۶/۱) میں ہے:

’’اکتساب برکت کے لیے جن مقامات کا قصد کرنا چاہیے ان میں اسماعیل علیہ السلام، اور آپ کی والدہ ہاجرہ کی قبر ہے، ان دونوں کی قبر حجر اسود کے پاس ہے، اور آدم علیہ السلام کی قبر جو جبل ابوقبیس پر ہے اس کا قصد کیا جائے، اور جس غار کا قرآن میں ذکر ہے، یہ جبل ابوثور پر ہے اور وہ غار جو کوہ حرا میں ہے جہاں رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے وحی نازل ہوئی، اور مکہ ومدینہ منورہ میں جن صحابہ وتابعین اور ائمہ کی قبریں ہیں ان سب کی زیارت کرنی چاہیے‘‘۔الخ

نبی پاک ﷺ کی زوجۂ طاہرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے پاس سب سے پہلے جو وحی آئی وہ نیند میں سچا خواب تھا، آپ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو صبح کی پو پھٹنے کی طرح ظاہر ونمودار ہوتی، پھر خلوت آپ کی محبوب بن گئی، آپ اپنے اہل کے پاس واپس تشریف لانے سے پہلے غار حرا میں تنہا کئی راتیں عبادت فرماتے، وہاں اپنے ساتھ توشہ لے جاتے، پھر آپ خدیجہ کے پاس تشریف لاتے، وہ اسی طرح آپ کے لیے توشہ تیار کردیتیں، آپ اسی طرح مسلسل مصروف عبادت رہے، یہاں تک کہ غار حرا میں اچانک

آپ کے پاس حق (وحی) آ گیا۔[1]

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۷/۲۵۱) میں کہا:

''جب غار حراوہی ہے جہاں اہل مکہ عبادت کے لیے جاتے، اور کہا جاتا ہے کہ انہیں یہ طریقہ عبادت عبدالمطلب نے دکھلایا، نبوت سے پہلے نبی پاک وہاں عبادت کرتے، وہیں سب سے پہلے آپ پر وحی نازل ہوئی، لیکن جس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی اس کے بعد آپ وہاں تشریف نہ لے گئے، آپ اور آپ کے اصحاب نے پھر وہاں قربت وعبادت نہ کی، نبوت کے بعد دس سال[2] سے زائد مکہ میں آپ کا قیام رہا مگر آپ اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہ وہاں زیارت کے لیے تشریف نہ لے گئے، اور ہجرت کے بعد حدیبیہ کے عمرہ کے موقعہ پر، اور فتح مکہ کے سال آپ بار بار مکہ تشریف لائے، اور تقریبا آپ نے بیس دن وہاں قیام بھی فرمایا، اسی طرح عمرۃ جعرانہ کے موقعہ پر بھی تشریف لائے مگر نہ غار حرا گئے اور نہ اس کی زیارت کی''۔

میں کہتا ہوں:

کیا ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ کی نگرانی کر رہا تھا کہ اسے یہ معلوم ہے کہ آپ غار حرا تشریف نہ لے گئے؟ یا ابن تیمیہ کے پاس وحی آئی کہ وہ ایسی خبریں دے رہا ہے، یا قرآن وسنت سے کوئی دلیل اس کے پاس ہے کہ یہ افادہ کر رہا ہے کہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے اصحاب غار حرا تشریف نہ لے گئے؟

اور[3] اس کی باقی باتوں کا جواب ہم نہ دیں گے، اس کی تحقیق کا حال آپ پر اچھی طرح روشن ہو چکا، وہ عوام کو فریب دینے، اور اپنے دام تزویر میں لانے کے لیے کیسی کیسی باتیں کرتا ہے۔

(۱) حضرت عائشہ کی اس حدیث کو بخاری (۱/۴) اور مسلم (۱/۱۳۹، ۱۴۰) نے تخریج کی۔

(۲) اعلان نبوت ۴۰/سال کی عمر میں فرمایا اور ہجرت ۵۳/سال کی عمر میں. اس طرح دس سال سے زیادہ ہو گیا۔

(۳) میں کہتا ہوں کہ: دنیا میں روزانہ ہزاروں بلکہ لاکھوں واقعات ہوتے ہیں کیا سب لکھا جاتا ہے؟ سنو! عدم ذکر ذکر عدم نہیں

آپ پر یہ بھی آشکارا ہو چکا کہ علمائے ربانیین نے کیوں اس کے زندیق ہونے کا حکم صادر فرمایا؛ ان حضرات کے اس حکم کی بنیاد اس پر ہے کہ اس کے کلام سے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ کی گستاخی کا ایہام ہوتا ہے۔

ہے۔ کسی بات کے منقول نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حرام وممنوع ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کے حراء کے زیارت نہ کرنے سے یہ استدلال کیوں کر تام ہوسکتا ہے جب کہ ہم نے ماسبق میں موسی علیہ السلام، عمر، ابن عمر، صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے حوالہ جات اور خود ذات کریم علیہ السلام کے ارشادات سے واضح کر دیا کہ زیارتِ مقاماتِ مقدسہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ (مترجم)

خاتمہ

ہم نے بعض مسائل روشن کر دیے اور ابن تیمیہ نے جن مسائل کے بارے میں یہ دعوی کیا کہ ان پر ساری امت کا اتفاق ہے، ہم نے اس کی بھی حقیقت روشن کر دی، بفضل اللہ تعالی ابن تیمیہ کے سارے حامیوں کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ اس کے دعوی کے مطابق اس کا ثبوت ان حضرات کی کتابوں سے پیش کریں جن کی پیدائش اور ان کا وصال ابن تیمیہ سے پہلے ہے۔

ابن تیمیہ کے بعض دعوے:

(۱) اس نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۱۵۹/۱) میں کہا:

''بعض لوگ اللہ عزوجل کے ارشاد:'' ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴: ۶۴] کی تاویل میں یہ کہتے ہیں کہ: آپ کے وصال کے بعد جب ہم آپ سے استغفار کریں گے تو یہ استغفار ان صحابہ کے استغفار جیسا ہوگا جنھوں نے آپ سے آپ کی حیات میں استغفار کیا، ان لوگوں نے اس تاویل میں صحابہ وتابعین اور تمام مسلمانوں کی مخالفت کی ہے، کیوں کہ ان میں سے کسی نے نبی کے وصال کے بعد ان کی شفاعت طلب نہ کی، اور نہ ہی آپ سے کسی چیز کا سوال کیا، اور نہ ہی ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اپنی کتاب میں اسے ذکر کیا''۔

(۲) اس شخص نے قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالی کے کذب کا دعوی کیا اس لیے کہ آپ نے فرمایا کہ: اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ نبی پاک کے روضۂ اقدس کی زمین تمام روئے زمین سے افضل ہے۔ اس نے مجموع الفتاوی (۳۸/۲۷) میں کہا: ''قاضی عیاض کے سوا کسی نے یہ اعتقاد نہ کیا کہ خاک قبر کعبہ سے افضل ہے، ان سے پہلے کسی نے نہ ایسا کہا، اور نہ ہی اس پر کسی نے ان کی موافقت کی''۔

اس شخص نے قاضی عیاض کے کلام میں تحریف کی اس لیے کہ ان کے کلام میں ''موضع القبر'' (جائے قبر) ہے اور اس نے '' تراب القبر'' (خاک قبر) لکھا۔

(۳) ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۷/۲۴۳) میں کہا: تیسرے یہ کہ اگر ہمارے نبی کی قبر کی زیارت دوسری قبروں کی زیارت کی طرح ہوتو اہل مدینہ منورہ اس کے زیادہ مستحق تھے، جیسا کہ ہر شہر کے لوگ اپنے شہر کے صالحین کی زیارت کے زیادہ مستحق ہیں، تو جب سلف اور ائمہ دین اس پر متفق ہیں کہ آپ کے شہر والوں نے آپ کی قبر کی زیارت نہ کی، اور نہ ہی مسجد میں آنے جانے کے وقت سلام کے لیے آپ کے پاس کھڑے ہوئے اگر چہ اس کا نام زیارت نہیں، بلکہ غیر سفر کے وقت ان کے لیے یہ بھی مکروہ ہے جیسا کہ مالک نے ذکر کیا اور یہ بیان کیا کہ: ''یہ ان بدعات میں سے ہے جنہیں اس امت کے اگلے لوگ نہ کرتے تھے'' اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص دوسروں کی قبروں کی زیارت کی طرح آپ کی قبر کی زیارت کو مشروع کہے وہ اجماع مسلمین کا مخالف ہے''۔الخ

(۴) اور اس نے یہ بھی کہا: ''تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ صاحب قبر سے سوال کرے کہ وہ اللہ سے اس کے لیے سوال کریں، یہ بھی بہ اتفاق ائمہ مسلمین بدعت ہے، اللہ نے یوسف کے بھائیوں کے بارے میں یہ خبر دی کہ وہ ان کے سجدے میں گر پڑے اور ایسے ہی ان کے والدین ان کے لیے سجدہ ریز ہوگئے، یہ سجدہ ہمارے لیے مشروع نہیں، اس لیے کسی کو کسی کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔

اور اس نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۴/۳۲۷) میں کہا: ''زیارت بدعت: یہ مشرکین کی زیارت ہے جو ان نصاری کی زیارت کی طرح ہے جن کا مقصود مردہ کو پکارنا، اس سے مدد مانگنا، اور اس کے پاس حاجتیں طلب کرنا ہے، یہ لوگ اس کی قبر کے پاس نماز پڑھتے، اور اس سے دعا کرتے ہیں، اس طرح کے امور نہ کسی صحابی نے کیے، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کا حکم فرمایا، اور نہ امت کے سلف اور ان کے ائمہ نے اسے مستحب کہا''۔

(۵) اس نے مجموع الفتاوی (۸/۲۸۳) میں کہا: جس نے یہ کہا کہ نبی ﷺ وحی آنے سے پہلے نبی تھے وہ بہ

اتفاق مسلمین کا فر ہے''۔(۱)

(٦) فتاوی کبری (۸/۳۷۳) میں کہا: ''اسی طرح اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ہمارے نبی ﷺ ، اور خلیل کا حجرہ ، اور ان دونوں کے علاوہ جہاں کہیں کوئی نبی یا مرد صالح مدفون ہیں ان کی قبروں کا بوسہ لینا، اور انھیں چھونا مستحب نہیں، بلکہ اس سے نہی وارد ہے''۔(۲)

اور اس نے مجموع الفتاوی (۲۷/۲۲۳) میں یہ بھی کہا:

''سارے ائمہ اس پر متفق ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی قبر نہ چھوئے ، اور نہ اسے بوسہ دے، یہ ساری چیزیں توحید کی حفاظت کے لیے ہیں''۔

اور ''زیارۃ القبور'' (۱/۵۴) میں کہا: ''قبر کے چھونے ، اسے بوسہ دینے ، اور اس پر رخسار رکھنے کے احکام : کسی قبر کا چھونا، اسے بوسہ دینا، اور اس پر رخسار کو رکھنا بہ اتفاق مسلمین ممنوع ہے، اگر چہ انبیا ہی کی قبریں ہوں، امت کے سلف اور ان کے ائمہ نے ایسا نہ فرمایا بلکہ یہ شرک ہے''۔

(۷) ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی کبری (۴/۴۴۲) میں کہا:

''ابراہیم حربی نے کہا: معروف کی قبر آزمودہ تریاق ہے'' ابن تیمیہ نے اپنی مشہور عادت کے مطابق ابراہیم حربی کے اس قول پر اعتراض کیا، اور یہ کہا: ''یہ بالاتفاق بدعت ہے، قربت نہیں''۔الخ

(۸) الرد علی البکري (۱/۱۴۶) میں کہا: ''تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ یہ گمان کیا جائے کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مقبول و مستجاب ہے، یا وہاں دعا کرنا مسجدوں اور مکانوں میں دعا کرنے سے افضل ہے، تو اس نیت سے آپ کی زیارت کا قصد کرنے ، آپ کی قبر کے پاس نماز پڑھنے ، یا آپ سے اپنی حاجتیں طلب کرنے کے لیے آپ کی قبر کی زیارت کو جانا یہ ساری چیزیں بدعات منکرہ (ناپسندیدہ بدعات) سے ہیں، جس پر تمام

---

(۱) اس کا رد ما سبق میں گزر چکا ہے۔

(۲) ابن تیمیہ حنبلی ہونے کا مدعی تھا اور خود اس کے امام احمد بن حنبل نے قبر انور اور منبر منور کو چومنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ گزر چکا۔ (مترجم)

ائمہ مسلمین کا اتفاق ہے اس لیے ایسا کرنا حرام ہے۔(۱)

یہ ساری چیزیں بہ اتفاق ائمہ مسلمین بدعات منکرہ (ناپسندیدہ بدعات) سے ہیں جو حرام ہیں، میرے علم میں ائمہ دین کا اس میں کوئی اختلاف ونزاع نہیں''۔

(۹) تیسرا دعوی یہ ہے کہ امام مالک جو عظیم ترین امام ہیں انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے مواجہہ اقدس میں دعا کرنا مکروہ فرمایا، جیسا کہ ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۶/۱۴۵-۱۴۷) میں کہا:

''حجرہ کے پاس آپ کے روبرو دعا نہ کرے کیوں کہ بہ اتفاق ائمہ ایسا کرنا مکروہ ہے، مالک جو عظیم ترین ائمہ سے ہیں انھوں نے اس کو مکروہ کہا، اور امام مالک کے بارے میں جو یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے منصور کو یہ حکم دیا کہ دعا کے وقت حجرہ کی طرف رخ رکھیں، یہ مالک پر جھوٹ باندھنا ہے''۔(۲)

(۱۰) ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط (۱/۴۳۹) میں کہا:

''اس سے زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ آپ کی مسجد تعمیر ہونے سے پہلے مدینہ منورہ میں آپ سے کہا گیا: یہاں اتر کر نماز ادا کریں، حالاں کہ وہاں صرف مشرکین کی قبریں تھیں، نبی ﷺ ہجرت کے بعد وہاں صرف اس لیے اترے کہ آپ کی اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی، یہ ساری چیزیں بہ اتفاق اہل معرفت اختراعی جھوٹ ہیں، بیت لحم نصاری کے کلیساؤں میں سے ایک کلیسا ہے، مسلمانوں کے نزدیک وہاں آنا کوئی فضیلت نہیں چاہے وہ عیسی علیہ السلام کی جائے ولادت ہو یا نہ ہو''۔

(۱۱) اس نے اپنی کتاب منہاج (۷/۵۵) میں اسی مفہوم کو تاکید کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے اس طرح کہا:

''پانچویں وجہ: حدیث کی معرفت رکھنے والے اس پر متفق ہیں کہ یہ جھوٹ ہے کہ حضور نے ان کلمات کے

---

(۱) ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم الآية یہ وصال وحیات دونوں کو عام ہے، مفسرین نے یہی فرمایا، جلالین کے حاشیہ میں مذکور واقعہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

(۲) من عقائد أهل السنة میں یہ روایت ہے ابن تیمیہ کا یہ قول باطل ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔ (مترجم)

ساتھ یہ دعا کی:"**اللھم وال من والاہ،وعادمن عاداہ، وانصرمن نصرہ، واخذل من خذلہ**" یعنی اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جوعلی کو دوست رکھے،اوراس کودشمن رکھ جوعلی سے دشمنی رکھے،اوراس کی مدد فرما جوعلی کی مدد کرے،اوراس کی مدد چھوڑ جوعلی کی مدد چھوڑ دے"۔

(۱۲) حدیث میں ہے: "**إن فاطمة أحصنت فرجهافحرم الله ذريتهاعلى النار**" کہ"فاطمہ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت فرمائی تواللہ نے ان کی نسل پرجہنم کی آگ حرام فرمادی" ابن تیمیہ نے اپنی منہاج (۶۲/۴) میں اس حدیث پرتبصرہ کرتے ہوئے کہا:'حدیث کی معرفت رکھنے والے اس بات پر متفق ہیں کہ یہ جھوٹ ہے"۔

آخری پیغام

اس کتاب کے اختتام پر میں اللہ عزوجل کی حمد کرتا ہوں کہ اس کی توفیق اور مدد سے میری یہ کتاب مکمل ہوگئی، میں اس سے اپنی بخشش اور عفوودرگزر کا سوال کرتا ہوں اگر رسول اللہ ﷺ کی حمایت ودفاع کے مقام پر آپ کی شان اقدس میں حدادب سے آگے بڑھوں، اور میرے وہ احباب بھی مجھے معاف فرمائیں جو حضور اقدس کی شان میں ''قبر'' کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ''مرقد'' یا اس سے بھی زیادہ ادب کے کلمات استعمال کرتے ہیں، میں نے از راہ ادب ''قبر'' کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**الأنبیاء أحیاء في قبورھم یصلون** '' یعنی انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں، اور آپ نے فرمایا: ''**مررت علی موسی لیلة أسري بي عندالکثیب الأحمر وھوقائم یصلي في قبره**'' معراج کی رات جب میں سرخ تودۂ ریگ کے پاس موسی علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا تو آپ اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز ادا کررہے تھے''۔

میں قارئین کرام سے امید کرتا ہوں کہ گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے ان پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ میرا مطمح نظر اس کے سوا کچھ نہیں کہ امت مسلمہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ کی طرف رجوع کرے، آپ کی تعظیم وتوقیر بجالائے، اور اپنی زندگی کے ہر دشوار گزار مقام پر آپ کو اپنی جائے پناہ اور فریاد رس جانے۔

وصل اللھم علی سیدنا محمد وعلی الہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

ماٰخذ ومراجع

۱- أحكام القرآن للجصاص، دار إحياء التراث (بيروت).

۲- أحكام القرآن للشافعي، دار الكتب العلمية (بيروت).

۳- أحكام القرآن للشافعي، دار الكتب العلمية (بيروت).

۴- إحياء علوم الدين.

۵- أخبار الغساني، دار البشائر.

۶- أخبار مكة للفاكهي ، دار خضر (بيروت).

۷- أخضر المختصرات لابن بليان ،دار البشائر الإسلامية.

۸- إصلاح غلط المحدثين، دار المأمون للتراث (دمشق).

۹- إصلاحات القاموس للهوريني .

۱۰- إعانة الطالبين للسيد البكرى، دار الفكر (بيروت).

۱۱- إعلام الموقعين لابن القيم، دار الجبل (بيروت).

۱۲- أمراض القلوب لابن القيم، المطبعة السلفية (القاهرة).

۱۴- إنجيل برنابة، دار البشير (القاهرة).

۱۵- إيقاظ الهمم شرح الحكم لابن عجيبه.

۱۶- اتفاق الأئمة لابن هبيرة، دار الحرمين.

۱۷- اجتماع الجيوش الإسلامية، دار الكتب العلمية (بيروت).

۱۸- اعتقاد أهل السنة للالكائي، دار طيبة (رياض).

۱۹- اقتضاء الصراط لابن تيمية، مطبعة السنة المحمدية.

۲۰- أقرب المسالک للدریری.

۲۱- الإتقان في علوم القرآن.

۲۲- الأجوبة المرضية عن الأسئلة المكية (مخطوط)، المكتبة الظاهرية (دمشق).

۲۳- الآحاد و المثاني لابن أبی عاصم، دار الراية (رياض).

۲۴- الأحكام لعبد الحق الأشبيلي، مكتبة الرشد (الرياض).

۲۵- الأذكار للنووی .

۲۶- الأربعون حديثاً لابن عساكر، مكتبة القرآن (القاهرة).

۲۷- الإرشاد لأبي يعلى، مكتبة الرشد (الرياض).

۲۸- الإصابة لابن حجر، دار الجليل (بيروت).

۲۹- الإصابة للحافظ، دار الجليل (بيروت).

۳۰- الأعلام العلية لابن عبد الهادي، المكتبة الإسلامية (بيروت).

۳۱- الأغاني للأصفهاني، دار الفكر،دار الجليل.

۳۲- الإقناع للشربيني، دار الفكر (بيروت).

۳۳- الإكمال لابن ماكولا، دار الكتب العلمية (بيروت).

۳۴- الإكمال للحسيني، جامعة الدراسات الإسلامية (كراتشي).

۳۵- الأم للشافعي، دار المعارفة (بيروت).

۳۶- الإنصاف للمرداوي، دار إحياء التراث (كراتشي).

۳۷- الأوسط للطبراني، دار الحرمين (العراق).

۳۸- الإستذكار لابن عبد البر، مؤسسة الرسالة (بيروت).

٣٩- الإستقصاء لأخبار دول المغرب ، دار الكتاب،الدار البيضة الأقصى للناجري.

٤٠- الإستيعاب لابن عبد البر، دار الجليل (بيروت).

٤١- الإعتقاد للبيهقى، دار الآفاق الجديدة (بيروت).

٤٢- الإكتفاء لما تضمن من مغازي رسول اللهﷺ، عالم الكتب (بيروت).

٤٣- البحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم دار المعرفة(بيروت).

٤٤- البداية و النهاية لابن كثير، مكتبة المعارف.

٤٥- البدر الطالع للشوكانى، دار المعرفة(بيروت).

٤٦- التاريخ الكبير للبخاري، دار الفكر(بيروت).

٤٧- التجريد الصريح لأحاديث الجامع الصحيح.

٤٨- التجريد للمحامل منقول عن السبكي.

٤٩- التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة، دار الكتب العلمية (بيروت).

٥٠- التدوين في أخبار قزوين، دار الكتب العلمية(بيروت).

٥١- الترغيب و التهذيب للمنذري، دار الكتب العلمية(بيروت).

٥٢- التعجيل المنفعة لابن حجر، دار الكتاب العربي.

٥٣- التعديل و التجريح لابي وليد الباجي، دار اللواء للنشروالتوزيع.

٥٤- التعرف لمذهب أهل التصوف، دار الكتب العلمية(بيروت).

٥٥- التقييد للحافظ ابن نقطة البغدادي، دار الكتب العلمية(بيروت).

٥٦- التكملة لكتاب الصلة، دار الجليل(بيروت).

٥٧- التلخيص للذهبي على مستدرك الحاكم، دار الكتب العلمية(بيروت).

۵۸- التمهيد لابن عبد البر، وزارة عموم الأوقاف والشئون الإسلامية المغرب.
۵۹- التوقيف على مهمات التعريف، دار الفكر (دمشق).
۶۰- الثقات لابن حبان، دار الفكر (دمشق).
۶۱- الجامع الصغير للسيوطي، دار طائر العلم (جدة).
۶۲- الجامع الصغير محمد ابن الحسن، عالم الكتب (بيروت).
۶۳- الجامع لأخلاق الراوي و السامع، مكتبة المعارف (الرياض).
۶۴- الجامع لمعمر ابن راشد، المكتب الإسلامي (بيروت).
۶۵- الجرح و التعديل، دار إحياء التراث (بيروت).
۶۶- الجواب الصحيح لابن تيمية، دار العاصمة (الرياض).
۶۷- الجوهر المنظم لابن حجر الهيتمي، دار الجوامع الكلم (القاهرة).
۶۸- الحاوي للفتاوى، دار الفكر (بيروت).
۶۹- الحلة السيراء، دار المعارف (القاهرة).
۷۰- الخصائص الكبرى للسيوطي، دار الكتب العلمية (بيروت).
۷۱- الدر الثمين والمورد المعين لابن ميارة.
۷۲- الدر المختار، دار الفكر (بيروت).
۷۳- الدر المنثور للسيوطي، دار الفكر (بيروت).
۷۴- الدراية لابن حجر، دار المعرفة (بيروت).
۷۵- الدرر الكامنة، دار المعرفة (بيروت).
۷۶- الديباج المذهب لابن فرحون، دار الكتب العلمية (بيروت).
۷۷- الديباج للسيوطي، دار ابن عفان، الخبر بالسعودية.

۷۸- الذخيرة للشهاب القرافي، دار الغرب الإسلامي(بيروت).

۷۹- الذرية الطاهرة للدولابي، دار السلفية(كويت).

۸۰- الرد المحكم للغماري، مكتبة القاهرة.

۸۱- الرد على البكري لابن تيمية، مكتبة الغرباء الأثرية (المدينةالمنورة).

۸۲- الرفع و التكميل فيالجرح و التعديل، مكتبة المطبوعات الإسلامية (حلب).

۸۳- الروح لابن القيم، دار الكتب العلمية(بيروت).

۸۴- الروض الأنف للسهيلي، دار الكتب العلمية(بيروت).

۸۵- الرياض النضرة، دار الغرب الإسلامي(بيروت).

۸۶- الزهد لابن أبيعاصم، دار الريان للتراث(القاهرة).

۸۷- الزهد لابن المبارك، دار الكتب العلمية(بيروت).

۸۸- الزهد لهناد ، دار الخلفاء للكتاب الإسلامي، الكويت.

۸۹- السبكي في شفاء السقام، دار جوامع الكلم(القاهرة).

۹۰- السنة لابن أبي عاصم، المكتب الإسلامي(بيروت).

۹۱- السنة للخلال، دار الراية الرياض.

۹۲- السنن الكبرى للنسائي، دار الكتب العلمية(بيروت).

۹۳- السيرة الحلبية، دار المعرفة(بيروت).

۹۴- السيرة النبوية لابن هشام، دار الجليل(بيروت).

۹۵- السيف الصقيل، مكتبة زهران(القاهرة).

۹۶- الشرح الكبير على متن خليل للخرشي.

۹۷- الشفاء للقاضي عياض، مكتبة مصطفى البابى الحلبى، القاهرة .

۹۸- الشقاق النعمانية طاش الكبرى زادة، دارالكتاب العربي (بيروت).

۹۹- الصفدية.

۱۰۰- الصلات و البشر للفيروزابادى.

۱۰۱- الصواعق المرسلة لابن القيم، دار العاصمة(الرياض).

۱۰۲- الطبقات الكبرى لابن سعد، دار صادر(بيروت).

۱۰۳- الطبقات لابن الخياط، دار طيبة(الرياض).

۱۰۴- العظمة لأبي الشيخ، دار العاصمة(الرياض).

۱۰۵- العقودالدرية لابن عبد الهادي، دار الكتاب العربي(بيروت).

۱۰۶- العقيدة الأصفهانية، مكتبة الرشد(الرياض).

۱۰۷- الغنية للجيلاني.

۱۰۸- الفردوس لابن لبيد.

۱۰۹- الفردوس للديلمي، دار الكتب العلمية (بيروت).

۱۱۰- الفروع لابن المفلح، دار الكتب العلمية(بيروت).

۱۱۱- الفصل في الملل و الأهواء ، مكتبة الخانجي (القاهرة) والنحل لابن حزم.

۱۱۲- الفصول في اختصار سيرة الرسول ﷺ لابن كثير،مؤسسة علوم القرآن، دارالقلم (بيروت).

۱۱۳- الفواكه الدوانيللنفراوي، دار الفكر(بيروت).

۱۱۴- الفيض القدير للمناوي، المكتبة التجارية الكبرى(مصر).

۱۱۵- القوانين الفقهية لابن جزي.

١١٦- الكاشف للذهبي، دار القبلة للثقافة الإسلامية (جدة).

١١٧- الكافي للمقدسي، المكتب الإسلامي (بيروت).

١١٨- الكامل لابن الأثير، دار الكتب العلمية (بيروت).

١١٩- الكامل لابن عدي، دار الفكر (بيروت).

١٢٠- الكشف الحثيث الطرابلسي‌بن العجمي، عالم الكتب،مكتبة النهضة العلمية .

١٢١- الكفاية للخطيب، المكتبة العلمية (المدينة المنورة).

١٢٢- الكواكب النيرات، دار العلم (الكويت).

١٢٣- المبدع لابن مفلح، المكتب الإسلامي (بيروت).

١٢٤- المبسوط للسرخسي، دار المعارف (بيروت).

١٢٥- المبسوط للشيباني، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية (كراتشي).

١٢٦- المجتبى للنسائي، مكتبة المطبوعات الإسلامية.

١٢٧- المجموع للنووي، دار الفكر(بيروت).

١٢٨- المحدث الفاصل للرامهرمزي، دار الفكر(بيروت).

١٢٩- المحرر في الفقه، مكتبة المعارف (الرياض).

١٣٠- المحلي لابن حزم، دار الآفاق الجديدة (بيروت).

١٣١- المختارة للضياء المقدسي، مكتبة النهضة الحديثة (مكة المكرمة).

١٣٢- المختصر للخرقي، المكتب الإسلامي (بيروت).

١٣٣- المدخل لابن الحاج.

١٣٤- المدخل للسنن الكبرى للبيهقي، دار الخلفاء للكتاب الإسلامي (بيروت).

۱۳۵ - المدونة الكبرى لابن سحنون، دار صادر(بيروت).

۱۳۶ - المرشد المعين لابن عاشر.

۱۳۷ - المستطرف للابشيهي، دار الكتب العلمية (بيروت).

۱۳۸ - المستوعب للسمري نقلا عن السبكي في شفاء السقام.

۱۳۹ - المصباح المنير، المكتبة العلمية (بيروت).

۱۴۰ - المعجم الصغير للطبراني، الطبعة الاولى، المكتب الإسلامي.

۱۴۱ - المعجم الكبير للطبراني، طبعة ثانية ،مكتبة العلوم و الحكم.

۱۴۲ - المغني لابن قدامة، دار الفكر (بيروت).

۱۴۳ - المقصد الأرشد في ذكر أصحاب الإمام أحمد، مكتبة الرشد (الرياض).

۱۴۴ - المنتظم لابن الجوزي، دار صادر (بيروت).

۱۴۵ - المنتقي لابن الجارود، مؤسسة الكتاب الثقافية (بيروت).

۱۴۶ - المنفردات و الوحدان، دار الكتب العلمية (بيروت).

۱۴۷ - المنقذ من الضلال للغزالي.

۱۴۸ - المهذب لابي إسحاق الشيرازي، دار الفكر (بيروت).

۱۴۹ - الموافقات للشاطبي، دار المعرفة (بيروت).

۱۵۰ - المواهب اللدنية للقسطلاني.

۱۵۱ - النجوم الزاهرة لابن تغرى برى، المؤسسة المصرية العامة (مصر).

۱۵۲ - النور السافر، دار الكتب العلمية (بيروت).

۱۵۳ - الوافي للوفيات، النشرات الإسلامية.

۱۵۴ - بدائع الفوائد، مكتبة نزارمصطفى الباز، مكة المكرمة.

١٥٥- بغية الطلب في تاريخ حلب، دار الفكر (بيروت).

١٥٦- بيان تلبيس الجهنية لابن تيمية، مطبعة الحكومة (مكة المكرمة).

١٥٧- تاريخ البصروى، دار المأمون للتراث (دمشق).

١٥٨- تاريخ بغداد للخطيب، دار الكتب العلمية (بيروت).

١٥٩- تاريخ جرجان السهمي، عالم الكتب (بيروت).

١٦٠- تاريخ دمشق لابن عساكر، دار الفكر (بيروت).

١٦١- تاريخ واسط، دار الكتب (بيروت).

١٦٢- تحفة الصديق لأبي قاسم ابن بلبان، مكتبة دار التراث (دمشق).

١٦٣- تحفة المحتاج لابن الملقن، دار حراء (مكة المكرمة).

١٦٤- تذكرة ابن عقيل، المكتبة الظاهرية.

١٦٥- تذكرة الحفاظ للسيوطي.

١٦٦- تذكرة الحفاظ للقيسراني، دار السميعي (الرياض).

١٦٧- تفسير أبي السعود، دار إحياء التراث.

١٦٨- تفسير البغوي، دار المعرفة.

١٦٩- تفسير البيضاوي، دار الفكر.

١٧٠- تفسير الثعالبي، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات.

١٧١- تفسير الجلالين للسيوطي، دار الحديث (القاهرة).

١٧٢- تفسير السيوطي.

١٧٣- تفسير الطبري، دار الفكر.

١٧٤- تفسير القرآن العظيم لابن كثير، دار الفكر.

۱۷۵- تفسير القرطبي، دار الشعب.

۱۷۶- تفسير النسفي.

۱۷۷- تفسير الواحدي، دار القلم، الدار الشامية.

۱۷۸- تقريب التهذيب، دار الرشيد (سوريا).

۱۷۹- تلخيص الحبير لابن حجر، مدينة النشر (المدينة المنورة).

۱۸۰- تهذيب الأسماء للنووي، دار الفكر.

۱۸۱- تهذيب الآثار لأبى جعفر الطبري، دار المدني (جدة).

۱۸۲- تهذيب التهذيب لابن حجر، دار الفكر.

۱۸۳- تهذيب الكمال للحافظ المزي، مؤسسة الرسائل (بيروت).

۱۸۴- جامع العلوم و الحكم لابن رجب الحنبلي، دار المعرفة والحكمة.

۱۸۵- جزء الأصبهاني، دار العاصمة (الرياض).

۱۸۶- جزء نافع، دار الصحابة للتراث (طنطا مصر).

۱۸۷- جمع المسائل في شرح الشمائل للملا على قارى، دار الأقصى.

۱۸۸- حاشية ابن القيم، دار الكتب العلمية (بيروت).

۱۸۹- حاشية ابن عابدين، دار الفكر (بيروت).

۱۹۰- حاشية طحطاوي على مراقي الفلاح، مكتبة ألبابي الحلبي (مصر).

۱۹۱- حلية الأولياء لأبي نعيم، دار الكتاب العربي (بيروت).

۱۹۲- حواشى الشرواني، دار الفكر (بيروت).

۱۹۳- خزانة الأدب لابن حجة الحموي، دار مكتبة الهلال (بيروت).

۱۹۴- خلاصة الأثر للمحبي.

١٩٥- خلاصة البدر المنير، مكتبة الرشد (الرياض).
١٩٦- خلاصة الوفا للسمهودي.
١٩٧- درء التعارض، دار الكنوز الأدبية (الرياض).
١٩٨- دفع الشبه للحصني، المكتبة الأزهرية للتراث (مصر).
١٩٩- دقائق التفسير لابن تيمية، مؤسسة علوم القرآن .
٢٠٠- دلائل النبوة للبيهقي(للفريابي)، دار حراء(مكة المكرمة).
٢٠١- دليل الطالب، المكتب الإسلامي (بيروت).
٢٠٢- ذخائر العقبي للمحب الطبري، دار الكتب المصرية (مصر).
٢٠٣- ذخائر القصر (مخطوط).
٢٠٤- ذيل التقليد، دار الكتب العلمية (بيروت).
٢٠٥- ذيل تذكرة الحفاظ، دار الكتب العلمية (بيروت).
٢٠٦- رحلة ابن بطوطة، مؤسسة الرسالة (بيروت).
٢٠٧- رحلة ابن جبير، دار الكتاب البناني، دار الكتاب، المصري.
٢٠٨- روح المعاني للألوسي، دار إحياء التراث العربي.
٢٠٩- زاد المستقنع، مكتبة النهضة الحديثة (مكة المكرمة)
٢١٠- زاد المسير لابن الجوزي، المكتب الإسلامي، بيروت.
٢١١- زاد الميعاد، مؤسسة الرسالة،مكتبة المنار الإسلامية ،(بيروت والكويت).
٢١٢- زوائد الهيثمي للحارث، مركز خدمة السنة و السيرة النبوية (المدينة المنورة).
٢١٣- سؤلات البرقاني للدار قطني، كتب خانه الجيلي (باكستان).

٢١٤- سبل السلام، دار إحياء التراث العربي (بيروت).

٢١٥- سبل الهدى و الرشاد للصالحي، المجلس الأعلى للشئون الإسلامية.

٢١٦- سفر نامه للناصر خسرو، دار الكتاب الجديد (بيروت).

٢١٧- سلک الدرر للمراضى، دار البشائر الإسلامية (بيروت).

٢١٨- سنن أبئ داؤد، دار الفكر.

٢١٩- سنن ابن ماجه، دار الفكر.

٢٢٠- سنن الترمذي، دار إحياء التراث العربي.

٢٢١- سنن الدار قطني، دار المعرفة.

٢٢٢- سنن الدارمي ، دار الكتاب العربي.

٢٢٣- سنن النسأى الصغرى، مكتبة المطبوعات الإسلامية.

٢٢٤- سياست نامة لنظام الملک الطوسي، دار الثقافة (قطر).

٢٢٥- سير أعلام النبلاء للذهبي، مؤسسة الرسالة(بيروت).

٢٢٦- شذرات الذهب، دار الكتب العلمية (بيروت).

٢٢٧- شرح الأذكار لابن علان، دار إحياء التراث العربي.

٢٢٨- شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية.

٢٢٩- شرح المقاصد.

٢٣٠- شرح زبد ابن رسلان للرملي، دار المعرفة (بيروت).

٢٣١- شرح صحيح مسلم للنووي، دار إحياء التراث العربي.

٢٣٢- شرح فتح القدير للكمال بن الهمام، دار الفكر(بيروت).

٢٣٣- شرح معاني الآثار للطحاوي، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۳۴- شرف النبوة لأبي سعد.

۲۳۵- شعب الإيمان للبيهقي، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۳۶- شفاء السقام في زيارة خير الأنام لابن المواز.

۲۳۷- شفاء السقام للسبكي.

۲۳۸- شفاء العليل لابن القيم، دار الفكر (بيروت).

۲۳۹- شواهد الحق للنبهاني، مكتبة البابي الحلبي (مصر).

۲۴۰- صبح الأعشى للقلقشندى، دار الفكر (دمشق).

۲۴۱- صحيح ابن حبان، مؤسسة الرسالة.

۲۴۲- صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي (بيروت).

۲۴۳- صحيح البخاري للكلاباذي، دار المعرفة (بيروت).

۲۴۴- صحيح البخاري، دار ابن كثير (اليمامة).

۲۴۵- صحيح مسلم، دار إحياء التراث العربي.

۲۴۶- صفوة الصفوة لابن الجوزي، دار المعرفة.

۲۴۸- ضعيف الألباني، مكتبة المعارف (الرياض).

۲۴۹- طبقات ابن سعد، مكتبة العلوم و الحكم (المدينةالمنورة).

۲۵۰- طبقات الحنابلة، دار المعرفة (بيروت).

۲۵۱- طبقات الحنفية ، (كراتشي).

۲۵۲- طبقات الشافعية الكبرى للسبكي، هجر للطباعة و النشر والتوزيع والإعلان (الجيزة).

۲۵۳- طبقات الشافعية لابن قاضي شهبه، عالم الكتب (بيروت).

۲۵۴- طبقات المحدثين بأصبهان، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۲۵۵- طبقات المدلسين لابن حجر، مكتبة المنار (عمان).

۲۵۶- طبقات صلحاء اليمن للبريهي، مكتبة الإرشاد (صنعاء).

۲۵۷- طريق الهجرتين لابن القيم، دار ابن القيم (الدمام).

۲۵۸- عجائب الآثار للجبرتى، دار الجليل (بيروت).

۲۵۹- عدة الحصن الحصين.

۲۶۰- علوم الحديث لابن الصلاح، دار الفكر (بيروت).

۲۶۱- عمدة الفقه لابن قدامة، مكتبة الطرفين (الطائف).

۲۶۲- عمل اليوم و الليلة للحافظ السني، دار الجليل (بيروت).

۲۶۳- عمل اليوم و الليلة للنسائي، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۲۶۴- غاية السول في خصائص الرسول لابن الملقن، دار البشائر الإسلامية.

۲۶۵- فتح الباري في شرح صحيح البخاري لابن حجر، دار المعرفة (بيروت).

۲۶۶- فتح القدير للشوكاني، دار الفكر (بيروت).

۲۶۷- فتح القريب المجيب فى شرح الفاظ التقريب.

۲۶۸- فتح المغيث شرح ألفية الحديث، مكتبة السنة (مصر).

۲۶۹- فتح الوهاب لزكريا الأنصاري، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۷۰- فتوح الشام، دار الجيل (بيروت).

۲۷۱- فضائل فاطمة لابن شاهين.

۲۷۲- فوائد تمام.

۲۷۳- فيض القدير، المكتبة التجارية الكبرى (مصر).

۲۷۴- قاعدة في المحبة لابن تيمية، مكتبة التراث الإسلامي (القاهره).

۲۷۵- قانون التأويل لابن عربي المالكی.

۲۷۶- قرى الضيف، أضواء السلف (الرياض).

۲۷۷- قواعد الأحكام في مصالح الأنام، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۷۸- قواعد الفقه، الصدف بشرز (كراتشي).

۲۷۹- كتاب الآثار، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۸۰- كتاب الروضتين في أخبار الدولتين النورية، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۲۸۱- كتاب الصمت ، دار الكتاب العربي (بيروت).

۲۸۲- كشف الخفاء للعجلوني، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۲۸۳- كشف الظنون، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۸۴- كشف القناع للبهوتي، دار الفكر (بيروت).

۲۸۵- كفاية الطالب لابن حسن المالكي، دار الفكر (بيروت).

۲۸۶- لسان العرب لابن منظور، دار صادر (بيروت).

۲۸۷- لسان الميزان لابن حجر، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات (بيروت).

۲۸۸- لسان الميزان لابن حجر، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات (بيروت).

۲۸۹- لطائف الهمم لابن عطاء الله.

۲۹۰- مجلس إملاء فيرؤية الله تبارک و تعالی للدقاق، مكتبة الرشد (الرياض).

۲۹۱- مجمع الزوائد للهيثمي، دار الريان للتراث، دار الكتاب العربي.

۲۹۲- مجموع الفتاوى لابن تيمية .

۲۹۳- مختار الصحاح، مكتبة لبنان (ناشرون).

۲۹۴- مختصر اختلاف العلماء للجصاص، دار البشائر الإسلامية (بيروت).

۲۹۵- مختصر البخارى لابن أبي جمرة، دار الجيل (بيروت).

۲۹۶- مدارج السالكين لابن القيم، دار الكتاب العربي.

۲۹۷- مرآة الجنان، دار الكتب العلمية.

۲۹۸- مرقاة المفاتيح.

۲۹۹- مستدرک الحاكم، دار الكتب العلمية.

۳۰۰- مسند أبي عوانة(۱،۲)، دار المعرفة.

۳۰۱- مسند أبي يعلي، دار المأمون للتراث (دمشق).

۳۰۲- مسند أحمد بن حنبل، مؤسسة قرطبة (مصر).

۳۰۳- مسند إسحاق بن راهويه، مكتبة الإيمان (المدينة المنورة).

۳۰۴- مسند الإمام علي ابن موسى الرضا.

۳۰۵- مسند البزار، مؤسسة علوم القرآن (مؤسسة العلوم و الحكم).

۳۰۶- مسند الحارث، مركز خدمة السنة و السيرة النبوية (المدينة المنورة).

۳۰۷- مسند الروياني، مؤسسة قرطبة (القاهرة).

۳۰۸- مسند الشاميين للطبراني، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۳۰۹- مسند الشهاب للقضاعي، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۳۱۰- مسند الطيالسي، دار المعرفة (بيروت).

۳۱۱- مسند عبد بن حميد، مكتبة السنة (القاهرة).

۳۱۲- مشاهير علماء الأمصار لابن حبان، دار الكتب العلمية.

۳۱۳- مصباح الزجاجة للبوصيري، دار الكتب العلمية.

۳۱۴- مصنف ابن أبي شيبة، مكتبة الرشد.

۳۱۵- مصنف عبد الرزاق، المكتب الإسلامی (بيروت).

۳۱۶- معانی القرآن لأبي جعفرالنحاس، جامعة أم القرى(مكة المكرمة).

۳۱۷- معتصر المختصر لابن المحاسن، عالم الكتب (مكتبة المتنبي)

۳۱۸- معجم ابن المثنى.

۳۱۸- معجم البلدان لياقوت الحموي، دار الفكر المعاصر (دار الفكر).

۳۲۰- معجم السفر، المكتبة التجارية (مكة المكرمة).

۳۱۲- معجم السير للحافظ السلفي.

۳۲۲- معجم الشيوخ للصيداوي، مؤسسة الرسالة، دار الإمام (بيروت).

۳۲۳- معجم الصحابة لابن قانة، مكتبة الغرباء الأثرية (المدينة المنورة).

۳۲۴- مغني المحتاج للشربيني، دار الفكر (بيروت).

۳۲۵- مقتل الشهيد عثمان، دار الثقافة (الدوحة).

۳۲۶- منار السبيل لابن ضويان، مكتبة المعارف (الرياض).

۳۲۷- مناقب الشافعية، دار التراث (القاهرة)

۳۲۸- مواهب الجليل، دار الفكر (بيروت).

۳۲۹- مؤطا مالک، دار إحياء التراث العربي.

۳۳۰- ميزان الاعتدال للذهبي، دار الكتب العلمية (بيروت).

۳۳۱- نسيم الرياض شرح شفاء القاضي عياض.

۳۳۲- نصب الراية، دار الحديث (مصر).

۳۳۳- نفح الطيب للتلمساني، دار صادر (بيروت).

۳۳۴- نقد المنقول لابن القيم، دار القادري (بيروت).

۳۳۵- نهاية الزين للجاوي، دار الفكر (بيروت).

۳۳۶- نوادر الأصول في أحاديث الرسول للحكيم الترمذي، دار الجيل (بيروت).

۳۳۷- نور الإيضاح للشرنبلالي، دار الحكمة (دمشق).

۳۳۸- نيل الأوطار للشوكاني، دار الجيل (بيروت).

۳۳۹- هداية الحيارى لابن القيم، الجامعة الإسلامية (المدينة المنورة).

۳۴۰- هدية العارفين، دارالفكر (بيروت).

۳۴۱- وسيلة الإسلام لابن الخطيب، دار الغرب الإسلامي (بيروت).

۳۴۲- وفيات الأعيان لابن خلكان، دار الثقافة (بيروت).

مصادر و مراجع مترجم

۱– کنز الایمان

۲– تفسیر خزائن العرفان

۳– صحیح بخاری شریف

۴– صحیح مسلم شریف

۵– سنن ابو داؤد

۶– مشکوٰۃ المصابیح

۷– شرح المعانی الآثار

۸– سنن دارمی

۹– دار قطنی

۱۰– صحیح ابن حبان

۱۱– المعجم الکبیر

۱۲– مسند ابو یعلی

۱۳– مسند احمد بن حنبل

۱۴– الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان

۱۵– حصن حصین

۱۶– شرح الصدور

۱۷– المواهب اللدنیه

۱۸– فتح الباری للحافظ ابن حجر

۱۹- اشعة اللمعات

۲۰- الملفوظ

۲۱- المستند المعتمدفی بناء نجاة الابد

۲۲- الروح

۲۳- نیل الاوطار للشوکانی

۲۴- المعتقد المنتقد

۲۵- در مختار

۲۶- رد المحتار

۲۷- جامع الرموز

۲۸- خالص الاعتقاد

۲۹- جواهر اخلاطی

۳۰- مجمع الانهر

۳۱- ذخیرة العقبی

۳۲- فتح القدیر

۳۳- فتاوی عالمگیری

۳۴- الامن والعلی لناعتي المصطفی

۳۵- فتاوی امجدیه

۳۶- مرقاة المفاتیح للملا علی قاری

۳۷- لواقح الانوار فی طبقات الاخیار

۳۸- الحدیقة الندیه شرح الطریقة المحمدیه – شرح الطریقة المحمدیه للعلامه عبد

الغنی

۳۹- الاعلام بقواطع الاسلام للعلامه ابن حجر مکی

۴۰- شرح فقه اکبر للملا علی قاری

۴۱- الصارم المنکی لأبی عبد الله بن احمد بن عبد الهاد تلمیذ ابن تیمیه

۴۲- شرح حیاة الانبیاء لفرید عبدالعزیز الجندی

۴۳- سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح

۴۴- شرح مختصر الوقایه للعلامه عبد العلی

۴۵- الجوهر المنظم فی زیارة القبر النبوی المکرم

۴۶- العطایا النبویه فی الفتاوی الرضویه

۴۷- برکات الامداد لاهل الاستمداد

فہرست مضامین

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات